
خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب
ماہنامہ
آنچل
کراچی
PDF
JANUARY 2018



WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ماہنامہ

حجاب کراچی

جنوری 2018ء کے شمارے کی ایک جھلک

میرے خواب زندہ ہیں — نادیہ فاطمہ رضوی کا سلسلے وار ناول

دل کے دریچے — صدف آصف کا سلسلے وار ناول

شب آرزو تیری چاہ میں — نائلہ طارق کا منفرد سلسلے وا ناول

اس کے علاوہ

یمنیٰ اختر، کرن نعمان، شبانہ شوکت، نگہت غفار
آسیہ مظہر چوہدری و دیگر بہنوں کی خوب صورت تحریریں

قارئین کے ذوق کے عین مطابق مستقل سلسلوں میں پڑھیے

طب نبویؐ، بزم سخن، کچن کارنر، آرائش حسن، عالم میں انتخاب
شوخیٔ تحریر، حسن خیال، ہومیو کارنر، شوبز کی دنیا، ٹوٹکے

پرچہ نہ ملنے کی صورت میں رجوع کریں / (021-35620771/2)

انتباہ

ماہنامہ آنچل کراچی — ماہنامہ نئے افق کراچی — ماہنامہ حجاب کراچی

ان تمام ویب سائٹس، بلاگ کے مالکان اور سوشل میڈیا پر گروپس و پیجز کے مالکان و ایڈمنز کو مطلع کیا جاتا ہے کہ دس دن کے اندر اندر آنچل و حجاب اور نئے افق کی تمام تحاریر اپنے ویب سائٹس، پیجز اور گروپس سے ہٹالیں ورنہ ادارہ نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز ان تمام گروپس اور ویب سائٹس، پیجز کے لیے قانونی چارہ جوئی کرنے کا نا صرف حق رکھتا ہے بلکہ مطلوبہ نوٹس کے بعد ان ویب سائٹس کے خلاف دی گئی مدت کے بعد ایف آئی اے، سائبر کرائم اور کاپی رائٹس کے تحت کسی بھی قسم کی کارروائی کی جاسکتی ہے جس کے لیے ادارہ ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جن ویب سائٹس کو پیشگی اجازت دی گئی تھی ان سے التماس ہے کہ وہ فوری ادارے سے رابطہ کریں تاکہ نئے قواعد وضوابط سے آگاہی حاصل کرسکیں۔

7 فرید چیمبر عبداللہ ہارون روڈ، صدر کراچی

رابطہ: 03008264242



جنوری 2018ء کے شمارے کی ایک جھلک

مرشد: قدم قدم ہنگاموں اور حادثوں کے ساتھ ساتھ پروان چڑھنے والے عشق کی روداد دل گداز، اس نے نزہت جہاں بیگم کے کوٹھے پر آنکھ کھولی، مسلے، مرجھائے گجرے، باسی پھول اور گھنگرو اس کے کھلونے بنے، بدمعاشوں کی دنیا نے اسے مرشد مانا اور پھر......وہ کسی کا مرید ہوگیا......!!

ہم جان: معروف ناول نگار فارس مغل اردو ادب میں ہوا کے ایک جھونکے کی مانند ہیں ان کے لکھنے کا انداز دوسروں سے یکسر مختلف ہے نئے افق کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے ہمیشہ اچھے لکھنے والوں کی پزیرائی کی سو فارس مغل کا ایک انوکھا ناول "ہمجان" نئے افق کے قارئین کے لیے قسط وار حاضر ہے یقیناً قاری اسے پسندیدگی کی سند عطا کریں گے بقول خالد شریف فارس مغل کا قلم معجزے تخلیق کرتا ہے وہ نثر میں شاعری کرتا ہے دہلی انڈیا کے ڈاکٹر نگار عظیم کے مطابق فارس مغل نے ہمجان میں زبان و بیاں کو ایک نیا پیراہن عطا کیا ہے کرافٹ اور تکنیک نے اس موضوع کو کمال کا بنا دیا ہے بقول محمود ظفر اقبال ہاشمی فارس نے ہمجان کی کہانی کو کسی فول پروف پراجیکٹ پلان کی طرح کچھ اس مہارت سے تراشا ہے کہ ناول کے مطالعہ کا تجربہ کسی سپر ہٹ فلم کی طرح لگتا ہے۔

سایہ دیوار: انسان ہر دور میں مجبوریوں کے ہاتھوں بے بس ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ انسان کی آزمائش بھی ہوتی ہے۔ جو آزمائش میں کامیاب ٹھہرتے ہیں، زندگی انہیں نوازتی ہے۔ دوسروں کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے والے لوگ بھی اسی جہاں میں ہیں اور اسی دنیا میں دوسروں کو سہارا دینے والے بھی موجود ہیں۔

برزخ: ایک جری، حسین اور بے باک ساحرہ کی کہانی جو منتخب کرلی گئی تھی برزخ کے باسیوں کے لیے جو مظلوم، مجبور اور ادھورے تھے جنہیں انصاف کی تلاش تھی جو صدیوں سے بھٹک رہے تھے موت کے بعد اور قیامت سے پہلے کے عرصے میں وہ ان کی امیدوں کی ایک کرن تھی۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ



BMA
65 سال سے
سمجھدار ماؤں کا پہلا انتخاب
وِگورین
چلڈرن سیرپ
بچوں کی اچھی صحت
اور بہترین نشوونما کے لیے
ماں پیار اور وگورین یقیناً بہترین
120ml.
VIGURINE
Children Syrup
For Better Health and Growth of Babies

خوب صورت اندازِ تحریر اور منفرد موضوع کے ساتھ

آپ سب کی ہر دل عزیز مصنفہ

ریحانہ آفتاب

عشق دی بازی

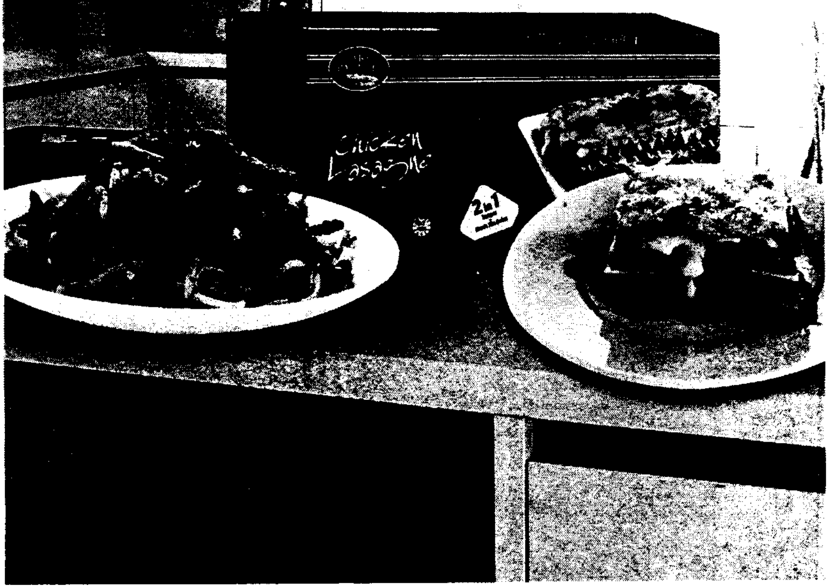
کے ساتھ حجاب کی محفل کو سجانے بہت جلد جلوہ افروز ہو رہی ہیں

رشتوں کو سلجھاتی اور محبت سے گندھی تحریر
آپ سب قارئین کو مدتوں یاد رہے گی

زیادہ نہیں بس تھوڑا انتظار اپنی تحریر کا سحر لے کر آ رہی ہیں


تبت
ٹالکم پاؤڈر
TIBET
اب 3 نئی خوشبوؤں میں دستیاب
TIBET
Classic
TIBET
Select
Talcum Powder
TIBET
Luxury
KOHINOOR CHEMICAL CO. (PVT.) LTD.
KARACHI
کلاسِک
سِلیکٹ
لگژری

TTP/20/2K17



جلد	39
شمارہ	10
جنوری	2018

ماہنامہ آنچل کراچی

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹر
رکن چیمبر آف کامرس

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
www.aanchalpk.com/blog
onlinemagazinepk.com/recipes
f /Naeyufaq Aanchal & Hijab official group
f /women.magazine

نہایت اہم التماس

قارئین انتظار کے لیے معذرت خواہ ہیں لیکن آپ بخوبی واقف ہیں کے دُنیا میں ہر کوئی اپنے کاروبار کے لیے محنت کرتا ہے تاکہ منافع حاصل کر سکے لیکن اگر ہماری وجہ سے کسی کے کاروبار کو نقصان کا اندیشہ ہو تو ہمیں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھیں ہر ڈائجسٹ کے پبلشر بہت محنت کے ساتھ ہر مہینے ڈائجسٹ شائع کرتے ہیں تاکہ وہ مارکیٹ میں فروخت ہو سکے اور اُن کو منافع حاصل ہو سکے لیکن آج کے اس انٹرنیٹ دور میں جب وہی ڈائجسٹ یا رسالہ مارکیٹ میں پوری طرح آنے سے قبل ہی آن لائن پی ڈی ایف میں مل جائے تو مارکیٹ سے خریداری بہت کم رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے پبلشر کا بہت نقصان ہوتا۔ لہذا اس سارے معاملے کو خاطر میں رکھتے ہوئے urdusoftbooks.com کی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کے آئندہ ماہ سے کوئی بھی ڈائجسٹ رواں مہینہ کی 30 تاریخ سے پہلے Upload نہیں کیا جائے گا تاکہ پبلشرز کا نقصان نہ ہو۔

خوشخبری

انشااللہ آئندہ urdusoftbooks.com پر تمام ڈائجسٹ بغیر واٹر مارک کے Upload ہوا کریں گے تاکہ قارعین کو پڑھنے میں دکت کا سامنا نہ کرنا پڑے

قارئین سے مزید درخواست ہے کہ urdusoftbooks.com کے لیے اپنے ویب براوزر سے Adblocker ڈس ایبل کر دیں تاکہ ویب سائٹ پر سپانسر اشتہارات نظر آسکیں اور ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن ہو سکے انہی سپانسر اشتہارات کی آمدن سے ویب سائٹ کے ماہانہ اخراجات پورے کیے جاتے ہیں لہذا آپ کا تھوڑا سا تعاون urdusoftbooks.com کو مستقل آن لائن رکھنے میں بہت مدد گار ثابت ہوگا۔ شُکریہ

اس شمارے میں

ابتدائیہ

دانش کدہ

ہمارا آنچل

سروے سال نو

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

آرٹیکل

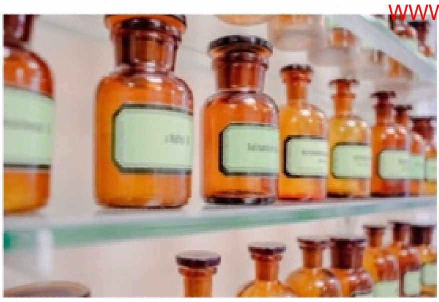
پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر، جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ، کراچی 74400



سرورق: افرا خان ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر...... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200، فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 ایک از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز۔ ای میل info@aanchal.com.pk



Health

دنیا کا سب سے مہنگا زہر جس کی قیمت اربوں روپے میں ہے | World's Most Expensive Poison

computerxtech 0 Oct 03, 2017

اس ایک لیٹر زہر کی قیمت تقریباً ایک ارب 10 کروڑ پاکستانی روپوں کے مساوی ہے۔ دنیا کا سب سے مہنگا زہر بچھوؤں کی ایک (World's Most Expensive Poison) قسم "ل... Readmore

---



Health

بوڑھوں کو جوان بنانے والی سائنس | Old to Young Conversion Science

computerxtech 0 Sep 11, 2017

انسان کے جسم میں خلیوں کی دو سو سے زائد اقسام پائی جاتی ہیں۔ فوٹو : فائلپچھلے سال [illegible] 20... Readmore

---



Health

صحت کے معاملے میں خواتین کی 10 سنگین غلطیاں | Ten Health Mistakes by the Women

computerxtech 0 Sep 11, 2017

خوبصورت نظر آنے کے لیے خواتین دنیا بھر کے جتن کرتی ہیں لیکن اکثر کو شکایت رہتی ہے کہ انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ فوٹو، فائلکراچی: اچھی صحت اور خ... Readmore

---



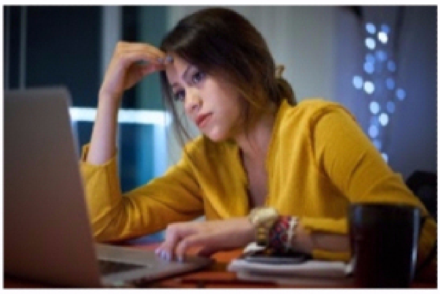
Health

ایسپرین دانتوں کو خرابی سے روک کر انہیں ازخود مرمت کے قابل بناتی ہے | Dental Treatment with Aspirin

computerxtech 0 Sep 11, 2017

کولنزیونیورسٹی کے سائنسدانوں نے انکشاف کیا ہے کہ ایسپرین دانتوں کی حفاظت کرتی ہے۔ فوٹو: فائل لندن: سائنسدانوں نے انکشاف کیا ہے کہ گھروں میں ... Readmore

---



Health News

فکر اور پریشانی سے نجات پانے کے تین آسان طریقے | Three easy ways to eliminate Tension

computerxtech 0 Sep 03, 2017

ماہرین نفسیات نے پریشان خیالی سے چھٹکارا پانے کے تین اہم طریقے بیان کئے ہیں۔ فوٹو: فائل لندن: ماہر نفسیات کے مطابق پریشان اور فکرمندی کی س... Readmore

---



Health News

ادرک جوڑوں کے درد کے لیے اکسیر دوا | Benefits of Ginger

computerxtech 0 Sep 03, 2017

ادرک میں کئی اجزا جلن، درد اور سوزش کو کم کرتے ہیں۔ فوٹو: فائلکراچی: ادرک کے جسمانی و طبی فوائد سے ہم سب بخوبی واقف ہیں اور اب ماہرین نے اس کے اس... Readmore



Interesting News

بچت کرنے کے 7 طریقے | Seven Methods of Savings

computerxtech 0 Oct 13, 2017

پیسہ خرچ کرنا جتنا ضروری ہے، پیسے بچانا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ یہ بچی ہوئی رقم مستقبل میں کسی آڑے وقت میں کام آ سکتی ہے۔ روز بروز بڑھتی مہنگائی ... Readmore



Interesting News

دنیا کے خطرناک روڈ | World's Most Dangerous Roads

computerxtech 0 Oct 02, 2017

دنیا بھر کے خطرناک ترین روڈ میں ایسی گزرگاہیں شامل ہیں جو اپنی تعمیر، محل وقوع، اونچائی، طوالت اور موسم کی وجہ سے عام سڑکوں کی نسبت مختلف ہیں دنیا بھر... Readmore



Interesting News

عرب امارات کے حکمران کروڑوں ڈالر خرچ کرکے زمین پر مریخ بنائیں گے

computerxtech 0 Oct 01, 2017

امارات کی حکومت نے اگلے 100 سال میں مریخ پر انسانی آبادی بسانے کے منصوبے کا افتتاح کردیا۔ فوٹو: حکومتِ بیٹیدبئی: متحدہ عرب امارات کے حکمران 15 ک... Readmore



Interesting News

کیا آپ مریخ پر جانا چاہتے ہیں ؟

computerxtech 0 Oct 01, 2017

مریخ ایک ایسا سیارہ ہے جہاں کہا جاتا ہے کہ پانی کی موجودگی ہوسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرخ سیارہ انسان کی دلچسپی کا سبب بن چکا ہے فوٹو: فائلانسان چاند پر... Readmore



Interesting News

مریخ کے بارے میں 11 حیرت انگیز معلومات

computerxtech 0 Oct 01, 2017

خلائی کھوجیوں کی بڑی تعداد مریخ پر بھیجی گئی ہے اور امید ہے کہ اگر زمین کے علاوہ زندگی اسی سیارے پر ممکن ہے۔ فوٹو، فائلکراچی: زمین کے بعد مریخ عا... Readmore



Interesting News

اے ٹی ایم استعمال کرنے والے اسے ضرور پڑھیں اور فراڈ سے بچیں

computerxtech 0 Sep 24, 2017

سائبر لٹیرے اے ٹی ایم میں تبدیلی کرکے بھی آپ کو قیمتی سرمائے سے محروم کرسکتے ہیں۔ (فوٹو: فائل)کراچی: پورے ملک میں نقد رقم نکلوانے کے لیے آٹو ٹیل... Readmore

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم میں کوئی شخص صرف ایک پاؤں میں جوتا پہن کر نہ چلے یا دونوں پاؤں ننگا رکھے یا دونوں میں جوتا پہنے۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس:72، جلد:7، حدیث:747)

سرگوشیاں

مدیرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جنوری ۲۰۱۸ء کا آنچل حاضرِ مطالعہ ہے۔

تمام لکھاری اور قاری، بہنوں کو شمسی سال نو مبارک ہو آئیں ہم سب مل کر رب کعبہ کے حضور دست دعا دراز کریں کہ آنے والا سال وطنِ عزیز، قوم اور تمام عالمِ اسلام کے لیے رحمتوں، برکتوں اور اسلام کی سربلندی کا باعث بنے، متحدہ روس کی مانند امریکی غرور کا سر بھی نیچا ہو، آمین۔ امریکی صدر نے جس تکبر اور غرور سے پہلے اسرائیل کی سرپرستی کرتے ہوئے مسلمانوں کے قبلۂ اول کو اسرائیل کا دارالحکومت بنانے کا اعلان کیا ہے اس سے جہاں یہ بات پائے تکمیل کو پہنچ رہی ہے کہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ خود بھی یہودی نژاد ہے اور اس کے انتخاب میں یہودی لابی نے اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا اس لیے بھی غالباً اس نے اس احسان کا بدلہ مسلمانوں پر اسرائیلی بلا منڈھ کر چکایا ہے، آئیں سب مل کر دعا کریں کہ مسلمانوں کا وقار اللہ سبحان وتعالیٰ اپنی رحمت وکرم سے بحال کرے اور دشمنانِ دین اسلام کو نیست و نابود کردے آمین۔

رسم دنیا بھی ہے، موقع بھی ہے، دستور بھی ہے کہ مصداق نئے سال کی مبارک باد قبول کیجیے یوں تو ہم سب مسلمان ہیں اور ہمارا وطن اسلامی مملکت ہے تو ہمیں تو نئے قمری سال کی ابتدا پر ہی مبارک باد دینا چاہیے۔ تمام قاری بہنوں کا شکریہ جنہوں نے آنچل کو پسند کیا اور اپنی محبتوں اور چاہتوں سے نوازا۔ موسم روز بروز سرد سے سرد ہوتا جارہا ہے، ایسے میں اپنی تمام بہنوں سے گرم جوشی اور ان کے تعاون کی درخواست ہے ان شاء اللہ جلد ہی آنچل چالیس سال کا ہوجائے گا اس کے سال گرہ نمبر کے لیے لکھنے والی تمام بہنوں سے خصوصی درخواست ہے کہ وہ اپنی تحریروں سے جلد نوازیں تاکہ پرچہ بروقت تیار ہوسکے، اللہ سبحان وتعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو آمین۔

اس ماہ کے ستارے

یاسمین نشاط، اُم ایمان قاضی، صدف ریحان گیلانی، حیاء بخاری، ماورا طلحہ، صدف آصف، نادیہ فاطمہ رضوی، خدیجہ جلال، قرۃ العین سکندر، راشدہ رفعت، کشور سلطانہ۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آراً

حمد

رقص میں حسرت وجد میں ارماں بزم تمنا جھوم رہی ہے
حمد خدا کے گیت چھڑے ہیں مست ہے دنیا جھوم رہی ہے

صبح کی حسن افروز فضا میں جلوے ہی جلوے بکھرے پڑے ہیں
کاہکشاں کا باندھ کے سہرا شام تمنا جھوم رہی ہے

نقش و نگار صحن گلستاں رنگ و جمال فضل بہاراں
صنعت رب کا دیکھ کے نقشہ چشم تماشا جھوم رہی ہے

سبزہ و گل فردوس بداماں شز مہر بکف ذرات پریشاں
گود میں بزمِ نور کو لے کر وسعت صحرا جھوم رہی ہے

لب پہ ترنم چاند ستارے ساز بکف یہ نور کے دھارے
عالم وجد و کیف میں فطرت چھیڑ کے نغمہ جھوم رہی ہے

رنگ نظام بزم دو عالم یہ حکمت یہ حسن سلیقہ
وصف خدا کی دھن میں ازل سے محو ہے دنیا جھوم رہی ہے

اوج فلک پر حد نظر تک نور کے عبرت پھول کھلے ہیں
چاند ستاروں کی محفل میں مست ہے زہرا جھوم رہی ہے

جناب عبرت صدیقی

نعت

کاش یہ دعا میری معجزے میں ڈھل جائے
سامنے مدینہ ہو اور دم نکل جائے

ہم گناہ گاروں پر آپ جو کرم کردیں
ہم گناہ گاروں کی زندگی بدل جائے

واسطہ نواسوں کا صدقہ غوثِ اعظم کا
آفت و بلا ساری میرے سر سے ٹل جائے

اے مرے سخی داتا میری سوئی قسمت بھی
آپ کے اشارے سے یا نبی ﷺ بدل جائے

پنجتن کے صدقے میں ہو لحد مدینے میں
ہو کرم جو محسن پر زندگی بدل جائے

جناب محسن میمن

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

درجوابِ آں

مدیرہ

نازیہ کنول نازی...... ہارون آباد

ڈیئر نازیہ! سدا سہاگن رہو آپ کے والد کی علالت کا جان کر دعاگو ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ انہیں کامل صحت وتندرستی عطا فرمائے اور ان کا سایہ آپ کے سر پر تادیر قائم و دائم رکھے آمین۔ بے شک یہ ایک مشکل مرحلہ ہے کہ شوہر اور گھر کی ذمہ داری کے ساتھ آپ والد محترم کو بھی وقت دے رہی ہیں اس میں اجر بھی ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کے لیے آسانی فرمائے آمین۔ قاری بہنوں سے بھی دعا کی ملتمس ہے۔

عشنا کوثر سردار...... کراچی

بہن عشنا! خوش رہو آپ کی خالہ اور چچازاد بھائی کی رحلت کا جان کر دلی افسوس ہوا اللہ سبحان وتعالیٰ مرحومین کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ اس دکھ میں ادارہ آپ کے ساتھ برابر شریک ہے۔ قاری سے بھی دعائے مغفرت کے ملتمس ہیں۔

ارم کمال...... فیصل آباد

ڈیئر ارم! سدا آباد رہو آپ سے نصف ملاقات بے حد اچھی لگی آپ کا شمار ہماری دیرینہ قارئین اور مخلص دوستوں میں ہوتا ہے اس لیے آپ کو ہرگز نہیں بھول سکتے۔ نئے سال کی آمد پر آپ کے لیے بھی ڈھیروں دعائیں اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعاگو ہیں آپ کی بیٹی کے تمام معاملات میں آسانی عطا فرمائے آمین۔

ثانیہ جہاں...... ڈسکہ

عزیزی ثانیہ! سدا مسکراؤ آپ کے خط کے ذریعے والدہ کی علالت اور پھر ان کی رحلت کے متعلق جان کر بے حد دکھ ہوا۔ بے شک یہ لمحات اور جدائی بے حد تکلیف دہ ہوگی۔ ماں کے دم سے ہی گھر کی رونق اور زندگی کی چہل پہل ہوتی ہے ہماری دعائیں آپ کے ہمراہ ہیں اللہ سبحان وتعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور دیگر اہل خانہ کو صبر و ہمت عطا فرمائے آمین۔

بنت مریم...... دنیا پور

ڈیئر مریم! جگ جگ جیو پہلی بار بزم آنچل میں شرکت پر خوش آمدید آنچل کی پسندیدگی اور ان تعریفی کلمات کے لیے مشکور ہیں۔ بے شک ہمارا مقصد بھی اصلاح اور رہنمائی کا ہی ہے کہانی کے پیرائے میں پڑھنے والوں کے لیے ایک پیغام چھپا ہوتا ہے جب قارئین اس بات کو سمجھتے ہیں اور اسے زندگی میں اپناتے ہیں تو بے حد اچھا لگتا ہے۔ ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ ہر چیز آپ کے معیار کے مطابق ہو جس بات کی نشاندہی آپ نے کی ہے اس پر بھی ضرور غور کیا جائے گا آئندہ بھی شریک محفل رہیے گا۔

فاطمہ مشہد...... ستیانہ روڈ، فیصل آباد

ڈیئر فاطمہ! ہنستی مسکراتی رہو نیرنگ خیال میں آپ کی شاعری چھپ گئی خوشی کی بات ہے البتہ شکریہ کی ضرورت نہیں اور یہ بات ذہن میں رکھیں جب چیز منتخب ہوجاتی ہے تو ایک دن ضرور لگ بھی جاتی ہے چاہے انتظار کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو ایک نہ ایک دن صفحہ قرطاس کی زینت بن ہی جاتی ہے جیسے کہ آپ کے ساتھ ہوا جب آپ مایوسی کی انتہا پر تھیں تو خوشی کی بھی انتہا ہوگی بہرحال آپ دیگر نگارشات ارسال کرتی رہا کریں جلد یا بدیر منتخب ہونے کے مرحلے سے گزر کر اشاعت کا مرحلہ ہی آتا ہے امید ہے اس مفصل جواب کے بعد کوئی ابہام نہیں رہا ہوگا۔

مدیحہ سعید...... نامعلوم

ڈیئر مدیحہ! سدا شاد رہو آپ کا مفصل خط تعارف اور قلمی سفر کا آغاز سب پڑھ ڈالا۔ بے حد اچھا لگا آپ کا اپنائیت سے بھرپور مخلص انداز آپ نے تمام رائٹرز کو پڑھا ہے اچھی بات ہے۔ ہر لکھنے والے کا اپنا انداز اور اپنا مزاج ہوتا ہے جسے کوئی بھی بدل نہیں سکتا سمیرا کی بھی اپنی مصروفیات ہیں بہرحال آپ ہرٹ ہوئیں تو ضرور کوئی بات ہوگی۔ آپ کا ناولٹ ”برف کا شہزادہ“ پڑھنے کے بعد اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے۔ خط کے ذریعے آپ کے بھائی کی رحلت کا جان کر بے حد افسوس ہوا بے شک آپ کی ماں کے لیے اپنی اولاد کی جدائی کا یہ صدمہ نہایت تکلیف دہ ہے۔ اپنی جوان جہاں اولاد کو اپنے ہاتھوں سپرد خاک کرنا بے شک بڑے صبر و حوصلے جیسے الفاظ یہاں اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں لیکن ہمیں اللہ کی رضا میں راضی رہنے کے لیے صبر و شکر اختیار کرنا ہی ہوتا ہے اور یہ آزمائش بھی تو اس کے خاص بندوں کے لیے ہوتی ہے اور ضرور آپ کی والدہ بھی ان شاء اللہ اس آزمائش میں کامیاب رہیں گی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کے بھائی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور آپ کی والدہ کو صبر و استقامت عطا فرمائے آمین۔

شازیہ الطاف ہاشمی...... شجاع آباد

پیاری شازیہ! سدا مسکراتی رہو' اپنی مصروف زندگی سے وقت نکال کر آپ جس طرح ہم سے رابطے میں رہتی ہیں بے حد خوشی ہوتی ہے اب بھی رات کے گیارہ بجے اپنے بچوں کو سلا کر ہم سے ملاقات کے لیے حاضر ہیں' بے حد اچھا لگا۔ آپ کا افسانہ "طوفان" منتخب ہوگیا ہے' آپ ناول و باقی نگارشات ارسال کردیں ہم وقتاً فوقتاً شائع کردیں گے۔ انتظار کا عالم تو سب کے لیے یکساں ہے کوشش یہی ہوتی ہے کہ سب کو جلد از جلد موقع دیا جائے امید ہے آئندہ بھی شرکت کرتی رہیں گی۔

شزا بلوچ...... جھنگ صدر

ڈیئر شزا! خوش رہو' سب سے پہلے تو یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ بھی برسرروزگار ہوگئی ہو اور گورنمنٹ جاب بھی مل گئی ہے۔ بے شک یہ تو حقیقت ہے گھریلو مصروفیات کے ساتھ پیشہ وارانہ ذمہ داری سنبھالنا ایک مشکل مرحلہ ہے' آپ کی مصروفیات کا اندازہ ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کو مزید کامیابیوں سے نوازے' آمین' نگارشات وقتاً فوقتاً شامل ہوتی رہیں گی۔

شگفتہ خان...... پھلوال

ڈیئر شگفتہ! سدا شاد رہو' یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ دو سال کی مصروفیات کے بعد بالآخر آپ ایم فل کرنے میں کامیاب رہیں' جاب کے ساتھ دیگر ذمہ داریاں بھی ہیں یقیناً مصروفیات بھی اپنے عروج پر ہوں گی۔ بھائی کی شادی کی ڈھیروں مبارک باد قبول فرمایئے جب تک یہ سطور آپ کی نظروں سے گزریں گی تب تک تو آپ دلہن بھی گھر لا چکی ہوں گی اور جلدی سے بھائی کی شادی کا احوال لکھ کر حجاب کے لیے بھیج دیں' اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کو بہت سی خوشیوں سے نوازے آمین۔

انعم زہرہ...... ملتان

ڈیئر انعم! سدا مسکراتی رہو' بے شک ماں کے قدموں میں اسی لیے تو جنت رکھی گئی ہے کہ وہ اپنی اولاد کے ہر دکھ و خوشی سے واقف ہوتی ہے' چہرے کے اتار چڑھاؤ سے دل کی گہرائیوں کا حال بھی بخوبی جان لیتی ہے اس لیے کہ وہ ماں ہے۔ اگر آپ کی والدہ بھی آپ سے خوشی اور مسکراہٹ کی متقاضی ہیں تو آپ کو ضرور ان کی بات ماننی چاہیے۔ بیتے لمحات کو یاد کرکے اذیت جھیلنے سے بہتر ہے کہ ایسے وقت میں خود کو ذکر و اذکار میں مصروف کرلیا جائے' درود شریف پڑھ لیا کریں۔ بے شک یادیں اچھی ہوں یا بری اتنی آسانی سے ساتھ نہیں چھوڑتیں اور نہ ہی بھولنا آسان ہوتا ہے لیکن اللہ سبحان وتعالیٰ سے ناطہ جوڑ کر دنیا کے مکروفریب سے بچنے کی کوشش تو کی جاسکتی ہے اور وہ شعر جو آپ نے رات کے لمحات میں پڑھا وہ آپ کا ہی تھا جب کسی بھی سلسلے پر کسی بہن کا نام نہیں ہوتا تو اکثر بنت حوا کے عنوان سے اسے شائع کردیا جاتا ہے امید ہے ساری بات سمجھ جائیں گی۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اس سال وہ آپ کا دامن اتنی خوشیوں سے بھر دے کہ غموں کا کوئی گزر نہ رہے آمین۔

ماہم نور انصاری...... حیدر آباد

عزیزی ماہم! جیتی رہو' تمام شاعری جو بھی نیرنگ خیال کے لیے آتی ہے متعلقہ شعبے میں ارسال کردی جاتی ہے' منتخب ہونے اور لگنے کی باری وہیں طے ہوتی ہے بہرحال اگر آپ کی شاعری منتخب شدہ لسٹ میں ہوگی تو ضرور شائع ہوجائے گی البتہ ہم اپنی کوشش ضرور کریں گے کہ آپ کا نام جلد شامل ہوسکے آپ دیگر نگارشات وغیرہ بھی ارسال کرسکتی ہیں تاکہ ایک سلسلے میں نہیں تو کسی دوسرے سلسلے میں آپ کا نام شامل ہوسکے۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

ڈیئر مدیحہ! سدا سہاگن رہو' سال نو کی آمد پر آپ کو بھی ڈھیروں مبارک باد۔ یکم جنوری کو آپ کی سال گرہ ہوتی ہے ہماری طرف سے ڈھیروں مبارک باد' اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو زندگی کی بہت سی خوشیاں عطا فرمائے اور اپنے نیک بندوں میں آپ کا شمار فرمالے' آمین۔ چھوٹے بھائی کی شادی کے حوالے سے بے شک بہت سی مصروفیات ہوں گی اور چونکہ دسمبر کی چھٹیاں بھی ہوں گی تو بھرپور طریقے سے انجوائے بھی کریں گی اور شادی کے بعد شادی کا احوال حجاب کے لیے لکھ بھیجئے گا' اللہ سبحان وتعالیٰ ہمیشہ خوشیوں سے نوازے آمین۔

نور شال...... نامعلوم

ڈیئر نور! سدا خوش رہو۔

گئی رتوں اور گزرے ماہ و سال کی طرح ہم نے
اب کی بار پھر نیا سال "آنچل وحجاب" کے سنگ منانا ہے

آپ کا لکھا یہ شعر بے حد پسند آیا اسی لیے سوچا کہ قارئین کو بھی پڑھا دیا جائے' افسانہ منتخب ہوگیا ہے تو پھر جلد لگ بھی جائے گا اور آپ کا افسانہ جب بھی چھپے گا آپ کو اعزازی کاپی بھی فراہم کی جائے گی یعنی آپ گھر بیٹھے اپنا افسانہ پڑھ سکیں گی۔ ایسا نہیں ہوگا کہ کہانی چھپ جائے اور آپ کو علم نہ ہو' سال نو کے حوالے سے جو تحریر بھیجی ہے وہ جلد پڑھنے کے بعد اپنی رائے سے آگاہ کردیں گے اگر آنچل کے معیار کے مطابق ہوا تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی' امید ہے اب تشفی ہوپائے گی۔

اُم فروا...... منڈی بہاؤ الدین

ڈیئر فروا! سدا آباد رہو آپ کی ارسال کردہ تحریر ''کالی زبان'' پڑھ ڈالی موضوع اور انداز تحریر دونوں میں ہی بے حد کمزوریاں نظر آئیں ابھی آپ دیگر مصنفین کا بغور مطالعہ کریں حالات وواقعات کا عمیق مشاہدہ کرنے کے بعد کسی اور موضوع کا انتخاب کریں اگرچہ اس میں آپ نے اصلاح کا پہلو رکھا ہے لیکن کہانی مجموعی طور پر دلچسپی اور دلکشی سے خالی تھی۔ امید ہے آئندہ ان باتوں کو پیش نظر رکھ کر قلم اٹھائیں گی۔

نادیہ تبسم...... ڈسکہ

پیاری نادیہ! جگ جگ جیو آپ کی نگارشات موصول ہوئیں لیکن آنچل تکمیل کے مراحل میں تھا اس لیے سنبھال کر رکھ لیں، کوشش تو یہ ہی ہوتی ہے کہ سب کو جگہ دی جائے لیکن دیر سے موصول ہونے والی ڈاک آئندہ ماہ تک کے لیے سنبھال کر رکھ دیتے ہیں۔ دوست کے پیغام کے لیے ہر ماہ کی پانچ تاریخ تک ڈاک مل جائے تو آنچل میں جگہ بنا لیتی ہے اس لیے آئندہ خیال رکھیے گا۔

شبنم حنیف...... لاہور

ڈیئر شبنم! مسکراتی رہو آپ کی تحریر ''وہ ایک پل اور لالچ'' موصول ہوئی اور پڑھ ڈالی انداز تحریر اور موضوع دونوں ہی کمزور تھے جس کی بناء پر تحریر قبولیت کا درجہ حاصل کرنے میں ناکام ٹھہریں۔ مطالعہ کے ساتھ مشاہدے کو وسیع کریں تاکہ لکھنے میں بہتری آسکے امید ہے دل برداشتہ ہونے کے بجائے کوشش جاری رکھیں گی۔ باقی نگارشات تاخیر سے موصول ہونے کے باعث سنبھال رکھی ہیں حجاب یا آنچل میں شامل کرلی جائیں گی۔

اقرأ لیاقت...... حافظ آباد

ڈیئر اقرأ! سدا آباد رہو آپ نے یہ کیونکر اندازہ لگایا کہ ہم نے آپ کی کمی کو محسوس نہیں کیا، آپ تو جب چاہے رابطہ کرسکتی ہیں جبکہ ہم تو صرف آپ کی نصف ملاقات کے ہی منتظر رہتے ہیں، آپ کی دادو کی وفات کے متعلق جان کر بے حد دکھ ہوا، بے شک انہوں نے آپ کو ماں بن کر پالا اور ماں کی کمی بھی محسوس نہ ہونے دی تو اب ان کی دائمی جدائی کا صدمہ آپ کے لیے بے شک بہت گہرا اور تکلیف دہ ہوگا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ آپ کے آرٹیکل جلد حجاب کی زینت بن جائیں گے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔

انیلہ طالب...... گوجرانوالہ

ڈیئر انیلہ! شاد رہو، ہمیں آپ کے قلمی سفر اور آپ کی کامیابیوں کا بخوبی اندازہ ہے بے شک وہاں سے آپ کو مثبت جواب ملا ہوگا اور کہانیاں بھی منتخب کرلی گئی ہوں گی لیکن ہر کسی کا الگ مزاج و انداز ہوتا ہے آپ کی جو تحریریں آنچل وحجاب کے مطابق تھیں وہ منتخب بھی ہوئیں اور ان شاءاللہ شامل بھی کرلیں گے۔ مہینہ کا کنفرم نہیں بتا سکتی، ہاں افسانہ شائع ہونے پر اعزازی پرچا آپ کو مل جائے گا، اس لیے آپ کو زحمت نہیں ہوگی امید ہے تشفی ہوپائے گی۔

مشی خان سواتی...... مانسہرہ

ڈیئر مشی! سدا ہنستی رہو نظم کی اشاعت پر شکریہ کی ضرورت نہیں ہاں البتہ باری آنے کا انتظار کرنا پڑتا ہے اور جب چیز منتخب ہوجائے تو باری بھی کبھی نہ کبھی آ ہی جاتی ہے۔ آئندہ بھی آپ مزید شاعری بھیج سکتی ہیں، آپ کی تجویز نوٹ کرلی ہے آپ کو بھی سال نو کی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

طوبیا افشین...... نامعلوم

ڈیئر طوبیا! آباد رہو آپ نے کہانی کے ریجیکٹ ہونے کی وجہ پوچھی تو اس بار جو کہانی ارسال کی ہے اس کے ناقابل اشاعت ہونے کی وجہ انداز تحریر کی کمزوری اور موضوع میں دلچسپی اور دلکشی مفقود ہے۔ کسی اور موضوع پر قلم اٹھائیں لیکن پہلے مطالعہ کو وسیع کریں جب لکھنے کا انداز بہتر ہوگا تو موضوع میں بھی جان پیدا ہوجائے گی انفرادیت کا خیال رکھیں، امید ہے آئندہ ان باتوں کو پیش نظر رکھیں گی۔

رباب کنول انصاری...... حیدر آباد

ڈیئر رباب! جیتی رہو بزم آنچل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔ آنچل کی پسندیدگی کے لیے مشکور ہیں، آپ کی بہن ہمارے یہاں اکثر و بیشتر اپنی تحریریں و نگارشات ارسال کرتی ہیں آپ بھی آنچل فیملی کا حصہ بن سکتی ہیں، دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

عنزہ یونس...... حافظ آباد

پیاری عنزہ! جگ جگ جیو آپ کے خط کے ذریعے آپ کی نانو اور ماموں کی رحلت کا جان کر بے حد صدمہ ہوا، اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور آپ سمیت دیگر اہل خانہ کو صبر و استقامت عطا فرمائے، آمین۔ آرٹیکل جلد لگانے کی کوشش کریں گے، نیرنگ خیال کے لیے آپ کی شاعری متعلقہ شعبے میں بھیج دی ہے باری آنے پر ضرور لگ جائے گی اور ہاں اگر چیز معیاری ہوگی تو کیونکر رد ہوگی اس لیے اس شعر کی ضرورت نہیں۔

سلیقے سے رد کیجیے

چاہیے بے حد کیجیے
اگر آپ کی ٹیچر نے آپ کے کلام کو پسند کیا ہے تو امید ہے قارئین بھی اسے سراہیں گے۔ آپ جلد اپنے کلام کو آنچل کے صفحات پر دیکھ سکیں گی۔ کالج لیول میں ہونے والے شاعری مقابلے میں آپ کو پہلا انعام ملا ہماری جانب سے ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ سبحان وتعالیٰ مزید کامیابی عطا فرمائے آمین۔

سیما بنت عاصم...... کراچی
ڈیئر سیما! سدا آباد رہو آپ کی خالہ کی رحلت کا جان کا بے حد افسوس ہو اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ان کی کامل مغفرت فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

نسرین اختر نینا...... لاہور
پیاری نسرین! سدا مسکراتی رہو کسی بھی معیاری چیز کو رد کرنا مصنفہ کے ساتھ ہی نہیں اپنے ساتھ بھی ناانصافی ہوگی کیونکہ اس پلیٹ فارم سے ہم سب جڑے ہیں بس اشاعت میں تاخیر ضرور ہو جاتی ہے۔ کوشش ضرور کریں گے کہ آپ کی تحریر جلد حجاب یا آنچل کے صفحات پر جگہ بنالے۔ تحریر کی اشاعت پر شکریہ کی قطعاً ضرورت نہیں بلکہ قلم کا تعاون برقرار رکھیں۔

وزیہ ظفر...... نامعلوم
ڈیئر وزیہ! جیتی رہو آپ کی ارسال کردہ دونوں تحریریں پڑھ ڈالیں۔ ”دھوکہ“ ملازمہ کے چوری کرنے کے حوالے سے لکھی آپ کی یہ تحریر ناقابل اشاعت رہی بوجہ انداز تحریر کی کمزوری اور موضوع کا منفرد نہ ہونا ٹھہرا البتہ دوسری تحریر ”حماقت“ قدرے بہتر ہے بہت سی جگہوں پر کانٹ چھانٹ اور اصلاح کی ضرورت ہے آپ لکھنے کے ساتھ ساتھ مطالعے پر بھی بھرپور توجہ دیں تاکہ یہ کمزوریاں اور خامیاں ازخود دور ہو جائیں۔

سعدیہ سلیم...... شجاع آباد
ڈیئر سعدیہ! سدا مسکراؤ ”آخر کب تک“ کے عنوان سے آپ کی تحریر موصول ہوئی خط کے ذریعے آپ کے قلمی سفر کے متعلق بھی علم ہوا کہ کیسے آپ میں لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ آپ کی سابقہ تحریریں اگر رد ہوئیں تو وجہ انداز تحریر میں پختگی مفقود تھی اور موجودہ تحریر میں بھی یہی خامی ہے پھر موضوع بہت روایتی سا ہے وہی چوہدری کا عامیانہ انداز اور جہالت۔ بے شک یہ ہمارے معاشرے کی تلخ حقیقت ہے لیکن انداز میں دلچسپی نظر نہیں آرہی آپ فی الحال افسانے کی صنف پر توجہ دیں اور مطالعہ وسیع کریں۔ پڑھنے سے لکھنے میں بہتری آئے گی اور رہنمائی بھی ملے گی اس کے بعد کسی مختصر موضوع کو قلم بند کرتے ارسال کردیجیے۔ امید ہے اس ناکامی کو کامیابی کا زینہ بنائیں گی۔

قابل اشاعت:۔
ہار میں جیت، محبوب آپ کے قدموں میں ایک بار کرو میرا اعتبار، چھوٹا چاند شب آرزو کا چاند مسافت، زرد محبت، اکیسویں صدی اور مشرقی استاد، وہ تیرے بنا اب جینا ہے، درد کوئی تو بتائے، خواب کی کرچی، ادھورا قصہ، قاصد، پاگل لڑکی، نگاہ سوک کا اجرا، بھٹکے لوگ

ناقابل اشاعت:۔
میں ٹوٹ کے رویا ہوں، پرفیوم، دیکھا ایک خواب تو یہ سلسلے ہوئے، دشت زیست، پیغام عام، آخر کب تک، دس بجے کے بعد، مکافات عمل، اپسرا، ادھوری گواہی، پاگل، وہ ایک پل، رشتہ تقدس، جواب، محبت کا احساس اپنوں کا، وہ میرا خواب تھا، نصیب محبت، دھوکہ، بڑھتی دوریاں، بنت حوا، حقیقی خوشی، فیصلہ، وہ جو لا حاصل تھا، میلی نظر، آخر کب تک، پیرس، کالی زبان، فالتو کوئی نہیں، امیر تو ہے غریب میں ہوں، لالچ، طلاق یافتہ، بنجر زمین، دادی پوتا اور مہرو۔

مصنفین سے گزارش
☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔
☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔
☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔
☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابلِ اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔
☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔
☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔
☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔ 7، فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

دانش کدہ

الکوثر

مشتاق احمد قریشی

معراج کے اس مبارک موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے آسمان پر وہ تمام مناظر دکھا دیئے جو اللہ کی نافرمانی کرنے شرک وکفر کرنے اور احکام الٰہی سے بغاوت کرنے کے جرم میں دیئے جائیں گے۔ یہ مناظر دراصل دوزخ کے مناظر تھے کیونکہ پہلے آسمان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقاتیں حسب مراتب پیغمبران کرام علیہ السلام سے ہوئیں۔ وہاں پہلے آسمان کی مانند کسی کو زیر عتاب زیر سزا نہیں دیکھا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کے روزِ حساب یعنی آخرت سے قبل ہر انسان اپنے اچھے برے اعمال کے مطابق اپنی دنیاوی پسندیدہ زندگی کے مطابق جزا وسزا کے عالم میں اپنا بقایہ وقت گزارے گا جب تک قیامت واقع نہیں ہوجاتی اور میدانِ حشر آراستہ نہیں ہوجاتا تمام انسان دنیا میں اپنے کیے ہوئے اعمال کے مطابق جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے مبارک موقع پر دیکھایا گیا زندگی گزاریں گے معراج النبیصلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت اور دانائی اقتدار وقوت کے اظہار کے ساتھ ساتھ تمام انسانیت پر یہ واضح کرنا بھی ہے کہ دنیا میں کیے گئے اعمال وافعال کا ہمیں کیسا اور کتنا صلہ ملے گا تاکہ انسانوں میں خصوصاً اُمت مسلمہ میں خوفِ الٰہی پیدا ہو اور وہ ہر وقت اپنے اعمال وافعال سے چوکنا رہے اور کسی بھی لمحے شیطان کے بہکائے میں آکر کسی غلطی کے مرتکب نہ ہوں اور ہر لمحہ ہر آن اپنی آخرت کی خیر مناتے رہیں اور اللہ کے احکام پر پوری پابندی سے عمل پیرا رہیں۔ کیونکہ انسانی نفسیات میں یہ بات شامل ہے کہ اگر ہمیں اپنے کام کے صلے کی خبر نہ ہو تو ہم وہ کام دل جمعی سے نہیں کرتے اور اگر ہمیں یہ بات معلوم ہو کہ ہم جو عمل کررہے ہیں اگر اسے نہ کیا تو ہمیں کتنی اور کیسی سزا مل سکتی ہے کیسا نقصان ہوسکتا ہے اور اگر کام کرلیا تو ہمیں کیسا انعام اور کیسی جزا ملے گی۔ انسان کی فطرت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انسان کسی بھی کام کو دو طرح سے انجام دیتا ہے یا تو اسے کسی کا یا کسی طرح کا خوف ہو یا پھر اسے اس کام کرنے کا شوق ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تمام اہلِ ایمان کو واقعہ معراج کے ذریعے یہ بات سمجھائی ہے۔ اب یہ سوچنا سمجھنا اور اللہ سے ڈرنا اور برے بد اعمال سے بچنا نیک اور اچھے اعمال کرنا ہماری ذمہ داری ہے جبکہ ہم جان چکے ہیں کہ ہماری لاپروائی بداعمالی ہمیں کس عذاب سے دوچار کرسکتی ہے۔ یہی معراج کی روح ہے۔ یہ دنیا انسانوں کے لیے ایک امتحان گاہ بھی اور دائمی زندگی اختیار کرنے سے پہلے زندگی گزارنے کا طریقہ طے کرنے کی جگہ بھی ہے۔ جس طرح کی زندگی ہم اس دنیا میں اختیار کریں گے ویسی ہی زندگی بھی دائمی طور پر روزِ آخرت حساب کتاب کرکے دے دی جائے گی۔ جیسی تیاری ہم نے اس دنیا میں کی ہوگی ویسی ہی زندگی ہم انسان عالمِ برزخ میں گزاریں گے۔ جس کا احوال واقعہ معراج کے ذریعے تمام امت کے سامنے پیش کردیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ ذمہ داری اہلِ ایمان کی ہے کہ وہ نماز میں سستی نہ کریں اور جماعت ترک نہ کریں۔ زکوٰۃ پوری ادا کریں اور صدقات وخیرات کا اہتمام کریں میاں بیوی ہونے کے باوجود دوسری عورتوں مردوں کے ساتھ زنا نہ کریں کسی پر لعن طعن نہ کریں اور امانت میں خیانت نہ کریں کسی کی غیبت نہ کریں جھوٹی خوشامد نہ کریں اور نہ جھوٹی گواہی دیں اور سود سے قطعی پرہیز کریں عورتیں اپنے شوہروں کی نافرمانی نہ کریں منافقت نہ اختیار کریں اولاد ماں باپ کی نافرمانی نہ کرے کیونکہ ان سب کا احوال پہلے ہی آسمان پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا یہ عمل خالصتاً امتِ مسلمہ کی اصلاح وفلاح کے لیے ہے تاکہ وہ اس سے نصیحت حاصل کریں اور برائیوں اور برے اعمال

سے بچیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر وہاں سے ہم آگے بڑھے تو ایک وسیع میدان نظر آیا۔ اس سرسبز اور شاداب میدان میں ہر طرف مشک وعنبر کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی اور ایک آواز بار بار آ رہی تھی۔ ''یاالٰہی جو وعدہ تو نے مجھ سے کیا وہ پورا کر۔''

جبرائیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا اسرار ہے تو انہوں نے بتایا کہ یہ خوشبو بہشت سے آ رہی ہے۔ جہاں طرح طرح کی نعمتیں ہیں۔ باغ، پھل، پھول رنگ برنگ کے خوش ذائقہ ہوتے ہیں۔ بہشت میں چاندی، سونے، یاقوت اور مروارید کے مکان بنے ہیں۔ یہ آواز بہشت سے آ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آواز کے جواب میں فرماتا ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے گا۔ قرآنِ حکیم اور حدیث کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلے گا اور خود کو شرک اور بدعت سے بچائے رکھے گا۔ اسے تجھ میں (بہشت) داخل کیا جائے گا پھر اس کے جواب میں جنت کہتی ہے۔ ''میں راضی ہوں۔'' یکایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کے سامنے سے پردہ اٹھا اور جنت آپ کے سامنے عیاں ہوگئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد ہم ایک میدان میں پہنچے۔ وہاں سخت بدبو پھیلی ہوئی تھی اور چیخ پکار اور گریہ زاری کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جب جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ بدبو دوزخ سے آ رہی ہے اور یہ آوازیں ان دوزخیوں کی ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہیں۔ وہ طوق وزنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں اور جب وہ جنبش کرتے ہیں تو زنجیریں اور لوہے کے طوق بجتے اور کھڑکھڑاتے ہیں۔ ان آوازوں میں سانپ اور بچھوؤں کی آوازیں بھی شامل ہیں جو ان کے جسم سے چمٹے ہوتے ہیں اور انہیں کاٹ رہے ہیں۔ ڈس رہے ہیں۔ دوزخ اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہی ہے کہ اے خداوند تو نے وعدہ کیا تھا کہ تو دوزخ کا پیٹ بھرے گا سو اب وہ وعدہ پورا کرتا کہ میرا پیٹ بھرے اور ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ جو شخص شرک کرے گا کفر میں مبتلا ہوگا یا میرے احکام کی نافرمانی کرے گا اسے اے دوزخ میں تیرے حوالے کروں گا۔ جو میرے رسول کی توہین کرے گا انہیں جھٹلائے گا ان سب کو تیرے پیٹ میں بھیجوں گا۔ آپ کے سامنے سے اچانک پردہ اٹھا اور آپ نے دوزخ کو تمام ہولناکیوں سمیت دیکھ لیا۔ (مسند احمد، بخاری، ابن ماجہ، حاکم)

دوسرا آسمان

پھر ہم دوسرے آسمان پر پہنچے۔ جبرائیل علیہ السلام نے دوسرے آسمان کے دروازے پر دستک دی؟ اندر سے کسی نے دریافت کیا؟ ''کون ہے؟''

جبرائیل علیہ السلام نے کہا۔ میں جبرائیل ہوں اور میرے ہمراہ اللہ کے محبوب رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

یہ جواب سنتے ہی دروازہ فوراً کھل گیا اور فرشتے ہمیں بہت تعظیم وتکریم سے اندر لے گئے۔ دوسرے آسمان کے فرشتوں کا سردار قابیل نامی فرشتہ ہے۔ قابیل نے ہمیں سلام کیا اور بغل گیر ہوا۔ ہم اس آسمان کی سیر کرتے ہوئے ذرا آگے بڑھے تو ہمارے پاس حضرت یحییٰ علیہ السلام اور ان کے خالہ زاد بھائی حضرت عیسیٰ روح اللہ آئے جبرائیل علیہ السلام نے کہا انہیں سلام کریں میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے تعظیم کرتے ہوئے کہا مرحبا یا اَخ الصالح والنبی الصالح۔

اور آگے بڑھے تو ایک مہیب وخوف ناک شکل کا فرشتہ نظر آیا۔ اس کے ستر ہزار سر تھے اور ان کے ستر ہزار منہ ستر ہزار زبانیں تھیں۔ جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ اس فرشتے کا نام قاسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقِ عالم کی روزی اس کے سپرد کی ہے جس مخلوق کی جس وقت اور جس مقدار میں روزی مقرر کی گئی ہے یہ اسے پہنچاتا ہے۔ (مسلم، بخاری)

تیسرا آسمان

پھر ہم تیسرے آسمان پر پہنچے۔ جبرائیل علیہ السلام نے حسب دستور دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کسی نے دریافت کیا کہ کون ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں جبرائیل علیہ السلام ہوں اور میرے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دروازہ کھلا اور وہاں کے فرشتوں کے سردار مائیل نے سلام کیا اور تعظیم بجالایا۔ کچھ آگے بڑھے تو ایک ایسے بزرگ ملے جن

کا حسن عام انسانوں کے مقابلے میں ایسا تھا جیسے تاروں کے مقابلے میں چودھویں کا چاند یہ حضرت یوسف علیہ السلام تھے جبرائیل علیہ السلام نے کہا انہیں سلام کریں میں نے سلام کیا انہوں نے جواب دیا صالح بھائی صالح نبی مرحبا۔

چوتھا آسمان

تیسرے آسمان کی سیر اور حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کے بعد ہم چوتھے آسمان پر پہنچے۔ اس آسمان کے فرشتوں کا سردار معطائیل ہے۔ اس نے سلام کیا اور بغل گیر ہوا۔ اس آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مرحبا یا اخ الصالح والنبی الصالحین کہہ کر استقبال کیا۔ (بخاری، مسند احمد، ابن ابی حاتم)

وہاں ایک فرشتہ نظر آیا۔ اس کے چاروں طرف چار منہ تھے اور بڑی خوفناک اور ہیبت ناک شکل وصورت تھی۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھا تھا اور ایک بڑا سا تخت اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ اس کا بایاں منہ مشرق اور دایاں مغرب کو تھا اور تمام دنیا اس کے سامنے دکھائی دیتی ہے۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا۔ ”یہ کون ہے؟“

جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا یہ عزرائیل ہے۔

میں نے اس کے سامنے جا کر کہا۔ السلام علیکم یا ملک الموت

لیکن عزرائیل نے سکوت کیا اور سلام کا جواب نہ دیا اسی وقت حکم باری تعالیٰ پہنچا اے عزرائیل میرے محبوب کے سلام کا جواب دے۔ تب عزرائیل نے سر اٹھا کر کہا وعلیکم السلام یا حبیب اللہ۔ اور وہ بغل گیر ہوا۔ پھر اس نے بڑی عزت وتکریم کے ساتھ مجھے تخت پر بٹھایا اور کہا۔ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نے جب سے مجھے پیدا کیا ہے میرے سپرد مخلوق کے بہت زیادہ کام ہیں۔ مجھے ایک لمحے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ میں اس قدر مصروف رہتا ہوں کہ کسی سے ایک بات تک نہیں کر سکتا۔ آج اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا ہے اس لیے آپ سے بات کر رہا ہوں۔“

میں نے پوچھا۔ ”اے عزرائیل، تم لوگوں کی روح کس طرح قبض کرتے ہو؟“

عزرائیل نے جواب دیا۔ ”یارسول اللہ میرے سامنے جو یہ درخت لگا ہے یہ اتنا بڑا اور گھنا ہے کہ اس کے ہر پتے پر مخلوق خدا کا نام اور اس کا پتہ درج ہے۔ جب کسی کی موت قریب ہوتی ہے تو اس کے نام کے پتے کا چالیس دن پہلے سے رنگ زرد ہونے لگتا ہے اور ٹھیک چالیس دن بعد وہ پتا شاخ سے گر جاتا ہے۔ میری نگاہ ان پتوں پر ہر وقت جمی رہتی ہے۔ جب پتا گرتا ہے اگر میں دیکھتا ہوں کہ اس کا شمار اہل رحمت میں ہے تو میں اپنی دائیں جانب کے فرشتوں کو رحمت کے ساتھ اس کے پاس بھیجتا ہوں اور اگر وہ لعنتی ہوا تو بائیں طرف کے فرشتوں کو مع عذاب کے اس کے گھر بھیجتا ہوں۔“ پھر میں نے عزرائیل سے سوال کیا۔ ”اے عزرائیل! روح کی حقیقت بیان کر کہ یہ کیا چیز ہے؟“ اس نے جواب دیا۔ ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میں نہیں جانتا کہ روح کی حقیقت کیا ہے اور یہ کون سی چیز ہے، میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ جب میں کسی کی روح قبض کرتا ہوں تو مجھے اپنی ہتھیلی پر ایک بوجھ سا محسوس ہوتا ہے۔“ پھر میں نے اس سے پوچھا۔ ”اے عزرائیل یہ چار منہ ہونے کا کیا راز ہے؟“ عزرائیل نے جواب دیا۔ ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دائیں طرف کے منہ سے صرف مومنوں کی روح قبض کرتا ہوں اور بائیں طرف کے منہ سے کافروں اور مشرکوں کی روح قبض کرنے کا کام لیتا ہوں۔“ پھر عزرائیل نے خود ہی بتایا۔ ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مبارک ہو اور یہ خوش خبری ہے کہ مجھے جس دن خداوند کریم نے پیدا کیا تھا اسی دن حکم دیا تھا کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اس قدر آرام سے قبض کرو جس طرح بچہ اپنی ماں کی چھاتیوں سے دودھ کھینچتا ہے اور ماں کو احساس نہیں ہوتا۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات جب میں نے عزرائیل کی زبان سے سنی تو میں فوراً ہی سجدہ شکر بجا لایا۔ پھر میں نے عزرائیل سے پوچھا۔ ”اے عزرائیل! کیا کبھی اس کرسی سے اٹھنے کی ضرورت پیش آئی؟“ انہوں نے جواب دیا۔ ”ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مجھے تین بار اس کرسی سے اٹھنا پڑا۔“ پھر انہوں نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ”ایک بار میں اس کرسی سے اس وقت اٹھا تھا جب مجھے حضرت آدم کا پتلا بنانے کے لیے مٹی لانے کا حکم ہوا تھا۔ دوسری بار جب مجھے حضرت آدم علیہ السلام کی روح قبض کرنے کا حکم ہوا تھا تو میں اس کرسی سے اٹھا تھا۔ اسی طرح تیسری بار مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح قبض

کرنے کے لیے کرسی سے اٹھ کر جانا پڑا تھا۔" پھر میں نے عزرائیل سے پوچھا۔"اے عزرائیل کبھی روح قبض کرتے وقت تمہیں کسی پر رحم آیا؟" عزرائیل نے جواب دیا۔"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو موقعوں پر مجھے بڑا رحم آیا' مجھے غم ہوا ایک مرتبہ تو جب ایک عورت اپنے بچے کو لیے دریا میں ایک تختے پر بہتی جارہی تھی اور مجھے اس کی روح قبض کرنے کا حکم ہوا تھا اور دوسری دفعہ مجھے اس وقت غم ہوا تھا جب مجھے شدّاد کی روح قبض کرنے کا اس وقت حکم ہوا تھا اس کا ایک قدم باغِ ارم کے اندر تھا اور ایک باہر اُس وقت اُس کی عمر نوسو سال تھی۔ شداد نے یہ جنت چار سو سال کی مدت میں بنوائی تھی اور اس میں جنت کے مانند سونے چاندی کے مکانات تھے۔"

پانچواں آسمان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چوتھے آسمان کے بعد ہم پانچویں آسمان پر پہنچے۔ حسب دستور جبرائیل علیہ السلام نے دستک دی اور جب انہوں نے بتایا کہ ان کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں تو آسمان کا دروازہ فوراً کھل گیا۔ اس آسمان کے فرشتوں کے سردار عائیل تھے۔ انہوں نے میری تعظیم کی اور مجھ سے معانقہ کیا۔ ہم آگے بڑھے تو ہماری ملاقات حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی۔ انہوں نے کہا۔"مرحبایا اَخ الصالح والنبی الصالحین"

چھٹا آسمان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھٹے آسمان پر ہمارا استقبال ہابیل نے کیا جو وہاں کے ملائکہ کے رب النوع اور سردار ہیں۔ ہابیل نے کہا۔"مرحبا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" وہاں سے ہم آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ہم سے ملاقات کے لیے آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔"مرحبایا اَخ الصالح والنبی الصالح"

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔"یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ جو کچھ فرائض آپ کی امّت کے لیے مقرر کرے اس پر غور کر کے اور سمجھ کر قبول فرمایئے گا کیونکہ امّت کمزور' ناتواں ہے اور اس کی عمر بھی مختصر ہے۔"

وہاں سے آگے بڑھے تو ہیبت ناک فرشتہ نظر آیا۔ وہ اس قدر دہشت ناک تھا کہ عقل اسے دیکھ کر حیران رہ جاتی تھی۔ وہ اس قدر جسیم تھا کہ اس کے دائیں اور بائیں شانوں کا درمیانی فاصلہ ایک سال کی مسافت کا تھا۔ اس کے اردگرد ایسی شکل وصورت کے اور بھی فرشتے جمع تھے۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا۔"یارسول اللہ! یہ فرشتہ مالک ہے۔ اسے دوزخ پر مقرر کیا گیا ہے۔ اس کے ماتحت انیس اور فرشتے ایسے ہی دہشت اور وحشت ناک ہیں۔ جو حکم اسے اللہ کی طرف سے ملتا ہے اسے بجالاتا ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دوزخ کے سردار مالک کے پاس گیا اور میں نے اسے سلام کیا لیکن اس نے میرے سلام کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس وقت ندا آئی کہ "اے مالک یہ محمد مصطفیٰ' خاتم الانبیاء اور میرے محبوب ہیں۔ تو نے ان کی تعظیم کیوں نہ کی۔ ان کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا۔"

مالک اپنا نام سن کر فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور نہایت عزت و تعظیم سے مجھ کو بٹھایا اور کہا۔"یارسول اللہ! آپ تمام انبیاء میں افضل ہیں۔ آپ کی امّت بھی سب سے افضل ہے۔ تمام انبیاء کی اُمتیں' آپ کی امّت کی پیروی کریں گی۔"

(جاری ہے)

ہمارا آنچل
ملیحہ احمد

عشرت عنایت

السلام علیکم! ڈیئر قارئین کو میری طرف سے سلام اور دعا قبول ہو۔ کافی عرصے سے آنچل پڑھ رہی ہوں لیکن لکھنے کی ہمت اب کی ہے' جناب آپ حیران نہ ہوں کہ یہ اچانک کون آ گیا' یار ادھر دیکھئے میری طرف سے' او ہو میں ادھر ہوں پلیز ذرا غور سے دیکھیں بالکل آپ کی نظر کے سامنے مابدولت تشریف رکھتے ہیں۔ میرا نام عشرت عنایت ہے اور سب گھر والے پیارا اور غصے سے عشرہ کہتے ہیں' ہم نے 4 ستمبر کو دنیا میں آنے کا شرف حاصل کیا' ہم چھ بہنیں اور دو کیوٹ سے بھائی ہیں جبکہ ہم پانچویں نمبر پر ہیں' اسٹار پر بالکل یقین نہیں' یقین ہے تو اللہ کی ذات پر۔ اِن کمپلیٹ بی اے کیا ہے کیونکہ دو پیپر رہ گئے تھے اور شادی ہوگئی اس لیے بی اے ادھورہ رہ گیا۔ اب تو ماشاء اللہ چار سال کا بیٹا عدنان ہے جسے میں خود سے زیادہ پیار کرتی ہوں۔ وہ بہت شرارتی ہے' مجھ سے بھی دس قدم آگے' فیملی ممبر میں سے مجھے سب ہی اچھے لگتے ہیں۔ برا کسی کو نہ کہوں گی' فرینڈ میں سے ثمریلہ (عینکو) بہت پسند ہے' اپنا ہر غم اور خوشی اس سے شیئر کرتی ہوں۔ پھولوں میں گلاب کا پھول پسند ہے کیونکہ یہ محبت کو ظاہر کرتا ہے' رنگوں میں بلیک اور وائٹ پسند ہے۔ وائٹ اس لیے کہ اسے پہن کے کوہستان کی پری لگوں۔ جیولری میں چوڑیاں پسند ہیں لیکن گولڈ کی۔ مہندی بہت زیادہ پسند ہے اور لگانے کا شوق بھی ہے لیکن لگانی نہیں آتی۔ مہندی کون کو پکڑتے ہوئے ہاتھ کانپنے لگتے ہیں' او ہو یہ نہ سمجھئے گا ڈر سے اس لیے کیونکہ میں نقش و نگار کیا بناؤں۔ کھانے میں بھنڈی اور بریانی بہت پسند ہے' کاش روز کھانے کو ملے۔ سویٹ ڈشز میں کھیر اور کسٹرڈ پسند ہے۔ لباس میں شلوار قمیص اور ساڑھی پسند ہے جبکہ پینٹ شرٹ سے نفرت ہے وہ بالکل لڑکیوں کو زیب نہیں دیتی' یار ناراض نہ ہونا جس کو پسند ہے وہ پہنیں' میری طرف سے اجازت ہے۔ پسندیدہ ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور پسندیدہ کتاب قرآن مجید ہے' پسندیدہ رائٹرز میں سمیرا شریف طور' عمیرہ احمد' نازیہ کنول نازی اور عشناء کوثر سردار ہیں ۔ فیورٹ ناول یہ چاہتیں یہ شدتیں۔ سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ اللہ کا گھر دیکھوں اور اپنے بیٹے کو اچھے انسان کی حیثیت سے دیکھوں۔ ایک راز ہے ثمریلہ یار میں نے تم سے دستی پتا ہے کیوں کہ کی تھی کیونکہ تیرے ہاتھ میں آنچل تھا (برا نہ ماننا)۔ آپ تنگ تو نہیں آ گئے پلیز صبر کریں' کیونکہ اب میں جا رہی ہوں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اللہ کرے آنچل دن دگنی رات وگنی ترقی کرے' آمین۔

سمیرا

السلام علیکم! آنچل کے تمام قارئین کو محبت بھرا سلام قبول ہو۔ میرا نام سمیرا ہے اور سرگودھا کے ایک علاقے شاہ نکڈر سے میرا تعلق ہے' آنچل میں پہلی بار لکھ رہی ہوں اور اگر پذیرائی ملی تو آئندہ بھی لکھتی رہوں گی۔ 20 فروری کو اس دنیا میں تشریف لائی اور اس لحاظ سے میرا اسٹار حوت ہے لیکن اسٹار پر بالکل یقین نہیں۔ بہن بھائیوں کی تعداد نو ہے جن میں میرا آخری نمبر ہے' سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے بہت پیار ملا ہے۔ میٹرک کے بعد قرآن حفظ کیا ہے اور فرسٹ ائر کی طالبہ ہوں۔ پرائیوٹ ایف اے کر رہی ہوں' نرم دل لوگ بہت اچھے لگتے ہیں اگر کوئی پیار سے جان بھی مانگے تو دے دوں لیکن اگر کوئی غصہ سے بات کرے تو میرا دل کرتا ہے کہ میں اس کی جان لے لوں ویسے مجھے غصہ بہت کم آتا ہے لیکن جب آتا ہے تو دل کرتا ہے یا سامنے والے کو مار دوں یا خود مر جاؤں۔ رسائل پڑھنے کا حد سے زیادہ شوق ہے' میرے پاس بہت سے رسائل کا ذخیرہ ہے۔ شاعری سے تو عشق ہے ہر اچھا شعر میری کمزوری ہے جہاں بھی کسی شاعر یا شاعرہ کا اچھا شعر نظم یا قطعہ دیکھوں فوراً اسے اپنے پاس نوٹ کر لیتی ہوں۔ موسم مجھے سارے پسند ہیں خاص کر سردیوں کی لمبی راتیں اور گرمیوں کے لمبے دن۔ مجھے سے جھوٹ برداشت نہیں ہوتا اور اگر کوئی میرے ساتھ بے ایمانی کرے تو بہت دکھ ہوتا ہے۔ شدت پسند بہت ہوں' نفرت کی تو ٹوٹ کر کی اور جب محبت کی تو ہر جذبہ اس پر غالب آ گیا۔ لوگ اسے برائی سمجھتے ہیں لیکن مجھے یہ اپنی خوبی لگتی ہے اپنے ملک سے بے حد محبت کرتی ہوں پاکستان ائیر فورس مجھے جنون کی حد تک پسند ہے اگر میں مرد ہوتی تو ضرور اسے جوائن کرتی۔ اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ نظر آنے والے لوگ ذہنی کوفت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ رنگوں میں ہلکے رنگ

پسند ہیں، شلوار قمیص پہننا اچھا لگتا ہے۔ سبزیاں ساری شوق سے کھالیتی ہوں (حیرت ہوئی)۔ پھل بھی سارے پسند ہیں، ذہین لوگ بہت اچھے لگتے ہیں۔ رائٹرز میں نازیہ کنول نازی، نمرہ احمد، ماہا ملک، عمیرہ احمد بہت پسند ہیں۔ ناولز میں پیر کامل، متاع جاں ہے تُو، جو چلے تو جاں سے گزر گئے، قراقرم کا تاج محل، محبت دل پر دستک نے بہت متاثر کیا۔ بچے بہت اچھے لگتے ہیں، اپنے بھتیجوں سمیع، منشاء، حسنین اور سیف اللہ میں تو میری جان ہے۔ پرفیومز میں فارمین پسند ہے، میری خواہش ہے کہ اللہ مجھے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ مبارک دکھائے اور قرآن پاک مجھے اس طرح یاد ہو کہ میں چلتی جاؤں اور پڑھتی جاؤں اور پڑھتی جاؤں۔ اب اجازت دیجیے اگر کوئی بات بری لگی ہو تو ایڈوانس سوری، اللہ حافظ۔

وہ اس دنیا میں مصروف اس قدر ہوگیا ہے
اس نے کس کس کو بھلادیا اسے تو اتنا بھی یاد نہیں

طاہرہ منور علی بھٹی

1998ء کی بات ہے، بہار کا موسم تھا، مارچ کا مہینہ تھا ہر طرف پھول ہی پھول کھلے ہوئے تھے، فصلیں لہلہارہی تھیں۔ پرندے چہچہار ہے تھے، 29 تاریخ کو صبح سے ہی ہوائیں چل رہی تھیں، آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے ایسے سہانے موسم میں ایک معزز گھرانے میں ایک معصوم سی پیاری پیاری سی بچی نے آنکھ کھولی۔ آنچل فرینڈز آپ کو پتا ہے کہ یہ کون تھی، نہیں پتا، کوئی نہیں بات یار میں بتا دیتی ہوں۔ جی تو آنچل فرینڈز یہ جو آپ کے سامنے گہری کالی آنکھوں، لمبی گھنی پلکوں، ستواں ناک، گلابی نرم و ملائم ہونٹ لمبی مخروطی انگلیوں والے ہاتھ کی پشت پر ٹھوڑی ٹکائے نماز کی صورت دوپٹہ لپیٹے دھیمے سے مسکراتی ہوئی، یہ جو معصوم (ہائے رے خوش فہمی) اسمارٹ سی لڑکی نظر آرہی ہے یہ میں خود ہوں یعنی (طاہرہ منور علی بھٹی) مجھے کسی ناول کی ہیروئن نہ سمجھ لینا، ہاہاہا۔ میں رئیل میں ایسی ہی ہوں تو میرے پیارے سے آنچل فرینڈز نام تو میرا آپ پڑھ چکے ہیں، ہم تین بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ میں سب سے بڑی ہوں، پھر سائرہ منور، عثمان علی بھٹی، صباء منور اینڈ پر ناٹی بوائے رحمان منور علی بھٹی ہے۔ میری آئیڈیل شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہؓ ہیں۔ بارش، سردی، بہار، پھول، بچے اور آنچل بہت پسند ہے۔ بارش میں نہانا اچھا لگتا ہے، ستاروں کے جھرمٹ میں سجا چاند دیکھنا اور ستارے گننا مجھے بہت پسند ہے۔ بلیک، پنک، ریڈ اینڈ وائٹ کلر بہت پسند ہے۔ گلاب، چنبیلی اور موتیا کے پھول بہت پسند ہیں، پڑھنے کا مجھے بہت شوق ہے، چاہے وہ شاعری کی کتاب ہو، ناول ہو یا پھر اسلامی کتابیں جو بھی میرے ہاتھ لگ جائے اسے ختم کیے بغیر سکون نہیں ملتا۔ وصی شاہ، نازیہ کنول نازی، محسن نقوی، احمد فراز، پروین شاکر، راشد ترین اور علامہ اقبال کی شاعری بہت پسند ہے۔ ٹیچرز میں ٹیچر تمیم، ٹیچر جمیلہ، ٹیچر فرزانہ، ٹیچر شبانہ اور ٹیچر کوثر بہت پسند ہیں، یہ سب میرے ہائی اسکول گکڑھٹہ کی ٹیچرز ہیں۔ سنگرز میں عاطف اسلم، علی ظفر، راحت فتح علی خان اور بلال سعید کے سونگز اچھے لگتے ہیں۔ رائٹرز میں ام مریم، نازیہ کنول نازی، سمیرا شریف طور، فاخرہ گل، صائمہ قریشی، نادیہ فاطمہ رضوی، سباس گل، اقبال بانو، نمرہ احمد اور عمیرہ احمد شامل ہیں۔ فیورٹ ناول، قراقرام کا تاج محل، جنت کے پتے، ٹوٹا ہوا تارا، دیمک زدہ محبت اور نازیہ کنول نازی کے قلم سے لکھے ہوئے ہر ایک لفظ سے عشق ہے۔ مہندی کی خوشبو اور گیلی مٹی کی خوشبو بہت پسند ہے۔ مہندی لگانے کا بہت شوق ہے، ڈائری لکھنا بہت پسند ہے اور دوستی کرنے کا بھی بہت شوق ہے اور اگر کوئی آنچل فرینڈ بننا چاہے تو موسٹ ویلکم۔ عائشہ نصیر، عائشہ حفظ، شکیلہ یونس، ثمرانہ افضل، رابعہ صغیر، فوزیہ نذیر، جمیلہ ریاض، ضیاء فاطمہ، خوشی نورین اور ثناء فاطمہ میری فرینڈز میں شامل ہیں۔ آنچل سے تعلق بہت پرانا ہے، ہم کلاس میں صرف چار لڑکیاں پڑھتی تھیں میں، حسن شہزادی، شہلا رب نواز اور مہوش رب نواز باقی ساری کلاس کنجوس تھی، ہاہاہا۔ یار اگر اب بھی آنچل پڑھتی ہو تو آنچل میں انٹری دو پلیز آنچل سے متعارف بھی حسن شہزادی نے کروایا، اب بات ہوجائے خوبیوں اور خامیوں کی۔

خوش مزاجی بھی مشہور تھی ہماری سادگی بھی کمال ہے
ہم شریر بھی انتہا کے تھے، اب سنجیدگی بھی بے مثال ہے

غصہ نہیں کرتی اگر آئے بھی تو تھوڑی دیر کے لیے آتا ہے، حساس ہوں، کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔ ہر کسی کو معاف کردیتی ہوں، اعتبار بہت جلدی کرلیتی ہوں، خودغرض، منافق، کینہ پرور، خودغرض، لالچی، حسد کرنے والے، جھوٹ وعدہ خلاف بے وفا لوگ ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ اس کے برعکس محبت کرنے والے، حساس، نرم دل اور معصوم لوگ مجھے بہت

پسند ہیں اپنی فیملی سے بہت پیار ہے۔ اب ایک پیاری سی بات کے ساتھ اجازت دیں بہت وقت لے لیا آپ کا تمنا کو کبھی دل میں جگہ نہ دیں یہ گہرے زخم ہیں جو ہمیشہ ہرے رہتے ہیں میرا تعارف کیسا لگا بتایئے گا ضرور اللہ حافظ۔

وقت رخصت جو کسی اشک کو روکا جائے
عمر بھر کے لیے آنکھوں میں ٹھہر جاتا ہے

رمشاء آفتاب جاناں

تعارف کے لیے بس اتنا کافی ہے
میں اس کی کبھی نہیں ہوتی جو ہر کسی کا ہوجائے

سب سے پہلے آل آنچل ریڈرز اینڈ رائٹرز کی خدمت میں محبت و چاہت سے بھرپور سلام۔ نام تو پہلے ہی آنچل کی تتلیوں کے گوش گزار کرچکی ہوں تو اب آتے ہیں کام کی طرف۔ تو جناب محترمہ 10 فروری 2000ء کو اس خوب صورت دنیا میں مزید خوب صورتیاں بکھیرنے تشریف لائی اس لحاظ سے اسٹار ایکویریس ہے۔ میٹرک میں 1029 نمبر لے کر اب ایف ایس سی پارٹ ون میں ہوں اور ایک بات ایڈوانس بتادوں کہ مستقبل کی ڈاکٹر ہوں ہم ماشاء اللہ چھ بہن بھائی ہیں دو بھائی اور آپی مجھ سے بڑے اور دو بھائی چھوٹے ہیں۔ عدنان بھائی اور ذیشان سے خوب بنتی ہے جبکہ آپی سے اکثر محاذ چھڑا رہتا ہے اپنی مما جانی سے بہت پیار کرتی ہوں اب اگر پسند ناپسند کی طرف آئیں تو ڈریسز میں فیشن کے مطابق سب کچھ ہی اچھا لگتا ہے بشرطیکہ اس میں حیاء ہو لانگ فراکس اور چوڑی دار پہننا زیادہ اچھا لگتا ہے۔ فرینڈز کے ساتھ بارش میں بھیگنا بہت اچھا لگتا ہے اور لائٹ جیولری اچھی لگتی ہے جس میں بریسلیٹ رنگ اور چین وِد پینڈنٹ۔ اب اگر خامیاں اور خوبیوں کی طرف آئی تو آپ کہیں گے کہ بھئی کیسی لڑکی ہے جو خود ہی اپنی تعریفیں کیے جارہی ہے ویسے بھی اکارڈنگ ٹو مائے پوائنٹ آف ویو تعریف اور عزت ہمیشہ دوسروں کے منہ سے ہی اچھے لگتے ہیں۔ اپنی تعریف آپ تو فرعون نمرود اور شداد نے بھی بہت کی بہرحال پھر بھی اگر دوستوں کا نکتہ نظر بتادوں تو میری سویٹ فرینڈ طوبی کے بقول خود غلط بات کرتی نہیں اور کسی کی مانتی نہیں۔ جھوٹ اور دھوکہ سے بہت الرجکس ہوں جو اچھا لگ جائے اس سے دوستی کرنے میں پانچ منٹ بھی نہیں لیتی۔ کالج میں کافی خوش مزاج جبکہ گھر پر کافی سنجیدہ مزاج ہوں کالج اور آنچل دونوں سے ہی جنون کی حد تک عشق ہے۔ میری بیسٹ فرینڈ صباء ہے جس سے میں محبت نہیں کرتی کیونکہ وہ خالی محبت کے قابل ہی نہیں ہے اوہو آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ بیسٹ فرینڈ کہتی ہے اور محبت نہیں کرتی تو جناب جی! میں اس سے عشق کرتی ہوں ہاں شاک ناں لگا۔ اب ٹھیک سے سانس لیا ہوگا میرا حلقہ احباب اتنا وسیع ہے کہ اگر ابھی نام لینے شروع کیے تو آپ کو پڑھتے پڑھتے رات ہوجائے گی ویسے ایک انوکھی خواہش بتاؤں کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ کاش میں لڑکا ہوتی تو پکا آرمی جوائن کرتی پر پتا ہے مجھ سے بھی زیادہ آرمی سے عشق میری فرینڈ صباء کو ہے۔ مجھے اپنی سابقہ پرنسپل میڈم خدیجہ شکیل سے بہت محبت ہے۔ وہ میرے دل کی سرزمین پر اس طمطراق سے براجمان ہیں کہ انہیں وہاں سے نکالنا تو بہت دور کی بات کوئی کھڑا بھی نہیں کرسکتا۔ مزے کی بات بتاؤں میں اسلامک جمعیت طالبات کی نائب ناظمہ (سیکریٹری) ہی ہوں۔ یہ جمعیت ”نیکی کے ہم لوگ سپاہی“ دینی تبلیغ کی ایک جمعیت ہے۔ شاعری سے بہت لگاؤ ہے اور شعر کہتی بھی ہوں میری فرینڈ امیر میرے شعروں کی بہت فین ہے۔ 14 سال کی عمر میں میں نے سب سے پہلے کہانی (ادھوری محبت) لکھی تھی جو شائع نہیں کروائی اب اگر رائٹرز کی بات کی جائے تو میں ہاشم ندیم نازیہ کنول سمیرا شریف اور بھی بہت سی رائٹرز ہیں جن کی میں فین ہوں پر بات بھی ہورہی ہے سو سب کے نام نہیں لکھوں گی۔ چلیں جی اب میں لیٹ ہوگئی سو بائے بائے ہاہاہا۔ آپ کو کیا لگا کہ میں وہی گھسا پٹا سا جملہ بولوں گی کہ ”آپ بور ہورہے ہوں گے“ امپاسبل ویسے بھی آنچل کی تحریریں پڑھتے ہوئے کوئی بھی بور نہیں ہوتا۔ چلیں جی اب میں کسی اور روپ میں آپ سے ملوں گی ارے ارے مطلب آنچل میں اگر کوئی مجھ سے دوستی کرنا چاہے یا پھر میرے پیارے کشمیر میں آنا چاہے تو موسٹ ویلکم ابھی کے لیے اللہ حافظ پھر ملیں گے ان شاء اللہ۔

سروے

بیتا ایک اور سال

سعیدہ نثار

حرا قریشی...... ملتان

سال نو مبارک احباب من:
سال نو کی آمد پر اک تخیل دعا لے کر حاضر ہوئے ہیں
دعا!

اے سال نو کی ماہ شب تاب
جب مسرت کے دریچے سے
مجسم ماہ شب چراغ
روشنی کا خمار
دعوت دید
باران سحر کو بخشے
تیری اٹھلاتی ہوئی کرنیں
اس خوابیدہ کائنات کو
بربط شیریں دے دے
جو اٹھلائے شوخ چاندنی کی طرح
رقص کرتے آکاش پر
ستاروں کو تاکتے
کیف آگیں سحاب شادی کی طرح
دامن شب کی اوٹ میں
نیم خوابیدہ کلیاں
نوردیدہ گلیاں
نسیم سحر کی سکوں آمیز چاندنی
ساکنان چمن
حیات نو کی راگنی
اے خلا بسیط کے جلوہ گر
خشک و تر و بر
رو منور کر
سر بر آغوش حیات
تقدس مآبی سے
الوہیت سے باب
اے ماہ عالم تاب!
آمین ثم آمین!

❖ بلاشبہ مجموعی طور پر مسرتوں اور کامیابیوں کا سال رہا مگر یہ جو آپ غم اور دکھوں کے دائرے ہیں ناں جی یہ اہل فکر و نظر کو باری تعالیٰ کے بے حد قریب رکھتے ہیں، گویا کہ مسرتیں بیجوں سے نکلنے والے ان ننھے منے پودوں کی طرح ہوتی ہیں جو صبر و شکر گزاری کا لبادہ اوڑھ کر بس قناعت اور میانہ روی کی فصل بوتے ہیں اور کامیابیاں کسی فاتح کے شان و شوکت کا وہ وصف کمال ہوتی ہیں جو اسے طاؤس و رباب سے خیر مقدم کرنے پر اکسائی رہتی ہیں پھر غم ہو یا دکھ کے سائے یہ بھی ہماری زندگی کے سٹیج پر چلنے والی شب و روز کی الیاتی داستانیں ہیں۔

❖ اس برس کی بڑی کامیابیاں جو میری نظر میں ان کا مختصر سا لب لباب یہاں درج کر دیتے ہیں۔

❖ الف کتاب جیسے شاندار اور بڑے پلیٹ فارم پر میری تحریر موسم گرما اور ہلکے پھلکے مزاح کا شاخسانہ لیے افسانہ "مس ظرافت کا باورچی خانہ" کی اشاعت۔

❖ کافی انتظار کے بعد میرے ناولٹ "من شر ما خلق" اور "میرے بابا" کی ماہنامہ حجاب ڈائجسٹ میں اشاعت، افسانہ "ذرا سی کنی" کی ماہنامہ نئے افق ڈائجسٹ میں اشاعت۔

❖ تدریسی مدارج میں بیسٹ پرفارمنس ایوارڈ۔

❖ بچوں کے رسائل "جگمگ تارے" اور "تعلیم و تربیت" میں تحریری آفر۔

❖ صبح بہار میگزین میں سلسلے وار تحریر "قفس" کا آغاز۔

❖ ایڈیٹنگ و ڈیزائننگ میں دھماکہ خیز شاندار کامیابی کے ریکارڈ۔

❖ محترم سر محمود ظفر اقبال ہاشمی کے شاہکار ناول "میں جناح کا وارث ہوں" پر کیا جانے والے تبصرے پر ملنے والی کامیاب پذیرائی اور سر کا اس تبصرے کو اپنے اگلے ایڈیشن میں لگانے کا وعدہ۔

❖ ان تمام مدارج کے علاوہ بہت سے معتبر لوگوں کی حوصلہ افزائی اور وہ قابل قدر ستائش جو بالاصل ان بڑی کامیابیوں سے مرصع ہیں، چند ایک کی رائے لکھ رہی ہوں۔

"خداداد صلاحیتوں کی بات ہو تو حرا میری نظر میں نوجوان لکھاریوں کے ایلیٹ پینل کا حصہ ہے اور ان کا مستقبل انتہائی تابناک ہے"

(محترم سر اور معروف دانشور محمود ظفر اقبال ہاشمی)

"پیاری حرا قریشی کے لیے اتنا پیار ہے دل میں کہ اس کا

اظہار میں احاطہ تحریر میں نہیں لاسکتی' اس عزت دینے والی لڑکی کے لیے ایک لفظ ہیرا ہے بس۔

(ڈائجسٹ رائٹر طیبہ عنصر مغل)

❖ اس سوال کے جواب میں ایک دوست کی رائے (اپنے تعارف کے جواب میں) لکھ رہی ہوں' حرا نے جو لکھا ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر بہت بہترین انسان ہیں۔ ایک اچھی رائٹر' اچھی ایڈیٹر' اچھی تبصرہ نگار اور سب سے اچھا روپ کمال کی دوست کا ہے۔ ہر ایک کے لیے حوصلہ افزا خود بیسٹ ہوتے ہوئے بھی دوسروں کو انکریج کرنا' حوصلہ مند پروقار جو ہر کسی کے کام آئے۔ اردو ادب کا درخشاں ستارہ! بہت سی دعائیں (ہانیہ احمد' ڈی ایڈیٹر) پیاری لبنیٰ غزل کی ستائش بھی دم بدم ساتھ رہتی ہے۔

❖ سال نو کی آمد پر افسردگی تو کبھی نہیں ہوئی' ہاں احساسات کچھ نادیدہ سے ہوتے ہیں جیسے خنک سانس بھر کر مہک گلاب کی اندر تک اتار لیں' جیسے دل کے شفاف غلاف کو جذبات کے کاغذ پر منتقل کردیں۔ جیسے وہ جھیل جس کے بطن میں مہ و نجم کا تاباں عکس پڑتا ہے اور شبنم کے قطرے اس روشنی کی تاب نہ لاتے اپنے تمام راز افشاء کردیتے ہیں۔

❖ امیدیں وتوقعات......

الف کتاب کے پلیٹ فارم پر آ گئے' ایڈیٹنگ کا معیار بڑھ گیا

ناکامی:

ناول کا ادھورا مسودہ

❖ بہت سی مثبت تبدیلیاں آئیں۔

❖ ساری منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ جاتی ہے کہ ہوتا ہمیشہ وہی ہے جو ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر ہوتا ہے اور پھر جو وہ رب کرتا ہے وہ سب ٹھیک کرتا ہے۔

❖ خواب......؟ خواب تو سیب کے وہ چھلکے ہوا کرتے ہیں جو اپریل کی ہواؤں میں بکھر جاتے ہیں۔ خواب تو وہ ساکت سوکھے پتے ہوتے ہیں' جو زرد رتوں کی ہنگامہ خیزی خزاں کے شور میں سمیٹ لیتے ہیں۔ خواب بے شک باتیں کرتے ہیں' دیکھتے ہیں' چومتے ہیں' جھومتے ہیں' رقص کرتے ہیں...... ہاں مگر بس یہ تو جینے نہیں دیتے۔ خواب تو وہ شیشہ ہوتے ہیں جو ہمارے اور حقائق کے وسط میں حائل دراڑیں پیدا کرتے ہیں۔ خواب وہ ساحل ہوتے ہیں جو ہنوز ثابت قدمی سے برابر تو چلتے ہیں مگر کنارا نہیں دیتے۔ خواب الہام تو ہوتے ہیں مگر تفسیر نہیں کیا کرتے۔

آہ! ہے نا کتنا یہ عجیب معما

بظاہر اظہار تعبیر جسے سمجھتا نہیں ہر کوئی......

سلمیٰ غزل...... گلشن اقبال' کراچی

❖ یہ سال میرے لیے بہت بڑا دکھ لے کر آیا جب میری بڑی بہن جو ماں کی طرح تھیں اچانک 14 فروری کو گزر گئیں ہم اس دن اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی کی خوشی مناتے تھے مگر انا کی رحلت نے مجھے تنہا کردیا وہ میری دوست' رفیق اور سب کچھ تھیں۔

❖ میرے لیے یہ بڑی کامیابی ہے کہ میں نے "سورہ بقرۃ" جو جنوری 2015ء سے شروع کی تھی اس پر اب تک قائم ہوں کتنا بھی تھک جاؤں ناغہ نہیں کرتی۔ صبح صبح پڑھتی ہوں پوری۔

❖ ایک نیک کام جس پر آج بھی مجھے فخر محسوس ہوتا ہے اپنی ماسی کے دس سالہ بیٹے کو ایک سال لڑکیوں کے پرائمری اسکول میں پڑھایا۔ صبح جب میں اپنی جاب پر جانے لگتی تھی تو وہ اپنی جھونپڑی کے باہر بیگ لے کر کھڑا ہوتا تھا واپسی میں اس کو ڈراپ کر کے گھر آجاتی تھی اور یہ میں نے گھر میں کسی کو بھی نہیں بتایا تھا پھر بڑی مشکلوں سے اس کا گورنمنٹ بوائز اسکول میں داخلہ ہوا' پرائمری اسکول میں بھی پرنسپل جاننے والی تھیں اور یہاں ہیڈ ماسٹر صاحب کو قائل کرنا پڑا۔ میٹرک کے بعد اس نے بی کام کیا' اپنے پورے خاندان کا واحد بچہ جس نے میٹرک کیا تھا پھر رینجرز میں اپلائی کیا اور سلیکٹ ہوگیا بغیر کسی سفارش کے کہ بڑے بڑے بریگیڈیئرز اور کرنلز کی سفارشیں تھیں مگر اس کے ساتھ اللہ کی سفارش اور ماں کی اور میری دعائیں تھیں۔ جب بھی ڈیوٹی سے کراچی آتا ہے مجھے ملنے ضرور آتا ہے اور بے حد دعائیں دیتا ہے' میرے دونوں بیٹے بھی اس معاملے میں میرے ہمنوا رہے اور چھوٹے بیٹے سے جو اس کا ہم عمر ہے برابری کی سطح پر دوستی بھی رہی۔ اب تین دسمبر کو اس کا ولیمہ ہے دو دسمبر شادی کا بھی بلاوا ہے مگر میں ولیمہ میں شرکت کروں گی۔ مجھے اس پر بے حد فخر ہے اسی کے خاندان کے دو بچوں کو بھی اس سال داخلہ دلوایا ہے مگر مجھے ان سے زیادہ امیدیں نہیں کیونکہ ٹھیک ٹھاک نکمے ہیں' زبردستی داخل کرایا ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اب اس کے خاندان کے سارے بچے اسکول جارہے ہیں اور میں ہر طرح سے ان کو سپورٹ کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ یہ پہلی مرتبہ لکھ رہی ہوں لیکن گھر میں کسی کو کچھ نہیں بتاتی کہ کیا سپورٹ کرتی ہوں' بس میرا رب راضی ہوجائے' مقصد یہی ہوتا ہے۔ میں پکی اور سچی مسلمان ہوں عصبیت سے پاک یہ سب لوگ "سرائیکی" ہیں اور میں پاکستانی یا اردو اسپیکنگ۔

❖ ہر نئے سال پر جب رات دھماکے ہوتے ہیں تو اپنی نوجوان نسل پر دکھ ہوتا ہے۔ دو سال پہلے میں نئے سال کی آمد پر بچوں کے پاس امریکہ میں تھی مگر پتا ہی نہیں چلا کہ کب نیا سال شروع ہوگیا' سوائے آتش بازی کے' نہ فائرنگ نہ ہلڑ بازی۔ امریکہ میں تو گھر کے اندر بھی شور کرنے کی اجازت نہیں' پڑوسی فوراً پولیس بلا لیتے ہیں اور ہم.....؟

❖ میں اللہ کے سوا کسی سے امید نہیں لگاتی مگر دوسروں کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش ضرور کرتی ہوں اور اللہ کا شکر ہے اللہ نے ہر تمنا پوری کی ہے میں خود کو بے حد خوش نصیب سمجھتی ہوں۔

❖ میں بہت زیادہ بولتی ہوں کوشش کررہی ہوں کہ کم بولا کروں۔ میری ایک بہو میری طرح بالکل مجھ سے بھی زیادہ بولتی ہے جب اس کا امریکہ سے فون آئے تو میاں کہتے ہیں "بہو نے ساس کی بولتی بند کردی۔"

❖ سچی بات تو یہ ہے کہ کوئی منصوبہ بندی نہیں کہ صرف عمرہ پر جانے کی نیت ہے اللہ پوری کرے۔

❖ بیٹی زیریڈنسی کررہی ہے یہی خواب ہے کہ وہ پوری کرے کامیابی کے ساتھ اور میں اسے کنسلٹنٹ بنتا ہوا دیکھ لوں کہ زندگی کا بھروسہ نہیں کب بلاوا آجائے۔

صباحت رفیق۔ گوجرانوالہ

آنچل اسٹاف' رائٹرز اور تمام ریڈرز کو میرا سلام۔ اُمید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ آنچل ہاتھ میں لیا اور سروے سے نظر گزری تب ارادہ کیا کہ ان کے جوابات ضرور لکھوں گی۔ لیکن اب کافی دیر سے سروے کے سوالات پہ نظریں جمائے محوِ حیرت ہوں کہ اتنی جلدی سال گزر بھی گیا۔ کیا آپ کو بھی ایسا محسوس ہورہا ہے کہ یہ سال بہت تیزی سے گزرا ہے؟ خیر وقت کا کام ہی گزرنا ہے گزرتا جائے گا۔ میری طرف سے آپ سب کو نئے سال کی خوشیاں مبارک ہوں۔ اُمید ہے یہ سال آپ سب کی زندگی میں ڈھیروں خوشیاں لے کے آئے۔ اب آتے ہیں سروے کے سوالوں کی طرف۔

۱۔ اس گزرے سال پہ نظر دہراؤں تو کامیاباں ہی نظر آرہی ہیں۔ اسی سال پنجاب یونیورسٹی گوجرانوالہ کیمپس سے پاس آؤٹ ہوئی۔ گریجویٹ مکمل ہوا۔ اور پھر ماسٹر میں داخلے کے لیے اینٹری ٹیسٹ اور انٹرویو پاس ہوا۔ اس لحاظ سے مجموعی طور پر میں اسے کامیابیوں کا سال قرار دوں گی۔

۲۔ پہلے کالج آف کامرس' یونیورسٹی آف دی پنجاب لاہور میں ایڈمیشن۔

۳۔ اگر دیانتداری سے جواب دوں تو مجھے ایسا کچھ بھی یاد نہیں آرہا۔

۴۔ سمجھ نہیں آتی کہ خوش ہوا جائے یا افسردہ۔ ویسے تو خوشی محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ نئے سال سے ہماری بہت ساری اُمیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ اُمید ہوتی ہے کہ آنے والا سال ہمارے لیے خوشیاں لائے گا۔ لیکن جب عمرِ رواں پہ نظر دوڑائیں تو افسردگی ہوتی ہے زندگی کا ایک اور سال کم ہونے پر۔

۵۔ اس سال سے تو لکھنے کے حوالے سے ہی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ سوچا تھا کہ یہ سال ملکہ کا سال ہے اس سال ملکہ کے حوالے سے بہت سا لکھوں گی۔ لیکن افسوس ہے جتنا سوچا تھا اتنا نہیں لکھ پائی۔ وہ ایک ملکۂ محبت تو آپ جنوری میں پڑھ چکے ہیں اب اگر اللہ نے چاہا تو اس آنے والے سال میں آپ ملکہ سیریز کے باقی کے دو ناول 'داستانِ ملکۂ وقلبِ زمستان' اور داستانِ ملکۂ وتاجِ حُب' آنچل کے صفحات پہ پڑھ سکیں گے۔

۶۔ اپنی ذات کے حوالے سے کسی سوال کا جواب دینا مجھے سب سے مشکل کام لگتا ہے سوچنے پہ بھی کچھ یاد نہیں آتا۔ مثبت تبدیلی یہ کہ جہاں تک مجھے لگتا ہے میں پُرسکون ہوگئی ہوں۔ مطلب یہ کہ میں اب زیادہ سے زیادہ کوشش کرتی ہوں کہ لوگوں کو اپنی زندگی پہ اثر انداز نہ ہونے دوں۔ بُری عادت کی بات کروں تو مجھ میں صبر کرنے کی عادت نہیں تھی جو کہ اب میں نے تقریباً یہ عادت ختم کرلی ہے۔

۷۔ بس ذہن میں ہی منصوبہ بندی کرتی ہوں کہ آئندہ سال کون سے کام کرنے ہیں۔ ویسے زیادہ تر میں تو جنوری کا انتظار بھی نہیں کرتی دسمبر کے آخری دنوں میں ہی شروع بھی کردیتی ہوں خاص طور پر لکھنے کے حوالے سے۔ اور یہ عہد کرتی ہوں کہ بُرے کاموں سے بچنا ہے۔ دسمبر میں تو خصوصی یہی فیلنگز آرہی ہوتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سارے گناہ معاف کردیجیے اور آئندہ سال زیادہ سے زیادہ اچھے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

۸۔ آنے والے سال کے حوالے سے جو خواب ہیں اُن میں سب سے پہلا تو یہ کہ سمسٹرز اچھے نمبروں سے کلئیر ہو جائیں۔ دوسرا یہ کہ ابھی تک آپ لوگوں کو میرا کوئی ایک بھی مکمل ناول پڑھنے کو نہیں ملا۔ اور اس گزرے سال تو صرف ایک تحریر پڑھنے کو ملی۔ فیس بک پہ مجھے ریڈرز کے میسج اور کمنٹس ملتے

رہتے ہیں۔تو اُن سے یہ کہنا چاہوں گی ان شاء اللہ اس آنے والے سال میں آپ لوگوں کو آنچل وحجاب میں میری تحریریں ضرور پڑھنے کو ملیں گی۔ جن میں داستان ملکہ کے علاوہ تھوڑا مزاحیہ اور موجودہ حالات پہ لکھا گیا افسانہ 'پھوپو کا بیٹا' اور ناولز میں 'سندری اور لاحُب لاجو' میں خاص طور پر آنچل وحجاب کے لیے لکھ رہی ہوں۔ ابھی سیکھنے کے مراحل میں ہوں اس لیے اب مجھے بھی انتظار ہے کہ میری تحریریں جلد از جلد پبلش ہوں اور آپ لوگوں کے تبصرے مجھ تک پہنچ سکیں۔ اُمید ہے کہ میرے ان لکھنے والے خوابوں کو پورا کرنے میں آنچل ٹیم کا خصوصی طاہر بھائی کا ہمیشہ کی طرح تعاون درکار رہے گا آخر میں دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک پاکستان کو تمام مصیبتوں سے بچائے اور ہمارے اُن سب مسلمان بہن بھائیوں کی مدد فرمائیں جو ابھی تک کنار کے مظالم سہہ رہے ہیں۔ یہ آنے والا سال اُن کے لیے بھی رہائی اور خوشیاں لے کے آئے آمین۔

شگفتہ خان...... بھلوال

❖ ایک سال میں بارہ مہینے اور 365 دن ہوتے ہیں جناب خوشی، غم اور کامیابی سب ساتھ ساتھ چلتے ہیں کبھی خوشی، کبھی غم۔

❖ اس سال کی سب سے بڑی کامیابی میرا ایم فل کا مکمل ہونا، میں نے ایم فل میں ٹاپ کیا یہی میری سب سے بڑی کامیابی ہے۔

❖ نیکی اور فخر...... ان کا کیا جوڑ بھلا نیکی کرکے بھی دعا کرتے ہیں کہ اللہ اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

❖ آنے والا سال زندگی کا ایک سال کم ہی کرتا ہے پھر خوشی کیسی؟ وقت کو تو جیسے پہیے لگ گئے ہیں۔

❖ کامیابی کا تو میں نے بتا ہی دیا اور رہی ناکامی تو میں ناکامی سے گھبراتی نہیں وہ کیا ہے ناں کہ......

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں
وہ طفل کیا گرے جو گھٹنوں کے بل چلے

ایک دوست نے ایسے تعلق توڑا کہ وجود ہستی کی بنیادیں ہل گئیں مگر کرم ہے اس خدائے لم یزل کا کہ جو بہتر سے بہترین دینے والوں میں سے ہے۔

❖ اپنے رب کی ذات پر یقین اتنا بڑھ گیا کہ ہر بات پر صبر آجاتا ہے صبر کرنے کی تبدیلی مثبت ہے۔

❖ میں تو آنے والے مہینہ کی بھی منصوبہ بندی نہیں کرتی آپ سال کی بات کررہی ہیں اور یہاں تو زندگی کے ایک پل کا بھی بھروسہ نہیں جناب۔

❖ بس ایک ہی خواب ہے کہ در کعبہ دیکھ سکوں، سرکار مدینہ اپنے در پر بلالیں ایک بار پھر ان فضاؤں میں سانس لے سکوں۔

انعم زہرہ...... ملتان

❖ مجموعی طور پر یہ سال میرے لیے دکھوں، غموں اور آزمائشوں کا سال تھا، اس سال نے مجھے رشتوں کے بدلتے ہوئے ایسے روپ دکھائے کہ میری روح ساکت رہ گئی۔

❖ میرے نزدیک اس سال کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ میرے مشکل وقت میں مجھے مسلسل آنچل کا بھرپور ساتھ حاصل رہا اور میری نگارشات کا آنچل میں شامل ہونا میری سب سے بڑی خوشی بھی ہے باعث فخر بھی۔

❖ میرا یہ عمل اچھا تھا یا نہیں یہ میں نہیں جانتی، پر اس سال جس طرح میری خاموش زباں نے اپنے حق کے لیے آواز اٹھائی گو کہ میں ناکام ٹھہری پر پھر بھی مجھے اپنے اس عمل پر فخر ہے۔

❖ آج کل خوشیاں اتنی ناپید ہوگئی ہیں کہ ہمیں خوش ہونے کے لیے بھی بہانوں کی ضرورت پڑتی ہے اور میں ایسے بہانوں کے انتظار میں رہتی تھی یہ دن میں عید کی طرح منایا کرتی تھی، رات میں مہندی لگانا اور دن کی شروعات میٹھے سے کرتی تھی پر دو سال سے یہ دن بہت ہی خاموشی سے گزر جاتا تھا پر اس سال میں اس دن کو اسی عزم سے مناؤں گی جیسے پہلے منایا کرتی تھی۔

❖ اس سال سے مجھے کوئی خاص امید نہیں تھی، بس ایک دعا تھی کہ جو میرا ہے وہ ہمیشہ میرا رہے، پر اس سال مجھ سے میرا وہ رشتہ چھن گیا جو میری زندگی کا حاصل تھا۔

❖ مثبت تبدیلی یہ کہ بہت صاف گو ہوگئی ہوں اور ہر کسی پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا ہے۔

❖ آئندہ برس کے لیے کوئی منصوبہ بندی نہیں کرتی بس ہر اچھے برے وقت کے لیے تیار رہتی ہوں۔

❖ آنے والے سال میں میری ایک معصوم سی خواہش ہے کہ میں قیصر آرا آنی سے ملوں اور پوچھوں کہ آپ اپنے لفظوں میں اتنا خلوص اور اتنی محبت کہاں سے لاتی ہیں۔

یاسمین کنول...... پسرور

❖ مجموعی طور پر دکھوں کا سال رہا، ملکی حوالے سے بھی اور ذاتی حوالے سے بھی۔

❖ اس سال کی بڑی کامیابی "ہلال" میں نظم کی اشاعت اور

اجرت کا ملنا۔

❖ ایک غریب بچی کی ٹیوشن فیس ہر ماہ دیتی ہوں اور اب وہ اچھا پڑھنے لگی ہے امید ہے میٹرک میں اچھے نمبروں سے پاس ہوگی۔

❖ زندگی کا ایک سال کم ہونے پر افسردہ ہوجاتی ہوں تاہم نئے سال کی خوشی اپنی جگہ ہے۔

❖ کچھ توقعات پوری ہوئی ہیں اور کچھ رہتی ہیں ان شاء اللہ 2018ء میں میرا اللہ وہ ضرور پوری کرے گا۔

❖ بری عادت جو چھوڑی وہ بے صبری کی عادت تھی اب صابر ہوگئی ہوں قسمت کا لکھا سمجھ کر برداشت کرلیتی ہوں اور یہ ایک مثبت تبدیلی ہے۔

❖ آئندہ سال کے حوالے سے خواب یہ ہے بچوں کے لیے نظموں کی کتاب اور بڑوں کے لیے سچی کہانیوں کی کتاب شائع کروانے کی بھرپور کوشش کروں گی ان شاء اللہ شاعری کی کتاب بھی زیر ترتیب ہے۔

نجم انجم اعوان...... کراچی

❖ جناب من سال کے 12 مہینے 365 دن ہوتے ہیں مجھے نہیں لگتا کہ یہ سارے دن کسی کے اچھے یا کسی کے برے گزرے ہوں گے۔ ہماری زندگی کے ماہ وسال کبھی خوشی کبھی غم کی تصویر ہیں۔ سال میں بہت خوشیاں آئی ہیں تو بہت غم بھی اٹھائے ہیں' جتنا وقت آنسو بہانے میں گزرا ہے اس سے زیادہ ٹائم مسکراتے ہوئے گزرتا ہے۔ بہرحال میں تو اس گزرے سال کو خوشی اور غم کی مکس علامت کہتی ہوں یعنی دونوں ملے جلے وقت کے ساتھ 2017ء گزر گیا کچھ کھٹا کچھ میٹھا سا کچھ کامیابیاں بھی ملیں اور بہت ناکامیاں بھی مقدر بنی ہیں۔

❖ جی ہاں اس سال 2017ء میں آنچل کی طرف سے بہت پذیرائی ملی ہے۔ میری لکھی ہوئی تحاریر' غزلیات' نظمیں اور اشعار آنچل کے قیمتی صفحات کی زینت بنی ہیں۔ اتنے بڑے بڑے مشہور ومعروف شاعروں کے درمیان نجم انجم اعوان کی لکھی ہوئی کوئی بھی نظم' اشعار وغیرہ کا موجود ہونا میرے لیے باعث فخر ہے۔ میرے خیال میں یہ میری بہت بڑی کامیابی ہے اور سال 2018ء میں بھی پُرامید ہوں ان شاء اللہ۔

❖ دوستو کچھ عرصہ قبل میرے حالات کافی ابتر ہوچکے تھے ملک صاحب کی جاب بھی ختم ہوگئی تھی۔ تین بچے زیر تعلیم تھے مکان بھی کرائے کا تھا بس ہر طرف تنگدستی کا راج تھا ایسے میں اپنے بھی پرائے بن چکے تھے۔ اس وقت کسی بزرگ نے مجھے مشورہ دیا اور کہا کہ بیٹی کبھی بھی اللہ پاک سے ناامید نہ ہونا اور کچھ کلمات پڑھنے کے لیے دیے تھے سوا لاکھ مرتبہ پڑھنے تھے اور پڑھ کر اس طرح دعا کی جائے کہ اللہ پاک اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صدقے میں حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک جتنے بھی لوگ اس دنیا سے کوچ کرگئے ہیں ان میں تمام انبیاؑ' رسول ﷺ امامؑ اولیاءؒ اور عام انسان جو بھی اپنے پرائے ہیں یہ سب کلمات ان کی معرفت کرتی ہیں ان سب کے گناہ کبیرہ وصغیرہ معاف فرما اور ان سب کو جنت نصیب فرما تو تمام مشکلات دور ہوجائیں گی۔

پچھلے دو سال سے میں روزانہ باقاعدہ کے ساتھ جتنی ہمت ہوتی ہے صبح' دوپہر' شام' رات ہر وقت یہی کلمات ورد زبان رہتے ہیں۔ آپ دوستوں یقین مانو کہ میرے گھر کے معاشی حالات آہستہ آہستہ بہتر ہونا شروع ہوگئے ہیں۔ ملک صاحب کی جاب بھی لگ گئی یعنی کہ ہر کام آسان ہوگیا ہے' آپ بہنوں سے گزارش ہے کہ دنیا کے ہر کام تو ہوتے رہتے ہیں وہ سب ادھر ہی رہ جائیں گے۔ ہم اگر کوئی نیکی کرتے ہیں تو اس کا صلہ دنیا میں بھی ملتا ہے' قبر میں بھی اور آخرت میں بھی ضرور ملے گا' ان شاء اللہ۔ جس نیکی سے ہماری مشکل زندگی سنور جائے وہ ضرور کرنی چاہیے ہم سب گناہ گار ہیں' اللہ پاک نے فضل کیا تو اس دنیا سے عزت کے ساتھ رخصت ہوں گے یہ ایسا کام ہے جس پر میں جتنا بھی فخر کروں کم ہے۔ وہ کلمات کچھ اس طرح سے ہیں..... بسمہ الرحمن کے ساتھ پہلے کلمے کی تسبیح ہے۔

❖ نئے سال کی آمد پر اللہ پاک سے دعا کرتی ہوں کہ اگلا سال خیر خیریت کے ساتھ گزر جائے' ہمارا ملک پاکستان امن و امان کا گہوارہ بنے اور مسلمانوں پر رحم فرمائے۔

❖ آتی تو ہوگی ذہن میں گزرے دنوں کی سوچ
کرتا تو ہوگا یاد وہ مجھ کو کبھی کبھی......

گزرے سال سے بہت ساری توقعات پوری ہوئی ہیں اس بیتے برس بہت سے لوگ اچھے دوستوں کی صورت میں ملے ہیں' اللہ پاک سے دعا مانگتی ہوں ہم سب کو ناکامیوں سے بچائے۔ پھولوں کی خواہش کرتے ہیں وہ مالک ہمیں کانٹوں سے بچائے اور سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔

❖ جی ہاں میں اکثر نماز قضا کردیتی تھی یا چھوڑ دیا کرتی تھی مگر اس بیتے سال میں نے اپنی بری عادت کو ترک کردیا ہے اور

بچوں سمیت سب کو پانچ وقت پابندی کے ساتھ تمام نمازیں ادا کرواتی ہوں' اللہ نے چاہا تو اسی عادت کے ساتھ ہی دنیا سے رخصت ہوں گی' ان شاء اللہ اور جو مسلمان اس اچھی عادت سے محروم ہیں اللہ تعالیٰ ان کو نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

❖ عید گزر گئی دسمبر بھی جاچکا
اے جان تمنا نیا سال آ گیا
(نجم انجم)

آئندہ سال جناب من کس نے دیکھا ہے' کیا پتا کہ ہم یہ نیا سال کب تک گزار پاتے ہیں۔ ہمیں تو اگلے پل کی بھی خبر نہیں کہ زندگی کتنی ہے' چار دن کی یہ زندگی نجانے کب تک چلے اگر اللہ اس سال زندہ سلامت رکھے گا تو منصوبہ بھی بنالیں گے (اگر زندگی رہی تو)۔

❖ میرے خواب' میں سب سے پہلے اپنے بچوں کی تعلیمی میدان میں ہمیشہ کی طرح کامیابی کی امید رکھتی ہوں اور میری غزلیات وغیرہ مشہور ہونے کی بھی امید رکھتی ہوں۔ دل میں اور بھی خواہشات ہیں جن کے برآنے کی امید دل میں چراغ کی صورت جل رہی ہیں' اللہ پاک سے امید ہے کہ وہ تمام خواہشوں کو پورا کرے' دوستو اگر زندگی رہی تو دوبارہ نیو ائر سروے میں حاضری دوں گی اگر مہلت نہ ملی تو دعاؤں میں انجم انجم اعوان کو ضرور یاد رکھیے گا۔

سالوں کی مسافت کو مختصر کردے
اے خدا میری محبت کو امر کردے
ایفائے عہد کی مہلت دے دے یارب
اور ان کی نگاہوں میں نجم انجم کو معتبر کردے

او کے دوستو اللہ نگہبان۔

انیلا طالب...... گوجرانوالہ

❖ آپ کے پہلے سوال کا جواب دینا تو کافی مشکل ہے کیونکہ اس سال میں جہاں بے شمار خوشیاں ملیں وہیں غم بھی ساتھ رہے چھوٹی چھوٹی خوشیاں مثلاً میری پیاری دوست عاصمہ داؤد بیاہ کر انگلینڈ چلے جانا اس بات نے جہاں خوشی دی وہیں دل اداس ہوگیا یوں لگتا ہے جیسے وہ پتا نہیں کتنی دور چلی گئی ہو۔ دوسرا میرے چھوٹے بھائیوں نے گھر میں رکھنے کے لیے آسٹریلین چڑیاں لیں ان کی چہچہاہٹ سے ہمارا گھر گونج اٹھتا ہے اس کے علاوہ میرے ماموں حیدر کی واپسی ہوئی سعودیہ سے زندگی میں پہلی بار ہم نے مل کے گاؤں کی سیر کی' خوب انجوائے کیا۔ کھیتوں میں گئے ٹیوب ویل دیکھا ننھیال میں' اس کے علاوہ دسمبر میں میری سالگرہ ہوتی ہے اس بار پتا نہیں کیوں اتنا جوش و خروش نہیں اور پچھلی دفعہ میری دوست زینت میری برتھ ڈے پر آ گئی غبارے اور ڈھیروں گفٹ لے کر بمع نیو بیڈ شیٹ اور کشن اور ہاں مین نے پنک سوٹ کا لہنگا ڈیزائن کیا اور اپنی دوست کے سامنے پہن کر جھجک جھجک کے اس کی فرمائش پہ جو کیٹ واک کی وہ لمحات بے حد خوشی کے تھے۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی میں نے کیک بنایا جو خلاف توقع اچھا بن گیا' اکتوبر میں میں نے اپنی سسٹر زینی کی برتھ ڈے پر سارا ارینج کرکے اسے سرپرائز دیا' کیک منہ پر خوب لگایا سب نے خوشی منائی لیکن نومبر کی یکم تاریخ کو میرے پیارے نانا جان کے انتقال نے اس سال کو غم کا سال قرار دے دیا میں اسے غمگینی کا سال ہی کہوں گی۔

❖ اس سال میں میری بڑی کامیابیوں میں میری چار کہانیوں کا مختلف ڈائجسٹوں میں سلیکٹ ہونا ہے' دوسرا اس سال میں نے حال ہی میں ایک لمبا وظیفہ کیا اس کی بے حد خوشی ہے اور اس سال مجھے اپنے نانا جان کی ڈائری ملی جس میں قیمتی وظائف اور ایک دو خاندانی نظمیں تحریر تھیں اس سال کی بڑی کامیابی یہ ہے ابھی حال ہی میں ''جنت کا شہزادہ'' کہانی لکھنے پر مجھے اول انعام ملا ہے اور میرا ایلیٹر بھی انعام یافتہ قرار پایا۔

❖ میں نے اپنے نانا جان کی پیشانی اور سینے پر چند مختلف کلمات لکھے جب ان کا انتقال ہوچکا تھا۔ یہ کام مجھے بے حد اطمینان دیتا ہے ان کے لیے میں نے اپنے گھر کے مخصوص بکس سے آیات والی چادر بھی لی جو ان کے اوپر ڈالی گئی یہ کام میرے اندر اطمینان سکون بھر دیتا ہے اس کام پر مجھے فخر ہے کہ ابھی ان کی چارپائی گھر پر تھی کہ میں نے انتہائی غم میں بھی پانچ ہزار کلمہ پڑھ کے بخش دیا' ان کی زندگی میں میں نے خاص طور پر ایک مہینے سے بلاناغہ اور ان گنت دعائیں مانگیں کہ وہ صحت یاب ہوجائیں جس دن ان کا انتقال ہوا اس دن بھی میں ابھی ان کے لیے دعا مانگ کے اٹھی تھی کہ اطلاع مل گئی۔

❖ میرے احساسات غمی کے ہوتے ہیں میں افسردہ بندی ہوں بھئی اس لیے شاید۔ زندگی کے ایک سال کم ہونے کی بے حد فکر۔

❖ بہت سی ادھوری پڑی ہیں کچھ پوری ہوئیں تجوید قرأت سے گھر والوں کو قرآن پاک پڑھانا ادھورا رہ گیا۔ توقع تھی کہ اس سال میں ایرز آرائٹرز فیس ہوجاؤں گی' امید ہے دسمبر کے کسی بھی

اعلیٰ پائے کے ڈائجسٹ میں میری کہانی شائع ہو کے یہ خواہش پوری ہو جائے جہاں تک بات ناکامی کی ہے تو وہ اب میں دل پر نہیں لیتی کیونکہ میں جان چکی ہوں کہ ناکامی ہزاروں کامیابیوں کی کنجی ہے۔

❖ اس سال میں نے مایوسی چھوڑ دی اعلیٰ بلند سوچ پائی اور اب میں جرأت امید اور ہمتوں کا عزم کیے ان سب کو اپنے بدن پر سجائے زندگی کی راہوں پر چل پڑی ہوں۔ میں نے رونا چھوڑ دیا ہے' مایوس ہونے کی بجائے پر امید ہونا سیکھا ہر ناکامی نے مجھے مزید آگے جانے کا راستہ دیا۔

❖ میں سال کے آخری دن اپنی ذاتی ڈائری پر اگلے سال کیے جانے والے کاموں کی فہرست بنالیتی ہوں پھر آخر میں اختتام دیکھتی ہوں تو سال میں ہو جانے والے کام مجھے حوصلہ اور امید دیتے ہیں پھر میں اور پر امید ہو جاتی ہوں۔

❖ میں آنے والے سال میں آنچل کے لیے کہانیاں لکھنا چاہتی ہوں اور امید کرتی ہوں جس طرح اس سال میں نے فیملی میگزین پھول میں لکھا اب آنچل میں لکھوں دیگر بے شمار ڈائجسٹ میں بھی لکھنا ہے اور خواب ہے کہ اس سال بے شمار انعامات حاصل کروں اور ایوارڈز لوں ایز آ ڈائجسٹ رائٹر۔

عائشہ پرویز...... کراچی

❖ ویسے تو میں خوشگوار ناخوشگوار سال یا ماہ پر یقین نہیں کرتی تھی مگر گزشتہ کچھ عرصے سے ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں کہ بس...... زندگی میں غم اور خوشیاں برابر کے شریک ہیں سو میں اس ایک لفظ میں واضح نہیں کرسکتی۔ یہ تو انسان کے اندر کا موسم ہوتا ہے جو اسے باہر کا موسم بھی خوشگوار یا ناخوشگوار محسوس ہوتا ہے۔

❖ اس سال کو اگر میں کامیابیوں کا سال کہوں اپنی ذات کے حوالے سے تو بے جا نہ ہوگا' اللہ نے بہت کرم کیا اور میری تحریروں کو بہت پذیرائی ملی۔ میں صرف اپنے اللہ سے امید رکھتی ہوں میری امیدوں سے بڑھ کر اس نے مجھے 2017ء میں نوازا ہے الحمدللہ۔

❖ اس سال میں نے برداشت کرنا سیکھا' والدین کے اعتماد کا پاس رکھا انہیں عمرہ کی سعادت حاصل کروائی جس پر آج بھی فخر محسوس کرتی ہوں۔

❖ پہلے سے خدوخال ہیں نہ پہلے سے وہ خیال
ہم ایک سال کے اندر کتنے بدل گئے

جہاں تک احساسات کی بات ہے تو ایک دم سرد جامد دسمبر' جنوری کی ٹھٹھرتی اداس شاموں اور راتوں کی طرح جنوری کے آنے سے پہلے تو مجھے دسمبر کے جانے کا غم ہی کھائے جاتا ہے۔ مجھ سے تو یہ دسمبر رکتا نہیں تو پھر دل کرتا ہے کہ سب کو پکڑ پکڑ کر بولوں کوئی تو جائے دسمبر کو روک لے کوئی تو پھر میرے دل سے ایک عجیب سی دعا نکلتی ہے کہ اللہ مجھے ایک اور دسمبر دکھا دے ایک اور......

ساجد کوئی کلی نہ کھلی شاخ غم پر
یہ سال بھی عذاب جہالت میں کٹ گیا

بے حد مصروفیت کے سبب اللہ تعالیٰ سے رابطہ کمزور ہو گیا جس کا مجھے بے حد افسوس ہے' اللہ کرے نئے سال میں یہ رابطہ پھر سے مضبوط ہو جائے اور اپنے پیاروں کے لیے دعا کرتی ہوں کہ اس سال بھی ہمارے ساتھ ہوں آمین۔

❖ 2017 سے کوئی خاص امیدیں وابستہ ہی نہیں کی تھیں مگر پھر بھی بہت کچھ اچھا ہوا جس کی مجھے قطعی امید نہیں تھی اور اس کے علاوہ دل ناراض کو خوش کرنے میں بہت سا سامان رہ بھی گیا' زندگی میں کچھ بھی یکدم پورا نہیں ہوتا ہمارے بھی کچھ ادھورے کام ہیں جن کے کرنے کو دل بے تاب و بے قرار ہے مگر ان ادھورے کاموں کی تشہیر پر راضی نہیں بس دعا کریں 2018ء خوشی' خیر و عافیت کے پیغام لے کر آئے ہم سب کے لیے۔

❖ بہت سوچنا پڑے گا کہ 2017ء میں مجھ میں کون سی اچھی عادت پیدا ہوئی ہاں البتہ مثبت تبدیلی (شوہر سے پوچھ کر) بتا سکتی ہوں' ہاہاہا۔ بھئی یہ مشکل سوال ہے' میرے خیال میں نہ کوئی اچھی نہ بری' کوئی بھی عادت تبدیل نہیں کی۔

❖ اس سال کی منصوبہ بندی یہ ہے کہ خود کو ایک ایسے رستے پر دیکھتی ہوں' جس کے اینڈ میں میری منزل ہے' سیدھا اور صاف رستہ ہے اپنے نئے گھر میں اپنے والدین' شوہر اور بچوں کے ساتھ ہی دیکھتی ہوں۔

❖ آنے والا وقت' مستقبل' غیب کی باتیں تو صرف اللہ ہی جانتا ہے مگر ہم لڑکیاں بہت سے خواب دیکھتی ہیں مگر میں نے خواب دیکھنا چھوڑ دیئے ہیں۔ میں نہیں جانتی میرا اگلا لمحہ کیسا ہوگا' ہوگا بھی یا نہیں؟ اگر اللہ نے مجھے مزید زندگی دی تو بس ایسی ہو کہ اللہ مجھ سے راضی ہو اور میں سچ پر رہوں' سچ بیان کروں' سچ لکھوں۔

(جاری ہے)

وہ جو اک میں تھا

یاسمین نشاط

حصہ 1

وفا کی جنگ مت لڑنا یونہی بیکار جاتی ہے
زمانہ جیت جاتا ہے محبت ہار جاتی ہے
ہمارا تذکرہ چھوڑو، ہم ایسے لوگ نہیں جن کو
زمانہ کچھ نہیں، کہتا وفا ہی مار جاتی ہیں



کمرہ نیم تاریک تھا اور ایک عجیب سی بساند نے پورے کمرے کو احاطے میں لے رکھا تھا' فضا دھوئیں کی کثافت سے آلودہ تھی' ہر چیز بے ترتیب اور گرد آلود تھی اس کے وجود کی طرح۔ فرشی بستر کی شکن آلود چادر پر آڑھی ترچھی لیٹی اُم حبیبہ انگلیوں میں دبی سلگتی سگریٹ' سگریٹ کے سرے پر وقفے وقفے سے ٹمٹماتی ننھی سی چنگاری' اُم حبیبہ کش لگاتی تو وہ ذرا کی ذرا چمکنے لگتی۔

اس کی ہر جذبے سے عاری آنکھیں جن کے گرد سیاہ حلقوں نے ڈیرہ جما رکھا تھا' چھت پر ٹکی تھیں' کثرت نوشی سے اس کے ہونٹوں کا رنگ' نیلا' جامنی ہو چکا تھا' جیسے کوئی ناگ ڈس گیا ہو' اس کا پیلا رنگ مدقوق روشنی میں کچھ اور بھی ڈراؤنا لگ رہا تھا۔ ماحول میں اتنی فرسٹریشن تھی کہ کوئی بھی دیکھ لیتا تو رو پڑتا' سگریٹ ختم ہونے کو تھی' جب موبائل کی بجتی بیپ نے کمرے کی خاموشی کو توڑا' وہ چند ثانیے یونہی لیٹی رہی اسے کچھ بھی سننا یا بولنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ بیپ ہوتی رہی اور بالآخر بند ہوگئی۔ اُم حبیبہ نے ایک گہری سانس لی اور کروٹ بدل لی' سگریٹ اب راکھ میں بدل چکی تھی۔ اس نے ٹکڑا اس ڈھیر میں پھینک دیا' جو کافی دنوں سے ادھر پڑا پہاڑی کی سی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا اور ابھی وہ دوسری سگریٹ سلگا ہی رہی تھی کہ موبائل دوبارہ بج اٹھا' وہ جانتی تھی دوسری طرف کون تھا' اس کا نمبر صرف ایک شخص ہی کے پاس تھا اور کئی سالوں سے صرف اسی کی کال آتی تھی اور یہ کال دن میں کئی مرتبہ آجایا کرتی' پھر دنوں اور ہفتوں پر محیط ہوتی اور اب یہ کال مہینوں پر چلی گئی تھی۔ اسے کال ریسیو کرنا پڑی۔

''آجاؤ۔'' مختصراً کہا گیا تھا۔

''موڈ نہیں۔'' اُم حبیبہ نے رکھائی سے جواب دیا۔

''پھر بھی آجاؤ۔ ضروری ہے۔'' اس نے حکماً کہہ کر فون بند کردیا۔

اُم حبیبہ نے اسے ایک گندی گالی بکی اور اٹھ کر تیار ہونے لگی۔ یہ گدھ اس کی جان نہیں چھوڑے گا۔ اس کی آخری بوٹی بھی نوچ کر کھا جائے گا۔ اس نے دیوار پر لگے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے سراپے پر نظر ڈالی۔

''تو یہ تم ہو اُم حبیبہ...... سید مجتبیٰ شاہ کی بیٹی' سید برہان شاہ کی بہن' یہ تم ہو......'' وہ ہنس دی...... اپنے وجود آنکھوں کو دیکھ کر' اس نے دیکھا اس کا پورا وجود دراڑوں سے بھر چکا تھا' جیسے کسی شیشے کے برتن کو ٹھوکر لگے اور وہ ٹوٹے نا' دراڑوں سے بھر جائے...... اور ہر پل یہی ڈر لگے' اب ٹوٹا کہ تب ٹوٹا...... وہ تو کرچی کرچی ہو کر بکھرتی بھی نہیں تھی' اپنا دراڑوں بھرا بدصورت وجود اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتی تھی' بہت دفعہ اس کا دل چاہا کہ وہ کسی کوڑے کے ڈھیر پر یہ بدبودار لاشہ پھینک آئے لیکن وہ اس کی ہمت بھی خود میں نہیں پاتی تھی' اسے لگتا' کوڑے کا ڈھیر بھی اس کے وجود کو قبول نہیں کرے گا...... اٹھا کر دور پھینک دے گا۔ اس نے اپنے چہرے پر دونوں ہتھیلیاں رگڑیں' جیسے کچھ اتارنا چاہتی ہو' پھر نا کام ہوگئی' اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی' بے نام سی نمی۔

چہرے پر میک اپ کی تہیں چڑھا کر اس نے ایک خوب صورت لباس زیب تن کیا...... بالوں کو شیمپو کرنے کے بعد اس نے کھلا ہی چھوڑ دیا تھا' ہونٹوں پر سرخی کی تہہ جما کر اس نے اپنا جائزہ لیا' کچھ دیر پہلے والی اُم حبیبہ کہیں چھپ گئی تھی اور ٹیکسی روک کر سگریٹ سلگاتی وہ' وہ بن چکی تھی جو سکندر ریاض نے اسے بنایا تھا' سکندر ریاض' وہ اس نام کو زمین پر لکھ لکھ کر تھوکتی تھی۔ جوتے مارتی تھی' لیکن کوئی اسم' کوئی جادو اس پر چلتا ہی نہ تھا' کیونکہ وہ خود جادوگر تھا' سنگ دل تھا' جس نے اسے ڈس لیا تھا اور اس کا وجود کرچی کرچی کردیا تھا۔ اس نے ایک دفعہ پھر سکندر ریاض کو گالی دی اور سگریٹ کے گہرے گہرے کش لگانے لگی' ٹیکسی اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئی تھی۔

☆......☆......☆

نذیراں نے پچھلے صحن میں چھڑکاؤ کر کے چارپائیاں بچھادی تھیں۔ ابھی بڑے شاہ صاحب آنے والے تھے انہیں شام کو صحن میں بیٹھ کر حقہ پینا بہت پسند تھا۔ اماں جی نے سپارہ پڑھنے والی بچیوں کو چھٹی دے دی تھی۔ سیداں نے مٹی کے چولہے میں لکڑیاں ڈال کر حقے کی آگ تیار کرلی تھی۔ ذرا پرے نمرہ' علیحہ اور احمد کھیل رہے تھے' فجیعہ باہر آئی تو ان کو ٹوک دیا۔

''مغرب ہوگئی' چلو کمرے میں چلو۔'' بچوں نے فوراً کھیلنا ترک کردیا' علیحہ اور احمد تو اسی وقت فجیعہ کے پیچھے چل دیئے جبکہ نمرہ اپنے فراک کی مٹی جھاڑتی واپس گڑیا گھر میں گھس گئی' اسے یہ گھر بہت پسند تھا۔ چار سال کی عمر میں بھی وہ بہت سمجھ دار تھی' وہ اپنی گڑیا اور کھلونے سب اسی میں رکھتی تھی' یہ گڑیا گھر چھوٹے شاہ جی نے اسے لاکر دیا تھا' چھوٹے شاہ جی کو سارے

بچے ابا سائیں بلاتے تھے۔ ابا سائیں بچوں سے بہت پیار کرتے تھے روز شہر سے ان کے لیے کوئی نہ کوئی کھلونا لے آتے تھے شجیعہ نے جاتے جاتے مڑ کر دیکھا۔

''نمرہ تُو پھر وہیں رہ گئی۔'' وہیں سے آواز لگائی۔

''چل آ جا دادی بلاتی ہیں۔'' نمرہ کو آنا ہی پڑا۔ شجیعہ جانتی تھی اس وقت وہ غصے میں تھی...... اسے گڑیا گھر چھوڑ کر آنا بہت برا لگتا تھا۔ اس لیے پیار سے اس کا سر سہلانے لگی۔

''میری یہ چھوٹی سی بیٹی کتنا غصہ کرتی ہے۔'' جواباً اس نے اور نتھنے پھلائے۔ بی جان اس کا غصہ دیکھ چکی تھیں۔ اشارے سے اسے پاس بلایا۔

''اِدھر آ میری بچی۔'' اس کے پاس آنے پر انہوں نے اس کی بلائیں لیں۔

''شجیعہ دیکھ کل تو نے میری بیٹی کو زیادہ دیر کھیلنے دینا ہے۔'' انہوں نے شجیعہ کو نصیحت کی تو وہ ہنس دی۔

''جی اماں جی۔'' اب وہ نمرہ کو اپنے ساتھ لپٹا کر چھوٹی چھوٹی باتیں کررہی تھی اور وہ دھیان سے ان کی باتیں سنتی دو پونیوں والا سر تیزی سے گھما رہی تھی۔ شجیعہ بچوں کا کھانا لینے کچن میں چلی گئی تبھی فضیلت چلی آئیں۔

''سلام آپا جی۔'' وہ ان کے سامنے والی چارپائی پر براجمان ہوگئیں۔

''وعلیکم السلام' کیسی ہو فضیلت؟'' انہوں نے نمرہ کے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے فضیلت سے پوچھا' انداز لیا دیا سا تھا۔

''شکر اللہ کا جو وقت گزر جائے' نمرہ کو دیکھنے آئی تھی' تھوڑی دیر کے لیے گھر لے جاؤں' اگر آپ کی اجازت ہو تو......'' فضیلت نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔ بی جان کے چہرے پر ناگواری کے اثرات ابھرے۔

''اس کی کیا ضرورت ہے' جب تم مل لیں یہاں پر پھر...... تم ایسے ہی کیوں روز اسی بات کو لے کر بیٹھ جاتی ہو۔'' ان کا لہجہ بھی روکھا ہوا۔

''نہیں آپا جی۔'' وہ شرمندہ سی ہوئیں۔ ''اصل میں شاہ صاحب کا دل تھا' نمرہ سے ملنے کو...... کہہ رہے تھے بھابی سے کہنا کچھ دیر کے لیے بھیج دیں۔ سو چلی آئی آپ خفا نہ ہوں۔''

''دیکھو فضیلت۔'' انہوں نے نمرہ کو اندر بھیجا اور سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔ ''بے شک تمہیں برا لگے لیکن میں اس گھر کا سایہ نمرہ پر نہیں پڑنے دینا چاہتی' تم یہاں آ کر کبھی کبھار ملنا چاہو تو ٹھیک ہے لیکن ساتھ لے جانا مجھے پسند نہیں۔ دوسرا یہ کہ اسے مت بتایا کرو کہ تمہارا اس سے کیا رشتہ ہے؟'' وہ بول رہی تھیں اور فضیلت بیگم کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا اور جا رہا تھا۔

وہ پھر بیٹھی نہیں' بیٹھ سکتی ہی نہیں تھیں' گھر آ گئیں' ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تھا۔ کمرے میں چھپ کر وہ پھپھک پھپھک کر روئیں۔ جو بھی ہوا اس میں وہ اکیلی قصور وار تو نہیں تھیں پھر انہیں اب تک اس الزام سے بری کیوں نہیں کیا گیا تھا۔ باہر کھٹکا ہوا تو انہوں نے جلدی سے اپنا چہرہ صاف کیا۔ شاید وہ لوگ آ گئے تھے۔ وہ فوراً باہر آئیں۔ باپ بیٹا دونوں تھے۔ خاموش' گرے کندھوں والے' شاہ صاحب کی منتظر نظروں نے بیوی کے پیچھے دیکھا پھر مایوس ہو کر نظریں جھکالیں۔ فضیلت بیگم نے دوپٹے کے پلو سے پاس پڑے صوفے سے نامعلوم گرد جھاڑی اشارہ کرتے ہوئے بولیں۔

''بیٹھیں شاہ صاحب...... کھانا گرم کرتی ہوں اور بیٹا تم بھی جا کر ہاتھ منہ دھو لو۔ پھر کھانا کھا کر ذرا حکیم جی سے میری دوا تو لا دو۔'' وہ حتی المقدور کوشش کررہی تھیں کہ ان کے اندر کا دکھ کوئی جان نہ لے لیکن شاہ صاحب جان گئے تھے' لیکن کہا کچھ نہیں خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئے آج ان کی چپ کی وجوہات میں ایک اور وجہ شامل ہوگئی تھی۔ اور یہ وجہ پھر اسی پرانے دکھ سے جا ملی تھی۔ جس دکھ کو قبر میں دفناتے دفناتے ان کے ہاتھ اور روح دونوں تھک چلے تھے' لیکن ہر روز کسی نہ کسی بات پر وہ دکھ قبر سے سر نکالے کھڑا ہو جاتا اور ان کی بے بسی پر ہنستا' مذاق اڑاتا اور ان کا سارا وجود پشیمانی کے چھینٹوں سے بھر جاتا' انسان گناہ کرنے کے بعد جب توبہ کرنے کے لیے اپنے رب کے آگے جھکتا ہے تو وہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیتا ہے' اس کی توبہ قبول کرکے پہلے جیسا پاک کردیتا ہے' لیکن بندہ معاف نہیں کرتا' وہ تو گناہ کی پاداش میں اسے دھتکارتا ہی رہتا ہے' لمحہ لمحہ اسے اس کا گناہ سنا کر سولی پر لٹکایا جاتا ہے' ایک لغزش کا طوق بنا کر گلے میں لٹکا دیا جاتا ہے اور پھر ہر آنے جانے والا اسے سنگسار کرتا ہے دنیا کی لغت میں معافی کا لفظ ہے ہی نہیں۔

''اگر ہم اسے معاف کردیتے تو آج...... آج حالات مختلف ہوتے ناں فضیلت؟'' شاہ صاحب کی آواز میں دکھ اور پچھتاوے دونوں ہی تھے۔

فضیلت نے چونک کر انہیں دیکھا چھ سالوں میں پہلی بار

انہوں نے اس پچھتاوے کا اظہار کیا تھا' جو انہیں اندر ہی اندر کھا رہا تھا' وہ دکھ جو انہیں مار رہا تھا۔

"ہم میں اتنا حوصلہ ہی کہاں تھا شاہ صاحب۔" فضیلت بیگم کا لہجہ بے حد ٹوٹا ہوا تھا۔ "فرشتے ہیں ناں ہم......" انہوں نے آنکھیں رگڑیں۔

شاہ صاحب کی آنکھ سے بھی آنسو گرا اور ان کا رخسار بھگوتا داڑھی میں جذب ہوگیا۔ ان کی جیب میں پڑا اخبار کا وہ تراشہ سرسرا رہا تھا جس کو ابھی کچھ دیر پہلے انہوں نے سڑک سے یہ سمجھ کر اٹھایا تھا کہ کہیں اس پر اللہ کا نام نہ لکھا ہو' لیکن اس پر بنی تصویر اور تحریر دونوں ہی ان کا چین اڑا لے گئی تھیں اور آج پہلی بار انہیں احساس ہوا تھا کہ اس بربادی میں وہ سب بھی برابر کے حصہ دار تھے' وہ اکیلی ہی خطا کار نہ تھی۔

☆......☆......☆

سکندر ریاض آج زیادہ ہی موڈ میں تھا۔ فائیو اسٹار ہوٹل میں اسے ڈنر کرانے کے بعد گاڑی ساحل سمندر کی طرف موڑ دی تھی' اُم حبیبہ خاموشی سے سگریٹ کا دھواں حلق سے اتاتی رہی۔

"تم اب بھی پہلے کی طرح دلکش اور فٹ ہو۔" سکندر نے ایک نگاہ اس کے سراپے پر ڈالی۔ جدید تراش خراش کا لباس جو صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں کا کھلا مظہر تھا۔

"سر پر دوپٹہ اوڑھ کر اور اپنے تن کو ڈھانپ کر شیطان کی دعوت کا سامان نہیں کرنا چاہیے۔" کان میں آواز گونجی تھی اور اس نے غیر ارادی طور پر گلے میں فیشن کے طور پر لٹکایا اسٹالر لپیٹنے کی کوشش کی تھی' ماں باپ کی باتیں اس وقت بری لگتی ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سچ ثابت بھی ہوجاتی ہیں۔

"تو پھر تم نے کیا فیصلہ کیا؟" اس کی خاموشی سکندر ریاض کو پسند نہیں آرہی تھی۔

"سوچا نہیں...... ابھی...... لیکن مجھے لگتا ہے میں نہیں کرپاؤں گی۔" اس نے گول مول سا جواب دیا۔

"میں ان سے بات کرچکا ہوں اُم......" سکندر کو اس کے جواب پر طیش آیا۔ اُم حبیبہ اس کی کسی بات سے انکار کرنے کی جرأت کرے اسے گوارا نہیں تھا۔ وہ اسے اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔

"تو منع کردو...... ہمت نہیں...... اور نہ ہی موڈ ہے میرا۔"

اس کی ناراضگی کو اُم حبیبہ نے پس پشت ڈالا۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو اُم یہ پاسیبل نہیں ہے۔" وہ اس

کے صاف انکار پر جھنجلایا۔

"سب کچھ پاسیبل ہے سکندر ریاض...... اگر......" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر گہرا کش لیا اور دھواں سکندر کے چہرے کی طرف چھوڑ دیا۔ اس کی اس حرکت پر سکندر نے اسے گالی سے نوازا...... وہ ہنس دی۔

"پتہ ہے سکندر' جب ہم اپنے مدار سے ہٹتے ہیں ناں تو مقام سے گر جاتے ہیں پھر نفرت' طعنے مقدر بن جاتے ہیں' گزرنے والے تھوک کر جائیں' روندھ کر جائیں' یہ ان کی مرضی...... تم نے سکندر ریاض...... تم نے مجھے اُم حبیبہ بنا تو دیا اور اس کا پورا اخراج وصول کررہے ہو تم لیکن میں اب یہ سوچنے لگی ہوں کہ میری ایک چھوٹی سی خواہش کی کتنی بڑی قیمت وصول کی تم نے' سب کچھ چھین لیا' میرا نام' میری شناخت' میرا گھر' خاندان......" سکندر بیچ میں بول پڑا۔

"اوہو...... تمہیں پھر دورہ پڑ گیا...... بھول جاؤ اپنی پچھلی زندگی' پچھلے لوگ' آج جس مقام پر تم کھڑی ہو ناں...... اس مقام کے لیے لوگ خواب ہی دیکھتے رہ جاتے ہیں...... میں نے تمہیں شوبز کا چمکتا ستارہ بنادیا ہے اور تم ابھی تک اس پھٹیچر زندگی کو لیے بیٹھی ہو' تمہاری ایک جھلک کتنی قیمتی ہے' تم جانتی ہو اور یہ سب میری وجہ سے ہے اُم حبیبہ...... تمہیں بنانے والا میں ہوں' چاہوں تو پل میں تمہیں وہاں پھینکوادوں جہاں تم زندگی کے لیے ترس جاؤ...... اور جس فلم کی میں تم سے بات کررہا ہوں' اس قدر پیسہ ملنے والا ہے تمہیں کہ تمہاری سوچ سے باہر ہے' غیر ملکی انڈسٹری اسے اسپانسر کررہی ہے' لوگ مر رہے ہیں اس رول کو کرنے کے لیے۔ تمہارا لیول انٹرنیشنل اداکاراؤں کا ہوجائے گا...... پاگل مت بنو......" وہ جھنجلا اور طیش کھا رہا تھا' کروڑوں کی ڈیل اس کے ہاتھوں سے نکل جائے یہ تو سکندر ریاض کو مر کر بھی گوارا نہیں تھا۔ اُم حبیبہ تو سونے کا انڈا دینے والی مرغی تھی۔

"مجھے اب ضرورت نہیں نہ پیسے کی' نہ کسی انسان کی۔" اس کے لہجے کی تلخی آج سوا تھی۔ "میں اس زندگی سے فیڈ اپ ہوگئی ہوں اور سکندر ریاض...... تم بھی...... تم بھی اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتے......" اُم حبیبہ نے صاف گوئی کی انتہا کردی اور جواباً اسے سکندر ریاض کا جاندار قہقہہ سنائی دیا۔

"مجھ سے جان چھڑانا بہت مشکل ہے جانِ من' اور میں جانتا ہوں تم مجھے چھوڑو گی نہیں چھوڑ سکتی ہی نہیں ہو' جمع تفریق' ضرب' تقسیم' جو بھی کرلو' بقایا میں ہی بچتا ہوں۔" وہ شاطر و مکار تھا۔

"تمہارا قتل میرے ہی ہاتھوں لکھا ہے سکندر ریاض۔" اس کے اندر نفرت ٹھاٹھیں مارنے لگی تھی' صحیح کہتا تھا وہ۔

وہ اسے چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی' اس رات وہ کھل کر بولی تھی' اپنے اندر کے سارے جذبے اس نے عیاں کردیے تھے۔ اس کے باوجود سکندر نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ وہ اس کو بہت دور پانی کے اندر تک لے گیا اور جتنی دیر وہ پانی کے اندر رہے تھے حبیبہ نے دعا کی تھی کوئی لہر آئے تو اسے بہالے جائے یا پھر سکندر ریاض کو...... لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ جب آپ اللہ تعالیٰ کی پروا کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو وہ بھی آپ کی طرف دیکھنا چھوڑ دیتا ہے۔ ساحل سمندر پر بیٹھے سکندر ریاض کی ذومعنی گفتگو پر اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتی وہ مسلسل اس گدھ سے نجات پانے کا منصوبہ بناتی رہی تھی اور علی الصبح اس کے فلیٹ سے اپنے فلیٹ تک سفر کرتے ہوئے وہ صرف جسمانی نہیں ذہنی طور پر بھی بری طرح تھکاوٹ کا شکار تھی۔

☆......☆......☆

اور یہ دو بھائیوں کی جنت تھی' جس میں صرف پیار اور محبت تھا' نفرت عداوت کچھ بھی نہیں تھا۔ دو کنال کے رقبے پر پھیلی وسیع و عریض اس کوٹھی کے دونوں اطراف عمارت تھی اور درمیان میں وسیع و عریض لان ایک دوسرے سے متصل تھے۔ بظاہر بیرونی گیٹ دو تھے' لیکن اندر سے یہ ایک ہی گھر تھا' ہمہ وقت اس لان میں میلے کا سماں رہتا۔ وہ دونوں بھائی تھے تو ان کی بیویاں سگی بہنیں اور اس سے ہٹ کر وہ ان کی پھوپی زاد تھیں بڑے شاہ صاحب زندہ تھے اور اس گھر کی رونق اور سوا تھی' کبھی فرق ہی نہ ہوا تھا مرتضیٰ اور خدیجہ کی اولاد کون سی ہے اور مجتبیٰ اور فضیلت کی کون سی...... ذیان اور شجیعہ' ذیشان میرب اور برہان...... سارا دن اکٹھے کھیلنا' کھانا پینا' پتہ ہی نہ چلا کب یہ لوگ بچپن کی سیڑھی پھلانگ کر جوانی کی حدود میں داخل ہوگئے تھے اور کب شجیعہ اور میرب نے اپنا آپ دوپٹوں میں چھپالیا تھا۔ کب ان کے انداز میں جھجک اور شرم و حیا آگئی تھی اور ذیان اور برہان بھی تو اب بے دھڑک ان سے بات نہیں کرتے تھے۔ ذیشان تو خیر ابھی چھوٹا تھا۔ خصوصاً جب سے بڑوں نے ان کے کانوں میں بات ڈال دی تھی کہ میرب ذیان سے اور شجیعہ برہان سے منسوب ہے۔ برہان اور ذیان دونوں اپنی پڑھائی

مکمل کرنے میں لگے تھے' ذیان ماس کمیونیکیشن میں ماسٹرز کررہا تھا اور برہان انجینئرنگ کے تیسرے سال میں تھا۔ وسیع وعریض لان اب بھی یونہی آباد تھا۔ بڑے شاہ صاحب گزر گئے تھے لیکن رسم ورواج کی پاسداری انہیں سونپ گئے تھے اور تلقین کرگئے تھے کہ خاندان کی ناموس پر کبھی آنچ نہیں آنی چاہیے۔

پابند صوم وصلوٰۃ گھرانا تھا' لوگ عزت کرتے تھے' عزت سے پیش آتے تھے' ان کی خاندانی ملازمائیں بھی بہت دیکھ بھال کر رکھی جاتی تھیں' بڑے شاہ صاحب کا فرمان تھا' امیری ہو یا غریبی' خاندانی نجابت بہت اہمیت رکھتی ہے' کبھی کسی کو اس کی امارت یا غربت سے مت پرکھو...... خاندان سے پرکھو۔" اس گھر میں کوئی مرد ملازم نہیں تھا اور عورتیں بھی صرف کچن اور گھر کے اندر تک محدود تھیں۔ مردانے میں جانے کی اجازت نہ تھی۔ خدیجہ اور فضیلت نے بچوں کی تربیت کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ میرب اور فجیعہ بہت سلجھی ہوئی سمجھدار لڑکیاں تھیں۔ عزت واحترام ان کی گھٹی میں ملا کر دیا جاتا تھا تو شرافت ونجابت خون میں' کہیں کچھ غلط ہو ہی نہ سکتا تھا' ان کا گھر واقعی جنت تھا پیار اور محبت سے بھرا...... عزت واحترام سے گندھا۔

☆......☆......☆

کھانس کھانس کر اس کا برا حال ہوگیا تھا لیکن اس نے انگلیوں میں دبی سگریٹ پر اپنی گرفت ڈھیلی نہ ہونے دی تھی۔ فضا میں پھیلا کثیف دھواں اس کے پھیپھڑوں کا دم گھونٹ رہا تھا لیکن وہ پھر بھی اس دھوئیں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش نہیں کررہی تھی۔ اس کے حلق میں کانٹے پڑنے لگے تھے اور پسلیوں اور سینے میں شدید اینٹھن۔ یہ تاریک کمرہ یقیناً اس کا مدفن بننے والا تھا۔ اس نے وال کلاک کی سمت نگاہ کی' رات کے آٹھ بجنے میں چند ہی منٹ باقی تھے اور سکندر ریاض نے اسے نو بجے کسی ہوٹل میں پہنچنے کا حکم دیا تھا۔ اس کا پورا جسم شدید درد میں مبتلا تھا' شاید اسے ٹمپریچر ہوگیا تھا۔ وہ پانی پینا چاہتی تھی لیکن ہمت نہ تھی کہ اٹھ کر کچن تک جاتی' اس نے تپائی پر رکھے گلاس کو ایک مرتبہ پھر دیکھا...... وہ خالی تھا...... بالکل اس کے وجود کی طرح...... اس کا وجود بھی ٹین کا خالی ڈبہ بن گیا تھا۔ چھیدوں سے بھرا' جس کے اندر کچھ ٹکتا ہی نہیں تھا۔ وہ ہر دن ان چھیدوں کو بھرنے کی کوشش کرتی اور رات ہوتے ہی وہ پھر پھٹ جاتے اور زندگی قطرہ قطرہ رسنے لگتی' وہ اپنے لہولہان ہاتھوں کو پھیلا پھیلا کر خاموش دعائیں مانگتی' معافی کی عرضیاں بھیجتی لیکن وہ سارے پتے کھو چکی تھی' اس راہ پر آتے ہوئے اس نے پیچھے کوئی نشانی نہیں چھوڑی تھی جو پلٹ سکتی...... اور پھر پلٹ کر جاتی بھی کہاں؟

اس کے پاس نہ تو کوئی راستہ تھا اور نہ ہی زادِ راہ...... وہ گندگی کے جس گڑھے میں گر چکی تھی وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ اسے سجھائی نہ دیتا تھا۔ سوچ کے در بند ہوئے تو کش لگانے میں بھی شدت آگئی' غصہ بےبسی اس پر حملہ آور ہوئے تھے۔ گھڑی کی ٹک ٹک' جسم کی حدت اور کھانسی کا حملہ...... ایسے میں جو موبائل پر بیل ہوئی تو اس نے موبائل اٹھا کر سامنے دیوار پر دے مارا...... وہ سیدھا وال پینٹنگ پر لگا اور اس کا شیشہ اور موبائل دونوں چکنا چور ہوگئے۔ کم از کم آج کی رات تو اسے سکندر ریاض کی مرضی کے مطابق نہیں گزارنی پڑے گی۔ اس نے سوچتے ہوئے اپنا وجود ڈھیلا چھوڑ دیا لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی۔ اگلے ہی پل ڈور بیل نے اس کی پوری حسیات بیدار کردی تھیں۔

گدھ دروازے پر آن پہنچا تھا' بھلے وہ موبائل توڑ دے' یا گھر...... کاش سلیمانی ٹوپی ہوتی اور وہ پہن کر غائب ہوجاتی کم از کم اس لمحے...... وہ سکندر ریاض کو برداشت کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ ڈپلیکیٹ چابی لاک میں گھومنے کی آواز نے اس کا رواں رواں کھڑا کردیا تھا' لات یا گھونسہ...... اس کے دکھتے جسم کی ٹکور کرنے والا ہی تھا اس نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کیا' سکندر اندر آچکا تھا اور لائٹ آن کرتے ہی وہ کمرے اور اس کی حالت سمجھ چکا تھا' ذرا پرے موبائل اور شیشہ کی کرچیاں بکھری پڑی تھیں۔ الجھے بالوں اور پراگندہ حلیے میں وہ اوندھی پڑی کھانس رہی تھی۔

"آج پھر تمہارا بہانہ ہے؟" وہ دھاڑا۔ جیسے شیر کو شکار نہ ملے لیکن وہ تو گدھ تھا۔

"تمہیں سمجھ کیوں نہیں آرہی اُم حبیبہ' تم میری ساری انویسٹمنٹ ضائع کرنے کے چکر میں ہو۔" سختی کرتے کرتے وہ ایک دم نرم بھی پڑ جاتا تھا۔ وہ ہونک رہی تھی۔ بول نہ پارہی تھی۔ سکندر آگے بڑھا اور اس کی کلائی پکڑلی۔

"اٹھو...... پانچ منٹ میں تیار ہوکر آجاؤ' ہمیں آج یہ ڈیل فائنل کرنی ہے' صرف تمہاری وجہ سے میرا سارا پراجیکٹ ڈیلے ہورہا ہے۔ اٹھو جلدی کرو۔" اس نے اسے کھینچا۔ اُم حبیبہ نے ملتجی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ رحم کی بھیک مانگی تھی لیکن پتھر

کے بت کب کسی کی سنتے ہیں۔ انہیں تو بھینٹ چاہیے ہوتی ہے چاہے وہ زندہ لاشے کی صورت ہو یا مردہ روح کی۔

سکندر ریاض نے اسے میڈیسن باکس سے دو پین کلرز نکال کر پانی کا گلاس لا کر تھمایا۔ اس نے غٹاغٹ چڑھایا پانی کا گلاس مل جانے سے گویا اس میں توانائی آئی تھی۔

''آج نہیں سکندر کسی اور دن کا رکھ لو...... میرا جسم ٹوٹ رہا ہے۔''

''بکواس نہیں' بڑی مشکل سے ٹائم دیا ہے رضوی صاحب نے۔'' وہ مشتعل ہوا۔ ''صرف پانچ منٹ' میں باہر بیٹھا ہوں۔'' اور اگلے پانچ منٹ میں وہ واقعی تیار تھی۔ آج اس نے بال شیمپو نہیں کیے تھے اس لیے چٹیا باندھ لی تھی۔ شارٹ شرٹ اور کیپری پہنے جب وہ باہر آئی تو سکندر ریاض کا پارہ ساتویں آسمان پر جا پہنچا تھا۔

''یہ کیا پہن لیا تم نے؟ اُم حبیبہ' ہم کسی میلاد میں نہیں جارہے۔ بزنس ڈیل کرنے جارہے ہیں۔ تمہارا حافظہ واقعی کمزور ہوگیا ہے یا پھر یہ سب جان بوجھ کر کرنے لگی ہو' اور یہ جو ہونٹوں پر لپ اسٹک لگا کر آئی ہو' لگتا ہے کسی سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ جاؤ' اپنا حلیہ ٹھیک کرو۔ اور اللہ کے لیے جلدی۔'' اس نے کلائی میں بندھی قیمتی واچ میں ٹائم دیکھا۔ سانپ نے تو اسے واقعی ڈس لیا تھا اور اس کا زہر اس کے تن من کو نیلا کررہا تھا اور اب تو وہ خود اپنے آپ کو ڈسنے لگی تھی اور کچھ دیر بعد سکندر ریاض کی حسب منشاء جب وہ تیار ہوکر آئی تو اسے اپنا سارا وجود بدبودار محسوس ہورہا تھا۔ قیمتی سے قیمتی پرفیوم بھی اس بدبو کو دور نہیں کرپارہا تھا۔

رضوی سے ڈیل فائنل ہوگئی تھی اور ہوتی کیوں نا جب مدمقابل دور حاضر کی سپر اسٹار اُم حبیبہ تھی۔

''ارے سکندر۔'' رضوی نے چوتھا پیگ اندر انڈیلتے ہوئے اپنی بے حد غلیظ نگاہیں سامنے بیٹھی ناز و انداز کا شاہکار اُم حبیبہ پر گاڑی تھیں۔

''یہ نام...... میڈم کے لیے ان فٹ ہے...... کوئی اچھا رومینٹک سا نام رکھنا تھا ان کے لیے...... چتکی' پنکی' سپنا......'' بات مکمل کرکے اس نے زوردار قہقہہ لگایا۔ اُم حبیبہ کا جی چاہا پوری کی پوری بوتل اس کے گنجے سر پر دے مارے۔ سکندر ریاض نے قہقہے میں بھرپور ساتھ دیا تھا۔

''اصل میں رضوی صاحب میڈم جی کی پہلی انٹری جس کیریکٹر کی وجہ سے ہٹ ہوئی تھی انہوں نے وہی نام رکھ لیا' آپ کو یاد نہیں میرا وہ ولے کس قدر ہٹ گیا تھا' ایک ٹرننگ پوائنٹ بن گیا تھا میرے کیریئر کے لیے ہر طرح سے......''

سکندر ریاض کو کئی سال پہلے کی وہ عظیم کامیابی ابھی تک یاد تھی۔ جس نے نہ صرف اس کی بلکہ ایک سیدھی سادی لڑکی کی پوری زندگی بدل دی تھی۔ جنت سے جہنم بنادی تھی۔ اُم حبیبہ بھی وہ پل نہیں بھول سکتی تھی۔ بھلا سکتی ہی نہیں تھی کہ اس ایک کمزور لمحے نے اس کی ساری زندگی چھید کر رکھ دی تھی۔

''اُم حبیبہ کہتے ہوئے منہ کا ذائقہ بڑا عجیب سا ہوجاتا ہے۔ خوامخواہ ادب واحترام کا خیال سرسرانے لگتا ہے۔'' رضوی نے پھر شعلہ فشانی کی۔

''چلیں سکندر۔'' اس نے ضبط کرتے ہوئے سکندر ریاض کی طرف دیکھا اور سکندر نے رضوی کی طرف...... گویا اجازت طلب کی۔

''آج جانے کی ضد نہ کرو۔'' وہ اپنی بھونڈی آواز میں گانے لگا۔ نشہ سر چڑھ کر بولنے لگا اور وہ اب کہ تب بس لڑھکنے ہی والا تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ جسم ایک بار پھر تپنے لگا تھا شاید پین کلرز کا اثر ختم ہوگیا تھا۔ بے جان ٹانگوں سے بمشکل وہ اپنا وجود گاڑی تک گھسیٹتی ہوئی لائی اور اندر بیٹھتے ہی اس نے اپنا آپ سیٹ پر ڈھیر کردیا تھا۔ ہمت ختم ہوگئی تھی۔

☆......☆......☆

تصویریں بیڈ پر بکھری ہوئی تھیں' ایک سے ایک طرح دار' خوب صورت لڑکی' خاندانی نجابت وشرافت کی مہر پیشانی پر آویزاں کیے لیکن برہان شاہ کو کسی سے کوئی بھی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اپنے آپ کو کسی طرح اس امر کے لیے تیار نہیں پاتا تھا۔ اس کا اعتبار ہر رشتے سے اٹھ گیا تھا۔ جھکے سر کے ساتھ زندگی بتانا بھی کوئی زندگی ہوتی ہے؟ آن بان شان خاندانی لوگ انہی تین چیزوں کے سہارے تو زندہ رہتے ہیں اور ان میں سے اگر ایک چیز بھی نہ رہے تو بدن سے زندگی رسنے لگتی ہے اور ان کے خاندان کے مقابل تو کوئی خاندان تھا ہی نہیں' امارت' سخاوت' شرافت' نجابت' کس چیز کی کمی تھی بھلا ان کے خاندان میں؟ فخر وغرور کے شملے اتنے اونچے تھے کہ سر اٹھا کر دیکھنے والا آسمان کی وسعتوں کو چھو آتا' لیکن ان کی اونچائی نہ ناپ سکتا اور یہ ارفع ہونے کا غرور اور بڑھ گیا تھا جب گاؤں کی زندگی کو خیر باد کہہ کر انہوں نے شہر کے پوش علاقے میں شاندار کوٹھیاں خریدی

تھیں۔ زمینوں سے آنے والی آمدنی ان کی شاندار طرز زندگی میں معاون ثابت ہو رہی تھی۔ بچوں کا داخلہ اچھے اسکولوں میں ہو گیا تھا۔ سب اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر میں مگن تھے کتنا اچھا دور تھا وہ...... برہان اس وقت اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا تھا' یہ کھڑکی پچھلے لان میں کھلتی تھی' وہ لان جو کبھی بہت وسیع و عریض تھا اور اب دلوں کے ساتھ ساتھ وہاں بھی ایک اونچی دیوار نے جگہ بنالی تھی۔ دیوار کے اس پار اور اس پار فاصلے اس قدر بڑھ گئے تھے کہ پاٹے نہ جاسکتے تھے۔ میلے اجڑ گئے تھے ایک غلط قدم نے سب کچھ تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا۔ سب کچھ چھن گیا تھا' سارے رشتے ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو گئے تھے لیکن اس کے دل کو قرار نہیں آتا تھا۔ نہ وہ فجیعہ کو بھول پارہا تھا نہ میرب کو...... دونوں سے اس کے دل کا رشتہ تھا اور دونوں نے ہی دل کے اتنے ٹکڑے کیے تھے کہ سمیٹنا مشکل ہو گیا تھا۔ اتنے سالوں بعد بھی...... اس کی آنکھیں نم ہونے کو تھیں کہ فضیلت کمرے میں آگئیں۔

"دیکھیں تصویریں؟" انہوں نے پہلے بیڈ اور پھر اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں امی جان۔ میں شادی......"

"بس کرو برہان......" انہوں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کچھ ہمارے بڑھاپے کا ہی خیال کرلو خالی' ویران گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے' اس اجڑے گھر کو بسا دو جینے کی کوئی صورت بنے۔" وہ نڈھال سی بیڈ کی پائنتی پر ٹک گئیں' برہان نے آنکھیں صاف کر کے پلٹ کر دیکھا۔

"آپ ابھی تک جینے کے بہانے تلاش رہی ہیں امی جان۔" اس کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی چبھن تھی کہ فضیلت بیگم تھرا اٹھیں۔ ان کا جوان بیٹا جس آگ میں جل رہا تھا' وہ واقف تھیں' وہ خود بھی تو اسی آگ کا ایندھن تھیں۔ سلگ سلگ کر راکھ ہونے والی تھیں' بس اس گھر میں سب ایک دوسرے سے نظریں چرائے رہتے تھے ایک نظر ملی تو حوصلوں کی راکھ اڑ اڑ کر اندھا کر دے گی۔ برہان نے دوزانو ہو کر گھٹنوں پر سر رکھ دیا۔

"یہ آسیب زدہ گھر ہے برہان' یہ گھر' یہ شہر ہماری ساری خوشیاں نگل گیا' وہاں گاؤں میں کتنا سکون تھا۔ ہم واپس چلتے ہیں...... منالو شاہ صاحب کو ہم اپنے پرانے گھر واپس چلتے ہیں۔ میں وہاں جا کر تمہاری شادی کر دوں گی' آنگن میں تمہارے بچے کھیلیں گے تو ہمارے دل بس جائیں گے۔ اجڑے دیار آباد ہو جائیں گے برہان...... چل واپس چلتے ہیں۔" وہ برہان شاہ کے گھنے بالوں پر چہرہ ٹکائے رو رہی تھیں۔

کچھ دکھوں کی شدت کبھی کم نہیں ہوتی' کچھ غموں پر کبھی صبر نہیں آتا' کچھ جدائیاں مار ڈالتی ہیں لیکن کچھ جدائیاں زندہ رہنے کی سزا دیتی ہیں۔ قطرہ قطرہ لمحہ لمحہ' پگھلتا وجود خراج ادا کرتا رہتا ہے' لیکن پھر بھی کچھ دکھوں کی شدت کبھی کم نہیں ہوتی' کچھ غموں پر کبھی صبر نہیں آتا۔

"ہمیں اسے معاف کر دینا چاہیے تھا۔ غلطی تو سب سے ہوتی ہے ناں۔ وہ آئی تھی واپس' معاف کر دیتے' سینے سے لگا لیتے لیکن کسی نے سوچا ہی نہیں' سب نے اس کا اعمال نامہ اپنے اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنی اپنی مرضی کی سزا سنادی...... ہم کیسے اپنے تھے اس کے' اس کی لغزش کو بھلا نہ سکے' اس کے گناہوں سے چشم پوشی نہ کر سکے' پہلا گناہ اس نے کیا تھا...... برہان' اس کے بعد والے ہر گناہ میں ہم برابر کے شریک ہیں۔ اس مقام تک اسے پہنچانے والے ہم ہیں۔ یہ دیکھ...... یہ دیکھ......" انہوں نے مٹھی میں دبا مڑا تڑا اخبار کا تراشہ اس کے آگے کیا اور برہان نے بن دیکھے اسے مروڑ دیا تھا۔ اسے وہ سب نہیں دیکھنا تھا' اس میں سکت ہی نہیں تھی' اپنی ماں جائی کی بربادی کا اشتہار کون دیکھ سکتا ہے' کس میں ہمت تھی؟

فضیلت جانتی تھیں برہان کبھی بھی اس کو معاف کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا' اس خاندان کے مردوں کے دل مٹی کے نہیں آگ کے تھے' جو صرف جلانا جانتے تھے' بجھانے کا نہ ظرف تھا نہ حوصلہ' انہوں نے اپنے بے خود ہوئے آنسوؤں کو چادر میں جذب کیا اور برہان کے سر پر ہاتھ رکھ کر پھر اپنی بات دہرائی۔

"شاہ جی کا حکم ہے تمہیں ان میں سے کسی ایک لڑکی کو چننا ہے اور یہ فیصلہ فوراً کرنا ہے وہ اب اس معاملے میں تاخیر نہیں کرنا چاہتے۔ فجیعہ دو بچوں کی ماں بن گئی ہے اور تم ابھی تک......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہو گئیں' برہان نے سر اٹھایا...... اس کی آنکھیں لال انگارہ تھیں...... دل کی آگ آنکھوں تک پہنچی تھی۔ سب کچھ جل رہا تھا' وہ بھی عجیب تھا' بجھتی آگ کو پھونکیں مار مار کر روشن کر لیتا تھا اور پھر اس کے آگے اپنا سب کچھ رکھ دیتا تھا۔ جل جانے کے لیے مٹ جانے کے لیے اور جب سب کچھ راکھ ہو جاتا' تو پھر سے سمیٹ کر نئی آگ سلگانے بیٹھ جاتا...... آگ اور راکھ کا یہ کھیل وہ برسوں سے کھیل رہا تھا اور جانے کب تک کھیلنے کا ارادہ رکھتا تھا۔



WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کیا محبت مرد کی عادت اور عورت کی ضرورت ہے؟

آذر اور شاہ دونوں ایڈورٹائزنگ کے شعبے میں کام کرتے ہیں۔ گہری دوستی ہے۔ دونوں ہمیشہ ساتھ رہے ہیں۔۔۔ آذر اپنے شعبے میں نام بنا چکا ہے۔ لیکن بے حد جذباتی اور اپنی چلانے والا شخص ہے اس لیے کئی جاب چھوڑ چکا ہے۔ شاہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی ہے فرحان دونوں کا پرانا کلاس فیلو ہے۔ پیسے والا لڑکا ہے باہر سے واپس آیا ہے۔ اپنی ایڈ ایجنسی کھول رہا ہے۔ شاہ اور آذر فرحان کو جوائن کرتے ہیں۔ فرحان بظاہر ایک خوش مزاج مگر فلرٹ قسم کا انسان ہے۔ منال ایک مڈل کلاس گھرانے کی لڑکی ہے اپنی بہن روحی اپنی ماں اور ماموں کے ساتھ سادہ مگر ہنسی خوشی زندگی گزار رہی ہے جہاں پیسہ بے شک کم ہے لیکن آپس کی محبت بہت زیادہ ہے۔ روحی کا نکاح ہو چکا ہے۔ اس کی ساس کی مختلف ڈیمانڈز منال جیسی لاپرواہ لڑکی کو حساس بنا دیتی ہیں اور یہ محسوس کرنے لگتی ہے کہ لڑکیوں کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہیے۔

یہی سوچ اسے جاب کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

منال فرحان کی ایجنسی جوائن کرتی ہے یہاں آذر کو منال کی سادگی اور بے ساختگی بہت پسند آتی ہے اور وہ اس کی طرف کھنچنے لگتا ہے۔ شاہ اس بات کو محسوس کر کے سخت ٹینشن میں آجاتی ہے۔

آذر اور منال کے درمیان ہلکا سا رومانی تاثر آنا شروع ہوتا ہے جو شاہ کے لیے ناقابل برداشت ہے کیونکہ وہ خود بہت شدت سے آذر کو چاہتی ہے اور اپنے بیچ کسی کو بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔ فرحان اپنی ہی ایجنسی میں آذر کی مضبوط پوزیشن سے بری طرح چڑنے لگتا ہے کیونکہ آذر کو خود سے آگے دیکھنا اس کے لیے تکلیف دہ تھا۔ شاہ کو کسی زمانے میں اس نے بھی چاہا تھا لیکن شاہ کی آذر کے لیے دیوانگی دیکھ کر وہ اپنے دل کی بات کہہ نہیں سکا۔ شاہ سے ایسا لگتا ہے جیسے وہ جس چیز پر صرف اس کا حق ہے اس پر آذر قبضہ کر لیتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب آذر کو منال کی طرف بڑھتا دیکھتا ہے تو فیصلہ کر لیتا ہے کہ وہ منال کو آذر سے چھین لے گا اور اس کے لیے وہ بڑی گہری پلاننگ شروع کرتا ہے۔ شاہ خود کسی بھی صورت آذر کو حاصل کرنا چاہتی ہے اس لیے فرحان کا ساتھ دیتی ہے۔ آذر جلد ہی منال کو پرپوز کر دیتا ہے۔ آذر کے والد احمد صاحب جو ایک بہت ہی زندہ دل انسان ہیں اس فیصلے پر حیران ہوتے ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ شاہ کو اپنی بہو کے روپ میں دیکھتے آئے ہیں اور شاہ کی ممی کو اس رشتے کے لیے رضامندی بھی دے چکے ہیں ہر شخص کے لیے آذر کا یہ فیصلہ حیرانگی کا سبب بن رہا ہے۔ لیکن آذر ہمیشہ کی طرح صرف اپنے دل کی سن رہا ہے۔ آذر ایک شوٹ پر چند دن کے لیے باہر چلا جاتا ہے منال اور گھر والے بہت خوش ہیں اور سب کو یقین ہے کہ یہ رشتہ اب طے ہونے ہی والا ہے لیکن اسی دوران فرحان اور شاہ کی چال کامیاب ہوتی ہے۔ منال ایک بڑی غلط فہمی کا شکار ہو کر اس رشتے سے انکار کر دیتی ہے۔ آذر یہ خبر سن کر بری طرح اپ سیٹ ہوتا ہے لیکن منال کسی کی ایک نہیں سنتی۔ ان ہی دنوں میں منال کی بہن روحی کی شادی بھی انجام پا رہی ہے۔ تب ہی فرحان بھی منال کو پرپوز کر دیتا ہے اور گھر والے اتنا اچھا رشتہ ملنے پر منال کو ہاں کرنے کے لیے مجبور کر دیتے ہیں اور یہ رشتہ طے ہو جاتا ہے۔ آذر سخت غصے میں آتا ہے۔ شاہ اسے یقین دلاتی ہے کہ یقیناً فرحان اور منال کے بیچ کچھ تھا جب ہی ایسا ہوا ہے لیکن آذر صرف فرحان کو قصوروار سمجھتا ہے اور منال کی طرف سے مایوس ہو کر ایک رات فرحان کے گھر جا کر بہت ہنگامہ کرتا ہے جس کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ فرحان کی کمپلین پر پولیس آذر کو گرفتار کر لیتی ہے اور کہانی ایک زبردست موڑ لیتی ہے!

کیا آذر منال سے کہہ سکے گا اپنی محبت کا اعتراف کر سکے گا؟

کیا فرحان اور منال کی شادی ہو سکے گی؟

کیا شاہ آخر کار آذر کا دل جیتنے میں کامیاب ہو سکے گی؟

#TvOnePK

Tuesday 8:00 pm

فضیلت نے ساری تصاویر اکٹھی کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھیں اور اسے ایک بار پھر جلد فیصلہ کرنے کی ہدایت کرتی باہر نکل گئیں۔ برہان شاہ نے ایک بار پھر اپنا سر بیڈ کی پائنتی پر ٹکایا اور بے آواز رو دیا۔ روتا رہا‘ یہاں تک کہ آگ سرد پڑنے لگی تھی اور راکھ نے اڑ اڑ کر ہر چیز کو گدلانا شروع کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

فلم کا پہلا شوٹ جھیل سیف الملوک کے کنارے تھا۔ رضوی اپنی پوری ٹیم کے ساتھ وہاں پہنچ چکا تھا اور اب لوکیشنز سیٹ کی جارہی تھیں۔ رضوی بار بار سکندر ریاض کو کال کر رہا تھا جس کا نمبر ناٹ رسپانڈنگ جارہا تھا۔ اس کی پریشانی دھیرے دھیرے غصے میں بدل رہی تھی۔ وہ سکندر کو اتنا غیر ذمہ دار نہیں سمجھتا تھا...... وہ آج کا دن ضائع کرنے کے حق میں نہیں تھا...... اسے کچھ سین شوگراں اور کچھ ناران میں فلمبند کرانے تھے۔ باقی کی شوٹنگ کے لیے انہیں اگلے ہفتے کولمبو روانہ ہونا تھا‘ وہ چاہتا تھا یہاں کا کام جلد از جلد مکمل ہو جائے۔

”چائے...... چائے لاؤ۔“ اس نے اسپاٹ بوائے کو آواز دی۔ شدید ٹینشن کے عالم میں وہ چائے کے کپ پیتا تھا۔ وہ پھر سکندر کا نمبر ڈائل کر رہا تھا اور خلاف توقع اس بار مل گیا تھا۔

”کہاں ہو یار......؟“ وہ غصے سے بولا لیکن سگنل ویک ہونے کی وجہ سے سکندر کی آواز اس تک کلیئر پہنچ نہیں پائی...... اس نے جھنجلا کر فون پٹخ دیا۔

”صاب ادھر سگنل کم آتا ہے‘ ابھی نیا نیا آیا ناں ادھر...... آپ کو پریشانی تو ہوگی۔“ گھوڑے والا اس کی کیفیت کو جان کر بولا تو اسے اور بھی غصہ آ گیا۔ سکندر کو جانے کیوں یہاں شوٹنگ کرنے کا شوق چرایا تھا۔ مسائل کا گڑھ...... یہی سینز کولمبو میں باآسانی فلمائے جاسکتے تھے لیکن سکندر کو تو جھیل سیف الملوک کا حسن دکھانا تھا ناں۔

”یہ رائٹرز بھی ناں تخیلات کی دنیا سے باہر نہیں آتے۔“ چائے کا سپ لیتا وہ ساتھ ساتھ سکندر ریاض کو بھی کوس رہا تھا۔ غلطی اس کی تھی جو اسے ہیروئن کو اپنے ساتھ بٹھا کر لانا چاہیے تھا۔ سکندر ریاض کی نظریں تو ہر وقت چھلکی پڑی رہتی تھیں‘ اب سارا راستہ انجوائے منٹ کرتا آئے گا...... سوچ سوچ کر رضوی کا پارہ ساتویں آسمان پر جا پہنچا تھا۔

تبھی جیپ آ کر رکی...... سکندر ریاض اور اُم حبیبہ اس میں سے اترتے دکھائی دیے...... رضوی کے غصے پر جیسے کسی نے بالٹی بھر پانی ڈال دیا تھا...... وہ یک دم ہی مسٹر خوش اخلاق بن گیا۔

”آیئے میڈم...... آپ نے بہت انتظار کروایا...... چلیے کوئی بات نہیں...... نزاکت دکھانا تو آپ نازنینوں کا شیوہ ہے جی......“ اس کی باچھیں کھل اٹھیں...... وہ سکندر ریاض کو یکسر نظر انداز کرتا اس ملکہ حسن کے پیروں میں بچھ جانے کو تیار تھا۔ سکندر ریاض ایک احساس تفاخر سے گردن اٹھائے‘ احساس ملکیت کے نشے سے چور اس کے پہلو میں یوں چل رہا تھا جیسے اُم حبیبہ اس کی محکوم اور غلام ہو اور وہ اس کا مالک کل...... اُم حبیبہ خاموشی سے سر جھکائے چلی آرہی تھی۔ اس نے اپنا آپ ڈھیلا چھوڑ رکھا تھا‘ صاف لگ رہا تھا وہ یہاں اپنی مرضی سے نہیں آئی‘ زبردستی لائی گئی ہے۔

”تم لوگ کاغان سے تو ہمارے ساتھ ہی نکلے تھے پھر کہاں رہ گئے تھے؟“ اُم حبیبہ کی طرف سے کوئی رسپانس نہ پا کر وہ سکندر ریاض کی طرف متوجہ ہوا۔

”ہاں یار...... یہ بس اُم میڈم ان کو بلندیوں سے خوف آتا ہے‘ طبیعت خراب ہوگئی تھی راستے میں‘ کچھ دیر ڈاکٹر کے پاس لگی۔“ سکندر ریاض نے معنی خیزی سے کہا۔ پھر شوٹ کی تیاری شروع ہوگئی تھی۔ اُم حبیبہ ڈریس اپ ہو کر آ گئی تھی اور قیامت ڈھا رہی تھی۔ رضوی اور سکندر دونوں کی نگاہیں اس کے وجود پر گڑ سی گئی تھیں۔ ہوس کی کوئی انتہا نہیں تھی...... یہ بڑھتے بڑھتے ہر رشتے کو کھا جاتی ہے حتیٰ کہ اپنے آپ کو بھی۔

سین پہلے ہی شاٹ پر اوکے ہو گیا تھا اور یہی تو اُم حبیبہ کی جاندار اداکاری تھی۔ وہ اس طرح ڈوب کر اداکاری کرتی تھی کہ حقیقت کا گمان ہوتا...... ہر کردار جو وہ ادا کرتی اسی کے لیے لکھا گیا لگتا۔

”تالیاں مبارک باد...... یہ سب کچھ اس کے لیے بنا نہیں تھا‘ کبھی ان تالیوں کی گونج میں اسے زندگی کی کھنک سنائی دی تھی اور وہ اس سراب کے پیچھے اندھا دھند بھاگی تھی۔ رضوی بہت خوش اور مطمئن تھا اور ظاہر ہے سکندر بھی۔ اگلے دو دن ان کے شوگراں اور کاغان میں گزرے...... اور پھر واپسی...... کولمبو جانے میں ابھی کچھ دن تھے اور ان دنوں میں سکندر ریاض نے اسے واپس فلیٹ جانے سے منع کر دیا تھا۔

”تم یا تو ادھر رک جاؤ...... یا پھر ڈیفنس والے گھر چلی جاؤ‘ فلیٹ میں جا کر تم نیم پاگل ہو جاتی ہو۔“ اس کا اشارہ اپنے گھر کی

طرف تھا۔

"نہیں تم اچھی طرح جانتے ہو' تمہارے گھر رہ کر میں پوری پاگل ہوجاؤں گی۔" اس نے بلاتردد انکار کیا۔

"ویسے بھی ٹینشن مت لو...... تمہاری فلم مکمل ہونے تک میں کچھ نہیں کروں گی۔ نہ قتل' نہ خودکشی۔" اس نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے بے خوفی سے کہا سکندر ریاض بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اس کی معنی خیز باتیں اب اسے خوف زدہ کرنے لگی تھیں اور اسی لیے وہ اس سے بحث کرنے سے کترانے لگا تھا۔

"اوکے جیسے تمہاری مرضی......" اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ "لیکن...... خود کو فریش رکھنا ہے ہر دم...... یہی فلم کی کامیابی کی ضمانت ہے۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھپتھپا کر باہر نکل گیا۔ اُم حبیبہ نے سکون کا سانس لیا۔ آج کی رات اس کی جان بخشی ہوگئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد اس نے اپنا ضروری سامان سمیٹا اور اپنے بنگلے کی طرف روانہ ہوگئی۔ اسے واقعی کچھ دن کے لیے اپنی قنوطیت کو خیرباد کہہ دینا چاہیے تھا۔ کام میں ایمان داری کا خیال وہ ہر حال میں رکھتی تھی۔

☆......☆......☆

"اور یہ ہیں ایس ایس پی آفیسر یشال حیدر۔" اس نے سر پر کیپ رکھ کر قد آدم آئینے میں اپنا جائزہ لے کر خود کو سراہا۔

"تم ہو ہی اتنے ڈیشنگ کہ لڑکیاں بس مرتی چلی جاتی ہیں۔" اپنے شاندار سراپے کو اس نے ایک بار پھر سراہا...... اندر آتی ردا کے قدم رک سے گئے۔ وہ واقعی میں بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ اس نے ماشاء اللہ کہہ کر نظروں ہی نظروں میں اس کی بلائیں لیں اور ماں کو آوازیں دینے لگی۔

"امی...... امی جان جلدی آئیں' دیکھیں تو بھائی کتنا پیارا لگ رہا ہے۔" یشال حیدر نے مڑ کر دروازے کی سمت دیکھا۔ ردا اس پر نظروں ہی نظروں میں نہال ہوئی جارہی تھی۔

ملیحہ دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتی اندر آئیں اور یونیفارم میں ملبوس یشال کو دیکھ کر ان کا دل تشکر سے بھر گیا۔ اللہ نے آج ان کی سن لی تھی۔ ان کا برسوں کا خواب پورا ہوگیا تھا' ان کی دعائیں مستجاب ہوئی تھیں۔ یشال حیدر ماں سے لپٹ گیا۔

"مبارک ہو امی جان' میری پروموشن ہوگئی' میں ایس ایس پی بن گیا ہوں۔ آپ کے خواب کی تکمیل کی پہلی سیڑھی پر پاؤں رکھ دیا ہے میں نے اور یہ سب اس اللہ کا فضل اور آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔" یشال کی آنکھیں نم ہوئیں۔ ردا بھاگ کر فریج سے مٹھائی نکال لائی اور منہ میٹھا کرانے لگی۔

"مٹھائی تو یہ میری نند کی منگنی کی خوشی کی تھی' چلیں یہ بھی اسی میں نمٹ گئی۔ پر بھائی آپ کی طرف مٹھائی اور ٹریٹ پکی ہے۔" ردا لاڈ سے بولی تو یشال نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

"سب کچھ ملے گا' سلیری تو ملنے دو' میں ایک ایمان دار آفیسر ہوں صرف تنخواہ پر گزارا کرنے والا۔" وہ ہنسا۔

"اللہ تمہیں ہمیشہ ایمان کی دولت سے مالا مال رکھے۔" ملیحہ نے اس کا ماتھا چوم کر دعا دی۔ ردا نے زور سے آمین کہا۔

یشال کا چہرہ کھلا اٹھا تھا۔ اس کی محنت اور ایمان داری نے آج اس مقام پر پہنچا ہی دیا تھا' جس کی آرزو اس کی ماں کے دل میں تڑپ رہی تھی اور خوش تو ملیحہ بھی بہت تھیں۔ برسوں سے جس دعا کے لیے ان کے ہاتھ اٹھتے تھے آج وہ قبولیت کا درجہ پا گئی تھی اور یہ صرف ان کا ہی نہیں بلکہ ان کے مرحوم شوہر اور یشال کے باپ حیدر علی کا بھی خواب تھا۔ حیدر علی کو تو اس خواب کی تعبیر دیکھنا نصیب نہیں ہوئی تھی' البتہ ملیحہ کو بہت صبر کے بعد آخر یہ دن دیکھنا نصیب ہوگیا تھا' انہوں نے جھٹ پٹ شکرانے کے نفل پڑھے اور جمعہ کے دن گھر میں محفل میلاد کا اہتمام کرلیا تھا۔ سب عزیز رشتہ داروں کو فون پر ہی پیغام دے دیا گیا تھا۔ البتہ ردا اپنے سسرال میں خود پیغام دے کر آئی تھی اور اب سوچ رہی تھی کہ اپنے بچپن کی سہیلی میرب کو بھی بلالے۔

چھ سال ہوگئے تھے دونوں کو ایک دوسرے سے ملاقات کیے۔ آخری بار وہ اس کی شادی پر ہی ملی تھی۔ اس کے بعد وہ تو رافع کے ہمراہ دوبئی چلی گئی تھی' شروع کے چند دنوں تو ان دونوں کا رابطہ رہا تھا پھر ٹوٹ گیا تھا' امی سے ہی اسے میرب کی شادی کا پتہ چلا تھا۔ وہ کارڈ بھی دینے آئی تھی لیکن ردا ان دنوں امید سے تھی سفر منع تھا' اس لیے فون پر ہی اسے مبارک باد دے دی تھی۔

وہ کچھ بجھی بجھی سی تھی۔ شاید خفا تھی لیکن ردا نے سوچ لیا تھا کہ ڈیلیوری کے فوراً بعد وہ واپس آکر اسے منالے گی۔ لیکن وہ ایسا کر نہیں پائی تھی۔ رافع کی ساری فیملی وہیں تھی اس لیے محض اس کی ماں سے ملنے کے لیے وہ کوئی خرچہ کرنے کو تیار نہیں تھا۔ ہر سال اگلے سال پر ٹالتا رہا...... اور ہوتے ہوتے چھ سال گزر گئے۔ وہ تین بچوں کی ماں بن گئی' اس کا سسرال بھی پاکستان شفٹ ہوگیا اور تب ملیحہ نے رو رو کر اس سے درخواست کی تھی کہ

وہ ایک بار تو آ کر اپنی شکل دکھا جائے اور تب کہیں جا کر ردا نے رافع کے سامنے اسٹینڈ لیا تھا۔ پاکستان میں اپنی ساس سے بات کی کہ وہ رافع کو سمجھائیں اور اسے ایک بار اپنی ماں اور بھائی سے مل لینے دیں۔ بڑی مشکل سے رافع مانا (اپنی ماں کی بات) اور اسے ایک ماہ کے لیے پاکستان بھیج دیا۔ وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ وہ پندرہ دن اس کی فیملی کے ساتھ گزارے گی اور پندرہ دن اپنی ماں اور بھائی کے ساتھ...... وہ مان گئی تھی۔ چلو پندرہ دن ہی سہی اور یوں وہ پاکستان آ ہی گئی تھی۔ اس کے جانے میں ابھی پندرہ دن باقی تھے۔ اس کی ساس کے دل میں اللہ نے رحم ڈال دیا اور انہوں نے رافع کے علم میں لائے بغیر اسے زیادہ سے زیادہ وقت اپنی ماں اور بھائی کے ساتھ گزارنے کی اجازت دے دی تھی۔ یوں وہ سہولت سے دونوں گھروں میں رہ رہی تھی۔ اس نے اپنی ساس کو بتا دیا تھا کہ وہ شام میں یشال کے ساتھ میرب کے گھر جائے گی اور تھوڑی پس وپیش کے بعد اجازت مل ہی گئی تھی۔ وہ سرشام ہی تیار ہو گئی تھی۔ میرب سے ملنے کی بے چینی تھی لیکن یشال نے آتے آتے کافی دیر کر دی تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے گھر آیا تھا' محض ردا کی ناراضگی کے خوف سے۔

"یہ یکا یک میرب کے گھر جانے کی کیا سوجھی...... وہ شاید تمہیں بھلا بھی چکی ہو۔" اس کے بیٹھتے ہی یشال نے کہا۔

"ہاں ممکن ہے۔" اس نے تائید کی۔ "آخر...... اس کے میرے بیچ چھ سال' دو بچے' ایک شوہر اور سسرال آ چکا ہے۔" ردا ہنسی' یشال بھی مسکرا دیا۔

"میرے کہنے کا مطلب ہے کیا اب تک اس نے تمہیں اور تمہاری دوستی کو یاد رکھا ہوگا' تمہاری تو ہر کال میں میرب کا ذکر ہوتا تھا۔"

"رکھا ہوگا۔" وہ یقین سے بولی۔ "بھولنے کی کوئی وجہ بھی تو نہیں اور اب آپ فضول کی باتوں سے میرا دماغ مت خراب کریں' گھر تو یاد ہے ناں اور کتنی تبدیلی آ گئی ہے سڑکیں' گلیاں' سب کچھ بدلا بدلا لگ رہا ہے' بہت ترقی کر لی ہے ہمارے شہر نے۔"

"تو کیا تمہاری جدائی میں یہ شہر ویران ہو گیا ہوتا۔" یشال نے مذاق اڑایا۔ "تم ہی تو گئی تھیں رونق شہر تو یہیں تھا' میں یعنی یشال حیدر' دیکھ لو ہم نے اس شہر کو تمہاری یاد میں مرنے نہیں دیا' زندہ رکھا۔ اپنی شرارتوں سے۔" یشال نے ہنستے ہوئے کہا تو ردا بھی اس کا ساتھ دینے لگی۔

"بھائی آپ ذرا بھی نہیں بدلے۔" گاڑی اب میرب کے گھر جانے والی سڑک پر مڑ گئی تھی۔

"ہم بدلیں بھی کیوں' ہم سے ہے زمانہ' زمانے سے ہم نہیں۔" وہ ایک بار پھر اترایا۔

"اچھا جی...... بس کریں' گھر آ گیا۔" ردا نے مصنوعی خفگی سے کہا اور یشال کے گاڑی روکنے پر جلدی سے نیچے اتر آئی۔

"شاہ کاٹیج" کی وسیع و عریض عمارت اس وقت نیم تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی اور غیر معمولی خاموشی کا راج تھا۔ کہیں وہ غلط جگہ تو نہیں آ گئی۔ اس نے کال بیل بجانے سے پہلے ایک بار پھر نیم پلیٹ پر نظر ڈال کر تسلی کی۔

وہ اس وقت آہنی گیٹ کے درمیان لگی نیم پلیٹ کے پاس کھڑی تھی اور سوچ رہی تھی میرب اس وقت کون سے گھر میں ہوگی۔ میکے یا سسرال؟ یشال بھی اتر کر آ گیا تھا اور اس سے بیل نہ بجانے کا سبب پوچھ رہا تھا۔ ردا نے فوراً کال بیل پر انگلی رکھی تھی۔ رات کی خاموشی میں بیل بجنے کی آواز بہت دور تک گونجی تھی لیکن اندر سے کوئی رسپانس نہیں آیا تھا۔

"شاید غلط ٹائم پر آ گئے؟" یشال نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ رات کے پونے نو ہو رہے تھے اور ابھی اتنا زیادہ وقت بھی نہیں ہوا تھا۔ ردا نے میرب کے لیے لائے گئے تحائف والا بیگ دوسرے کندھے پر منتقل کیا اور دوبارہ بیل پر ہاتھ رکھا...... اب کہ چند لمحوں کے بعد کوریڈور کی لائٹ جلی تھی' ردا کو کچھ اطمینان ہوا' ورنہ وہ پریشان ہونے لگی تھی' اس نے گیٹ سے اوپر جھانکنے کی کوشش کی' کوئی پیر گھسیٹتا ہوا گیٹ تک آیا تھا۔

"کون ہے؟" بیزاری آواز میں پوچھا گیا۔

"دروازہ کھولیے' میں ردا ہوں' ردا میرب کی سہیلی۔" اس نے اپنا تعارف کروایا تو کچھ توقف کے بعد گیٹ کھل گیا۔

آنے والے کو پہچاننے میں اسے دقت نہیں ہوئی تھی وہ برہان تھا' میرب کا بڑا بھائی...... وہ خاموشی سے انہیں تک رہا تھا۔

"السلام علیکم! برہان بھائی۔" ردا نے خود ہی پہل کی۔

"وعلیکم السلام۔" لہجے میں گرم جوشی مفقود تھی۔ یشال نے خود ہی مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ جسے تھامنے میں بھی پس وپیش سے کام لیا گیا تھا۔ ردا نے یشال کی طرف دیکھا پھر برہان کی طرف...... اس کی طرف سے اندر بلانے کی پیش کش

نہیں ہو رہی تھی' ردا نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور اپنے ذہن میں الفاظ ترتیب دینے لگی۔ سامنے والے کی سرد مہری نے الفاظ گونگے کر دیئے تھے۔

"برہان بھائی' میں ردا میرب کی بچپن کی سہیلی' آپ نے شاید پہچانا نہیں مجھے' میں آیا کرتی تھی میرب سے ملنے۔" برہان کی آنکھوں میں شناسائی کی رمق اب تک نہ ابھری تھی۔ یشال کو یہاں کھڑے رہنا زہر لگ رہا تھا' اس نے ردا کا بازو دبایا۔

"چلو ردا......" وہ مزید اپنا تعارف کروانے والی تھی کہ برہان بھائی نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ "بس...... تم ردا ہو...... میرب کی دوست...... تم میرب کی کون سی دوست ہو یہ مجھے جاننے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میرب اب یہاں نہیں رہتی' اللہ حافظ۔" وہ واپس پلٹ گیا' اور ردا کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی گیٹ زوردار آواز سے بند ہوگیا۔ ردا نے یشال کی طرف دیکھا اس نے کندھے اچکا دیئے' ردا کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ میرب کے بھائی کا یہ رویہ ناقابل فہم تھا۔

"یہ ساتھ اس کا سسرال ہے اور تایا کا گھر بھی...... ادھر سے......" ردا کا ارادہ اب دوسرے گیٹ کی بیل دینے کا بن رہا تھا۔ یشال نے اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔

"بس کرو تمہیں سمجھ نہیں آرہی' وہ میرب کی بات سننے کو تیار نہیں' اس کے سسرال والے کیا سنیں گے...... چلو بس۔" وہ اسے گاڑی تک لے آیا۔ ردا کو بیٹھتے ہی بنی لیکن اس کے ذہن میں برہان بھائی کا رویہ سوئی کی نوک کی طرح چبھ رہا تھا۔ میرب لاڈلی بہن تھی اور پھر اس کی نند اس کی بھابی بننے والی تھی' آخر کیا ہوا تھا' اسے میرب سے ملنا چاہیے تھا' کم از کم اپنے جانے سے پہلے ایک بار تو ضرور...... وہ کل بھائی کے بغیر آئے گی' اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا' وہ حقیقتاً میرب کی طرف سے فکر مند ہو رہی تھی۔

اور یشال حیدر اسے گھر ڈراپ کرنے کے بعد خود بھی غیر ارادی طور پر ردا کی دوست میرب کے بارے میں سوچ رہا تھا اور اس سوچنے کی وجہ کوئی عام نہیں بہت خاص تھی۔ بظاہر وہ ردا کے سامنے اتنی دلچسپی نہیں دکھا رہا تھا مگر آج بھی اسے وہ پندرہ سولہ سالہ لڑکی یاد تھی' جو حجاب کیے ان کے گھر کبھی کبھار آیا کرتی تھی اور ردا کے کمرے میں بیٹھ کر گھنٹوں باتیں کرتی رہتی تھی۔ اس نے کبھی اس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا لیکن اس کے چہرے پر سجی دو بڑی بڑی اداس سی آنکھیں اسے بہت نمایاں کرتی تھیں۔

جب وہ آتی تو گھر میں عجیب سی رونق لگ جاتی۔ دونوں ہنستیں' مسکراتیں' ردا پھر تھوڑی دیر بعد باہر آجاتی۔

"بھائی پلیز ذرا دو برگر تو لا دیں' بہت بھوک لگی ہے میرب کو۔" وہ چہرے پر سارے زمانے کی مسکینیت طاری کر کے کہتی۔

"ہرگز نہیں۔" وہ صاف انکار کر دیتا۔ "میں پڑھ رہا ہوں۔ تم جیسی فارغ لڑکیوں کی ناز برداریاں میں نہیں اٹھا سکتا۔" وہ مصروف نظر آنے کی کوشش کرتا۔

"پلیز بھائی۔" وہ منت سماجت پر اتر آتی۔ "بس آخری بار پلیز پلیز۔"

"آدھ درجن سموسے جو آدھ گھنٹے پہلے میں لے کر آیا تھا' وہ کس تندور میں جھونکے ہیں تم نے؟" وہ فوراً پچھلا حساب کھول کر بیٹھ جاتا۔

"توبہ ہے بھائی آپ تو روایتی ساسوں کی طرح نوالے گنتے ہیں ہر وقت' وہ سموسے آپ دوپہر دو بجے لائے تھے' اب پانچ بج رہے ہیں۔"

"اور دو بجے سے آدھ گھنٹہ قبل جو امی جان نے شاندار سا قیمہ چاول تم ندیدیوں کو دیا تھا وہ...... آخر اتنا سب کچھ ڈال کہاں رہی ہو تم......؟" وہ جھنجلا گیا تھا۔ اصل میں اس وقت اس کا جانے کا قطعاً موڈ نہیں تھا اس لیے ٹال رہا تھا لیکن ردا بھی اسے بازار بھجوانے پر تلی ہوئی تھی۔

"اللہ بھائی کیوں اتنے لیچڑ ہو رہے ہیں' میں اس کے گھر جاتی ہوں ناں تو اس کی امی یہ پورا دسترخوان بھر دیتی ہیں' کھانا الگ' چائے ناشتہ الگ اور گیٹ تک ملازمائیں کھانے کے لیے اصرار کرتی ہیں اور ادھر میں اگر اس کو سموسوں برگر پر بھی ٹرخاؤں تو آپ اعتراض کرتے ہیں۔" ردا کو میرب کے گھر کی نعمتیں یاد آرہی تھیں اور بھائی کی بحث پر غصہ۔

"اسی لیے تو کہتے ہیں دوستی ہمیشہ اپنے جیسوں میں کرنی چاہیے' اب ہماری محدود آمدنی میں تمہاری امیر سہیلیوں کی ناز برداریاں......"

"کیا ہوگیا ہے یشال......" امی جان نے اس کی بات کاٹی تھی۔ "اس طرح کہتے ہیں...... وہ سن لے گی تو کیا سوچے گی کہ اس گھر میں اس کا آنا برا لگتا ہے' بولتے ہوئے تھوڑا سا سوچ لیا کرو...... ہمارے لیے وہ بالکل ردا کی طرح ہے اور آئندہ میں نہ سنوں' تم ان دونوں کے کھانے پینے پر اعتراض کرو......"

انہوں نے اچھے خاصے لتے لیے تھے یشال کے اور وہ منہ بسور کر رہ گیا تھا۔ ردا نے منہ چڑایا۔ جو کہ ملیحہ نے دیکھ لیا تھا لیکن نظر انداز کر گئیں اور اسے کچن میں لے گئیں کیونکہ انہوں نے فریج سے شامی کباب نکال کر ان کے لیے بے حد مزیدار چیز سینڈوچز اور چائے تیار کردی تھی۔ ردا نے بے حد مشکور نظروں سے ماں کو دیکھا' کیسے وہ خیال رکھتی تھیں ان کا۔ وہ ان کا شکریہ ادا کرتی ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی۔ یشال ادھر ہی آ رہا تھا کیونکہ خوشبو اس کے نتھنوں تک پہنچ چکی تھی اور اب وہ بھی ان سینڈوچز سے دو دو ہاتھ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

دفعتاً اس کے موبائل پر بیل ہوئی تو وہ چونکا تھا آفس سے فون تھا۔

☆......☆......☆

اگلے دن کے اخبارات اُم حبیبہ کے نئے فوٹو شوٹ سے بھرے ہوئے تھے۔ ہر طرف اس کی نئی فلم کے چرچے تھے۔ وہ پورے ایک سال بعد فلم کررہی تھی۔ پچھلے سال بھی اس کی فلم سپر ہٹ گئی تھی اور ڈرامہ تو خیر اس کے بغیر تھا ہی نامکمل' وہ تو جس اسکرپٹ پر ہاتھ رکھتی وہ ہٹ ہوجاتا...... جس کمرشل میں وہ آجاتی اس چیز کی سیل کئی گنا بڑھ جاتی۔ وہ تو جس چیز کو ہاتھ لگاتی سونا ہوجاتی اور وہ خود اندر سے کیسے مٹی تھی یہ کوئی نہ جانتا تھا۔

"میم...... آپ کو بتا نہیں سکتا میں کتنا خوش ہوں۔ میں نے تو بس خواب میں سوچا تھا کہ کبھی آپ کے ساتھ فلم یا ڈرامے میں آؤں گا...... میرا یہ خواب اتنی جلدی پورا ہوجائے گا' کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔" یہ روحیل خان تھا اس کے مدمقابل زندگی میں بھی اور فلم میں بھی...... وہ دونوں اس وقت شہر کے مشہور کافی شاپ میں تھے' روحیل خان بیس پچیس کے درمیان تھا' اونچا لمبا' بے حد خوب صورت' آج کل ان تھا' ہر ڈرامے کی ضرورت۔

اس کی ساری باتوں کے جواب میں اس نے اپنی خواب آگیں آنکھیں اٹھائیں اور اس کے چہرے پر جمادیں۔ ایک گہرا کش لے کر دھواں چھوڑا اور بولی۔

"نئے ہوناں' پرانے کے گرد گھومتے ہوا بھی' جب شہرت اور دولت کے سمندر میں پوری طرح بہہ جاؤ گے ناں تو تم پر بھی ایک ملمع چڑھ جائے گا' بظاہر سنہرا لیکن کالا' کالا سیاہ' غرور کے قمقموں سے سجا' جلتے بجھتے قمقمے......" اس نے پانچوں انگلیوں کو جوڑ کر قمقمے کے جلنے بجھنے کا سائن دیا۔ روحیل خان حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ ٹاپ کلاس ہیروئن تھی جس کو سائن کرنے کے لیے مہینوں تاریخوں کا انتظار کرنا پڑتا تھا' سیٹ پر تو یہ بڑی ایکٹو ہوتی تھی لیکن عام حالات میں وہ اسی طرح پھرا کرتی تھی' انگلیوں میں ہمہ وقت دبا ادھ جلا سگریٹ...... بکھرے بال' میک اپ سے بے نیاز چہرہ...... لیکن وہ اس حلیے میں بھی قیامت ڈھاتی تھی' سلیولیس شرٹس اور تنگ گھٹنوں سے اوپر چڑھی جینز' وہ فنکشنز میں بھی نہیں جاتی تھی' کسی سے ملتی جلتی بھی نہیں تھی لیکن آج جب روحیل خان کا اچانک فون آیا کہ وہ اس کے ساتھ کافی پینا چاہتا ہے' تو وہ چاہتے ہوئے بھی اس کو منع نہیں کرسکی تھی' وہ خود نہیں باہر نکلنا چاہتی تھی اس وسیع و عریض بنگلے سے اسے خوف آتا تھا' سو پانچ منٹ میں اس کے بتائے گئے مقام پر پہنچ گئی تھی' اسے کس بات کا خطرہ تھا اور وہ جانتی تھی روحیل خان محض اسکینڈ لائزڈ ہونے کے لیے اس کے ساتھ کافی پینا چاہتا ہے۔ تو اس کا بھلا ہوجاتا' کافی آگئی تھی' گرما گرم بھاپ اڑاتی۔

"کتنی شہرت چاہیے تمہیں روحیل خان؟" اس نے اپنی مخروطی انگلیاں کپ کے کنارے پر پھیریں۔ گرم بھاپ انگلیوں کو چھوگئی' روحیل خان کو شاید اس سوال کی توقع نہیں تھی وہ تو سوچ کر آیا تھا کچھ دیر بیٹھے گا' فلرٹ کرے گا' کافی پیئے گا' اس طرح کی شہرت یافتہ اکثر ہیروئنز تنہائی کی ماری نیم پاگل سی ہوتی ہیں۔ خوش ہوجائے گی' اپنے ساتھ مزید کسی پراجیکٹ میں انوالو کرلے گی اور محض اس کے ساتھ اسکینڈ لائزڈ ہونے سے وہ شہرت کی بلندی پر جا پہنچے گا' بعد میں ایک آدھ تردیدی بیان اور بس۔

"کیا سوچنے لگے؟" اس کی طویل خاموشی پر وہ ہنسی اور روحیل خان نے دیکھا جب وہ ہنستی تھی تو اس کی آنکھیں روتی تھیں۔

"کچھ نہیں......" اس نے غیر ارادی طور پر ماتھے پر ہاتھ پھیرا' نمی تھی شاید اس خیال کی کہ سامنے بیٹھی وہ نیم پاگل ہیروئن اس کی سوچ پڑھ چکی تھی۔

"اس بازار میں......" اس نے خود ہی کہنا شروع کیا' روحیل خان کو شاید الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ "ہر کوئی دوسرے کے اوپر چڑھ کر آسمان کو چھونا چاہتا ہے لیکن پہنچتا وہی ہے جس میں انرجی ہوتی ہے خود کو پچھاڑنے کی' ضمیر کو سلانے اور کان بند کرلینے کی۔" وہ ہنسی۔ روحیل خان یوں بیٹھا تھا جیسے سچ مچ اس

نے اس کی سوچ پڑھ لی ہو.....وہ نظر چرا رہا تھا۔

"کہیں..... کہیں اور چلیں؟" وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔

"کہاں؟" اس نے ابرو چڑھائے۔ "میرے بنگلے میں..... یا پھر تمہارے فلیٹ میں..... جہاں.....؟" دل کی کلی یوں کھل جانے پر وہ خوشی سے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ گرم کافی اس کے منہ پر آ پڑی۔ وہ حواس باختہ ہوگیا۔

"یو سن آف بچ۔" اس نے دانت پیسے۔ کافی کا خالی کپ ساسر میں پٹخا اور اپنا بیگ اٹھا کر ٹک ٹک کرتی یہ جا وہ جا۔ فلیش لائٹ چمکی تھی' چمک رہی تھی' ہیڈ لائنز بن گئی تھیں' کچھ فیور میں' کچھ ان فیور' لیکن اُم حبیبہ کو پروا نہیں تھی اور روحیل خان کچھ دن کے لیے خبروں میں ان ہوگیا تھا۔ ریٹنگ بڑھانے کے لیے کچھ بھی کرلو' کیا فرق پڑتا ہے۔

☆.....☆.....☆

فجیعہ لان میں بیٹھی بچوں کو پڑھا رہی تھی' دونوں بچے آرام سے پڑھ رہے تھے جبکہ نمرہ حسب معمول ضد پر اڑی ہوئی تھی' وہ پہلے اپنے ڈول ہاؤس سے کھیلنا چاہتی تھی جبکہ فجیعہ چاہتی تھی وہ پہلے ہوم ورک ختم کرلے۔

"نہیں کروں گی۔" اس نے نوٹ بک اٹھا کر پٹخ دی۔ فجیعہ کو اس حرکت پر بے حد غصہ آیا۔ وہ دونوں بچوں میں سب سے زیادہ تنگ بھی کرتی تھی۔ اپنی بات بھی منواتی تھی اور ہر وقت بے جا ضد بھی کرتی تھی۔ کبھی کبھار فجیعہ کو اس پر بے حد غصہ آتا اور دل چاہتا کس کر ایک چانٹا مارے' پھر بھائی کا خیال آجاتا اور ساتھ ہی اس کی معصوم صورت پر ترس بھی' وہ بھی کیا کرتی' اکیلی بی جان سے کہاں سنبھلتی تھی لیکن اب وہ ان کے قابو میں نہیں آتی تھی اس لیے جیسے ہی فجیعہ ان سے ملنے دو چار دنوں کے لیے آتی وہ نمرہ کی پوری ذمہ داری اسے سونپ دیتی تھیں۔

"بات سنو نمرہ۔" اس نے پیار سے پچکارا۔

"نہیں آؤں گی۔" اس نے انکار کیا۔

فجیعہ نے بے بسی سے اسے دیکھا پھر اجازت دے دی۔

"اچھا جاؤ' کھیل لو۔" وہ فوراً بھاگ گئی۔ وہ علیحہ اور احمد کو پڑھانے لگی لیکن ذہن نمرہ میں ہی اٹکا ہوا تھا۔ نمرہ کو ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ دن بدن خودسر اور ضدی ہوتی جارہی تھی لیکن وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ بی جان اسے بے شک بہت محبت سے پال رہی تھیں' اس کا خیال بھی رکھتی تھیں لیکن ماں تو ماں ہوتی ہے کئی بار اس کے جی میں آئی تھی کہ بی جان کو کہتی کہ اسے اس کی ماں کے حوالے کردیں لیکن وہ یہ صرف سوچ سکی تھی کہنے کی ہمت نہیں کرسکی تھی' اس کے جانے میں دو دن باقی تھے' ظفر کی کال بھی آ گئی تھی۔ وہ اپنی ساری پیکنگ کرچکی تھی۔ بس تھوڑی بہت شاپنگ کرنی تھی' جس کے لیے اسے شام کو ذیشان کے ساتھ جانا تھا۔ وہ پلان بنا رہی تھی۔

"بی بی..... یہ آپ سے ملنے آئی ہیں۔" نذیراں کی آواز پر وہ چونکی۔ سامنے کھڑی شخصیت کو پہچاننے میں اسے چند لمحے لگے تھے۔

"تم.....!" وہ بے ساختہ کھڑی ہوئی۔ اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ جسے فجیعہ نے تھام لیا پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر رازداری سے بولی۔

"تمہیں میرب نے بھیجا ہے؟"

"کیا.....؟" ردا بھونچکی رہ گئی۔

"میں میرب سے ہی تو ملنے آئی ہوں....." وہ سنبھل کر بولی۔ سامنے فجیعہ تھی اور وہ اسے اچھی طرح جانتی تھی۔ فجیعہ پھر حیران ہوئی۔

"میرب..... تم نہیں جانتیں' میرب..... میرا مطلب ہے میرب یہاں نہیں رہتی....." فجیعہ کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا بتائے اور کیسے بتائے..... ساتھ ہی اس نے اِدھر اُدھر دیکھا' کہیں کوئی سن نہ لے۔

"نذیراں چائے لے آؤ' ہم یہیں بیٹھتے ہیں۔ چلو بچو آپ بھی چھٹی کرو۔" اس نے منظر صاف کیا اور پھر ردا کو بیٹھنے کا اشارہ کرکے خود بھی بیٹھ گئی۔ ردا کی فجیعہ سے بھی اچھی سلام دعا تھی بلکہ جب وہ ان کے گھر آیا کرتی تھی تو دونوں ہی اس کو بھرپور کمپنی دیتی تھیں۔

"کہاں رہیں اتنا عرصہ.....؟" فجیعہ نے خود ہی بات کا آغاز کیا۔

"میں تو شادی کے بعد دوبئی شفٹ ہوگئی تھی' کئی سال پاکستان آ ہی نہیں سکی' اب بھی امی نے بہت اصرار کیا تو ایک ماہ کے لیے پاکستان آنے کی اجازت ملی ہے' بس سسرال کے تھیل نرالے۔" آخری جملہ اس نے ہنس کر کہا۔

"تو تمہیں کچھ نہیں پتہ' مطلب' ٹی وی فلم کچھ نہیں دیکھتی تم؟"

"نن..... نہیں..... اتنی بھی پابندی نہیں ہے' دیکھ ہی لیتے

ہیں مذہبی ہیں لیکن چلتے پھرتے ڈرامہ وغیرہ تو دیکھ ہی لیتے ہیں اور نیوز وغیرہ بھی سب لوگ دیکھتے ہیں۔'' اس نے جلدی سے وضاحت دی۔

''یعنی میرب کے مرجانے کی خبر تم نے نہیں سنی؟'' جتنے اطمینان سے شجیعہ نے میرب کی موت کی خبر دی تھی اس سے کہیں زیادہ شدت سے ردا اچھلی تھی۔

''کک..... کیا..... کیا کہہ رہی ہو تم شجیعہ؟'' وہ مارے حیرت اور صدمے کے ساکت رہ گئی تھی۔ اسے یقین ہی نہیں آیا تھا کہ یہ واقعہ بھی ہوسکتا ہے وہ بے یقینی سے شجیعہ کو دیکھ رہی تھی۔

آج سے چھ سال پہلے اس کی ڈیتھ ہوگئی ایک ایکسیڈنٹ نے میرب کو ماردیا۔ کچھ نہیں بچا اس کے وجود کا۔ پرخچے اڑ گئے بہت بری موت تھی اس کی..... ایک بیٹی چھوڑی ہے سوگوار ان میں اس نے..... کیونکہ..... اس کے غم میں بھائی بھی چل بسے..... وہ اس کی جدائی کو سہہ ہی نہیں پائے تھے۔'' اب شجیعہ کی آنکھیں اور لہجہ دونوں بھیگ چکے تھے ردا ساکت بیٹھی تھی۔ ذیان بھائی بھی اب اس دنیا میں نہیں رہے تھے اور اس کی پیاری دوست میرب بھی..... یہ کیا ہوگیا تھا اور کیونکر..... اس کے آنسو سارے ضبط کے بندھن توڑ کر رخسار بھگونے لگے تھے۔ وہ جان ہی نہ پائی تھی اور اس کی عزیز ترین دوست یہ دنیا چھوڑ کر چلی گئی۔

''بی جان اور بابا جان.....؟'' روتے ہوئے ردا نے پوچھا۔

''سہار نہیں پائے ان دونوں کا دکھ جیتے مرتے ہیں ہر پل۔'' شجیعہ نے انگلیوں کی پوروں سے در آنے والے اشکوں کو پونچھا۔ ''کچھ دکھ گھات لگا کے بیٹھے ہوتے ہیں اندر ہی اندر..... جانے کیا کچھ کھا جاتے ہیں پتہ بھی نہیں چلتا۔ ہنستا بستا گھر کیسے ایک پل میں اجڑ جاتا ہے خبر بھی نہیں ہوتی۔''

نذیراں چائے اور لوازمات لے آئی تھی لیکن ردا نے سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا اس کی نگاہوں میں میرب کی شبیہہ تھی ہنستی مسکراتی خوش مزاج میرب شاہ زندگی یوں بھی مرجاتی ہے اور وہ جس کی زندگی تھی وہ بھی زندگی کی بازی ہار گیا تھا ردا کو ایک بار پھر ٹوٹ کر رونا آیا اور وہ مزید وہاں نہیں بیٹھ سکی تھی۔

☆.....☆.....☆

اس نے اپنی الماری کھنگال کر وہ البم ڈھونڈ ہی نکالی تھی جس میں ان دونوں کی دوستی کا لمحہ لمحہ قید تھا۔ دو پونیاں باندھے اسکول یونیفارم میں یہ ان کی تھری کلاس کے اینول فنکشن کی تصویر تھی۔ جب وہ دونوں ایک دوسرے کو چاکلیٹ کھلا رہی تھیں۔

ایک تصویر میں وہ ٹیچر سے پرائز لے رہی تھی..... ردا پیچھے کھڑی نظر آرہی تھی ایک تصویر میں وہ ردا کو گفٹ دے رہی تھی یہ اس کی آٹھویں سالگرہ کی تصویر تھی جو ذیشان بھائی نے اپنے نئے کیمرے سے بنائی تھی کہیں کوئی ایونٹ تو کہیں کوئی یادیں تھیں کہ ہر طرف بکھری تھیں اور ان یادوں کا کوئی بھی سرا اس کے ہاتھ لگ نہ رہا تھا وہ اپنے اردگرد کا ہوش بھلائے اس محبت کو رو رہی تھی جو اس لڑکی سے اس نے کی تھی۔ بے لوث اور بے غرض محبت اور وہ اس محبت کے قابل تھی شاید اچھے لوگوں کو اللہ تعالیٰ جلدی اپنے پاس بلا لیتے ہیں۔

اسے یاد تھا کہ میٹرک کرنے کے بعد جب عبدالرافع کا رشتہ اس کے لیے آیا تھا تو ردا نے رو رو کر گھر سر پر اٹھا لیا تھا وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی اس کے کچھ خواب تھے جنہیں اس نے پورا کرنا تھا لیکن ملیحہ نے اسے اپنی بیوگی کا واسطہ دے کر راضی ہوجانے کے لیے کہا تھا تب میرب نے کتنا سمجھایا تھا خود اس کی بھی تو شادی جلد ہی متوقع تھی بچپن کی منگنی کا اعادہ کب ہوجائے وہ کب جانتی تھی اور اس کی شادی پر میرب نے کس قدر ڈانس کیا تھا اس شرط کے ساتھ کہ اس کے گھر تک اس بات کی بھنک بھی نہ پہنچے اور تب تک تو بالکل خوش تھی اس کی رخصتی تک وہ اس سے وعدے وعہد لیتی رہی تھی اور پھر امی نے بتایا تھا کہ وہ اپنی شادی کا کارڈ دینے آئی تھی اور بہت خوش تھی۔ وہ ذیان سے محبت کرتی تھی اکثر جب بھی وہ اس کو ذیان کے حوالے سے چھیڑتی تو وہ بڑی دلچسپی سے بتانے لگتی کہ ذیان چوری چوری اس کے لیے اس کی پسند کی چیزیں لاتا ہے کبھی شجیعہ پہنچاتی ہے اور کبھی وہ خود کبھی بیڈروم کی کھڑکی سے کبھی مشترکہ ٹیرس سے۔ اسے یاد تھا جب ایک دفعہ ان کی کلاس فیلو صدف نے اسے روک کر کہا تھا کہ وہ اس کے لیے اپنے بھائی کا رشتہ لانا چاہتی ہے تو میرب کتنا سیخ پا ہوئی تھی اس کی بھنویں تن گئی تھیں۔

''تم جانتی ہو میں کس گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں سادات گھرانے سے اور تم نے سوچا بھی کیسے کہ میرا رشتہ مانگو وہ بھی اپنے بھائی کے لیے جس کا نہ کوئی نام نہ خاندان.....'' اس کے لہجے میں اتنی حقارت تھی کہ صدف ہکا بکا اس کا منہ دیکھتی رہ


Medora
Perfumed Talc
خوشبو جو دل کو بھائے
تازگی جو ہر کوئی چاہے
Season
Pleasure
Cherish
Joy
Passion
Greetings
Dignity
Salute
خوشبو کی دنیا کے 8 شگفتہ احساس
MEDORA OF LONDON

گئی اور پھر میرب نے اس کی جی بھر کے انسلٹ کی تھی۔ صدف وہاں سے روتی ہوئی چلی گئی تھی۔ ردا کے لیے میرب کا یہ روپ بہت انوکھا' بہت نیا تھا۔ وہ تو آج تک جان ہی نہ پائی تھی کہ میرب کو اپنے اعلیٰ نسب ہونے پر کتنا فخر ہے اور وہ اپنے آپ کو کتنا اعلیٰ وارفع سمجھتی ہے' وہ چپ چاپ کھڑی تھی جب کہ میرب اپنا غصہ نکال لینے کے بعد اب بیگ سے واٹر باٹل نکال کر پانی پینے لگی تھی اور پانی پیتے ہوئے اس نے خاموش کھڑی ردا کو دیکھا تھا۔

"دیکھا تم نے؟" وہ کارک بند کرتی اس کی طرف آئی تھی۔

"لوگ اپنی حیثیت اور مقام ہی بھول جاتے ہیں' ذرا اچھا خاندان اور خوب صورت لڑکی دیکھی تو لوگوں کی رال ہی ٹپکنے لگتی ہے۔" ردا نے کچھ نہیں کہا' خاموشی سے اس کے ہمراہ ہولی۔

اسے میرب کا غرور پسند نہیں آیا تھا اور بے شک اللہ تعالیٰ غرور کو پسند نہیں فرماتا' اس نے اللہ سے دعا کی تھی وہ میرب کو معاف فرمادے شاید ناسمجھی میں وہ ایسا بول گئی تھی اور پھر کچھ دنوں بعد اس نے میرب کو بے حد نرمی سے سمجھایا بھی تھا۔

"امی کہتی ہیں......" اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں ردا کے چہرے پر جمائی تھیں۔ "ہم اعلیٰ نسب ہیں...... عام لوگ نہیں ہیں' ہم اس طرح چھوٹے خاندان کے لوگوں سے میل ملاپ نہیں رکھتے...... کجا رشتہ داری۔"

"اور میں...... میرے بارے میں کیا خیال ہے؟" ردا نے پوچھا تو وہ ہنس پڑی تھی۔

"تم تو میری دوست ہو...... جند جان ہو۔" اس نے اپنا بازو ردا کی کمر میں حمائل کیا۔

"لیکن ہوں تو میں بھی چھوٹے خاندان کی......" ردا کانشس ہورہی تھی۔

"او کم آن ردا...... کیا ہوگیا ہے تم میری دوست ہو...... میں نے کبھی تم میں اور اپنے آپ میں فرق نہیں کیا اور پلیز چینج دس ٹاپک۔ ہر ایک کو اپنے ساتھ ملانے مت بیٹھ جایا کرو۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی تو ردا اس کو دیکھتی رہ گئی تھی لیکن یہ بھی تھا کہ اس کے بعد اس نے کبھی اس کے منہ سے اس طرح کی بات نہیں سنی تھی۔ وہ اب بھی اتنی اچھی اور کیئرنگ تھی۔ وہ دلگرفتہ سی گھر لوٹی تھی...... اور خود کو سنبھال نہیں پارہی تھی' امی کو بھی بہت دکھ ہوا تھا اس کی موت کا سن کر اور یشال تو یہ خبر سن کر سکتے میں آگیا تھا۔

"کہیں اس نے مذاق تو نہیں کیا؟" اس نے ردا کی روئی ہوئی آنکھوں کو دیکھا' پھر بیڈ پر بکھری تصویروں کو...... وہ آج تک اس لڑکی کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھ پایا تھا۔ وہ اس کے سامنے آنے سے احتراز کرتی تھی اور یشال نے بھی کبھی کوشش نہیں کی تھی' ہاں البتہ حجاب کے پیچھے چھپی دو استعجابیہ آنکھیں ضرور دیکھی تھیں' اس نے بلاارادہ ہی ایک تصویر اٹھائی تھی۔

"تو یہ میرب ہے؟" وہ اس دلکش چہرے کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

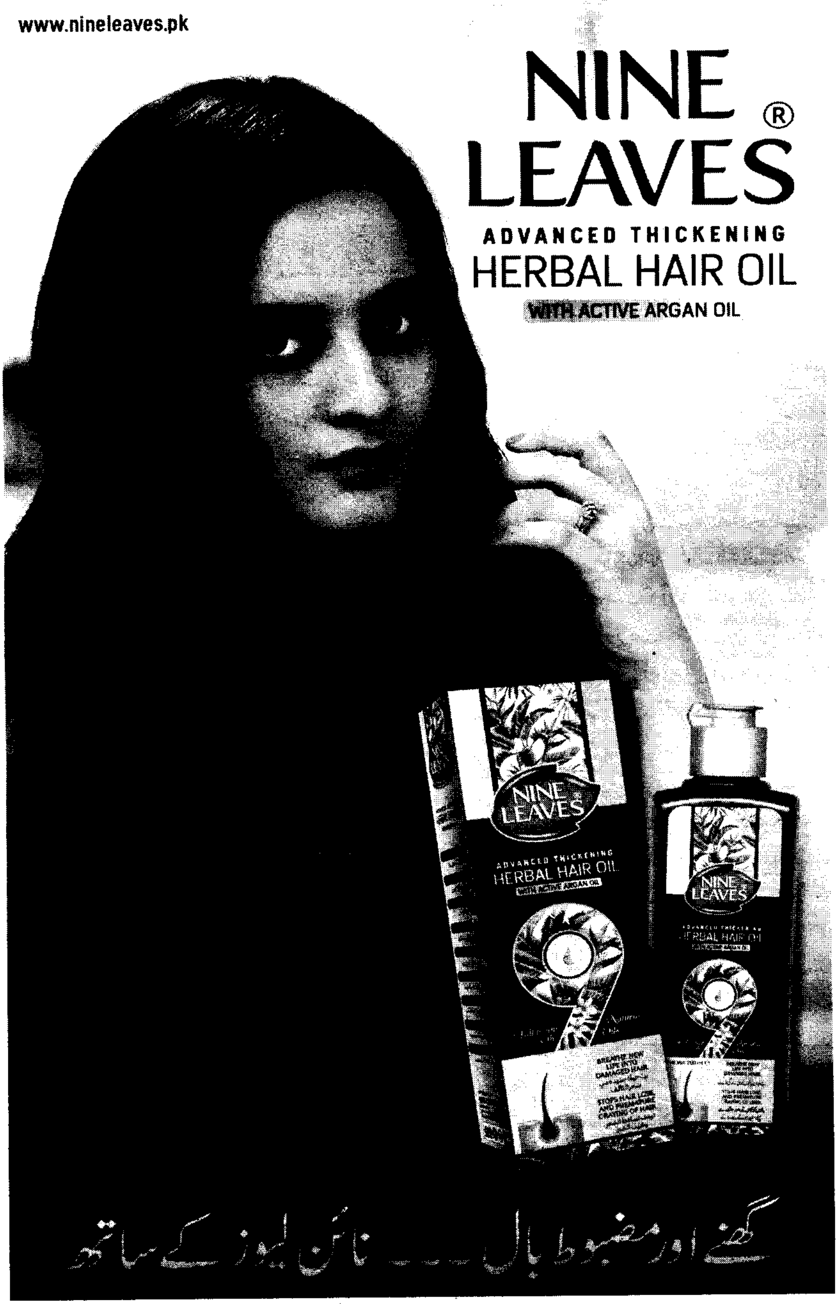
"میں اس بدتمیز عورت کے ساتھ ہرگز کام نہیں کروں گا' سر اتنی پاگل ہے وہ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا۔" روحیل خان تپا ہوا تھا' اس کے چہرے پر گرم کافی کی تپش ابھی تک باقی تھی۔ شکر ہے داغ نہیں آیا تھا اس کے چہرے پر۔

"دھیرج روحیل صاحب۔" پروڈیوسر اور سکندر ریاض اسے ٹھنڈا کرنے پر تلے ہوئے تھے لیکن اس کا نخرہ بڑھتا ہی جارہا تھا' اس کا دل چاہ رہا تھا اس پاگل ہیروئن کا منہ نوچ لے۔ اسی وقت ام حبیبہ وہاں آئی تھی۔ اپنے مخصوص حلیے میں۔

"ہائے......" اس نے کہا اور صوفے پر ڈھے سی گئی آج اس نے بلیک اسکرٹ کے ساتھ ڈارک ریڈ لپ اسٹک لگا رکھی تھی۔ بائیں ہاتھ میں لٹکتا شولڈر بیگ اور دائیں ہاتھ کی سہیلی سگریٹ...... روحیل خان وہاں سے اٹھ کر جانے لگا تو ام حبیبہ نے روک لیا۔

"سوری روحیل صاحب' اس دن جو بھی ہوا میں معذرت خواہ ہوں لیکن جو آپ مجھ سے متوقع تھے وہ بھی غلط تھا۔ آخر ہر مرد یہی کیوں سوچ لیتا ہے کہ اس فیلڈ میں آنے کے بعد ہر عورت خواہ وہ کتنے ہی شریف گھر سے تعلق کیوں نہ رکھتی ہو' طوائف بن جاتی ہے۔" اس نے بات کرتے ہوئے کاٹ دار نظروں سے سکندر ریاض اور پھر رضوی کی طرف دیکھا' دونوں پہلو بدل کر رہے گئے تھے۔ "اس کی کوئی عزت نہیں ہوتی' ہر کوئی اسے راہ میں پڑی چیز سمجھ لیتا ہے' جب دل کیا اٹھالی' جب دل کیا پھینک دی۔" سگریٹ کا کش لیا۔

"ارے نہیں جی میڈم...... اب آپ اتنا تو خود کو ڈی گریڈ نہ کریں...... آپ تو ملکہ ہیں' دلوں پر راج کرتی ہیں۔ لوگ آپ کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب رہتے ہیں اور......" رضوی نے دانت نکوسے۔ اس کا دل چاہا کہ اس کے منہ پر طمانچہ جڑ دے۔ جتنی بری اس کی شکل تھی' اتنا گندہ وہ خود تھا۔ روحیل خان



WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

البتہ فل ہیرو بنا بیٹھا تھا' اس کی تمام تر باتوں کا اس نے کچھ بھی جواب نہیں دیا تھا۔ سکندر ریاض بھی خاموشی سے اس لڑکی کی شکل دیکھ رہا تھا جس کے پر پرزے آج کل ضرورت سے زیادہ ہی نکل رہے تھے۔ اب تو سکندر کو بھی کھری کھری سنا ڈالتی تھی۔ وہ اب کسی کا بھی لحاظ نہیں کر رہی تھی۔ بے خوف ہو چکی تھی' اسے اس زندگی کی ہی ضرورت نہیں تھی مزید کیا کسی کا احسان لیتی..... پھر اچانک اس نے کہا۔

"چلیں روحیل آج کافی میری طرف سے بلکہ ایسا کرتے ہیں لانگ ڈرائیو پر چلتے ہیں' کھانا کھائیں گے کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں۔" روحیل نے چند لمحے خاموشی سے سوچا (سکندر ریاض پہلو بدل رہا تھا) پھر راضی ہو گیا۔ اس کا کیا جاتا اور ویسے بھی اس وقت اس کے کیریئر کا ٹرننگ پوائنٹ تھا اس لڑکی کے ہاتھ میں' فلم ہٹ ہو جاتی تو روحیل خان ٹاپ کلاس ہیرو بن جاتا..... اس کی شہرت کو چار چاند لگ جاتے..... سکندر ریاض نے ٹیبل کے نیچے سے رضوی کے پاؤں پر پاؤں مارا۔

"لیکن وہ گانا' آج کی شوٹنگ....." اس نے جلدی سے کہا۔

"پیک اپ کروا دیجیے' آج میرا موڈ نہیں ہے۔ چلیں روحیل؟" اس نے دونوں کے جلتے دلوں پر تیل چھڑکتے ہوئے روحیل کا ہاتھ تھاما اور پھر وہ رات گئے تک اس کے ساتھ گھومتی رہی تھی۔ ڈنر کرنے کے بعد جب روحیل نے اسے گھر ڈراپ کیا تو رات کے ساڑھے بارہ بج چکے تھے اور وہ جانتی تھی سکندر ریاض کا وہ ایک ایک پل کانٹوں پر بسر ہوا ہوگا اور اس کی توقع کے عین مطابق وہ لاؤنج میں سگریٹ پھونکتا نظر آ گیا تھا۔

"ہائے سکندر۔" بڑے خوشگوار موڈ میں وہ اندر داخل ہوئی تھی سکندر کسی ناگ کی طرح پھن پھیلائے کھڑا ہوا۔

"تم حد سے بڑھ رہی ہو اُم؟" وہ غرایا اور آگے بڑھ کر اس کے بال دبوچنے ہی والا تھا کہ اُم نے اس کا بازو پکڑ کر روک دیا۔

"بس سکندر..... ختم کر دو اس سب کو..... میری ہمت ختم ہو چکی ہے' ہر لحاظ سے' یہ مار پیٹ' گالم گلوچ' تشدد' بس نہیں چاہیے مجھے یہ شہرت' نام' پیسہ' تم نے جو کچھ واپس لینا ہے لے لو' لیکن مجھے رہا کر دو اپنے چنگل سے اور....." اس کی بات لبوں میں ہی رہ گئی تھی' کیونکہ سکندر نے اس کا دوسرا بازو مروڑ کر اس زور کا جھٹکا دیا کہ اس کی چیخیں سناٹے میں دور دور تک سنی گئی تھیں۔

"آنکھیں دکھاتی ہو مجھے؟" اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔

"تم اور مجھے آنکھیں دکھاؤ گی..... مجھے سکندر ریاض کو جو تمہیں یہاں تک لایا..... جس نے تمہیں پہچان دی' نام دیا..... مجھ سے جان چھڑانا چاہتی ہو تم..... مرتے دم تک یہ نہیں ہوگا' اپنے ذہن سے یہ فتور نکال دو۔" اس نے اس کے چہرے پر تھپڑوں کی برسات کر دی اور وہ جب نڈھال ہو گئی تو وہ اسے چھوڑ کر باہر نکل گیا لیکن جاتے ہوئے بھی ٹھڈے مارنا نہیں بھولا تھا' اذیت' دکھ' بے بسی' یا اللہ..... "وہ گھٹنوں کے بل گر کر چیخ چیخ کر روئی' تڑپ تڑپ کر چیخی تھی۔

"دل کے مدفن پہ نہیں کوئی بھی رونے والا
اپنی درگاہ کے ہم خود ہی مجاور ٹھہرے"

آنسوؤں کے ٹوٹتے بنتے دائروں میں کتنی شکلیں ڈوب ابھر رہی تھیں' کتنی محبتیں پگھل کر آنسوؤں کی شکل اختیار کر رہی تھیں' دل ریزہ ریزہ تھا تو جسم خاک آلود..... وہ جس راستے پر چل رہی تھی وہاں سوائے آبلہ پائی کے کچھ نہ تھا' وہ تو کب کی مٹی کی ڈھیر بن چکی تھی۔ چلتا پھرتا لاشہ اور یہ لاشہ اپنے کاندھوں پر اٹھائے اٹھائے وہ اب تھک چکی تھی۔ رات وہیں بیٹھے بیٹھے بیت گئی' اس کے پھٹے ہونٹوں سے رستا خون' پپڑی بن کے جم گیا تھا' رخساروں پر آنسوؤں کی لکیریں اتنی واضح تھیں کہ وہ انگلیوں سے محسوس کر سکتی تھی۔ بکھرے بال اور فرش پر لگا سگریٹ کے ٹوٹوں کا ڈھیر۔

"تو اصل زندگی یہ ہے پیاری اُم حبیبہ' یہ ہے تمہاری اوقات.....؟" اب وہ دیوار پر لگے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ "تو یہ تم ہو اُم حبیبہ..... تم....." وہ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتی خود کلامی کر رہی تھی۔ اسے اپنے حلیے سے وحشت ہو رہی تھی' کہاں گیا تمہارا رنگ و روپ' حسب نسب' بڑا غرور تھا ناں تمہیں خود پر..... اپنے حسب نسب پر' اپنے خاندانی ہونے پر' کیسے مٹی میں رل گیا' تم نے اپنے ہاتھوں سے سب کچھ گنوا دیا' اپنا حسن گہنا دیا' اپنا خاندان' اپنے رشتے' سب کچھ مٹی میں ملا دیئے' تم کیسے کسی اور کو قصوروار ٹھہرا سکتی ہو۔" وہ ہذیانی ہو رہی تھی اور پھر کچھ دیر بعد اس نے لاؤنج کی ہر چیز اٹھا کر پھینک دی اور چیخ رہی تھی۔ "میں اُم حبیبہ نہیں ہوں' میں نہیں ہوں اُم حبیبہ میں میرب شاہ ہوں' سیدہ میرب شاہ' ایک اعلیٰ حسب نسب والے خاندان کی بیٹی' ایک اونچے شملے

والے خاندان کی بہو ایک محبت کرنے والے شوہر کی بے وفا بیوی اور ایک بے رحم ماں جس نے اپنی اولاد یوں پھینک دی جیسے وہ کوئی بے جان چیز ہو جسے یہ تک نہیں پتہ کہ وہ اولاد کیا تھی بیٹی یا بیٹا......'' اس جہنم کا انتخاب اس نے خود کیا تھا اور اس کا وجود گیلی لکڑی کی طرح سلگ کر دھواں دھواں ہو رہا تھا لیکن نہ وہ راکھ ہوتی تھی نہ آگ۔

☆......☆......☆

''اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کیا کرو...... نہ زمین میں اکڑ کر چل اللہ کسی خود پسند اور فخر جتا والے کو پسند نہیں کرتا۔
(سورۃ لقمان آیت نمبر 8)

اماں بی نے صبح صبح ٹی وی آن کر کے اسلامک چینل لگا رکھا تھا تلاوت اور ترجمہ خوش الحانی کے ساتھ پیش کیا جا رہا تھا۔ ابا سائیں نے ابھی گھر میں قدم رکھا تھا وہ فجر کی نماز کے بعد صبح کی سیر کر کے گھر لوٹتے تھے...... سارے گھر میں چائے کی دلفریب بھینی خوشبو پھیل رہی تھی۔ قہوہ پک رہا تھا اور نذیراں اور صفیہ کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔ شاہ صاحب واک سے واپسی کے بعد ناشتہ کرتے تھے پھر اشراق پڑھ کر کچھ دیر سوتے تھے بی جان اس دوران ناشتے کے بعد دوپہر کے کھانے کی تیاری کرواتی تھیں دونوں بھائی ہمیشہ اکٹھے کھانا کھاتے تھے فضیلت نے جو کچھ پکایا ہوتا وہ بھی لے کر چلی آتیں بڑے سے لان میں دسترخوان بچھ جاتا اور دوپہر کا کھانا بڑے اہتمام سے سج جاتا...... پھر خوشگوار ماحول میں کھانا تناول فرمایا جاتا کھانے کے بعد برتن اٹھ جاتے اور چٹائیاں صاف کر کے چادریں بچھادی جاتیں فضیلت اور خدیجہ اپنا اپنا کام لے کر وہیں براجمان ہو جاتیں دونوں کی باتوں کا مرکز گھر اور بچے ہی ہوتے یا خاندان میں رونما ہونے والا کوئی اہم واقعات...... فضیلت کروشیا بہت اچھا جانتی تھیں اور ہر وقت وہ کچھ نہ کچھ بناتی رہتی تھیں۔ رومال پلنگ پوش میز پوش اور خدیجہ کپڑوں کی سلائی...... دونوں عصر تک اپنے کام میں مگن رہتیں...... بڑا اچھا دور تھا بچے اسکولوں سے آنے کے بعد اپنی اپنی پڑھائیوں میں مگن رہتے شجیعہ اور میرب میں تو ویسے ہی ایک دوسرے کی جان تھی ایک پل ایک دوسرے سے الگ نہیں رہتی تھیں دونوں ایک ہی کمرے میں رہائش پذیر تھیں...... ذیان شجیعہ کا بھائی بہت زندہ دل چلبلا لڑکا تھا جبکہ برہان سنجیدہ طبیعت کا...... ذیشان چونکہ سب سے چھوٹا تھا اس لیے سب سے ہی لاڈ اٹھواتا تھا۔ سب جانتے تھے کہ وہ چاروں ایک دوسرے کے نام ہو چکے تھے اور بظاہر کسی کو اعتراض بھی نہیں تھا۔ ذیان بھی میرب پر جان چھڑکتا نظر آتا تھا اور شجیعہ بھی اکثر برہان کے کمرے کی سیٹنگ کرتی نظر آتی ان کی زندگی بہت نارمل پُرسکون تھی ذیان گھر کا بڑا بیٹا تھا تو میرب بڑی بیٹی باپ اور چچا دونوں کی آنکھوں کا تارا وہ تھی ہی اتنی پیاری اور سلجھی ہوئی کہ ہر ایک کو بے اختیار اس پر پیار آتا تھا۔ ہر ایک کے کام آتی خدمت محبت تو جیسے اس کی گھٹی میں ملی ہوئی تھی۔ بس وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ غیر محسوس طریقے سے اس میں خود پسندی آتی جا رہی تھی جو بظاہر تو نظر نہیں آتی تھی نہ ہی اس کا رویہ اس بات کا غماز تھا لیکن جب کہیں بھی حسب ونسب کی بات چلتی اس کا احساس تفاخر اندر ہی اندر پھن اٹھا کر کھڑا ہو جاتا کہ وہ سب سے ارفع ہے اونچے خاندان سے ہے اس کا مقابل کوئی نہیں یہ باتیں اسے زمین سے کئی گنا اونچا کر دیتیں یہاں تک کہ اسے سب لوگ حقیر نظر آتے چھوٹے چھوٹے بونے بونے اور اس حالت میں بھی وہ ردا حیدر سے دوستی کر بیٹھی تھی جس کا اسٹیٹس شاید ماسی نذیراں سے بھی کم تھا...... جو یتیم تھی اور ایک پانچ مرلہ کے مکان میں اپنی ماں اور بھائی کے ساتھ رہتی تھی اور گزر اوقات کے لیے انہوں نے مکان کا اوپر والا پورشن کرائے پر دے رکھا تھا ردا کے ساتھ اس کی دوستی کچھ یوں بھی پروان چڑھی تھی کہ شاید ان دنوں خود پسندیت کا بھوت اس پر پوری طرح حاوی نہ تھا۔ شعور کی منزلیں طے کرتے ہوئے اس کے اندر ردا حیدر ایک ضرورت کی طرح جم کر بیٹھ گئی تھی وہ اس کے گھر آزادانہ آتی جاتی تھی ردا اس کے رتبے اور حیثیت سے مرعوب بھی تھی لیکن قطع نظر اس کے وہ میرب شاہ سے سچی محبت کرتی تھی اور بے حد پُرخلوص تھی۔ یشال ردا سے چار سال بڑا تھا وہ شروع سے اباجی کے نقش قدم پر چلا تھا حیدر کمال نے بھی ساری زندگی پولیس میں گزاری تھی اور ترقی کا خواب لیے ایک دن اس جہان سے رخصت ہو گئے تھے اس وقت ردا اور یشال حیدر دونوں کم سن تھے۔ شروع کے چند سال تو ملیحہ نے بہت مشکل سے گزارے تھے کوئی پرسان حال نہ تھا پھر اوپر والا پورشن کرائے پر دے دیا تھا جس سے ان کی ضروریات زندگی زیادہ نہیں تو کافی حد تک پوری ہو ہی جاتی تھیں ردا کے بھی میرب کے گھر جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی اکثر جب وہ اس کے گھر جایا کرتی تو وہاں اس کی بے حد آؤ بھگت کی جاتی تھی

دوپہر کا کھانا‘ شام کی چائے اس قدر پُرتکلف ہوتا کہ رداشرمندہ ہوجاتی‘ وہ تومیرب کی اتنی خاطر داری کی سکت ہی نہ رکھتی تھی۔ لے دے کے امی کبھی پکوڑے بنالیتیں‘ کبھی سینڈوچز‘ کبھی یشال اپنی ٹیوشنز کے پیسوں سے ان کے لیے برگر لے آتا‘ میرب اسی میں خوش ہوجاتی‘ اسے یہاں آنا بہت اچھا لگتا تھا‘ وہ گھنٹوں یہاں اپنا وقت گزارتی اور کبھی بور نہ ہوتی تھی‘ اگر میرب ردا اور اس کی امی کی پُرخلوص محبت کی اسیر تھی تو یہاں آنے کی ایک اور وجہ بھی تھی...... بھلے یہ وجہ ابھی وہ خود سے کہتے بھی ڈرتی تھی‘ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ وجہ مضبوط ہوتی جارہی تھی‘ بالکل انجانے میں‘ غیر ارادی طور پر اسے یشال حیدر کو دیکھنا اچھا لگنے لگا تھا‘ یہ خطرے کی گھنٹی تھی‘ لیکن اس کے اندر ٹن ٹاٹن بجنے لگی تھی اور وہ اس شور کو دبانے کے لیے شجیعہ سے ذیان کی باتیں کرنے لگتی تھی۔ شجیعہ شرارت سے ہنستی‘ اسے چھیڑتی‘ تنگ کرتی‘ اور جب اگلی بار آتی تو کچھ نہ کچھ لے کر آتی‘ کبھی سرخ گلاب‘ سرخ ربن‘ سرخ کانچ کی چوڑیاں۔

”یہ تمہارے بھائی کو سرخ رنگ بہت زیادہ پسند نہیں ہے کیا؟“ وہ بیڈ پر رکھیں سرخ چیزوں کو دیکھ کر پوچھتی۔ شجیعہ کھلکھلا کر ہنستی‘ دونوں بہن بھائی بلا کے بذلہ سنج تھے۔ ہر وقت خوش رہنے والے...... جبکہ میرب سنجیدہ طبع تھی۔

”ہاں ناں......“ وہ اپنی ہنسی پر قابو پاکر کہتی۔ ”وہ کہتے ہیں سرخ رنگ خوشی کا رنگ ہے‘ ارمانوں کا رنگ ہے‘ اور کہتے ہیں‘ سرخ رنگ اس وقت زندگی کا رنگ ہے جب اسے میرب پہنتی اوڑھتی ہے۔“ بات کہہ کر وہ پھر قل قل کرنے لگتی اور وہ نظریں چرا جاتی تھی۔

”کہیں سرخ رنگ ذیان کے ارمانوں کے خون کا رنگ نہ بن جائے۔“ ایک سوچ اس کے ذہن میں پھوٹتی اور پھر پروان چڑھنے لگتی۔ وہ سر جھٹک جھٹک کر تھک جاتی‘ یشال اور ذیان کی صورتیں آپس میں گڈمڈ ہونے لگتیں‘ وہ جانتی تھی قیامت تک ایسا نہیں ہوسکتا تھا‘ نہ وہ یشال کو پاسکتی تھی نہ ذیان کو چھوڑ سکتی تھی‘ یہ سرخ رنگ ایسے ہی اوڑھنا تھا لیکن وہ اس دل کا کیا کرتی‘ جسے بس یشال کی ایک جھلک چاہیے ہوتی تھی اور جب دل اس کی کوئی بھی بات ماننے پر آمادہ نہ ہوتا تب وہ ماں سے اجازت لے کر وہاں چلی جاتی۔

”اماں بی...... ردا کی طرف چلی جاؤں؟“ جھکی نظروں سے پوچھتی‘ کہیں انہیں اس کی آنکھوں سے چھلکتا یشال حیدر کا پرتو نہ نظر آجائے۔

فضیلت پل کی پل کروشیے اور دھاگے سے نظر ہٹاتیں اور پھر اسی رفتار سے مصروف ہوجاتیں۔

”ادھر کیا ہے؟“ پوچھتیں۔

”کچھ نہیں‘ بس یونہی دل چاہ رہا تھا۔“ وہ مسکہ لگانے کے لیے ان کے کندھے دبانے لگتی۔ فضیلت زیر لب مسکرادیتیں۔

”شاہ جی اعتراض کرتے ہیں پتر‘ روز روز کسی کے گھر جانا اچھی بات نہیں...... اسکول میں مل تو لیتی ہو روزانہ اب تم بڑی ہوگئی ہو...... اور پھر ساتھ ہی تمہارا سسرال بھی ہے۔ بھائی صاحب برا نہ منالیں۔“ وہ اس کو اونچ نیچ سمجھانا چاہتی تھیں لیکن وہ سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔

”برہان سے کہو چھوڑ آئے۔“ وہ اجازت دے ہی دیتیں۔

اور یہ بھی اتفاق ہی ہوتا جب وہ وہاں پہنچتی یشال اسے دروازے میں ہی نظر آجاتا‘ کبھی وہ اس کے لیے دروازہ کھول دیتا‘ کبھی باہر آ جارہا ہوتا اور اس کے آنے کا مقصد پورا ہوجاتا‘ اس کے اندر بجتی گھنٹیاں دھیمی پڑجاتیں‘ وہ جھکی نگاہوں سے اس عشق کی مشک کو اپنے اندر جذب کرلیتی۔ کبھی کبھی اس کا دل کرتا‘ وہ نظر اٹھائے اور اس شخص کو جی بھر کے دیکھے‘ اتنا دیکھے اتنا دیکھے کہ دیکھنے کی حسرت ختم ہوجائے۔ لیکن وہ یہ بھی نہیں کرسکتی تھی‘ وہ کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی اس میں اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ وہ کچھ بھی کرسکتی‘ اس کے ہاتھوں میں ذیان کے نام کی ہتھکڑیاں تھیں اور اسے عمر قید کی سزا سنائی جاچکی تھی اور اس زندان میں اسے صرف ایک ہی کھڑکی کھلی نظر آتی تھی اور وہ یشال حیدر کی محبت تھی اور وہ اس کھلی کھڑکی سے آنے والی محبت میں سانس لیتی تھی‘ جیتی تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھی ایک دن یہ کھڑکی اسے اپنے ہاتھوں سے بند کرنا ہوگی‘ اسے خود اپنا دم گھونٹنا ہوگا‘ مایوسی کا آکٹوپس اس کے دل کو جکڑنے‘ توڑنے لگتا اور ایسے میں وہ شجیعہ کے پاس آجاتی۔

محبت پہ بات کرنے‘ محبت کی باتیں کرنے اور شجیعہ سمجھتی کہ وہ اس کے بھائی کی محبت کی بات کرتی ہے اور جب شجیعہ ذیان شاہ کو میرب کی باتیں سناتی تو وہ بہت محظوظ ہوتا‘ خوش ہوتا‘ اسے بھی تو یہ لڑکی اتنی ہی عزیز تھی‘ بچپن سے سن شعور تک اس نے اسی لڑکی سے محبت کی تھی اور محبت بھی انتہا کی‘ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے‘ وہ تو بس ورد کرتا تھا اس لڑکی کا‘ وہ اس کی نہیں ہوسکتی یہ خیال تو کبھی اس کے دل میں آیا ہی نہیں تھا...... سب

نے اسے بتایا تھا یہ کانچ کی نیلی آنکھوں والی گڑیا اس کی تھی اور وہ پورے مان استحقاق سے اسے دیکھتا تھا' اس دن اس نے فجیعہ کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ اے پیاری لڑکی کبھی تم بھی کچھ کہا کرو...... اور وہ ہنستی کھلکھلاتی اس کے چٹکیاں کاٹتی بھائی کا سندیسہ پہنچا رہی تھی۔ نیلی آنکھیں سپاٹ تھیں' کسی بھی جذبے سے عاری' کیا کہتی۔

"اے شہزادے تو اس دیس میں رستہ بھول کے آ نکلا ہے جس شہزادی کو تم پانے آئے ہو اس کے بدن میں سوئیاں ہیں کسی کے عشق کی اور یہ وہی نکالے گا' تبھی یہ شہزادی زندہ ہوگی۔"

"کہاں کھو جاتی ہو تم؟" وہ میرب شاہ کو گدگداتی۔

"میں تو عاجز آ گئی ہوں تم دونوں سے' ہر وقت ایک دوسرے میں کھوئے رہتے ہو تم' کیا بنے گا تم دونوں کا۔" وہ مصنوعی تشویش میں مبتلا ہوتی۔

"تم ہمارے بارے میں سوچنا بند کرو اور اپنے بارے میں سوچو۔" وہ ذہن جھٹکتی اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مشغول ہو جاتی اور فجیعہ کے شرمانے کا پیریڈ شروع ہو جاتا' نہ جانے کیا تھا ان کی قسمت میں۔

☆......☆......☆

ذیان شاہ کا من پسند یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہوا تو وہ خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ اس کا خواب پایہ تکمیل کو پہنچنے والا تھا اور بی جان نے ایک اور ہی بات چھیڑ دی تھی۔

"شاہ صاحب ذیان کا نکاح کر کے نہ بھیج دیں۔"

"ہیں......!" وہ بری طرح چونکے۔

"وہ لاہور جا رہا ہے' پڑھنے' کوئی سات سمندر پار نہیں۔" انہوں نے خدیجہ کو یوں دیکھا گویا ان کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

"نہیں میرا مطلب ہے لڑکا ذات ہے نئے شہر جا رہا ہے وہاں کا ماحول اور......" انہوں نے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کرنا چاہی تھی' جبکہ شاہ صاحب نے انہیں پھر ٹوک دیا۔

"کیا ہو گیا ہے خدیجہ تمہیں اپنے خون پر اعتماد نہیں اور کیا تم نے نہیں دیکھا وہ میرب سے کس قدر محبت کرتا ہے' فضول کے واہموں میں نہ پڑو' دو سال کے بعد سوچیں گے شادی وادی کا...... میرب بھی تو دسویں میں ہے کم از کم گریجویشن تو کر لے۔"

"کیا کرنا ہے اتنا پڑھ لکھ کر......" بی جان کو شاہ صاحب کی بات کچھ پسند نہیں آئی تھی۔ "میں تو فجیعہ کو میٹرک کے بعد گھر بٹھانے والی ہوں' سال دو سال میں شادی کر کے فارغ ہو جاؤں گی۔"

"اور برہان کی تعلیم؟" شاہ صاحب نے تیکھے چتون سے پوچھا۔

"ہوتی رہے گی پوری' حالات کا کچھ پتہ نہیں شاہ صاحب' اپنی زندگی میں ہی بچوں کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں بہتر ہے۔" وہ عجیب سی فکرمندی میں مبتلا نظر آتی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوگا' اللہ سب خیر کرے گا...... دعا کرو' بچوں کی تعلیم خیریت سے مکمل ہو جائے۔" انہوں نے خدیجہ کو تسلی دی تھی۔ وہ مطمئن تو نہیں ہوئی تھیں البتہ خاموش ضرور ہو گئی تھیں لیکن ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ ذیان شاہ کی شادی جلد از جلد کر دیں اور جب فجیعہ نے اماں جان کی خواہش میرب کو سنائی تو وہ گُنگ نا نے اس کی شکل دیکھتی رہ گئی تھی۔

کیا اس سے محبت کرنے کا حق چھین لیا جائے گا؟ اس کی نیلی آنکھوں میں گھنگھور گھٹائیں بھر گئیں' زندگی کا سب سے مشکل لمحہ وہ ہوتا ہے جب آپ کسی سے محبت کریں اور اسے بتا بھی نہ سکیں' اندر ہی اندر وہ محبت ناسور بنتی چلی جاتی ہے' کبھی کبھی اس کا دل چاہتا وہ یشال حیدر کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دے۔ بھلے وہ اسے پا نہ سکے لیکن اس کا جواب اس کے مچلتے دل کو سکون تو فراہم کر دے گا' لیکن اس سے یہ بھی کب ہونا تھا' وہ محبت جو اس نے خود ہی پالی تھی' اس کو چوگا بھی اس نے خود ہی ڈالنا تھا اور پیار بھری تھپکی بھی خود ہی دینی تھی' اس پرندے کو نہ تو پھڑپھڑانے کی اجازت تھی اور نہ ہی اڑ جانے کی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

مسافت

صدف آصف

کسی دن تجھ سے ملنے کا بہانہ ڈھونڈ لیتے ہیں
چلو کچھ سال پہلے کا زمانہ ڈھونڈ لیتے ہیں
اندھیرا کتنا ہی گہرا ہو راتیں کتنی کالی ہوں
پرندے اپنا اپنا آشیانہ ڈھونڈ لیتے ہیں



"علی لندن جارہا ہے۔" ماہ رو نے جب ماں کے منہ سے یہ بات سنی تو ہکا بکا رہ گئی۔

"نہیں...... اماں آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔" اس نے حواس ٹھکانے آنے پر شانے اچکا کر ماں کو جھٹلانا چاہا۔

"اے لو...... تمہاری چاچی نے خود مجھے یہ بات بتائی ہے۔" منزہ نے بیٹی کے نہ ماننے پر چیخ کر اپنی خبر کا ذریعہ بتایا۔

یہ سنتے ہی ماہ رو ننگے پاؤں پڑوس میں رہنے والے چاچا کے گھر کی طرف دوڑی اور علی کے مقابل کھڑے ہوکر آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"ہاں تم نے ٹھیک سنا ہے۔" علی نے نگاہیں چراتے ہوئے اپنے جانے کی تصدیق کردی۔

"کیا کہہ رہے ہیں......!" ماہ رو ششدر کھڑی اس کا منہ تکتی رہ گئی۔ وہ تو بڑے مان سے یہ سوچ کر علی کے پاس گئی تھی کہ وہ اس خبر کی پُرزور تردید کرے گا مگر اس نے تو بڑے آرام سے اثبات میں سر ہلایا اور مڑ کر اپنی شرٹ استری کرنے لگا۔

"میرے ساتھ اتنی بڑی بدعہدی......" ماہ رو کے اندر سے اشتعال کی شدید لہر اٹھی' استری کا پلگ نکال کر پھینکا' شرٹ ہوا میں اڑائی اور اس کا رخ زبردستی اپنی طرف پھیرنے کی کوشش کی۔

"مجھے اس وقت بہت ضروری کام سے جانا ہے' ہم بعد میں اس مسئلے پر بات کرتے ہیں۔" وہ اس کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے نرمی سے بولا۔

"علی مجھے آپ سے ایسی امید ہرگز نہ تھی۔" ماہ رو نے مایوس نگاہوں سے دیکھتے ہوئے لب بھینچے۔

"ماہ رو اب سب کچھ ہوچکا ہے' میرا ٹکٹ تک کنفرم ہے اس وقت یہ باتیں بیکار ہیں۔" علی نے دل پر پتھر رکھ کر سخت لہجہ اپنایا۔

"میں نے تو کبھی خواب وخیال میں بھی کبھی ایسا نہیں سوچا تھا اور آپ نے سب کچھ فائنل بھی کرلیا۔" ماہ رو نے حیرت سے پلکیں اٹھائیں' دکھ تو اس بات کا بھی ہوا کہ علی جو اسے اپنی زندگی کہتا تھا' زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کرتے ہوئے مشورہ کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔

"سوچا تو میں نے بھی کبھی نہیں تھا...... مگر انسان اتنا کامل کب ہے کہ جو چاہے وہ ہوجائے۔" علی نے کھوئے لہجے میں کہا اور بائیک کی چابی اٹھاتے ہوئے باہر نکل گیا۔

علی کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ اس کے لندن جانے کا سن کر ماہ رو کتنا طوفان اٹھائے گی' اسی لیے وہ اسے بتانے سے کترا رہا تھا شاید اس نے اپنا دل سخت کرلیا تھا۔ خاص طور پہ اس مقام پہ آکر جب سامنے ان دونوں کے روشن مستقبل کا سوال آکھڑا ہوا تھا۔

☆☆☆ ☆☆☆

ماہ رو کو تو علی کے جانے کا سوچ کر گھبراہٹ ہونے لگی تھی' نہ چاہتے ہوئے بھی دوسرے دن بڑی آس سے اسے سمجھانے آ پہنچی۔

"ایسا کیوں کررہے ہیں؟" ماہ رو کے لہجے میں اضطراب سا در آیا۔

"سلیم بھائی نے میرے ویزے کا انتظام کیا ہے اور ایک بڑی اچھی کمپنی سے مجھے جاب کی آفر بھی آئی ہے پھر میں کیوں اس موقع سے نظریں چراؤں؟" علی نے اس کا ہاتھ تھاما اور اپنے سامنے بٹھا کر الٹا سوال پوچھا۔

"آپ نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا چاہے حالات کیسے بھی ہوں' ہم کبھی پاکستان چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔" ماہ رو کا لہجہ روکھا ہوا' سر جھکا کر ہاتھ مسلتے ہوئے بولی۔

"ماہ میں بھی ایسا ہی چاہتا تھا مگر عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی ایک چھوٹی سی نوکری کے لیے مجھے جتنی خواری اٹھانی پڑی' تم اس بارے میں مجھ سے بہتر جانتی ہو۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔" علی کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا' لہجہ میں ان دیکھی تھکن اتر آئی۔

"میں مانتی ہوں مگر تھوڑا صبر سے کام لیتے تو شاید یہیں کوئی اچھی نوکری مل ہی جاتی۔" ماہ رو نے نازک سا لرزتا ہاتھ اس کے بازو پر رکھا۔

"یار...... دو سال سے ایم بی اے کی ڈگری ہاتھ میں لیے جوتیاں ہی چٹخاتا پھر رہا ہوں' اگلے مہینے پاپا ریٹائرڈ ہونے والے ہیں گھر کا سارا بوجھ میرے کاندھوں پر آنے والا ہے اب تو شاید تایا ابا کے بھی صبر کی انتہا ہوچکی ہے۔" اس نے وہ سب دہرایا جس سے ماہ رو پہلے ہی آگاہ تھی۔

"اپنے ملک میں بھی کسی چیز کی کمی نہیں۔ ایک بار پھر سے کوشش کرکے تو دیکھیں......" ماہ رو کے لہجے میں ہیجان

اترنے لگا۔

"اچھا مذاق ہے...... یہاں غربت' جہالت' وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم' رشوت' جھوٹ' فراڈ' بے روزگاری ہونے کے ساتھ ساتھ سہولیات کا فقدان ہے۔ اس پر سیاسی محاذ آرائیاں سبحان اللہ......" علی نے لمحہ بھر کو ہونٹوں کو باہم بھینچ لیا پھر مذاق اڑانے والے انداز میں اسے مزید سلگا دیا۔

"اگر آپ جیسے پڑھے لکھے نوجوان اس انداز میں سوچیں گے تو پھر ہمارے وطن کا اللہ ہی حافظ ہے؟" وہ ایک دم تپ گئی' علی کا یہ لب ولہجہ سوہان روح تھا۔

"جب یہاں کے نوجوانوں اور ہنر مندوں کو مقامی طور پر مواقع نہیں ملیں گے' تو انہیں مجبوراً ایسا قدم اٹھانا پڑے گا اور وہ نوکریوں کی تلاش میں ملک سے باہر ہی جائیں گے۔" علی مایوسی کا شکار دکھائی دیا۔

"اچھا مگر اس طرح کی سوچ سے یہاں کتنا نقصان ہو رہا ہے اس کی کسی کو فکر نہیں۔" ماہ رو بڑبڑاتے ہوئے اتنی پیاری لگی کہ وہ لمحہ بھر کو اس کی حسین صورت کی جانب مائل ہونے لگا۔

"ہمارے گھروں میں بھی مسائل ہوتے ہیں' تو کیا ہم گھر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں' نہیں ناں بلکہ سب گھر والے مل جل کر بیٹھتے ہیں اور اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔" ماہ رو عادت کے برخلاف کچھ ملتجی سی ہونے لگی۔

"ماہ اب تمہارے سمجھانے کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہونے والا' سب کچھ فائنل ہو چکا ہے' مجھے بس جانا ہوگا۔" اس نے ماہ رو کی سحر انگیز آنکھوں کے جادو سے باہر آتے ہوئے بڑی قطعیت سے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں جانا ہوگا؟ نہ جائیں' آپ جانتے ہیں ناں میری بس ایک ہی خواہش تھی کہ کچھ بھی ہو میں اپنا ملک چھوڑ کر باہر نہیں جاؤں گی' اسی لیے تو میں نے بڑے ماموں کے بیٹے رمیض کا رشتہ ٹھکرایا تھا جو گرین کارڈ ہولڈر ہے۔" اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے جتایا۔

"مجھے سب کچھ یاد ہے' مگر ان حالات میں یہ ہی بہتر ہے۔" وہ جھلایا تو ماہ رو کے انداز میں عجیب سی بے بسی جھلکنے لگی۔

"اچھا میں بھی یہاں پر آپ کے ساتھ جاب کرلوں گی' ہم دونوں مل کر بوجھ اٹھالیں گے۔" اس نے آخری آپشن سامنے رکھا۔

"یار...... میں زندہ ہوں' مرا نہیں جو تم سے کمائی کرواؤں۔" وہ اس بحث پہ چڑنے لگا' شاید ماہ رو کو چھوڑ کر جانا اس کے لیے بھی عذاب سے کم نہ تھا۔ اس کے چلانے پر وہ اداس ہوگئی تو علی کو ترس آیا' اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر آنکھوں میں جھانکتے ہوئے تسلی دینا چاہی۔

"ماہ رو سمجھا کرو ناں وہاں سیٹ ہوتے ہی پاکستان کا چکر لگاؤں گا۔"

"اب تو بابا بھی ہماری شادی کی ڈیٹ فکس کرنے والے ہیں شادی ہولینے دیتے۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"کیا میں بغیر نوکری کے گھر بساتا ہوا اچھا لگوں گا؟" علی نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اسے دیکھا پھر جلتی آنکھوں کو موندتے چہرے کا رخ بھی پھیر لیا اور وہ شکستہ قدموں سے اپنے گھر کی جانب چل دی۔

☆☆☆ ☆☆☆

ماہ رو ابصار بے انتہا حسین ہونے کے ساتھ ایک خوب صورت دل کی بھی مالک تھی۔ گھر کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی ہونے کے باوجود وہ دوسری لڑکیوں سے خاصی منفرد تھی' پاکستان کی دیوانی اس لڑکی کے لیے کسی کے بھی منہ سے اپنے ملک کی برائی سننا مشکل تھا۔ یہ شاید اس کے بابا جان کی تربیت کا نتیجہ تھا جن کے رگوں میں خون کی جگہ پاکستان کا عشق دوڑتا تھا۔ ابصار احمد ایک ریٹائرڈ فوجی تھے جنہوں نے ملک کے دفاع کے لیے سرحد کے پار سے آنے والی گولی اپنے سینے پر تمغے کی طرح کھائی تھی۔ وہ بیٹی کو ہمیشہ وطن سے محبت اور دوستی کے قصے ازبر کرواتے' ان کے کمرے میں میں رکھے پرانے ٹیپ ریکارڈ سے نکلتے ملی نغمے ماہ رو کو بچپن میں ہی یاد ہوگئے تھے۔ لڑکپن میں وہ اپنی ساری سہیلیوں سے اس معاملے میں لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتی اور جوں جوں' عقل و سمجھ کے در وا ہوتے گئے' اس کے اندر پھیلی حساسیت کے نقوش گہرے ہونے لگے' پاکستان کے لیے محبت جنون میں بدل گئی۔

معاشرے کا دہرا معیار اسے اکثر ان دیکھی اذیت میں مبتلا کر دیتا اور جب وہ عملی طور ان کے خلاف کچھ نہیں کرسکتی تو اندر ہی اندر جلتی کڑھتی رہتی۔ اس کے باوجود اپنے ملک کے

لیے اس کے وجود سے پھوٹتا محبت کا چشمہ خشک نہ ہوا' جوان ہونے پر اس نے فیشن مووی یا آؤٹنگ میں وقت ضائع کرنے بجائے مثبت کاموں کو اپنایا۔ ماہ رو کبھی گھر میں کام کرنے والی غریب ماسی کے ان پڑھ بچے کو تعلیم کی روشنی سے آراستہ کرنے میں مصروف عمل ہوتی' تو کہیں کسی یتیم لڑکی کی شادی میں معاونت کے لیے گھر گھر جاکر چندہ اکٹھا کرتی' اس کے ساتھ ساتھ یوم آزادی کے موقع پر محلے کے سارے بچوں کے ساتھ مل کر گھر کو سبز ہلالی پرچم سے سجاتی۔ ایک چھوٹی سی تقریب کا اہتمام ہوتا جہاں قومی ترانہ پڑھنے کے بعد ملی نغموں کا مقابلہ ہوتا' بچوں کی پرجوش تقاریر فضاء کو گرما دیتیں۔ ابصار صاحب بھی اس دن سارے بچوں کو اپنی جیب سے چاکلیٹ خرید کر کھلاتے ہوئے پرجوش نظر آتے۔

ایسے ماحول اور ستھری ذہنی تربیت کے ساتھ جب اس کے ماموں نے اپنے بیٹے رمیض کا رشتہ دیا تو خاندان بھر میں اس کی خوش نصیبی کا چرچا ہوا۔ ماہ رو کو اپنے ملک کے مقابلے میں پردیس جاکر رہنے کو اس کی خوش قسمتی سے منسوب کرنے والوں پر ہنسی آئی کہ اور اس نے فوراً انکار کردیا اور اعلان کیا کہ وہ کبھی بھی اپنے ملک کو چھوڑ کر باہر جانے والی نہیں۔ اس معاملے میں اسے ماں کی طرف سے سخت رویے کا بھی سامنا ہوا اور بہت کچھ سننے کو بھی ملا مگر باپ کی سپورٹ نے اس کے پاؤں میں لرزش نہ آنے دی اور انہوں نے خود سالے کو انکار کردیا اس کے بعد اپنے بھائی کے بیٹے سے ماہ رو کی بات پکی کردی۔ وہ زندگی سے مطمئن تھی' علی کے ساتھ زندگی کے حسین خوابوں کو آنکھوں میں سموئے' خوشی کے جھولے جھول رہی تھی کہ اچانک رسی ٹوٹ گئی اور وہ جیسے دھڑام سے بلندی سے نیچے گر گئی۔ علی کی ساری محبت کی باتیں' بڑے بڑے دعویٰ کھوکھلے ثابت ہوئے۔ علی نے گھر والوں کے سامنے اسٹینڈ لیا کہ فی الحال وہ شادی کرنے کے موڈ میں نہیں اور جاب جوائن کرنے کے لیے لندن جارہا ہے۔

ابصار احمد کے سامنے جب چھوٹے بھائی انصار نے بھتیجی کے لیے اپنے بیٹے علی انصار کا رشتہ پیش کیا تو ماہ رو نے بڑی بے خوفی سے حامی بھرنے سے قبل سب پر یہ بات واضح کی تھی کہ وہ شادی کے بعد اپنا ملک چھوڑ کر کبھی بھی کہیں نہیں جائے گی اور اس پر سب نے مسکرا کر اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ دراصل علی کے بڑے بہنوئی سلیم خان یو کے میں ہوتے تھے اور انہوں نے بیوی کے کہنے پر کئی سال قبل اپنے سالے کو باہر بلانے کی سر توڑ کوشش کی مگر قسمت یاوری نہ کرسکی اور علی کو ویزہ نہ مل سکا تھا۔ اسی لیے ماہ رو نے اپنا نقطہ نظر شروع میں ہی واضح کردیا تھا۔

علی نے ماہ رو کو پانے کی خوشی میں اس وقت تو جوش میں سر ہلادیا مگر منگنی کے ایک سال کے اندر ہی اندر جب اچانک اس کا لندن سے بلاوا آگیا تو وہ حالات کے ہاتھوں مجبور ہوکر اپنے کیے گئے وعدے سے انحراف کر بیٹھا۔ ماہ رو نے بہت روکا مگر اس کا فیصلہ اٹل نکلا یہاں تک کہ دونوں میں بات چیت بند ہوگئی۔ ماہ رو نے اسے آخری دھمکی کے طور پر کہا کہ اگر علی اسے چھوڑ کر لندن چلا گیا تو وہ کبھی بھی اس کے پاس نہیں آئے گی۔ چاہے یہ رشتہ ہی توڑنا پڑ جائے مگر انسان خود کو بہت بڑا منصوبہ ساز سمجھتے ہوئے مستقبل کے فیصلے کرتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ اصل منصوبہ ساز تو اللہ کی پاک ذات ہی ہے۔

✿☆☆☆✿☆☆☆✿

علی جب روزگار کی خاطر ماہ رو کو چھوڑ گیا تو ان کی شادی کو صرف ایک ہفتہ ہی ہوا تھا۔ شادی کے ابتدائی خوشیوں' محبت اور ارمانوں سے بھرے دنوں میں بھی ماہ رو کے سر پر جدائی کے خیال کی تلوار لٹک رہی تھی۔ مگر وہ کیا کرسکتی تھی حالات ہی مخالف سمت چل پڑے تھے۔ علی جو مطمئن تھا کہ وہ اپنی محبت کے آگے ماہ رو کو بے دست و پا کردے گا' اسے خبر ہی نہ ہوسکی' جدائی کس موڑ پر گھات لگائے بیٹھی تھی اور اچانک ہی ان دونوں کے درمیان ہجر کی اونچی دیواریں حائل ہونے لگی' تنہائی نے احساس دلایا کہ زندگی صرف اچھا کھانے' پہننے اور آرام دہ بستر پر سونے کا نام نہیں۔ انسان اور مشین میں یہ ہی تو فرق ہے' جذبات سے گندھے انسان کو محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی کی رفاقت درکار ہوتی ہے' ایسے ساتھی کا ساتھ چاہیے ہوتا ہے جو تنہائی کو بانٹ سکے۔ خاص طور پر پردیس کی کہر زدہ شاموں میں جب وہ کافی کا کپ تھامے اپنے لاؤنج میں آتش دان کے سامنے تنہا بیٹھتا تو من موہنی سی بیوی کی یاد اسے بے چین کرکے رکھ دیتی۔ جسے مجبوراً شادی کے ایک ہفتے بعد ہی چھوڑ کر آنا پڑا تھا۔ اسے اب بھی وہ سلونی سی شام یاد آتی تو ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی۔ بھتیجے کے لندن جانے کا سن کر اچانک تایا جی کے اندر کا ضدی فوجی جاگا اور

شاید اس کے حق میں اچھا ہی ہوا۔ ماہ رو کے والد بن کر انہوں نے بھائی کو فیصلہ سنا دیا کہ یا تو علی اسے رخصت کرا کر اپنے گھر لے جائے یا پھر یہ رشتہ ختم کر کے لندن جائے' وہ اس طرح سے بیٹی کو انتظار کی سولی پر لٹکا ہوا نہیں دیکھ سکتے۔ علی نے تایا جی کا جلال دیکھا تو ان کی خواہش کے آگے سر جھکا دیا یا شاید اس کے اندر ماہ رو سے دور جانے کی تو ہمت تھی مگر جدا ہونے کی جرأت بالکل نہیں تھی' ان دونوں کی شادی جس افراتفری میں ہوئی' اس کی مثال پوری برادری میں نہیں ملتی۔ ایک ہفتے میں ہی ماہ رو کو قانونی طور پر اس کی منکوحہ بنا دیا گیا' ماہ رو کی اپنی مزاحمت بھی دم توڑ گئی اور اسے باپ کے فیصلے کے آگے سر جھکانا ہی پڑا تھا۔

ایک دوسرے کو پانے کے بعد ابھی دونوں کو ایک ہونے کا یقین بھی نہیں ہو پایا تھا کہ جدائی کی اذیت ناک گھڑی درمیان میں آ گئی' ایئرپورٹ پر بھیگی آنکھوں کے ساتھ جب علی نے اس کا ملائم ہاتھ لبوں سے لگاتے ہوئے جلد بلانے کا کہہ کر تسلی دینا چاہی تو ماہ رو کو خود سے کیا گیا عہد یاد آ گیا اس نے شوہر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑی بہادری سے انکار میں سر ہلا دیا اور علی پر واضح کیا کہ وہ کبھی بھی پاکستان چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گی۔

''ٹھیک ہے...... پھر میں بھی پاکستان واپس نہیں آؤں گا۔'' علی کا کہر زدہ لہجہ اس کے کانوں میں سیسہ بن کر اترا وہ ناراض سامنہ موڑ کر سفر پر روانہ ہو گیا ماہ رو نے بھیگے گالوں کو پونچھا اور ایک عزم کے ساتھ واپس سسرال آ گئی۔ وہ اپنی ضد کی پکی نکلی' کئی سال پردیس کی سختی جھیلنے کے بعد جب علی اس پوزیشن میں آیا کہ بیوی کو یہاں بلوا سکے تب بھی اس کی ناہاں میں نہیں بدل سکی اس کی ہزار ہا کوششوں کے باوجود وہ شوہر کے پاس نہیں گئی۔ علی کو اپنی جان سے عزیز بیوی اور محبت کو چھوڑ کر سات سمندر پار رہنا اسے لوہے کے چنے چبانے جیسا لگا۔ بہن نے بڑی کوشش کی کہ بھائی ان کے ساتھ رہ جائے مگر اس نے خود کو سزا دینے کا فیصلہ کیا اور تنہا رہنے لگا اور پھر بہنوئی کا دوسری جگہ ٹرانسفر ہونے کے بعد تو یہ سہارا بھی چھوٹ گیا۔ اس کے باوجود ماہ رو کو ترس نہ آیا وہ اب بھی اس کے ضبط کا امتحان لینے پر تلی ہوئی تھی۔ علی کتنا ناخوش اور ناآسودہ تھا۔ کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔ پل صراط پر چلنے جیسی آزمائش والی زندگی گزارنا آسان نہ تھی۔

☆☆☆

علی نے دیارِ غیر میں رہ کر اتنے پونڈز تو کما لیے تھے جتنا پاکستان میں کمانے کا تصور بھی نہیں تھا۔ اسے سب کچھ میسر تھا' بس روح کی خوشی' دل کا چین کہیں رخصت ہو چلا تھا' کبھی کبھی دن رات کی محنت اور تھکن اس کی ہڈیوں میں اترنے لگتی اور سوچیں اسے بیمار کرنے لگتیں' اپنے ملک کو برا بھلا کہنے کے بعد اپنوں کو چھوڑ کر پردیس میں وہ جیسی زندگی کا خواب لے کر آیا تھا' اس کا عشر عشیر بھی نہیں پا سکا۔ یہاں پیسہ تو بہت تھا مگر کوئی ہمدرد نہ ملا۔ سرد راتوں اور کہر زدہ صبحوں کو جب وہ پونڈز کے حصول کے لیے جان توڑ محنت کرتا تو اپنے وطن میں کی جانے والی عیاشیاں یاد آ جاتیں۔ جہاں سارے کام امی اور بہنیں کیا کرتی تھیں۔ خاندان بھر کا لاڈلا جب کھانا پکانے سے لے کر صفائی کا کام بھی اپنے ہاتھوں سے کرتا تو آنکھیں نم ہو جاتیں۔ اسے احساس ہوا کہ یہاں آنے والے نوجوان اگر اس کی آدھی محنت بھی اپنے ملک میں کر لیتے تو شاید پاکستان کے حالات بھی اچھے ہو جاتے اعتراف کرتا بھی تو کس منہ سے' اس لیے مصنوعی مسکراہٹ لبوں پر سجائے کمائی کی مشین بن گیا تھا۔

وہ دو دن سے بخار میں مبتلا ہو کر جاب پر بھی نہیں جا سکا گھر پر پڑا رہا' کوئی دیکھ بھال کرنے والا بھی نہ تھا' نقاہت سے برا حال ہونے لگا تو بڑی مشکل سے ٹن پیک سوپ گرم کر کے پیا' طبیعت میں تھوڑی بہتری پیدا ہوئی تو دشمن جاں کی یاد نے بے قرار کر دیا۔ اس نے گاؤن کی جیب سے موبائل نکالا اور ماہ رو کا نمبر ملایا۔ پہلی بیل پر فون ریسیو ہوا' شاید وہ بھی اس کی کال کی منتظر تھی' اس سے بات کرتے ہوئے وجود میں سکون کی لہر دوڑ گئی' علی نے لائن کاٹی تو جانے کہاں سے بھولا بھٹکا آنسو آنکھوں کے گوشے سے جھانکنے لگا' جسے اس نے جلدی سے ہتھیلی میں چھپا لیا۔

وقت بڑی تیزی سے گزرتا چلا گیا مگر ماہ رو کو ایسا لگتا تھا جیسے اس کے لیے ٹھہر گیا ہو۔ علی سے کافی دیر بات کرنے کے بعد اس نے سیل فون کو تکیے کے نیچے رکھتے ہوئے گالوں پر پھسلتے آنسوؤں کو صاف کیا' اسے گنتے ہوئے کتنا عرصہ گزر چکا تھا' اسے تو سال مہینے دن یہاں تک کے گھنٹے بھی ازبر تھے' علی نے وہاں اتنا کچھ کما لیا تھا کہ یہاں رہنے والوں کے ارد گرد آسائشات کے ڈھیر لگ گئے۔ ماہ رو کے چاچا نے

پرانے محلے والا گھر کرائے پر دے دیا اور نئے مکان میں شفٹ ہوگئے' جو چند مہینے قبل ہی ایک پوش علاقے میں خریدا گیا تھا۔ مہنگے' قیمتی فرنیچر اور تعیشات کی دوسری اشیاء سے آراستہ اس نئے گھر میں آکر سب لوگ خوش تھے سوائے ماہ رو کے۔ اسے یہاں عجیب سی گھٹن کا احساس ہوتا۔ شوہر کی خون پسینے کی کمائی کو اس بے دردی سے لٹاتے دیکھ کر افسوس ہوتا مگر اس نے لب سی لیے تھے۔ علی ہر فون پر اس کی منتیں کرتا کے لندن آجاؤ مگر ماہ رو کی ایک ہی ضد تھی کے آپ لوٹ آئیں۔ دونوں اپنی جگہ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔

☆☆☆ ☆☆☆

اپنی تنہائی اور لایعنی سوچوں سے چھٹکارا پانے کے لیے ماہ رو نے علی کی اجازت سے ایک این جی او جوائن کرلی تھی۔ جہاں وہ بچوں اور خواتین کے لیے بلا معاوضہ فلاحی کام کرنا چاہتی تھی' مگر اس تنظیم میں آکر اسے ایسے تلخ حقائق کا سامنا کرنا پڑا کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی' غریبوں کے نام پر امیروں کا وہ فراڈ دیکھنے کو ملا کے اس کا دل خراب ہوگیا' منافقت کی ایسی تصاویر نظر آئی جس نے اسے نگاہیں جھکانے پر مجبور کردیا' وہ جو ابھی تک خوابوں جیسی زندگی گزارتی آئی تھی آنکھیں حقیقت سے چار ہوئیں تو چودہ طبق روشن ہوگئے' ملکی حالات کے حوالے سے اسے علی کی باتیں سچ لگنے لگیں۔ اس وقت بھی ''نسواں'' کی جانب سے دی جانے والی نئے سال کی پارٹی میں وہ شریک ہونے جارہی تھی کہ راستے میں بارش نے آگھیرا۔

ماہ رو نے سڑک کے کنارے لگے یوکلپٹس کے درختوں میں بھی پرانی شناسائی ڈھونڈلی' تب کہیں جاکر اس تھکا دینے والے سفر کا اختتام ہوا۔ گاڑی ذرا آہستہ کرکے غور کیا تو ایک موڑ کچھ مانوس لگا اور اللہ اللہ کرکے وہ اس شاندار فائیو اسٹار ہوٹل کی پارکنگ تک جا پہنچی۔ جہاں اس پارٹی کا انعقاد کیا گیا تھا اگر اپنی باس مسز خان کی خفگی کا خدشہ نہ ہوتا تو ماہ رو ایسے موسم میں کبھی بھی گھر سے نکلنے کی غلطی نہیں کرتی مگر مجبوری میں اسے تنہا اتنی دور آنا پڑا تھا۔ این جی او نے اس بار بھی اسی ہوٹل کا انتخاب کیا تھا جہاں ورکرز اور دیگر احباب کو پچھلی مرتبہ پارٹی دی گئی تھی۔ بدقسمتی سے یہ فائیو اسٹار ہوٹل جس جگہ پر واقع تھا' وہ ماہ رو کے گھر سے بہت دور تھا۔ تاہم شہر بھر کی بزنس کمیونٹی کے حساب سے یہ ایک آئیڈیل جگہ تھی اور یہاں ہونے والی دعوتوں کو اسٹیٹس سمبل کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

ان حالات میں مسز خان بھلا کیوں کسی سے پیچھے رہتیں۔ سارا سال ذرا ذرا سی بات پر ملازمین کی تنخواہ کاٹنے والی انتظامیہ نے اس ایک دن کے ڈنر پر ہزاروں روپے بے دریغ خرچ کرڈالے تھے' یہاں معاملہ این جی او کی مشہوری اور نیک نامی کے ساتھ مخیّر حضرات سے چندے کی مد میں ہزاروں روپے نکلوانے کا بھی تھا' مسز خان نے صحافیوں کو خاص طور پر مدعو کیا تھا۔ ویسے بھی صحافیوں سے اچھے تعلقات بنانا ان کی مجبوری تھی کیوں کہ یہاں آنے والے مخیّر حضرات کو خبروں میں رہنے کا بھی چسکہ تھا' پھر وہ ایسا موقع کیوں ہاتھ سے جانے دیتیں۔

☆☆☆ ☆☆☆

بلند و بالا ہوٹل کی شاندار عمارت کے سامنے کھڑے ہوکر اس نے اپنے سراپے کا جائزہ لیا۔ ہوٹل کے جگمگاتے گلاس ڈور کے آگے کھڑے ہوئے محافظ نے عزت کے ساتھ دروازہ وا کیا۔ بڑے سے جگمگاتے ہال میں قدم رکھتے ہی ماہ رو کی آنکھیں چندھیا اٹھیں۔ اندر کا ماحول باہر کے مقابلے میں سکون میں ڈوبا ہوا تھا۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ وہاں اِک نئی دنیا آباد تھی تو غلط نہ ہوگا۔ اپنے آپ میں مگن' ہر کوئی دوسرے سے بے نیاز اور لاتعلق نظر آیا۔ ماہ رو نے بیگ ٹیبل پر رکھا اور بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے طائرانہ نگاہوں سے آس پاس کا جائزہ لیا' حواس درست کرنے میں کچھ لمحے لگے' اس کے بعد وہ تھوڑا ریلیکس ہوکر بیٹھ گئی بڑے سے ہال کو خوب صورتی سے پھولوں سے سجایا گیا تھا' ہال سے متصل حصے میں بوفے لگا ہوا تھا' انواع اقسام کے پکوان سجائے جارہے تھے' اشتہاء انگیز کھانوں کی خوشبوئیں۔ برتنوں کی خوشگوار کھنک اور مستعد بیرے اِدھر اُدھر پھر رہے تھے' اس کے باوجود مہمانوں کو کوئی بات ناگوار نہیں گزر رہی تھی۔ ہر ایک خوش گپیوں میں مصروف تھا۔

ماہ رو کی نگاہوں میں پچھلے ماہ ہونے والی ایک پارٹی کے مناظر گردش کرنے لگے۔ تقریب کی ابتداء میں انتظامیہ کی جانب سے پہلے مہمان گرامی کو پھول پیش کیے گئے' اس کے بعد مہمانوں کو باضابطہ طور پر خوش آمدید کہا گیا۔ کچھ لکی ڈرا کرانے کے بعد' مہمانوں کے ساتھ آنے والے امیر گھروں

کے بچوں میں تحائف تقسیم کیے گئے۔ ان سب چیزوں میں غریبوں اور ان کے بچوں کا رتی برابر بھی حصہ نہ تھا۔ وہ بڑے برے دل کے ساتھ بیٹھی رہی۔ آخر میں ایک پُر تکلف عشائیہ کا انتظام تھا' اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پارٹی میں بھی کھانا بہت لذیذ اور وافر مقدار میں موجود تھا' جس میں سلاد' رائتہ' چٹنیاں کئی اقسام کے سوپ چکن بریانی' پلاؤ' قورمہ' حلیم' باربی کیو' چائینیز' سی فوڈز' مختلف طرح کی روٹیاں' پراٹھے' میٹھے میں حلوے' کھیر' کیک اور آئس کریم وغیرہ شامل تھے' اس کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا جو اس کی یادداشت میں محفوظ نہ رہ سکا۔

اس وقت پارٹی میں موجود کسی بھی مہمان کو یہ احساس بالکل نہیں ہو رہا تھا کہ ان کا تعلق ایک ایسے ترقی پزیر ملک سے ہے' جہاں بہت سارے گھروں میں اب بھی صرف ایک وقت کا چولہا جلتا ہے اور بعض لوگ تو اکثر بھوکے ہی سو جاتے ہیں۔ لوگوں کو کھاتے دیکھ کر جانے کیوں اس کی طبیعت مکدر ہونے لگی تھی۔

''اصل بات یہ ہے کہ میری حد سے بڑی ہوئی حساسیت مجھے ہر جگہ مشکل میں گرفتار کر دیتی تھی۔'' ماہ رو نے کاندھے جھٹک کر خود کو سمجھایا اور ماحول سے نگاہیں چرائیں۔

پارٹی میں بلائے گئے مہمانانِ گرامی نے دھیرے دھیرے محفل کو رونق بخشنا شروع کر دی۔ مرد حضرات نے قیمتی برانڈڈ تھری پیس سوٹ پہنے ہوئے تھے تو شیفون کے قیمتی ملبوسات میں سجی سنوری خواتین اور ان کے مصنوعی انداز اور اونچے بلند قہقہے۔ ماہ رو نے اپنے آپ کو دیکھا سبز شلوار قمیص پر سفید اسکارف باندھے' شاید وہ محفل میں سب سے زیادہ سادہ دکھائی دے رہی تھی۔ باقی لوگ تو جیسے کسی فیشن پریڈ میں شریک ہونے آئے تھے۔ مصنوعی رنگوں سے سجے اس ماحول اور اپنی شدت پسندانہ سوچ کے ٹکراؤ سے گھبرا کر وہ بے اختیار کھڑی ہوئی اور شیشے کا دروازہ کھول کر ہال سے باہر کھلی ہوا کی تلاش میں آ گئی۔

✿☆☆☆✿☆☆☆✿

پچھلی جانب خوب صورت لان کے ساتھ سوئمنگ پول بنا ہوا تھا' تھوڑے ہی فاصلے پر واکنگ ٹریک بنا ہوا تھا' خالص قدرتی فضاء میں آ کر اسے بہت اچھا لگنے لگا۔ وہ بے اختیار واک کرنے لگی اچانک یوں لگا جیسے کوئی اسے گھور رہا ہے۔ وہ چونکی' نگاہیں اٹھا کر اِدھر اُدھر ڈھونڈا تو کونے میں بیٹھی چھوٹی سی بچی نظر آئی۔ جس کا حلیہ اس کے کسی غریب گھرانے سے تعلق کی عکاسی کر رہا تھا۔ وہ بے اختیار اس کی جانب بڑھی۔

''ہائے بے بی..... آپ اکیلی اندھیرے میں کیا کر رہی ہو؟'' ماہ رو نے سہمی ہوئی بچی کے پاس پہنچ کر سوال پوچھا۔

''کچھ نہیں.....'' وہ ایک دم خوف زدہ ہو کر کھڑی ہوئی شاید وہاں سے بھاگنے کا ارادہ تھا مگر ماہ رو نے نرمی سے اس کا سخت ہاتھ تھام لیا۔

مسکرا کر کچھ دیر تک بچی کو دلچسپ نگاہوں سے دیکھا' وہ گہرے زرد لباس پر سرخ بڑے بڑے پھولوں کا پرنٹ' ہونٹوں پر سرخ لپ اسٹک' غالباً وہ ہی سرخی گالوں اور آنکھوں پر مل دی گئی تھی' گلے میں موٹے موتیوں کی سرخ مالا اور ماتھے پر بندیا شاید تقریب کی مناسبت سے اس کی معصومیت کی تباہی کا مکمل سامان کیا گیا تھا۔ وہ بچی بھی تھوڑا ریلیکس دکھائی دینے لگی تو اس کے ہونٹوں پر معصوم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''بیٹا آپ نے بتایا نہیں یہاں کس لیے بیٹھی ہیں؟'' ماہ رو نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جاننا چاہا۔

''جی..... وہ..... ماں نے یہاں بھیجا ہے۔'' اس نے اٹک اٹک کر بتایا۔

''اوہ..... اچھا مگر آپ اندر کیوں نہیں آئیں؟'' دوستانہ انداز میں پوچھا۔

''ماں یہاں نوکری کرتی ہے۔ مجھے اندر آنا منع ہے۔'' یہ بات بتاتے ہوئے اس کا چہرہ اتر سا گیا۔

''آپ کا کیا نام ہے؟'' ماہ رو نے بیگ سے چاکلیٹ نکال کر اس کی جانب بڑھائی اور نرمی سے پوچھا' بچی کی آنکھوں میں خوشی کی چمک ابھری۔

''چندہ۔'' اس نے چاکلیٹ ہاتھ میں تھام کر مسکرا کر جواب دیا اور جلدی سے ریپر اتارنے لگی۔

''ماں یہاں کیا کام کرتی ہیں؟'' ماہ رو نے پوچھا اور شوز اتار کر بنچ پر ایزی ہو کر بیٹھ گئی۔

''ماں' یہاں صفائی کا کام کرتی ہے۔'' اس کی ساری توجہ چاکلیٹ کی طرف مبذول تھی بڑے ندیدے انداز میں پوری چاکلیٹ ختم کر ڈالی۔

''اچھا آپ نے کچھ کھایا؟'' ماہ رو نے چونک کر اس کی حرکات سے اخذ کر لیا کہ وہ بھوکی ہے۔

"نہیں بی بی، ہم تو اکثر ایک وقت کی روٹی کھاتے ہیں۔" بچی کی آنکھوں سے درد جھلکا۔

"کیا مطلب؟" اس نے نا سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا۔

"ہم پانچ بھائی، بہن ہیں۔ دو سال پہلے ابا کو ٹرک نے ٹکر ماردی، وہ یہاں مالی تھے، پہلے ہی گزارہ مشکل تھا، ان کی جگہ ماں کو نوکری دے دی گئی، مگر پیسے بہت کم ملتے ہیں۔ اس لیے ہم لوگ صرف رات کا کھانا کھاتے ہیں، بہت کم دوپہر میں کچھ کھانے کو نصیب ہوتا ہے، صبح بھی ماں کالی چائے کے ساتھ سب کو ایک ایک پاپا کھانے کو دیتی ہے۔" چھوٹی سی بچی کی صورت پر اسے بڑی عمر کے تفکر زدہ چہرے کا گماں ہوا۔ اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر دل ایک دم بجھنے لگا۔

"اوہ...... آپ اسکول جاتی ہو؟" ماہ رو نے ایسا سوال کیا، جس کا جواب اسے پہلے سے ہی پتا تھا۔

"نہیں بی بی، ماں کے پاس فیس کے پیسے نہیں۔" اس نے انکار میں سر ہلایا۔

"اوہ...... سو...... سیڈ۔" ماہ رو نے دوسری جانب دیکھ کر کہا، جانے کیوں وہ اس لمحے چھوٹی سی بچی سے نگاہیں ملانے سے گریزاں تھی۔

"بی بی۔ ابا کی زندگی میں ماں پہلے جس ہوٹل میں کام کرتی تھی وہاں سے ہمیں کبھی کبھی روٹی مل جاتی تھی مگر ماں کہتی ہے کہ ہم اس بڑے ہوٹل کا تو پانی بھی نہیں خرید سکتے، روٹی تو دور کی بات ہے۔" وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے رونے والی ہوگئی۔

"اف...... زندگی کتنے تلخ تضادات کا مجموعہ ہے۔" ماہ رو کے پاس بولنے کے لیے الفاظ نہ بچے۔ بیگ کی ڈوری سے کھیلتے ہوئے آنکھوں کی نمی چھپائی۔

"ایک دن یہاں کوئی بڑی پارٹی ہوئی تو ماں نے بتایا کئی قسم کے کیک اور مٹھائیاں بنائی گئی ہیں، میرا دل کھانے کو چاہنے لگا، بہت ضد کی پر اس نے بتایا کہ ہوٹل والے اتنے سخت ہیں کے آتے جاتے ملازموں کی تلاشی لیتے ہیں۔ بی بی جی، ساری پابندی غریبوں کے لیے کیوں ہوتی ہے؟" وہ معصومیت سے بہت گہری باتیں کرتی چلی گئی، اس کا سر شرم سے جھک گیا۔

"آئی ایم رئیلی ویری سوری۔" ماہ رو سے کچھ اور نہ بن پڑا، تو اس کا ہاتھ تھام کر معافی مانگ لی۔

"اُف...... یہ زندگی۔" ماہ رو نے بچی کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ شفاف شیشے کی دیوار کے پار سے ہال کا نظارا صاف دکھائی دے رہا تھا، جہاں مہمانوں کی پلیٹیں لبالب بھری ہوئی تھیں، سب کھانے پر ٹوٹے پڑے تھے۔

"جن کے نام پر تقریبات کی جاتی ہیں، ان کے لیے کچھ بھی نہیں؟" ماہ رو کا دماغ ایک دم گھوم گیا۔ نتائج کی پروا کیے بنا اس نے چندہ کا ہاتھ تھاما اور کھٹ کھٹ کرتی ہوئی ہال میں داخل ہوئی۔

☆☆☆

وہ دونوں ایک لمحہ کو جیسے سب کی نگاہوں کا مرکز بن گئے۔ اتنی گھورتی نظروں سے گھبرا کر چندہ نے اس کے پیچھے چھپنے کی کوشش کی۔ ماہ رو نے مسکرا کر اس کا بازو تھپتھپایا اور لوگوں کی پروا کیے بغیر چندہ کو ایک قیمتی صوفے پر بٹھادیا۔ خود پلیٹ اٹھانے کے بعد اس میں جو کچھ بھر سکتی تھی بھرا۔ وہ چندہ کے سامنے بیٹھ گئی اور اپنے ہاتھوں سے اس بچی کو کھلانے لگی۔

مسز خان جو مسکرا مسکرا کر شہر کے مشہور بزنس مین ستار مانڈی والا کی میزبانی میں مصروف تھیں، ان تک اس کی حرکت کی اطلاع بڑی سرعت سے پہنچی۔ یہ سب سن کر وہ ایک دم گھبرا گئیں، اے سی کی کولنگ کے باوجود ان کے میک اپ زدہ چہرے پر پسینہ ابھر آیا۔ ٹشو میں پسینہ جذب کرتے ہوئے وہ اس طرف دوڑیں۔

"سنو ماہ رو یہ کیا ہو رہا ہے تم اس غریب بچی کو یہاں کیوں لائی ہو؟" وہ لشتم پشتم غصے میں بھری اس کے سر پر آ کھڑی ہوئیں۔

"ان ہی لوگوں کے نام پر آپ چندہ وصول کرکے ایسی عالی شان پارٹیاں کرتی ہیں تو پھر چند لقمے اگر ان غریبوں کے حلق سے اتر جائیں تو آپ کا کیا جاتا ہے۔" نہ چاہتے ہوئے ماہ رو کی آواز تیز ہوئی۔

"ابھی یہ تماشہ بند کرو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" لوگ ان دونوں کو دیکھنے لگے تو مسز خان کو اپنی آواز دھیمی کرنی پڑی۔

"واہ...... آپ لوگ اس طرح غریب بچوں کو مہمان بنا کر نئے سال کی خوشیوں میں شریک کرتے ہیں۔" چند اخباری رپورٹر اس طرف متوجہ ہوکر سوالات کرنے لگے۔

ایک نے سراہا۔

''جی ہم نے یہ نیا سلسلہ شروع کیا ہے کہ ایسی پارٹیز میں چند غریب بچوں کو بھی مہمان بنا کر شرکت کروائیں کیونکہ ہماری تنظیم غریبوں کی فلاح......'' مسز خان نے این جی او کی مشہوری کے لیے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جھوٹ پر جھوٹ بولنا شروع کردیا۔ ماہ رو نے لحہ بھر کے لیے انہیں دیکھا اور کاندھے اچکا کر چندہ کی طرف متوجہ ہوگئی۔ مہمان گرامی کی طرف سے مسز خان اور تنظیم کے لیے داد وتحسین کے ڈونگرے برستے رہے مگر ماہ رو کو کسی کی بھی پروا نہیں تھی' وہ بس اس بچی کا پیٹ بھرتے دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ جب تک چندہ کھانے سے سیر نہ ہوجائے وہ وہاں رکنا چاہتی تھی۔ جیسے ہی اس بچی نے جوس کا آخری گھونٹ بھرا اور آستین سے منہ پونچھتے ہوئے تشکر نگاہوں سے ماہ رو کو دیکھا وہ بیٹھی رہی اس کے فوراً بعد جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ چندہ نے بھی سیٹ چھوڑ دی۔

''پلیز میم کو بتا دینا اچانک میری طبیعت خراب ہوگئی ہے میں جا رہی ہوں۔'' ماہ رو کا دماغ اس وقت ماؤف ہو رہا تھا' اس نے جلدی سے ایک ورکر کو بتایا اور ہاتھ ہلاتی ہوئی ہال سے باہر نکل آئی۔

پرس میں جتنے پیسے تھے وہ سب بچی کی مٹھی میں دبائے جس پر وہ مسکرائی اور اس گوشے کی طرف بڑھ گئی جہاں بیٹھنے کی اس کی ماں نے ہدایت کی تھی' ماہ رو نے اسے مسرور دیکھا تو بڑے سکون کے ساتھ پارکنگ کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ وہ ان روشن فضاؤں سے جلد از جلد نکلنے کی خواہش مند تھی' جہاں روح تک گھور اندھیرا چھاتا چلا جا رہا تھا۔ کار کا دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر چابی اگنیشن میں گھمائی۔ اس وقت اسے نہ اپنی باس کی ناراضی کا خیال تھا' نہ دوسرے ورکر کے ساتھ مل کر پارٹی کرنے کی خوشی کا احساس۔

یہ لذیذ اور وافر مقدار میں سجے پکوان میرے حلق سے کیسے اتر پائیں گے جبکہ میرے ملک کے کئی خاندان اس وقت سوکھی روٹی کو ترس رہے ہیں۔ ایک ہی سوچ ہر بات پر حاوی ہوئی' اس کا پاؤں ایکسلیٹر دباتا چلا گیا۔

☆☆☆

ماہ رو عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آرام کی غرض سے آئی تو اس نے دل پر جبر کرتے ایک فیصلہ کیا اور علی کو کال ملا دی۔

''سنیں میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔'' اس نے بڑی دقتوں کے بعد لب کھولے۔

''کیسا فیصلہ......ماہ؟'' علی نے بے ساختہ سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

''یہی کہ میں نے اپنی ضد توڑ دی ہے۔ آپ مجھے اپنے پاس بلالیں' اب مجھے پاکستان میں نہیں رہنا۔'' اس کی بات سنتے ہی علی گنگ رہ گیا۔ پچھلے کئی سالوں سے وہ اپنی محبوب بیوی کو بلانے کو مچل رہا تھا مگر وہ تھی کہ ضد توڑنے کو تیار نہ تھی' ایک ہی جواب ہوتا کہ مجھے نہیں آنا اور اب جبکہ وہ خود واپس لوٹنے کی تیاریوں میں مگن تھا' اس نے یہ خوش خبری سنا دی۔

''کیا میری دعاؤں کو قبولیت کا درجہ مل گیا ہے یا شاید دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔'' وہ ایک دم سے چہکا۔

''آپ نے ٹھیک کہا تھا یہاں کچھ اچھا نہیں ہوسکتا' ایک غریب بچی کو کھانا کھلانے کے جرم میں مجھے جاب سے بے عزت کرکے نکال دیا گیا۔'' ماہ رو روتے ہوئے دل کی بھڑاس نکالی۔

''اوہ ایسا کیا ہوا؟'' وہ پریشانی سے پوچھنے لگا تو اس نے پورا قصہ سنا دیا۔

''تم نے این جی او کے خلاف اسٹینڈ کیوں نہیں لیا؟'' اس نے غصے اور جوش سے پوچھا۔

''کوئی فائدہ نہیں' سب کے ہاتھ پر ایک جیسی کالک لگی ہوئی ہے' پھر کون صفائی کرنا چاہے گا۔ مسز خان تو الٹا مجھ پر کرپشن کا جھوٹا الزام لگا کر پولیس میں رپورٹ بھی کرسکتی ہیں' ان کی پہنچ بہت دور تک ہے۔'' اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا سا تھا' ماہ رو کو اس وقت مسز خان کی دھمکی یاد آگئی' جو انہوں نے اسے نکالتے ہوئے دی تھی۔

''اچھا تم افسردہ مت ہو میں ہوں ناں۔'' اس کا انداز بڑا خاص ہوا۔

''کہاں ہیں آپ؟'' اس نے بے قراری سے کہا۔

''تمہارے بہت پاس۔'' علی کا انداز محبوبانہ ہوا۔

''میرے اردگرد تو تنہائی پھیلی ہے' جو مجھے اندر ہی اندر بھسم کررہی ہے۔'' وہ بلک اٹھی تو علی کا دل اسے بانہوں میں لینے کو مچلا۔

''ماہ اب بہت دنوں تک یہ احساس تمہیں تنگ نہیں

کرے گا۔" اس نے تسلی دینا چاہی مگر وہ سن کہاں رہی تھی۔

"میں نے اپنی ضد توڑ کر یہاں سے جانے کا فیصلہ کیا ہے۔" اس کے لہجے سے وجود میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کا بخوبی اندازہ ہو۔

"چمن میں جہاں پھول ہوتے ہیں وہاں کانٹے بھی ہوتے ہیں مگر اس کے لیے مالی باغیچہ نہیں چھوڑتا۔" علی نے خوش گوار لہجے میں اسی کے انداز میں سمجھانا چاہا۔

"آپ کب سے انقلابی باتیں کرنے لگے؟" وہ حیرت زدہ سی فون کو گھورتے ہوئے بولی۔

"جب سے ہمارا پیار عشق میں تبدیل ہوا۔" اس کی شوخی عروج تک جا پہنچی۔

"حد ہے بیوی کو نوکری سے ذلیل کرکے نکال دیا ہے اور میاں صاحب کو اٹھکیلیاں سوجھ رہی ہیں۔" ماہ رو نے شرم دلائی۔

"اچھا سنو ماہ تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے۔" اس نے اپنی محبت کی اداسی دور کرنے کا فیصلہ کیا۔

"وہ کیا؟" ماہ رو نے بے چینی سے پوچھا۔

"میں ہمیشہ کے لیے پاکستان لوٹ کر آرہا ہوں۔" اس کے لبوں سے نکلنے والے الفاظ ماہ رو کو زندگی بخش گئے۔

"علی...... ! آپ سچ کہہ رہے ہیں؟" وہ پورے وجود سے کپکپاتے ہوئے بولی۔

"ہاں جانِ علی کیوں کہ تم سے دور رہنا مشکل ہوگیا ہے اب۔" وہ دلکش انداز میں چھیڑنے لگا۔

"اوہ...... میرے اللہ...... شکر ہے تو نے میری سن لی۔" ماہ نے متشکر انداز میں اوپر دیکھا۔

"اب تو خوش ہو؟" وہ انجوائے کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں مگر یہاں کے حالات بہت نہیں بدلے ہوسکتا ہے جاب ملنا مشکل ہو۔" اس نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔

"جانتا ہوں مگر میرے پاس اب باہر کی کمپنیوں میں کام کرنے کا تجربہ ہے' جسے میں اپنے ملک کی ترقی کے لیے استعمال کروں گا اس لیے اپنا بزنس اسٹارٹ کروں گا۔" وہ بشاشت سے بولا۔

"ارے واہ...... یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" ماہ رو ایک دم ریلکیس ہوگئی۔

"میڈم آپ کو بھی فارغ رہنے نہیں دوں گا اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ایک ایسے اسکول کی بنیاد رکھیں گے جہاں تم ان پھولوں کی آبیاری کروگی جن کے خون میں وطن کی محبت گردش کرے گی۔" علی نے بڑے جذب سے اس کے کانوں میں سُر بکھیرے۔

"یہ سب بھلا کیسے ہوگا؟" اس نے حیرت سے پوچھا' اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

"میں نے مکمل پلاننگ کرلی ہے تم تعلیم کے ساتھ ساتھ ان بچوں میں اپنی سوچ' اپنی محبت منتقل کروگی' ہم اس اسکول میں ایسا نظام وضع کریں گے' جس کے مثبت اثرات صرف کلاس روم تک محدود نہیں ہوں گے بلکہ ان کے گھروں' ان کی زندگیوں اور معاشرے تک پہنچیں گے ان شاء اللہ۔" وطن سے دور جانے کی وجہ سے وہ شاید کچھ زیادہ ہی پُرامید ہوگیا اس کی آنکھوں میں بھی سپنے سج گئے تھے۔

"سچ علی...... ! یہ میری زندگی کا سب سے بڑا خواب' میری سب سے بڑی خوشی ہے جو پوری ہونے جارہی ہے۔" وہ ایک دم پُرجوش ہوئی۔

"میں اپنے فرائض اور ذمے داریوں کی ادائیگی کے ساتھ تمہاری آنکھوں میں بسنے والے سپنے کو نہیں بھولا تھا۔ اسی لیے بڑی سمجھداری سے پلاننگ کی اور علیحدہ سے ایک اکاؤنٹ تمہارے لیے کھولا' جہاں ہر ماہ معقول رقم جمع کراتا رہا۔ اتنے سالوں میں اب جاکر اس قابل ہوا ہوں کہ تمہارے خوابوں کو تعبیر دے سکوں۔" علی کے لہجے کا اعتماد ماہ رو کے وجود میں خوشیوں کے رنگ گھولتا چلا گیا۔ اس طویل مسافت نے ان کی زندگی میں خوشیوں اور چاہتوں کے نئے باب کھول دیے تھے۔

تیری زلف کے سر ہونے تک

اقرأ صغیر احمد

قسط نمبر 16

پھولوں میں تتلے' چاند ستاروں میں رہے ہیں
کچھ لوگ ہمیشہ ہی بہاروں میں رہے ہیں
ہے اُن سے توقع ہی غلط حرمتِ فن کی
ہر دور کے جو نغمہ نگاروں میں رہے ہیں



WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

گزشتہ قسط کا خلاصہ

سارہ یہ نوفل کے روم میں آ کر اس سے التفات برتنے کی کوشش کرتی ہے جس پر نوفل بھڑک اٹھتا ہے اور اسے بے عزت کر کے اپنے کمرے سے نکال دیتا ہے۔ لاریب اسے دیکھ کر اسی کی جانب آتا ہے اور خصوصی توجہ سے نوازتا ہے جس پر وہ نوفل کی برہمی کا تذکرہ کرتی ہے جس پر لاریب اسے نوفل سے دور رہنے کا مشورہ دیتا ہے۔ نوفل کے بلانے پر عاکفہ اس کے گھر آتی ہے اور وہاں زرقا بیگم سے مل کر بے حد خوش ہوتی ہے اسی دوران سارہ یہ اپنا تعارف نوفل کی فیانسی کے طور پر کراتی ہے جس پر عاکفہ حیرت کا اظہار کرتی ہے۔ یونیورسٹی میں انشراح نوفل کا سامنا کرنے سے گریز کرتی ہے دوسری طرف نوفل کے بکھرے حلیے کو دیکھ کر دکھ متفکر نظر آتی ہے انشراح ماضی کو بدلنے میں تو ناکام رہتی ہے لیکن اپنی ذات پر انگلی اٹھانے والوں سے بدلہ لینے کا وہ تہیہ کر لیتی ہے جبکہ بالی اسے سمجھانے میں ناکام رہتی ہے۔ اچھی آپا اپنے بیٹے کے رشتے کے لیے بار بار صوفیہ کے پاس آتی ہیں ایسے میں وہ مدثر صاحب کا حوالہ دے کر فی الحال بات کو ٹال جاتے ہیں جس پر اچھی آپا بھڑک اٹھتی ہیں انہیں لگتا ہے کہ کہیں مدثر اپنے بیٹے کے لیے سودہ کا رشتہ منتخب کیے نہ بیٹھے ہوں۔ مائدہ اپنی کزن اور خالہ کے ہمراہ لاہور چلی جاتی ہے تو عمرانہ بیگم عروہ کو اپنے ساتھ لے آتی ہیں اصل مقصد زید اور عروہ کو وقت دینا ہوتا ہے ایسے میں عروہ زید کو متوجہ کرنے کی بھرپور سعی کرتی ہے اور سودہ سے اس کی تلخ کلامی بھی ہو جاتی ہے وہ خود کو اس گھر کی بہو ثابت کرنے کے چکر میں خاصی بدتمیزی کا مظاہرہ کرتی ہے لیکن سودہ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا جس پر وہ مزید کھول اٹھتی ہے۔ لاریب جہاں آرا کے گھر پہنچ کر انشراح کو ساتھ لے جانے کی بات کرتا ہے ایسے میں دونوں کے درمیان تلخ کلامی ہو جاتی ہے لیکن لاریب کو نشے کی حالت میں دیکھ کر وہ فی الحال نرم رویہ اختیار کرتے اسے لوٹ جانے کا کہتی ہیں کہ انشراح صرف اسی کی ہے۔ عاکفہ نوفل سے اس کی منگنی کا تذکرہ کرتی ہے جس پر وہ بوکھلا جاتا ہے گھر آ کر وہ سارہ یہ پر خوب برہم ہوتا ہے اس میں اسے اپنی ماں شعوانہ کا روپ نظر آتا ہے جو انہی کی طرح بے باک ہوتی ہے۔ عروہ اپنے دل میں حاسدانہ جذبات لیے سودہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس پر برہم ہوتی ہے ایسے میں ٹوٹے کانچ کے ٹکڑوں سے اس کا چہرہ نوچنا چاہتی ہے پر سودہ گھبرا کر ہاتھ سے چہرہ چھپا لیتی ہے اور کانچ کا ٹکڑا ہاتھ کو زخمی کر دیتا ہے ایسے میں زید یہ سب دیکھ کر نہایت غصے میں وہاں پہنچتا ہے۔

اب آگے پڑھیے

ہوائیں شائیں شائیں کرتی اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھیں سردی اپنے عروج پر تھی اس نے کیب سے نکل کر سمندر کے اس حصے کی طرف بڑھنا شروع کیا تھا جہاں نسبتاً کم لوگ موجود تھے۔ گھپ اندھیرے میں کچھ کپلز دنیا و مافیہا سے بے خبر ایک دوسرے میں گم تھے۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی جوں جوں وہ آگے بڑھتی اندھیرے کے ساتھ ہواؤں کا شور اور لہروں کی شوریدہ سری بھی بڑھ رہی تھی لیکن اس پر ہوا اندھیرا سردی کچھ بھی اثر انداز نہیں ہو رہی تھی کہ اس کا ذہن جذباتی بھونچال میں پھنسا ہوا تھا۔ نانی کے لفظ کوڑوں کی مانند برس رہے تھے۔

"وہ چاہتا ہے تم کو ایک بار اس کی چاہت پوری کر دو وہ تمہارے ساتھ کچھ ٹائم گزارنا چاہتا ہے اور اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔" وہ شانے اچکا کر بہت عام سے لہجے میں گویا ہوئی تھیں انشراح کے چہرے پر عجیب رنگ پھیل گئے تھے۔

"یہ چاہت نہیں ہوس ہے ماسی...... ہوس کو محبت کا نام نہیں دو۔" بالی غصے سے پہلے شاکڈ بیٹھی انشراح پھر جہاں آرا کی جانب دیکھتی ہوئی بولیں۔

"اب تم جو بھی کہو گھر کا چولہا جلانے کے لیے تن من کو راکھ کرنا ہی پڑے گا عورت و مرد ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں اگر عورت مرد کی ضرورت پوری کرتی ہے جواباً مرد بھی اس کی خواہشوں کا احترام کرتا ہے اور وہ لاریب جیسے مرد ہوں تو کیا ہی خوش نصیبی کی بات ہوتی ہے۔" ہواؤں کی آوازوں میں نانو کی سرگوشیاں بھی شامل ہو گئی تھیں پانی اس کے گھٹنوں تک پہنچنے لگا تھا اور وہ مسلسل چلتی ہی جا رہی تھی۔

"آپ نے کہا تھا آپ اپنی گزشتہ زندگی کو بھول کر نئی زندگی کی طرف لوٹ آئی ہیں تائب ہو گئی ہیں گناہ آلود ماضی سے۔"

"اب معلوم ہوا ہے مجھے گھوڑا گھاس سے دوستی کرے گا تو بھوکا مرجائے گا سالوں ہوگئے عزت کی زندگی گزارتے ہوئے اور اس عزت نے کچھ دینے کے بجائے الٹا جو جمع پونجی تھی وہ بھی ٹھکانے لگادی' نہ بابا میں باز آئی ایسی نام نہاد عزت دار زندگی سے۔ جہاں نہ ارمان پورے ہوسکتے ہیں اور نہ خواہش' صاف بات ہے میں سسک سسک کر زندگی گزارنے والی نہیں ہوں۔" وہ فق ہوتے انشراح کے چہرے کو دیکھتے ہوئے حتمی و بےرحم لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

"سالوں سے میں تمہیں پالتی آئی ہوں' اب تمہارا حق بنتا ہے تم میرے لیے وہ کرو' جس سے میرے اخراجات و آسائشات پوری ہوں۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں آپ سے نانو' جاب کروں گی دن و رات اتنی محنت کروں گی کہ آپ کو کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دوں گی لیکن آپ ایسی چیپ ڈیمانڈ نہ کریں جو میں مر کر بھی پوری نہ کروں۔"

"کہاں جاؤ گی...... کیا جاب کرو گی؟" ان کی استہزائیہ مسکراہٹ گہری تھی۔

"جہاں پُرکشش پے ملے گی' اتنا پیسہ جو آپ کو خوش رکھ سکے۔"

"ہونہہ' یہ صرف سوچنے تک ہی اچھا ہے ورنہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے' ادھوری تعلیم کے ساتھ تم کو کون تگڑی تنخواہ والی جاب دے گا؟ اگر تعلیم مکمل بھی ہوتی تو یہاں رشوت و سفارش کے بنا نوکری ملنا محال ہے اور یہ دونوں ہی تم کو دستیاب نہیں ہیں پھر سچ یہ ہے کہ نوکری دینے کے عوض لوگ تم سے یہی ڈیمانڈ کریں گے جو لاریب کررہا ہے۔ میری بات مان لو انشی...... آج رات چلی جاؤ لاریب کے ساتھ' اس میں ہی ہم سب کا فائدہ ہے۔" بڑی زور آور لہر آئی تھی اور اس کے اردگرد اندھیرا اچھل گیا تھا اندھیروں سے وہ روشنی میں سانس لے رہی تھی گو کہ سانس لینے میں تکلیف ہورہی تھی' بدن کا ہر حصہ زخم بنا ہوا تھا اور ہر زخم پر نمک کی جلن تھی۔ رات گئے جب نانو اور بالی نیند کی وادی میں گم ہوگئی تھیں' وہ موت کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی تھی اور سمندر میں ڈوب بھی گئی تھی۔ آنکھ کھلتے ہی پہلے ذہن میں نانو کے ساتھ گزرا تکلیف دہ وقت یاد آیا تھا اور ذہن جب مکمل طور پر غنودگی دباؤ سے آزاد ہوا تو سب سے پہلے نظر قریب کرسی پر بیٹھی عاکفہ پر پڑی تھی۔

"عاکفہ......!" وہ اٹھتے ہوئے اضطرب سے گویا ہوئی۔

"لیٹی رہو پلیز۔" عاکفہ نے اٹھ کر نرمی سے اسے لٹانا چاہا مگر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر روہانسی انداز میں گویا ہوئی۔

"مجھے یہاں کون لایا؟"

"بابر اور نوفل بھائی لائے ہیں' تم نے ایسی حرکت کیوں کی انشی؟ کیوں اپنی زندگی کو تم نے اتنا ارزاں سمجھ لیا کہ سمندر برد کرنے چلی تھیں۔ کیوں کیا تم نے ایسے؟ کیا تمہاری نانو کوئی نیا گیم کھیلنا چاہتی ہیں؟" اس نے نرمی سے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر استفسار کیا۔

"کتنی بدنصیب ہوں میں' موت بھی میرے نصیب میں نہیں اور نوفل ہر اس جگہ کیوں پہنچ جاتا ہے جہاں میں ہوتی ہوں؟"

"اللہ کو تم سے کتنی محبت ہے تمہارے بچاؤ کے لیے وہ پہلے بندوبست کردیتا ہے۔"

"اللہ کو مجھ سے محبت ہوتی تو وہ مجھے تمہارے گھر پیدا کرتا' میری مما کو تمہاری مما کی طرح باحیا و باکردار بناتا۔ اللہ کو مجھ سے محبت نہیں......" وہ لاریب کا نام لیے بنا ساری بات اس کو بتا کر روتی رہی۔

"غلط بات نہیں کرو انشی...... یہ اللہ کی تم سے محبت ہی تو ہے جو تم ایسے لوگوں کے درمیان رہ کر بھی گناہ سے نفرت کرتی ہو' ان کے رنگ میں رنگنے کو تیار نہیں ہوا ایسا ان ہی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جن پر اللہ کی خاص نظر کرم ہو۔" وہ رسانیت سے اس کو سمجھا رہی تھی کچھ دیر بعد اس کو بہلانے میں کامیاب ہوگئی اور بتانے لگی۔

جو بابر نے اس کو بتایا تھا کہ وہ پانی میں جیسے ہی ڈوبی ویسے ہی غوطہ خوروں کی مدد سے اس کو بچالیا گیا تھا اور فوری طبی امداد ملنے کے باعث وہ خطرے سے باہر تھی اور بےہوش تھی۔

"بابر تمہاری نانو کے مزاج سے واقف ہے اس لیے ان کو کال کرنے کے بجائے اس نے مجھے کال کرکے تمام صورت حال سے آگاہ کیا اور میں نے تمہیں یہاں بلوالیا تھا۔"

''آہ...... میں ہر بار اس شخص کے آگے تماشہ کیوں بن جاتی ہوں' جس کی پرچھائیں سے بھی میں خود کو مخفی رکھنا چاہتی ہوں۔'' اس نے تکیے پر سر رکھتے ہوئے آنکھیں موند کر گلوگیر لہجے میں کہا۔

''پلیز' نوفل بھائی بہت سویٹ ہیں تم ان کی طرف سے دل صاف کرلو آج وہ بھی تمہارے لیے خاصے اپ سیٹ دکھائی دیئے۔''

''پرامس کرو' تم بابر اور نوفل کو کچھ بھی نہیں بتاؤ گی' جو میں نے تم سے شیئر کیا ہے۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر التجائیہ انداز میں گویا ہوئی۔

''پہلے تم وعدہ کرو آئندہ تم کبھی خودکشی کی سعی بھی نہیں کرو گی؟''

''تم سب کچھ جان کر بھی کہہ رہی ہو؟'' کچھ توقف کے بعد وہ زخمی لہجے میں بولی۔

''اللہ پر بھروسہ رکھو وہ ہی حفاظت کرنے والا ہے بالی کو کال کردی تھی میں نے کہ تم میرے پاس آئی ہو اور کل میرے ساتھ ہی یونیورسٹی جاؤ گی۔''

❁......❁......❁

زید کی تیز آواز پر عروہ ششدر رہ گئی تھی کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا وہ اس وقت نہ صرف اوپر ہوگا بلکہ عین موقع واردات پر اس کو پکڑ بھی لے گا جبکہ زید کئی سیڑھیاں پھلانگتا ان کے درمیان پہنچا تھا اور آتے ہی وہ عروہ کے ہاتھ سے کانچ کا نوکیلا ٹکڑا لے کر ایک طرف پھینکتے ہوئے غصے سے مخاطب ہوا۔

''تم نے کانچ کیوں مارا اس کو؟'' کہتے ہوئے سودہ کا لہولہان ہاتھ تھام کر دیکھا جہاں گہرے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔

''آپ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں؟'' اس نے زور و شور سے رونا شروع کردیا۔

''اٹیک اس نے مجھ پر کیا تھا اور خود ہی گھائل ہوگئی ہے۔''

''فارگاڈ سیک...... اب جاؤ یہاں سے ڈرامہ مت کرو۔'' اس نے جیب سے رومال نکال کر اس کے ہاتھ پر باندھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا جبکہ سدا کی ڈرپوک سودہ ابھی تک عروہ کے خونخوار انداز سے خوف زدہ گم صم تھی اپنے قریب اس کی مہکتی موجودگی بھی محسوس نہیں کررہی تھی۔

''ڈرامہ میں نہیں آپ کرتے ہیں عمرانہ آنٹی کے سامنے' اس سے نفرت کرنے کا ورنہ اصل راز یہی ہے کہ آپ اس گھٹیا لڑکی سے محبت کرتے ہیں۔'' وہ اس وقت سودہ کے بے حد قریب کھڑا تھا اور اس کے چہرے پر تفکر' پریشانی' درد کیا کچھ نہ تھا۔ زخم اس کو لگا تھا اور گویا درد اس کے ہورہا تھا اس کی ہر جنبش سے محبت عیاں تھی۔

''شٹ اپ......'' وہ دھاڑا تو سودہ عروہ کے منہ سے وہ سب سن کر گھبرا گئی تھی اور غیر ارادی طور پر اس سے ہاتھ چھڑانے کی سعی کی لیکن غافل وہ بھی نہیں تھا گرفت ہاتھ پر برقرار رکھی تھی۔

''خون رک نہیں رہا ہے' میرے ساتھ چلو۔''

''میں بوا سے ڈریسنگ کروالوں گی معمولی سا زخم ہے آپ میرا ہاتھ چھوڑ دیں زید بھائی۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''گہرا زخم ہے مجھے خدشہ ہے ٹانکے لگوانے پڑ جائیں گے' خیر ابھی تم میرے ساتھ ہسپتال چلو پھر دیکھتے ہیں۔'' اس کے انداز میں تفکر کے ساتھ مخصوص تنبیہی بھی ابھر آئی تھی وہ اسی طرح اس کا ہاتھ تھامے ہوئے باہر نکل گیا۔

نفرت و اشتعال سے گھورتی عروہ کی رتی بھر بھی پروا نہ کی تھی اس نے وہیں کھڑے کھڑے باہر کار اسٹارٹ ہونے کے بعد جانے کی آواز بھی سنی تھی' غصہ' رنج و جنون سے اس کی بری حالت تھی۔ دل تو چاہ رہا تھا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہاں سے چلی جائے کہ اس کو کون سا مردوں کی کمی تھی جس کی طرف بھی اشارہ کردے وہ اس سے شادی سے انکار کر ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ حسن کی دولت کے ساتھ ظاہری دولت مند بھی تھی ایسی لڑکیوں کے لڑکے خواب دیکھتے ہیں جو خوب صورت بھی ہوں اور مالک جائیداد بھی مگر یہاں معاملہ دل سے زیادہ انا کا در آیا تھا۔ زید نے جس طرح اس کی تذلیل کی تھی' اس کے جذبوں کی توہین کی تھی اور ابھی بھی کسی طرح وہ انسلٹ کر کے گیا تھا۔ اس نے بھی عہد کرلیا تھا جب تک اس مغرور و بے حس انسان سے ایک ایک زیادتی کا بدلہ

نہیں لے گی تب تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔

"تم جتنے بھی ایٹی ٹیوڈ دکھالو مسٹر زید...... میں برداشت کروں گی کیونکہ ابھی بال تمہارے کوٹ میں ہے مگر ٹائم بدلتا رہتا ہے جب بال میرے کوٹ میں آئے گی پھر تم کو بتاؤں گی ایٹی ٹیوڈ کس کو کہتے ہیں؟ میں نے بھی آج بے وقوفی کی حد ہی کردی۔ یہ بھی دیکھنے کی زحمت نہیں کی کہ سب گھر والے کسی تقریب میں گئے ہوئے ہیں تو زید بھی گئے ہیں یا نہیں؟ اب اس بے وقوفی سے سودہ کے مزے آ گئے کتنی محبت سے وہ اس بچ کو ہسپتال لے کر گئے ہیں اور نہ جانے کب آئیں گے یہاں میں بور ہوتی رہوں گی۔" وہ وہیں آرام دہ صوفے میں دھنس کر بیٹھی سوچ رہی تھی۔

"بیٹا...... سودہ بٹی کو دیکھا ہے آپ نے وہ کہاں ہیں؟" کچھ دیر بعد آنکھیں ملتی ہوئی بوا وہاں آ کر عروہ سے پوچھنے لگیں۔

"گئی ہے اپنے سگے کے ساتھ منہ کالا کرنے کے لیے۔" وہ بڑبڑائی۔

"بیٹا شاید آپ نے سنا نہیں۔" وہ عینک لگاتی گویا ہوئیں۔

"بہری تم ہو بڑی بی...... میں نہیں ہوں وہ زید کے ساتھ باہر گئی ہے۔"

"سودہ بٹی زید میاں کے ساتھ باہر گئی ہیں؟ الٰہی خیر! وہ دونوں کسی مصیبت کے وقت میں ساتھ ہوتے ہیں نہ جانے کیا ہوا ہے؟" بوا ہول کر رہ گئیں مگر اس کی بدکلامی کے خوف سے پوچھ نہ سکی۔

وہ اسے اپنے ڈاکٹر دوست کے ہسپتال لے آیا تھا اور یہ اس کی ہی کوشش تھی کہ اس کے زخم پر ٹانکے نہیں لگے تھے صرف بینڈیج کردی گئی تھی۔

"اب خوش ہو ناں ٹانکوں سے بچالیا ہے میں نے تمہیں کہیں اور لے کر جاتا تو ایسا ممکن نہ ہوتا' زخم بہت گہرا لگا ہے تمہیں۔" وہ دوست سے الوداعی مصافحہ کر کے آیا تھا کار اسٹارٹ کرتا ہوا گویا ہوا۔

"تھینکس زید بھائی...... مجھے اس زخم سے اتنی تکلیف نہیں ہو رہی تھی جتنی اس فکر سے ہو رہی تھی کہ ٹانکے لگیں گے۔" ایک شدید خوف سر سے ٹلا تو وہ بھی بے ساختہ کہہ اٹھی۔

"جانتا ہوں بہت ڈرپوک ہو تم۔" دلکش مسکراہٹ اس کے چہرے پر بکھر گئی تھی' ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ اس سے اپنائیت بھرے لہجے میں مسکرا کر بات کر رہا تھا۔ وہ اس کی اس عنایت کو جانتی تھی کہ عروہ کی طرف سے کی جانے والی زیادتی کی تلافی کرنے کے لیے وہ یہ سب کر رہا ہے۔

"کافی پیو گی یا جوس؟"

"جوس ابھی تو پیا ہے' کافی کو دل نہیں چاہ رہا۔" اس کے دوست نے انکار کے باوجود فریش جوس سے تواضع کی تھی۔

"وہ جوس مبشر کی میزبانی تھی' کافی میرا پینے کو دل چاہ رہا ہے۔"

"گھر پر آپ کو بہترین کافی بنا کردوں گی۔" اس کو گھر جانے کی جلدی تھی۔

"میری بات غور سے سنو اب کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاؤ گی تم' اگر تم نے کوئی کام کیا تو میں بری طرح پیش آؤں گا۔" اس کا موڈ خراب ہوا۔

"گھر میں کام ہی کیا ہوتا ہے ممی اور ممانی کچن سنبھالتی ہیں دیگر کام دونوں ملازمائیں کرجاتی ہیں پھر بوا بھی کچھ نہ کچھ کام کرتی رہتی ہیں۔" اس کا بگڑتا موڈ دیکھ کر وہ صفائی پیش کرنے لگی اور وہ خاموشی کی آڑ میں اپنے بے لگام ہوتے جذبوں کو قابو کرنے لگا تھا۔

کہر آلود موسم

سرمئی شام

سرد سناٹا دوست ہوائیں' اس کے دل کے خفیہ ساز کو چھیڑ رہی تھیں نامعلوم یہ خوب صورت موسم کا جادو تھا یا اس کے زخموں سے گداز ہونے والی دل کی امنگیں انگڑائی لے رہی تھیں کہ شدت سے یہ آرزو جاگی کہ وہ سودہ کا ہاتھ تھام کر دنیا سے بہت دور چلا جائے۔ خوابوں' خواہشوں کے اس سنہری نگر میں جہاں صرف خوشیاں ہی خوشیاں ہوں جبکہ اس کی سوچوں سے بے خبر سودہ کوئی


English®
دانت محفوظ
صحت محفوظ
English®
ANTIBACTERIAL
PAKISTAN'S 1ST ANTIBACTERIAL TOOTHPASTE

ڈرستانے لگے تھے کہ عروہ عمرانہ کو اس قصے کے حوالے سے کس طرح نمک مرچ لگا کر سنائے گی۔ عمرانہ ممانی کو زید کا اس کو ہسپتال لانا برداشت نہیں ہوگا مستزاد عروہ کی باتیں کسی نئی جنگ کا آغاز نہ ثابت ہوں پھر یاد آیا اس نے کتنی بدتمیزی سے زید پر الزام بھی لگائے تھے۔

''اصل راز یہی ہے کہ آپ اس گھٹیا لڑکی سے محبت کرتے ہیں۔'' اس کی چیختی چلاتی آواز سماعتوں میں گونجی اور دل دھڑک اٹھا تھا وہ خجل سی ہوئی۔ عروہ کی غلط بیانی اس کو شرمندہ کررہی تھی اس نے کبھی بھی خود کو زید کے لائق نہیں سمجھا تھا وہ جانتی تھی زید افق پر چمکتا چاند ہے اور وہ زمین پر پڑے کسی حقیر ذرے کی مانند ہے۔ دراصل اس کی مثال مور کی مانند تھی جو اپنی خوب صورتی سے بے خبر محض اپنے بدصورت پاؤں دیکھ کر خود کو بدصورت سمجھ کر روتا ہے۔

وہ کسی طرح بھی زید سے کم نہ تھی خوب صورتی ذہانت خاندان حیثیت سب میں ہم پلہ تھی۔ اس کا باپ بڑی جائیداد اس کے لیے چھوڑ کر دنیا سے سدھارا تھا لیکن عمرانہ نے ہمیشہ اس کو احساس کمتری میں رکھا تھا جس کے باعث آج تک اس کے دل میں احساس ملکیت نہ جاگا تھا اس پر شباب عمر میں بھی اس کے سپنے کسی حسین شہزادے کے تصور سے غیر آباد تھے کسی جنس مخالف کا تصور بھی اس کو چھو کر نہیں گزرا تھا۔

''شش...... گھر آ گیا ہے۔'' کار پارکنگ شیڈ میں روکنے کے بعد وہ اس کو گہری سوچوں میں گم دیکھ کر چٹکی بجا کر بولا۔

''اوہ...... سوری مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ گھر آ گیا؟'' وہ ہڑبڑا کر شال درست کرتی کار سے نکلی۔

''ارے آ گئی میری بچی یہ ہاتھ میں پٹی کیسی ہے؟ جب سے میں نے سنا ہے آپ زید میاں کے ساتھ باہر گئی ہیں تب سے ہی میں خیر کی دعائیں کررہی ہوں۔ یہ ہاتھ میں کیا ہوا...... لگتا ہے بہت خون نکلا ہے؟'' وہ اس کی اور زید کی شرٹ پر لگے خون کے دھبوں کو دیکھ کر بولیں۔

''بوا...... آپ کا مطلب ہے اس کا میرے ساتھ جانا خیر کی علامت نہیں ہے۔'' وہ کار لاکڈ کر کے ان کے قریب چلا آیا تھا۔

''ہائے اللہ...... میاں ایسا میں نے کب کہا؟''

''ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں جب سے آپ نے سنا تھا یہ میرے ساتھ باہر گئی ہے تب سے آپ خیر کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔'' وہ عموماً زید سے خوف زدہ رہا کرتی تھیں اب سودہ کی فکر میں بولتے ہوئے وہ لفظوں کا چناؤ محتاط انداز میں نہ کرسکی تھیں۔ اب بری طرح پچھتا رہی تھیں اور وہ مسکراہٹ ضبط کیے ان کی حالت انجوائے کررہا تھا۔

''میرا غلط مقصد ہرگز نہیں تھا بیٹا۔''

''پھر کیا مقصد تھا آپ کا؟''

''میں بنا سوچے سمجھے بولنے کی عادی ہوں معاف کردو۔''

''ارے مجھے شرمندہ کررہی ہیں آپ بوا...... کوئی بات نہیں میں ایسے ہی کہہ رہا تھا آپ اس کو لے جا کر آرام کروائیں کانچ چبھ گیا تھا۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔

❁......❁......❁

نوفل بابر انشراح کو عاکفہ کے پاس چھوڑ کر رکا نہیں تھا وہ بابر کو ڈراپ کر کے گھر جانا چاہتا تھا۔ سارا دن وہ ذہنی خلفشار کا شکار رہا تھا سار یہ کی جھوٹی کہانی نے اس کی عزت پر حرف اٹھایا تھا۔

ساری زندگی اپنی عزت و کردار کی اس نے کڑی حفاظت کی تھی عورت کے کردار پر لگا رسوائی کا دھبہ جس طرح اس کے وقار کو مجروح کرتا ہے اسی طرح مرد کو بھی بے توقیر کرڈالتا ہے اور اسی بے توقیری کے احساس نے اسے متوحش کررکھا تھا حالانکہ سار یہ کی ماما کے سامنے کلاس لی تھی جس کا اس پر کوئی خاص اثر نہ ہوا تھا۔ الٹا ڈھٹائی کا مظاہرہ کرگئی تھی وہ ذہنی سکون حاصل کرنے سمندر کا رخ کیا تو وہاں انشراح کی خودکشی کرنے کی سعی نے مزید خلفشار میں مبتلا کردیا تھا۔ وہ لڑکی جو اول دن سے کسی نہ کسی طرح اس کی راہ میں حائل ہوجاتی تھی کبھی کسی روپ میں کبھی کسی رنگ میں لیکن آج جس طرح اس کو لہروں میں ڈوبتے دیکھا تھا اس کا ڈوبنا احساسات کو مجروح کرگیا تھا دل کے کسی گوشے میں ہمدردی و گداز پن اجاگر ہوا تھا۔

عاکفہ نے اس کی زندگی کے پہلوؤں سے آگاہی دی تھی جو اس کو سراسر جھوٹ و دھوکہ محسوس ہوا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا انشراح اپنی نانو کے ساتھ مل کر ڈبل کراس کر رہی ہے عاکفہ کو اور عاکفہ کے ذریعے اس کو احمق بنانے کی سعی کر رہی ہے مگر اب یقین ہوا تھا اس کی سوچ غلط تھی۔ وہ اپنی نانو کے گیم میں ملوث نہیں تھی۔

''انشراح نے ایسا کیوں کیا وہ کیوں اپنی جان لینا چاہتی تھی؟'' برابر میں بیٹھے بابر کی سوچوں کا محور بھی انشراح کے گرد گھوم رہا تھا۔

''بہت عجیب ہے وہ لڑکی...... ہر بار حیران کردینے کا ہنر آتا ہے اس کو کبھی جان لینے پر آمادہ ہوتی ہے تو کبھی جان دینے پر مائل دکھائی دیتی ہے۔ عجیب ٹریجڈی ہے۔'' اس کا گمبھیر لہجہ بوجھل تھا۔

''ہوں ٹریجڈی تو ہے یقیناً اس کی نانی نے کوئی گیم کھیلنے کی سعی کی ہے جس سے بچاؤ کا واحد حل اس کو جان دینے کا دکھائی دیا ہوگا اور جان دینے پہنچ گئی۔''

''جان دینے سے مسئلے کبھی حل نہیں ہوا کرتے ہیں یار......''

''جب انسان ہر طرف سے مایوسیوں کے اندھیروں میں گم ہو جاتا ہے پھر زندگی سے چھٹکارا ہی اصل حل محسوس ہوتا ہے۔''

''تم اتنے وثوق سے کس طرح کہہ سکتے ہو کہ اس نے کسی ایسی وجہ سے ہی خودکشی کرنے کی سعی کی ہے؟'' سڑکوں پر ٹریفک برائے نام تھا اسٹریٹ لائٹس کی روشنیوں میں ہر سمت دھند کا راج تھا' سنہری روشنیوں میں سفید دھواں سا پھیلا ہوا تھا۔

''عاکفہ کے حوالے سے میں اس کو بہت حد تک جان چکا ہوں' پہلے میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ وہ ایک بگڑی ہوئی آزاد خیال لڑکی ہے جس کا کام اپنے حسن کو کیش کرانا ہے لیکن اب میں اپنی اس سوچ پر بے حد شرمندہ ہوں وہ بالکل بھی اس ٹائپ کی لڑکی نہیں۔'' بابر کے لہجے میں انشراح کے لیے ہمدردی و دکھ تھا۔ وہ بابر کو ڈراپ کر کے گھر آ گیا تھا جہاں ماما کو سراپا انتظار پایا۔

''ماما......! آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟'' وہ قریب جا کر گویا ہوا۔

''نیند کس طرح آ سکتی تھی جب سارا دن میرے بیٹے نے کچھ کھایا نہ ہو۔'' وہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر محبت سے گویا ہوئیں۔

''مجھے معلوم ہے جب کوئی بات آپ کی مرضی کے خلاف ہو جاتی ہے تو آپ سے کھانا پینا چھوڑ دیتے ہیں' جس طرح آپ بنا ابھی کچھ کھائے پیے واپس آ گئے ہیں۔'' لائٹ بلو دوپٹے میں لپٹا ان کا پُرنور چہرہ و مشفق آنکھیں اس کے وجیہہ چہرے پر مرکوز تھیں جہاں آزردگی اور گہری سنجیدگی پھیلی ہوئی تھی لیکن پھر چند لمحوں میں ہی اس کے آزردہ چہرے پر زندگی سے بھرپور چمک و آسودگی چھاتی چلی گئی۔

''اور ہمیشہ کی طرح آپ نے بھی میری وجہ سے کھانے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا ہوگا سزا دے رہی ہوں گی خود کو۔'' اس نے ان کے دونوں ہاتھوں کو چومتے ہوئے محبت سے کہا۔

''سزا کیسی بیٹا...... آپ کے بنا مجھے بھوک لگتی ہی نہیں ہے۔'' اس اثناء میں امینہ بی وہاں چلی آئی اور مؤدبانہ انداز میں گویا ہوئیں۔

''کھانا لگا دیا ہے میں نے بیگم صاحبہ۔''

''ہم آ رہے ہیں' ساریہ نے ڈنر کر لیا تھا؟ شام سے ملاقات نہیں ہوئی۔''

''جی بیگم صاحبہ...... وہ لاریب صاحب کے ساتھ ڈنر کر چکی ہیں اور ڈنر کے بعد ان کے ساتھ باہر گئی ہوئی ہیں۔'' وہ کہہ کر چلی گئی کیونکہ کھانے کے دوران دونوں ماں بیٹے ملازماؤں کی مدد لینا پسند نہیں کرتے تھے' زرقا بیگم اس کے لیے کھانا نکالنے لگیں۔

''ساریہ یہاں آپ کی ذمہ داری ہے وہ دا آؤٹ پرمیشن لاریب کے ساتھ کیوں گئی؟ آپ اس کو اپنے انداز میں یہاں رہنے کے ایٹی کیٹس سمجھائیں اگر میں نے سمجھائے پھر آپ کو ہی شکایت ہوگی۔'' اس کے لہجے میں ناگواری سمٹ آئی تھی۔

''فیل ہو رہا ہے آج ساریہ کوئی بھوت بن کر آپ کو چمٹ گئی ہے۔ لاریب مجھ سے پرمیشن لے کر ہی گیا ہے دوپہر میں اس نے پوچھ لیا تھا۔'' وہ چائینیز رائس اس کی پلیٹ میں نکالتی ہوئی بولیں۔

''پاپا آج کل خاصے بزی ہیں گھر میں بھی کم ہی ہوتے ہیں۔''
''ہمارے عمرہ پر جانے کی وجہ سے یوسف کے خاصے کام پینڈنگ ہوگئے ہیں کچھ نئی پارٹیز سے بھی ایگریمنٹ کررہے ہیں۔''

راہوں پر نظر رکھنا' ہونٹوں پہ دعا رکھنا
آجائے شاید کوئی دروازہ کھلا رکھنا
احساس کی شمع کو کچھ اس طرح جلا رکھنا
اپنی بھی خبر رکھنا اس کا بھی پتا رکھنا

مدثر صاحب ہارٹ پیشنٹ تھے' دن بدن ان کی صحت گرتی جارہی تھی' بہترین علاج' اعلیٰ خوراک وغذائیں کچھ بھی ان پر اثر انداز نہیں ہورہی تھیں۔ وہ محبت' اپنائیت' خلوص ووفا سے لبریز دل رکھتے تھے اپنے ہوں یا غیر تعلقات کو مضبوطی ومروت سے نبھانے کے عادی تھے لیکن جب سے عمرانہ ان کی زندگی میں آئی تھی تب سے وہ ذہنی طور پر ٹینس رہنے لگے تھے اور جس طرح سے اس کی شکی و وہمی طبیعت نے معاملات زندگی الجھائے تھے وہ اپنوں سے بھی دور ہوتے چلے گئے تھے کیونکہ عمرانہ صالحہ کو برداشت کرنے کو تیار نہ تھی۔ دونوں بچوں کی وجہ سے بھائی بھابی بھی مجبور ہوگئے تھے' عمرانہ کا ساتھ دینے پر یوں مجبوراً وہ صالحہ کے ساتھ علیحدہ رہنے پر راضی ہوئے تھے۔

گھر پرگاہے بگاہے چکر لگاتے رہنا ان کا معمول تھا حالانکہ عمرانہ نے بہت چاہا تھا کہ گھر اور گھر والوں سے بھی ان کا کوئی تعلق نہ رہے مگر یہاں عمرانہ کی ایک نہ چلی تھی انہوں نے گھر جانا نہیں چھوڑا تھا۔ عمرانہ نے ان کے خلاف زید اور مائدہ کو اتنا بھڑکایا تھا کہ وہ پھر کبھی ان کے قریب نہیں آئے تھے۔ اللہ نے شاہ زیب کی صورت میں ان کی گود پھر بھر دی تھی وہ محبت بھی اس سے بہت کرتے تھے مگر جو محبت و پیار ان کو زید اور مائدہ سے تھی اس کی بات ہی الگ تھی اور اب گویا برداشت وضبط کی حد ختم ہوگئی تھی۔ وہ چاہتے تھے سب کے ساتھ رہیں' باقی ماندہ زندگی کے جو ایام رہ گئے ہیں وہ گھر والوں کے ہمراہ ہی بیتائیں۔ ان کی اس خواہش کے آگے واحد رکاوٹ عمرانہ تھی' اپنی عزت نفس وانا کو پس پشت ڈال کر وہ کئی بار اس سے از سر نو تعلقات استوار کرنے کی سعی کرچکے تھے مگر عمرانہ کا کٹھور پن ختم نہیں ہورہا تھا۔ ان کی پرانی شرط تھی کہ صالحہ کو طلاق دینے کے بعد ہی وہ وہاں رہ سکتے ہیں' صالحہ اور شاہ زیب کو کسی قیمت پر وہ قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھیں۔

آج پھر کسی موہوم امید پر اپنی بیماری کا بتاتے ہوئے درخواست کی تھی' عمرانہ کا وہی جواب تھا انہوں نے زیادہ اصرار کیا تو وہ دھمکی دینے لگی اگر زبردستی کی گئی تو وہ زید اور مائدہ کو لے کر گھر چھوڑ کر چلی جائے گی اس کے بعد بات منوانے کا کوئی جواز نہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ بھائی اور بھابی نے ان کے بچوں کو اپنے بچے سمجھ کر پرورش کی تھی' وہ ان کے بنا نہیں رہ پائیں گے اور عمرانہ ان کی کمزوری سے پورا فائدہ اٹھائے گی وہ بڑے شکستہ انداز میں بیڈ پر دراز تھے جب صالحہ آئیں۔

''سوپ لے آؤں آپ کے لیے؟''
''نہیں' طبیعت نہیں چاہ رہی۔''
''آپ نے لنچ بھی نہیں کیا اور اب سوپ کو بھی منع کررہے ہیں' اس طرح کمزوری بڑھ جائے گی۔'' وہ کہتی ہوئی ان کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

''بھوک ہی نہیں ہے صالحہ...... کس طرح کھاؤں؟ اب ہر شے سے دل اچاٹ ہوگیا ہے عجیب سی بے زاری طاری ہوگئی ہے کچھ بھی دل کو بھاتا نہیں۔'' بکھرتے حوصلے وٹوٹے جذبوں کی سسکیاں ان کے یاسیت بھرے لہجے سے عیاں تھیں' پُر وقار چہرے پر رنج وملال کا دریا سا بہہ رہا تھا۔

''حقیقت یہی ہے مدثر...... میں جب سے آپ کی زندگی میں آئی ہوں اسی دن سے خوشیاں وسکھ آپ کی زندگی سے جدا ہوگئے ہیں۔ میری ذات نے آپ کو اپنوں سے دور کردیا ہے بہت بدنصیب ہوں میں' نہ میں نے خود اپنوں کی قربت دیکھی اور

آپ کو بھی سب سے دور کردیا۔‘‘ صالحہ ایک عرصے سے ان کی بے سکونی واضطراب کو محسوس کررہی تھیں اور اب ان کی حالت اس پنچھی کی مانند ہوگئی تھی جو اپنے گھونسلے سے بچھڑ کر پھڑ پھڑاتا رہتا ہے یہی حالت ان کی تھی۔ وہ خود کو ان کی حالت کا ذمہ دار سمجھتی تھیں اب بھی وہ آبدیدہ ہوگئیں۔

’’ایسا مت کہو۔‘‘ محبت سے لبریز لہجے میں کہتے وہ اٹھ بیٹھے۔

’’کاش...... میری زندگی میں عمرانہ سے پہلے تم آ گئی ہوتیں تو آج زندگی کا حسن ہی الگ ہوتا' لوگ رشک کررہے ہوتے ہم پر۔‘‘

’’آپ کے خوب صورت دل کی باتیں ہیں مدثر...... جو آپ ایسا سوچتے ہیں وگرنہ میں کہاں اور عمرانہ سے کیا مقابلہ میرا' وہ چاند کی طرح حسین اور میں اس چاند میں لگے داغ کی مانند ہوں۔ سیاہ وبدصورت' آپ کی اور عمرانہ کی جوڑی سچ مچ بے مثال ہے' میں برے وقت کی طرح آپ کی زندگی میں داخل ہوکر واپسی کا راستہ ہی بھول گئی ہوں۔‘‘

’’خوب سیرت ہونا خوب صورتی سے بڑھ کر ہوتا ہے اگر دل بدصورت ہو تو چہرہ خوب صورت ہونے سے کچھ نہیں ہوتا...... میری نگاہ میں تم دنیا کی سب سے حسین وجمیل عورت ہو' میرے گھر کو جنت بنادیا ہے تم نے۔ میرے بیٹے کی بہترین واعلیٰ تربیت کی اور ہر دم میرے اشارے پر چلنے کی منتظر رہتی ہو' کبھی کوئی شکایت کا موقع نہیں دیا۔‘‘ ان کے لہجے کی سچائی ووفا پرستی نے ان کے سانولے چہرے پر اعتماد اور سکون کے رنگ بکھیر دیئے تھے۔

’’یہ میری سب سے بڑی خوش نصیبی ہے کہ آپ جیسا جیون ساتھی ملا' میں خود عمرانہ سے بات کروں گی' مناؤں گی ان کو کہ وہ ضد چھوڑ دیں' وہ عمر گزر گئی ہے جب حسد وجلن رشتوں میں دراڑیں پیدا کرتی ہے یہ ہمارے بچوں کا دور شروع ہوگیا ہے' بچوں کی خاطر ہمیں قریب آنا ہوگا۔‘‘

’’عمرانہ سے سامنا کرنے کی غلطی بھول کر بھی نہ کرنا وارن کررہا ہوں' وہ ہٹ دھرم وخودسر عورت ہے جو کسی کی عزت کرنا اپنی توہین سمجھتی ہے۔‘‘ وہ تنبیہہ کرتے ہوئے گویا ہوئے۔

❁......❁......❁

دوسرے دن وہ یونیورسٹی نہیں گئی تھی عاکفہ نے بھی اس کی خاطر چھٹی کرلی تھی' انشراح کے منع کرنے پر اس نے اپنی ممی کو اس کی خودکشی والی بات نہیں بتائی تھی اور اس کی ممی حور بانو نے بھی کوئی خاص نوٹس اس لیے نہیں لیا تھا کہ وہ بھی کبھار ان کے گھر رک جایا کرتی تھی۔ حور بانو اور عاکفہ کے اصرار پر اس نے ناشتا کیا اور ناشتے کے بعد جانے کے لیے تیار ہوگئی تھی۔

’’شام تک چلی جانا بیٹی...... جامعہ کی چھٹی تو ہوگئی ہے۔‘‘

’’شکریہ آنٹی...... مجھے ابھی جانا ہوگا رات سے یہاں ہوں گھر پر بالی میرا ویٹ کررہی ہے میری غیر موجودگی میں وہ خود کو بے حد تنہا فیل کرتی ہے۔‘‘ وہ عاکفہ کی دی ہوئی شال اوڑھتی ہوئی بولی۔

’’کبھی لے کر آؤ انہیں بھی یہاں' بہت ذکر سنا ہے بالی کا۔‘‘

’’شیور آنٹی...... بہت جلد ساتھ لاؤں گی آپ سے ملوانے' وہ بھی آپ سے ملنا چاہتی ہے اکثر میں آپ کی باتیں کرتی ہوں اس سے۔‘‘ ان سے ہاتھ ملاتی ہوئی وہ گویا ہوئی۔

’’ممی...... میں انشراح کو ڈراپ کرکے آتی ہوں۔‘‘

’’ارے میں شوفر کے ساتھ جارہی ہوں' تم آنٹی کی کچن میں ہیلپ کرواؤ' کیوں ٹائم ویسٹ کرنا چاہتی ہو میرے ساتھ جاکر؟‘‘

’’میں تم پر اعتبار نہیں کرسکتی' میں تمہیں گھر چھوڑ کر ہی سکون سے واپس آؤں گی۔‘‘ عاکفہ نے ذومعنی لہجے میں کہا اور وہ اس کے ساتھ ہی گھر آئی تھی اور بے قرار وپریشان حال بالی کو اس کی رات والی حرکت سے آگاہ کیا اور اس کا مکمل خیال رکھنے کی تلقین کرکے چلی گئی تھی۔ حقیقت حال جان کر بالی کے علاوہ جہاں آرا' بھی حواس معطل ہوکر رہ گئے تھے' رات کو وہ بے خبر سورہی تھیں اور وہ نامعلوم کس پہر گھر سے نکل کھڑے ہوئی تھی' بالی سکتے کی صورت بیٹھی رہ گئی۔

''یہ تم نے کیا حرکت کی انشی...... ہمارے اعتماد کو کس طرح پاؤں تلے کچلا ہے؟'' جہاں آرا کے حواس ٹھکانے لگے تو وہ کراہ کر گویا ہوئیں۔

''اعتماد...... ہونہہ کس اعتماد کی بات کرتی ہیں آپ؟ پلیز آپ مجھ سے بات ہی نہیں کریں تو مہربانی ہوگی۔'' وہ ان سے بازو چھڑا کر باغیانہ انداز میں گویا ہوئی۔

''میں بات نہیں کروں تجھ سے؟ چہ خوب...... یہی صلہ ہے تجھے پالنے کا' تیری عزت کی حفاظت کرنے کا' تیرے لاڈ اٹھانے کا؟''

''یہ سب آپ نے اپنے فائدے کے لیے کیا' راتوں رات دولت مند بننے کے لالچ میں عزت کی حفاظت اس لیے کی تاکہ وقت آنے پر منہ مانگے دام فروخت کرسکو۔'' وہ شعلہ بنی ہوئی تھی۔

''تجھے فروخت نہ کروں تو کیا کروں؟ تیرے باپ نے تجھے ناجائز اولاد کہہ کر ٹھکرادیا تھا۔ ایک عرصہ تیری ماں کے ساتھ گلچھرے اڑا کر جب تیری پیدائش ہوئی تو یہ کہہ کر مکر گیا کہ تو اس کا خون نہیں...... وہ تیرے ساتھ ساتھ ہم سب کو قتل کرانے کا حکم دے گیا تھا۔'' وہ غصے میں بول رہی تھیں' وہ گردن ہلا کر گویا ہوئی۔

''آج پھر ایک نیو اسٹوری' سمجھ نہیں آتا ایک زبان سے کتنی زبانیں بولتی ہیں آپ؟ جھوٹ وفریب کی بھی کوئی لمٹ ہوتی ہے' لیکن آپ کے ہاں ایسا کچھ نہیں ہے جھوٹ کی کھیتی سدا ہری رہتی ہے۔''

''ماسی...... اللہ کے واسطے اب چپ بھی ہوجاؤ' دیکھ رہی ہو وہ موت کے منہ سے نکل کر آئی ہے' بجائے پیار کرنے' سمجھانے کے اس کو زچ کررہی ہو' صاف بتادو لاریب کو تم نے رات ہی منع کردیا تھا۔'' ان کی بحث وتکرار بڑھتے دیکھ کر بالی کو بولنا پڑا۔

''تم بھی کس کی باتوں میں آرہی ہو بالی...... نا تو منع کریں گی اور وہ مان جائے گا' ناممکن...... وہ بے حد کمینہ ہے۔''

''ادھر میرے ساتھ چلو تم۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کمرے کی طرف لے آئی تھیں جو ہمیشہ لاکڈ رہتا تھا وہ ان کی موجودگی میں کبھی اس کمرے میں نہیں آئی تھیں اور وہ اس کمرے میں لے آئی تھیں جس کا کارپٹ و پردے لائٹ اور ڈارک گلابی رنگ کے تھے تین آہنی لاکرز کے علاوہ وہاں کوئی دوسرا سامان نہ تھا۔

جہاں آرا نے ایک خفیہ خانے سے چابیوں کا گچھا نکالا اور ایک کے بعد ایک لاکر کھول کر پرانے اخبارات اور رسالوں کا ڈھیر نکال کر کارپٹ پر رکھتی چلی گئیں۔ بالی نے اسے اور اس نے بالی کو استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''یہ ردی کاغذ آپ نے کیوں اتنے سیف کرکے رکھے ہوئے ہیں؟''

''میں سمجھتی تھی اس روم میں کوئی خزانہ دفن ہے جو تم ہمیں اس طرف آنے بھی نہیں دیتی ہو ماسی...... قسم سے کتنی مرتبہ ہم دونوں نے یہاں کے لاک کی چابی تلاش کی تھی اور ہر بار ہی ناکام ونامراد رہے تھے۔''

''میرے لیے یہ کسی خزانے سے کم بھی نہیں ہے۔'' وہ مسکرا کر بولیں اور بیٹھ کر سانس درست کرنے لگیں پھر کچھ توقف کے بعد منہ بنائے بیٹھی انشراح کی طرف دیکھتے ہوئے پراسرار لہجے میں کہنے لگیں۔

''تمہیں آج سے قبل جو کچھ بتایا تھا میں نے وہ سچ میں جھوٹ وفریب ہی تھا کیونکہ میں وقت آنے کا انتظار کررہی تھی اور آج وہ لمحے آگئے جس کا مجھے انتظار تھا۔'' کہتے ہوئے انہوں نے ایک فلمی رنگین صفحہ اس کے آگے کھول دیا تھا' فرنٹ پر ہی ایک حسین ترین ماڈل کی حجاب و بے حجابی کے ملبوس میں لیٹی کلر فل تصویر تھی' ان کے اشارے پر اس نے نگاہ ڈالی اور دوسرے ہی لمحے اس کی انگلیاں کانوں کو جا لگی تھیں۔

❁......❁......❁

سودہ کے ہاتھ کا زخم ایک ہفتے بعد ٹھیک ہوگیا تھا حسب عادت اس نے کسی کو عروہ کے بارے میں نہیں بتایا تھا یہی سب سے کہا تھا کہ صفائی کے دوران کانچ ٹوٹ کر لگ گیا تھا۔ عروہ کو بھی اپنی غلطی کا احساس تھا اور خیال تھا کہ زید ضرور عمرانہ کے سامنے اس سے بازپرس کرے گا لیکن ایسا نہیں ہوا تھا اس نے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی پھر اس نے بھی سکون کا سانس لیا اور عمرانہ کو کچھ نہیں بتایا تھا کہ کہیں وہ اس کی اس کھلی بے وقوفی پر خفگی کا اظہار نہ کریں۔ وہ عمرانہ کے ساتھ جم جارہی تھی جب اس نے ایک خوبرو

نوجوانوں کو کار سے اتر کر اندر جاتے دیکھا تھا' عمرانہ نے اس کو دیکھ کر رستہ بدل لیا تھا۔

"آنٹی..... وہ کون تھا؟" وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"مدثر کا بیٹا ہے وہ۔" ان کا لہجہ زہر میں بجھا ہوا تھا۔

"اوہ..... زید سے خاصی مشابہت ہے اس کی۔"

"ہاں' حیرت انگیز طور پر وہ زید کی کاپی لگتا ہے۔"

"حیرت ہے وہ آپ کی موجودگی میں یہاں آتا ہے؟"

"ہوں' زید کی وجہ سے پرمیشن دی ہے میں نے ورنہ اس کی اتنی جرأت نہیں تھی کہ یہاں قدم بھی رکھ پاتا۔" وہ نخوت سے کہتی ہوئی کار کی طرف بڑھ گئیں جہاں ڈرائیور دروازہ وا کیے کھڑا تھا' عروہ نے غیر ارادی طور پر مڑ کر دیکھا' وہاں کوئی نہیں تھا وہ اندر جا چکا تھا۔

"ارے شاہ زیب.....! بیٹا بہت دن بعد اپنا یہ چاند سا مکھڑا دکھایا' کہاں رہے اتنے دن کچھ اتا پتا نہیں تھا تمہارا؟" اس نے قریب آ کر سلام کیا تو صوفیہ نے اس کی پیشانی چوم کر پوچھا۔

"پھوپو جان..... لمبی داستان ہے کہاں تک سنیں گی..... کہاں تک سناؤں؟"

"بیٹا..... تمہاری پھوپو گھبرانے والی نہیں' بہت محبت کرتی ہوں اپنے بچے سے' تم کہتے جاؤں میں سنتی جاؤں گی۔" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے خوش مزاجی سے گویا ہوئیں۔

"یہ کیسی محبت ہے جو میرے نہ آنے پر آپ ایک کال بھی نہیں کرتیں؟" وہ بظاہر مسکرا کر بولا تھا مگر اس کی چمکدار آنکھوں میں بولتی محرومی کا شکوہ تھا جس نے نگاہیں چرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"بائی داوے میں نے ایسے ہی بات کہہ دی تھی آپ تو سیریس ہی ہوگئیں' سوری مجھے اس طرح کہنا نہیں چاہیے تھا۔"

"سوری کی بات نہیں ہے بیٹا..... جس کمی واحساس کی لپیٹ میں تم اب آ رہے ہو مدت سے یہ حساس ہم کو بھی مضطرب رکھتا ہے کہ ہم چاہتے ہوئے بھی صالحہ بھابی اور تم سے رابطہ نہیں کر سکتے۔ بعض اوقات کچھ مصلحتیں دیوار بن جاتی ہیں یہ وہ دیوار ہوتی ہے جس پر پورے گھر کا دارومدار اس کی بقا پر ہوتا ہے اگر یہاں کوئی روزن نکالنے کی سعی کی جائے تو..... گھر زمین بوس ہونے کا اندیشہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر گھر گر جائیں تو پھر کہاں جڑ پاتے ہیں۔" صوفیہ نے نرم لہجے میں سچائی بیان کی۔

"آئی نو پھوپو جانی آئی نو' سب جانتا ہوں' اندھیری رات کتنی ہی طویل ہو مگر اس کا اینڈ بھرپور روشن صبح سے ہی ہوتا ہے۔ بہت رات گزر گئی ہے اب جلد روشنی پھیلنے والی ہے۔"

"جس دن تمہاری سوتیلی ماں کو عقل آ جائے گی اسی دن سے مسرتوں کے پھول کھلنے لگیں گے' ہماری دوریاں بھی سمٹ جائیں گی۔"

"ان شاء اللہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب ہم سب ایک ساتھ ہوں گے۔"

"تم کھانے میں کیا کھاؤ گے بتا دو؟ ویسے تو بھائی جان کی فرمائش پر نہاری پائے پکائے ہیں موسم سرما کی خاص ڈش ہے ان کی۔"

"میں بھی یہی کھاؤں گا گرم گرم کلچوں کے ساتھ' ابھی تو کھانے میں وقت ہے تب تک کیا کھلا رہی ہیں آپ؟"

"سودہ نے کیک بیک کیا ہے' سموسے اور کافی لا رہی ہے۔ کباب بھی فریزر میں ہیں وہ فرائی کر دیتی ہوں اور ہاں نگٹس بھی ہیں۔"

"یہ تو ہے ہی صدیوں کا ندیدہ ممی..... اس کے آگے آپ جتنا رکھیں گی سب چٹ کر جائے گا نا معلوم کون سی بھوکی روح قید ہے اس کے پیٹ میں۔" وہ صوفیہ کے ساتھ کچن میں ہی چلا آیا تھا اور شامی کبابوں کے علاوہ نگٹس و آلو کی چپس بھی فرائی کروائی تھیں سودہ سب چیزیں ٹیبل پر لگاتی ہوئی بڑبڑائی۔

"ارے مینڈکی کو بھی زکام ہوا جو ٹر ٹر کرنے لگی ہے میرے سامنے؟"

''تم کون سا بادشاہ ہو جس کے آگے ٹرٹر نہیں کی جا سکتی......'' وہ کہہ کر پلٹی تھی معاً وہاں آتے زید کو دیکھ کر خاموش ہوگئی۔

''بھائی......! ہاؤ آر یو؟ بہت کمزور لگ رہے ہیں آپ' طبیعت ٹھیک ہے؟'' اس پر نظر پڑتے ہی وہ اٹھ کر بغل گیر ہو کر استفسار کرنے لگا۔

''میں تو بالکل ٹھیک ہوں تمہیں ایسا لگ رہا ہوگا۔'' ان کا انداز سرسری تھا۔

''کہاں جا رہے ہیں زید؟ چائے' کافی اور دیگر لوازمات تیار ہیں۔'' زمرد اس کو پلٹتے دیکھ کر گویا ہوئیں۔

''آپ لوگ کھائیں میں چینج کرنا چاہتا ہوں۔'' اس پورے ہفتے وہ کسی نہ کسی بہانے سے راہ فرار اختیار کرتا رہا تھا کہ سودہ کو بینڈیج کرا کے ہسپتال سے لاتے ہوئے دل نے باغی انداز میں خواہش کی تھیں۔ گھر آ کر تنہائی میں محاسبہ کرنے پر خود کو خوب سرزنش کی اور عہد کیا تھا کہ اب خواب میں بھی وہ سودہ کی پرچھائی سے دور رہے گا یہ راہ صرف بھٹکانے والی تھی۔

''چینج کر لیجیے گا بھائی...... ویسے بھی اس ڈریسنگ میں آپ غضب ڈھا رہے ہیں۔'' اس نے محبت سے اس کا بازو پکڑ کر بٹھا لیا۔

''ممی...... میں بوا کے پاس جا رہی ہوں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟''

''ارے تم چائے ہمارے ساتھ پیو نہ کہاں بوا کے پاس جا رہی ہو؟'' شاہ زیب نے فوراً کہا۔

''میں تمام لوازمات بوا کے پاس رکھ آئی ہوں وہ میرا ویٹ کر رہی ہیں۔'' وہ کہتی ہوئی چلی گئی زید نے نگاہ اٹھا کر نہ دیکھا تھا۔

''تم خیال مت کرو دراصل بوا کی طبیعت ابھی ٹھیک نہیں ہے تنہا ان سے رہا نہیں جاتا اکثر ہی چکرا کر گر پڑتی ہیں اس وجہ سے ہم میں سے کوئی ان کو تنہا نہیں چھوڑتا اور سودہ آج کل ان کے ہی روم میں سو رہی ہے۔'' صوفیہ ڈش آگے بڑھاتی ہوئی بولیں۔

''سودہ سب کی فکروں و خدمتوں میں ہی پوری ہو جائے گی۔ عجیب لڑکی ہے جس کو اپنے علاوہ سب کی فکر رہتی ہے۔'' شاہ زیب زید کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

❁......❁......❁

''لاریب...... تمہارا بھائی اس قدر سنگدل اور روڈ کیوں ہے؟ میں نے کسی مرد کو اتنا سنگ دل و بے نیاز نہیں دیکھا بڑے سے بڑے پارسا مجھ جیسی حسین و پرکشش لڑکیوں کے آگے ہار جاتے ہیں' پارسائی بھول جاتے ہیں اور ایک وہ ہے جس پر کچھ اثر ہی نہیں ہوتا۔'' اس دن کے بعد نوفل نے اس سے بات کرنا چھوڑ دی تھی حالانکہ اس نے بے حد کوشش کی بات رفع دفع ہو جائے مگر وہ کسی مضبوط چٹان کی طرح اپنی جگہ ڈٹا رہا تھا۔

''میں تمہیں کتنی بار سمجھا تا رہا ہوں کہ تم رانگ نمبر ڈائل کر رہی ہو' نوفل تم میں انٹرسٹڈ نہیں ہے اس کی وریلیوز کچھ اور ہی ہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے وہ کسی لڑکی کو ضرور پسند کرتا ہے؟'' وہ حیرت سے اچھلی۔

''ے بی' بٹ کنفرم نہیں ہے۔''

''شاید کا مطلب ہے کچھ نہ کچھ تم جانتے ہو' کوئی کلیو ہے تمہارے پاس پلیز بتاؤ ناں' تم نے کیا دیکھا ہے؟ کوئی نہ کوئی ایسی بات ہے' جس سے تم آگاہ ہو۔'' وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی گویا ہوئی۔

''سار یہ...... میں نے نوفل میں کردار کی کوئی کمزوری نہیں دیکھی بلکہ کئی اعلیٰ و بڑے گھرانے کی شاندار گرلز کو اس کی طرف بڑھتے اور جواباً نوفل کو ان کی انسلٹ کر کے دھتکارتے بھی دیکھا ہے مگر میں نے کچھ عرصہ قبل اس کی شرٹ پر کئی جگہ لپ اسٹک کے نشانات دیکھے تھے۔''

''کیا...... تم سچ کہہ رہے ہو؟'' وہ ایسے کراہ کر گویا ہوئی جیسے کوئی خنجر دل میں پیوست ہوتا چلا گیا ہو۔

''تم نے پی رکھی ہوگی لاریب...... تمہاری نظروں کو دھوکہ ہوا ہوگا' کوئی لڑکی کس طرح نوفل کے اتنے قریب آ سکتی ہے کہ......'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر سسکنے لگی۔

''ہاں...... ہاں شاید میں نے پی رکھی ہوگی' تم ٹھیک کہہ رہی ہو میں نے پی رکھی ہوگی اور ایسے میں ہوش میں کہاں رہتا ہوں۔'' اس کی ہذیانی حالت دیکھ کر وہ گھبرا کر بولا۔

''نہیں، تم ٹھیک کہہ رہے ہو اگر تم نے پی رکھی ہوتی اور تم ہوش میں نہیں ہوتے تو تمہیں کس طرح معلوم ہوتا کہ وہ لپ اسٹک کے نشان ہیں۔ تم نے ہوش میں دیکھا ہے وہ سب۔'' وہ حسد کے بھڑکتے انگاروں پر لوٹ رہی تھی ایک لحہ ایک پل چین نہیں تھا اس کی باتوں کا اقرار کرتی کبھی انکار کرتی ساریہ کی جنونی حالت اس کو بھی ٹینس کرنے لگی تھی۔

''میں کنفرمیشن نہیں دے سکتا اور تم کو بھی اس طرح حوصلہ ہارنا نہیں چاہیے اگر کوئی ملازم آیا اس نے تمہیں میرے روم میں اس طرح روتے ہوئے دیکھ لیا تو میں پھنس جاؤں گا۔'' وہ اچانک بدل جانے والی صورت حال سے پریشان ہوا تھا۔

''وہ لڑکی کون ہے، کہاں رہتی ہوگی؟'' اس کی فکر سے بے خبر وہ اپنی کہہ رہی تھی لاریب برا پھنسا تھا۔

''میں کس طرح بتا سکتا ہوں، وہ کون ہے...... کہاں رہتی ہے؟''

''لپ اسٹک کے نشان تم نے دیکھے ہیں تم کو معلوم ہوگا ضرور۔''

''پلیز خود کو سنبھالو یار...... یہ وہ سیکرٹ ہے جو اس نے خود سے بھی چھپا کر رکھا ہوگا، ابھی تمہیں صبر سے کام لینا ہوگا۔ وہ کہتے ہیں نا عشق ومشک چھپائے نہیں چھپتے اگر ایسا کچھ ہے تو زیادہ دن چھپ نہیں سکتا۔'' وہ تحمل سے سمجھانے لگا۔

''لیکن میں کس طرح برداشت کروں گی کسی دوسری لڑکی کو نوفل کے ساتھ؟ میں نے ہمیشہ نوفل کو اپنے ساتھ ہی دیکھا ہے۔''

''ابھی بھی اسی طرح دیکھتی رہو نوفل کو خوابوں میں اپنے ساتھ، مت دل کو روگ لگاؤ۔ ہوسکتا ہے رنگیلی اس کی زندگی میں کوئی لڑکی نہ ہو جو میں نے دیکھا وہ میری نظروں کا دھوکا ہی ہو۔'' اس سے جان چھڑانا مشکل لگ رہی تھی۔

''ہوں اگر وہ کسی لڑکی کو پسند کرتا تو اس کو کیا ڈر ہوتا سیکرٹ رکھنے کا یہاں تو سب اس کی مانتے ہیں کون روکنے والا ہے، وہ خود مختار ہے ایسے لوگ پیار بھی ڈنکے کی چوٹ پر کرتے ہیں میں بھی بلاوجہ تمہاری باتوں میں آ کر پاگل ہوگئی ہوں۔'' وہ سرد ہوتی آگ کی مانند شانت ہونے لگی تھی۔

❀......❀......❀

جہاں آرا کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی کارپٹ پر رنگین تصاویر کی بھرمار تھی جس میں ایک چہرہ نمایاں تھا، پُراعتماد انداز کے ساتھ۔

''آ رہی ہے کوئی بات عقل میں، پہچان رہی ہونا اس چہرے کو؟'' وہ لفظ جما جما کر گویا ہوئیں۔

''نانو یہ روشن آنٹی کی پکس ہیں؟'' اس کا چہرہ دھواں دھواں تھا، بالی بھی حیرت سے کبھی ان تصویروں کو دیکھ رہی تھی اور کبھی انشراح کے چہرے کو جہاں ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔

''لیکن یہاں نوریہ نام کیوں لکھا ہے؟'' اس کی نگاہیں اخبار کی سرخی پر تھیں جہاں نمایاں لفظوں میں لکھا ہوا تھا۔

''ملک کی مشہور ماڈل اور ایکٹریس نوریہ خان۔''

''اس کا نام نوریہ ہے تو نوریہ ہی لکھا جائے گا ناں۔''

''آپ نے بتایا تھا نوریہ میری ماں کا نام تھا پھر......!''

''ہاں، یہ تمہاری ماں کی تصویریں ہیں، آج کی روشن کل کی نوریہ خان ہی تھی۔ یہ ہی تمہاری ماں ہے...... سگی ماں......'' اس کے وجود میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں، کئی برس قبل فوت ہوئی ماں زندہ ہوگئی تھی، عجیب حقیقت کا انکشاف ہو رہا تھا۔

''نانو آپ کیوں مجھے ٹینز کر رہی ہیں؟ صاف صاف کیوں نہیں بتاتی ہیں یہ سب کیا ہے، پاگل ہو جاؤں گی میں۔ پل پل مارنے سے بہتر ہے آپ ایک بار مار دیں مجھے ویسے بھی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے اب مجھے۔'' وہ سر پر ہاتھ رکھ کر تکلیف زدہ لہجے میں گویا ہوئی۔

''آشی پلیز...... سنبھالو خود کو، ماسی کی ہر بات سچ معلوم ہوتی ہے۔'' بالی نے اس کے بکھرے وجود کو اپنی شفقت بھری آغوش میں لیا۔

''یہ کس طرح ممکن ہے بالی...... ایک ماں زندہ ہوتے ہوئے کس دل سے بیٹی کے سامنے خالہ کا رول پلے کرسکتی ہے؟ نانو اور آنٹی نے کتنی سفا کی سے میری زندگی کو تماشہ بنا دیا۔ ساری زندگی اتنے جھوٹ بولے ہیں کہ سچ پر بھی اب جھوٹ کا گمان

ہونے لگا ہے۔" وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے روم میں چلی آئی' جہاں آرا نے بالی کو اس کے پیچھے جانے سے روک دیا۔

"کچھ دیر تنہا رہنے دو دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا تو خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔"

"حقیقت اس سے چھپانے کی کیا ضرورت تھی ماسی...... جب تک انسان اپنی پہچان سے ناواقف رہتا ہے تو سکون سے رہتا ہے اور جب ادھوری پہچان حاصل ہو پھر وہ زخمی پرندے کی مانند پھڑپھڑاتا ہے یہی حالت انشراح کی ہے اب۔"

"بس یہ آخری پھڑپھڑاہٹ ہے انشی کی' اب وہ سکون سے رہے گی بلکہ اب ان کو مزہ چکھائے گی جس نے باپ ہوتے ہوئے بھی اس کو قبول نہیں کیا بہت عیاش و بے رحم ثابت ہوا تھا۔"

"اب بھی اس کا نام چھپاؤ گی ماسی۔"

"نہیں' اب تو نام بتانے کا وقت آیا ہے لیکن ابھی نہیں بتاؤں گی' پہلے روشن کو بتاؤں گی کہ میں نے انشی کو اس اہم راز سے آگاہ کر دیا ہے اب فضول ہے خود کو پردے میں رکھنا۔" وہ بالی کو میگزین و اخبارات سمیٹنے کا اشارہ کر کے روشن کو فون کرنے لگی تھیں' قسمت اچھی تھی کہ کال فوراً ہی مل گئی تھی جہاں آرا اس کے سر پر بم پھوڑ دیا تھا اور دوسری طرف گہرا سناٹا چھا گیا تھا۔

❁......❁......❁

"آنٹی...... مجھے لگ رہا ہے آپ کا مجھے بہو بنانے کا خواب صرف خواب ہی رہے گا۔ زید وہ پتھر ہے جس سے ٹکرا کر میرا سر کئی ٹکڑوں میں بٹ جائے گا' مر جاؤں گی میں مگر اس پر کوئی اثر ہونے والا نہیں۔" زید کی بڑھتی بے حسی و بے نیازی سے تنگ آ کر وہ کہہ اٹھی تھی۔

"کیسی باتیں کرتی ہو ڈیئر...... محبت کرنے والے اتنی جلدی ہمت نہیں ہارا کرتے' عشق کے امتحان بہت سخت ہوا کرتے ہیں۔" عمرانہ اس کے گال چومتے ہوئے مسکرائیں۔

"امتحان کے لیے عشق ہونا بھی تو ضروری ہے یہاں امتحان ہی امتحان نظر آ رہے ہیں۔ عشق کے آثار تو دور دور تک نہیں۔"

"آثار ہی نہیں میری جان...... عشق بھی مل جائے گا۔"

"کب آنٹی...... مجھے زید اسی زندگی میں ہی چاہیے۔"

"ہاں...... ہاں زید تمہیں اسی زندگی میں ملے گا' میں لاکھ گناہ گار سہی مگر زندگی ایک بار ملنے پر ایمان رکھتی ہوں۔ ہندوؤں کی طرح سات جنموں پر اعتماد نہیں کرتی۔" وہ مسکرائیں۔

"مجھے نہیں لگتا زید آپ کی اس خواہش کو مانیں گے' میں یہ سوچ کر یہاں آئی تھی کہ قریب رہنے سے ہمارے درمیان انڈراسٹینڈنگ ڈویلپ ہوگی' ہم قریب آئیں گے مگر......"

"ہمت نہیں ہارتے ایسا ہی سب ہوگا' دراصل زید جیسے مرد اتنی آسانی سے کسی کو اپنا دل نہیں دیتے اور جب دیتے ہیں تو ان کے جیسا کوئی محبت کرنے والا نہیں ہوتا' بڑی جنونی محبت ہوتی ہے ایسے مردوں کی' دیکھنا ایک دن رشک کرو گی خود پر۔" عمرانہ محبت سے اس کو سبز باغ دکھانے لگیں لیکن دل ہی دل میں وہ زید سے خفا بھی ہوئیں کہ وہ اس کی سرد مہری و بے پروائی خود بھی محسوس کرنے لگی تھیں اور یہی شکایت رات کو موقع ملتے ہی وہ زید سے کر بیٹھی تھیں۔

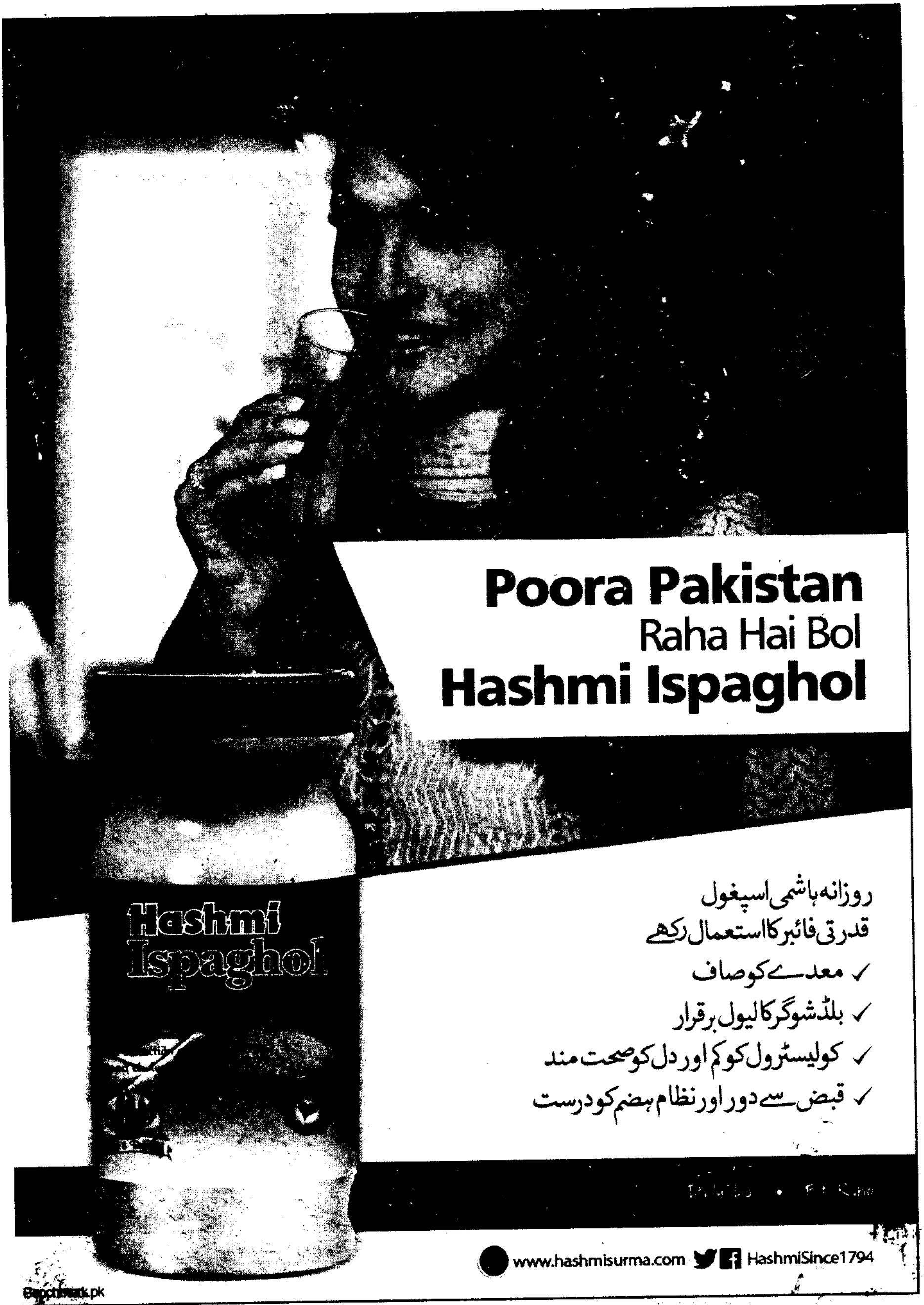
"مما...... اس قدر خیال رکھتا ہوں اس کا اور آپ ہی بتائیے کیا کروں؟" اس کے مودبانہ انداز میں بےزاری جھلک رہی تھی۔

"آئی نو' میں جو کہتی ہوں وہ آپ کرتے ہیں مگر زبردستی کیے جانے والے کام میں اور دلچسپی سے کیے جانے والے کام میں دن و رات جیسا فرق ہوتا ہے۔ عروہ آپ کے بیڈلی بیہوئیر کو شدت سے فیل کر رہی ہے۔"

"یہ میرا ہیڈک نہیں ہے مما میں اس کا نوکر نہیں ہوں اور نہ ہی میری ذمہ داری' اس سے کہیں وہ مجھ سے کسی قسم کی اسپیکٹیشن نہ رکھے تو بہتر ہے۔"

"خوب اچھی طرح سمجھتی ہوں میں' یہ آپ کس کی زبان بول رہے ہیں' اس گھر میں رہنے والوں کو میرے میکے سے ہمیشہ سے چڑ رہی ہے۔" حسب عادت وہ بدگمانی سے بھرپور انداز میں گویا ہوئیں۔

"مما...... گھر والوں کو میں نے ہمیشہ سب کی عزت کرتے دیکھا ہے نامعلوم آپ سب سے کیوں اس طرح خفا و متنفر رہتی



WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

ہیں آپ سے سب ہی لوگ پیار کرتے ہیں جو آپ محسوس ہی نہیں کرتیں۔"

"وہ پیار نہیں دکھاوا ہے جو آپ سمجھ ہی نہیں سکتے' اپنی ویز دفع کرو اس ٹاپک کو کل عروہ کو ڈنر پر لے کر جانا ہے اور میں کوئی بھی ایکسکیوز نہیں سنوں گی۔" وہ حکمیہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

❀......❀......❀

نوریہ عرف روشن نے رو رو کر اس سے معافی مانگی تھی وہ ماں ہو کر بھی اسے ممتا و شفقت نا دے سکی تھی اور ستم ظریفی یہ تھی کہ اب بھی وہ اس کو ماں کہنے کا حق نہیں رکھتی تھی ماں نہیں کہہ سکتی تھی۔

"پرویز مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں' ان کو جب معلوم ہوگا کہ میری ناجائز بیٹی ہے' خود سوچو وہ پل بھر میں مجھے اپنی زندگی سے نکال دیں گے' میں تباہ ہو جاؤں گی۔" وہ سسکنے لگیں۔

"بڑی مشکل سے گناہ آلود زندگی سے نجات حاصل کی ہے انشی' میں اس در کو اب مر کر ہی چھوڑنا چاہتی ہوں پلیز جو رشتہ دفن ہو چکا ہے اس کو دفن ہی رہنے دو۔ میں تمہاری ماں نہیں بن سکتی' سمجھنے کی سعی کرو' میرا نہیں تو کونین کا خیال کرو کس طرح سوسائٹی میں سروائیو کرے گا؟ ماں کے دامن پر دھبہ وہ کس طرح آبرو کرے گا؟" کل تک وہ مردہ تھی تو احساسات بھی زندہ نہ تھے اب جب کہ نوید ملی تھی ماں کے زندہ ہونے کی تو جذبات بھی انگڑائی لے کر جاگ اٹھے تھے۔ دل ہمک اٹھا تھا ماں کو ماں کہنے کے لیے' اس کی ممتا پانے کے لیے مگر مردہ رشتہ کبھی زندہ نہیں ہوا کرتا' روشن نے صاف کہہ دیا تھا وہ اس کی خالہ ہی رہے گی ماں کہلوانے کا حق نہیں دے سکتی۔

"میں نے سنا تھا دنیا میں سب رشتے خود غرض ہوتے ہیں ماسوائے ماں اور باپ کے رشتوں کے مگر یہاں تو یہ رشتے بھی دغا دے گئے۔"

"میں تم سے محبت کرتی ہوں کرتی رہوں گی' مگر میں اپنے خوشیوں بھرے گھر کو آگ نہیں لگا سکتی' پلیز مجھے معاف کر دینا انشراح' ایک مجبور عورت' ایک کمزور ماں ہوں۔ تم مجھے ماں کہنے پر اصرار مت کرو۔" وہ ہاتھ جوڑے التجا کر رہی تھی اور وہ شاکڈ رہ گئی تھی۔

کس طرح خود غرضی و خود پرستی میں ملفوف رشتے ملے تھے اس کو کہ دنیا میں لانے والے وجود اس کو بھول کر اپنی اپنی دنیا میں مگن ہو گئے تھے جس کا زندہ وجود ان کے لیے مردہ ہو چکا تھا۔

"تمہارا باپ کوئی گرا پڑا آدمی نہیں ہے اس ملک کی بڑی ہستی ہے' بہت بڑا نام ہے۔ ملنا چاہو گی؟"

"ملنا پسند کرے گا وہ مجھ سے؟ جب ماں ہو کر ماں نے ماں کا حق سلب کر لیا تو وہ آدمی ہو کر کس طرح مجھے تسلیم کرے گا؟" اس کی مسکراہٹ اپنا ہی مذاق اڑاتی لگ رہی تھی' جہاں آرا نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چومی' کافی دیر تک وہ اس کی پشت سہلاتی رہیں۔ اس کے دکھتے دل اور گرتے آنسوؤں کے درد سے وہ آگاہ تھیں اور یہی موقع ضرب لگانے کا تھا۔

"تم کو ٹھکرانے کے بعد اس شخص پر قدرت کی ایسی مار پڑی کہ دو شادیاں کرنے کے باوجود پھر وہ باپ نہ بن سکا اور آج تک بے اولاد ہے اور بھائیوں کی اولادوں پر جان نچھاور کرتا پھرتا ہے۔" بولتے ہوئے وہ اٹھیں اور ٹی وی آن کر دیا جہاں کوئی ٹاک شو چل رہا تھا' کئی سیاسی شخصیت کے درمیان ملکی حالات پر گرما گرم بحث ہو رہی تھی اور ان لڑتے جھگڑتے سیاستدانوں میں صرف ایک شخصیت ایسی تھی جو بہت باوقار انداز میں براجمان اینکر کے تیکھے سوالوں کے جواب بڑی تمکنت اور بردباری سے دے رہے تھے۔ ساٹھ پینسٹھ کی عمر میں بھی خاصے جاذب نظر تھے' لہجے میں مٹھاس بھری سحر انگیزی تھی۔

"جانتی ہو اس شخص کو؟" جہاں آرا ذو معنی لہجے میں گویا ہوئیں۔

"جی' نوفل کے انکل ہیں۔" وہ ہنوز پژمردگی کا شکار تھی۔

"ہوں' سنا ہے نوفل کو اس نے بیٹا بنایا ہوا ہے' بہت چاہتا ہے اس کو۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے وہ اس کا سگا بیٹا نہیں ہے۔"

"وہ سگا ہو یا سوتیلا آپ اس کا ذکر لے کر کیوں بیٹھ گئی ہیں' آگ آپ کے گھر میں لگی ہوئی ہے مجھے کہیں جائے پناہ دکھائی نہیں دے رہی۔ سمجھ نہیں آتا میں کیا کروں؟ میں وہ بدنصیب ہوں جس کو موت نے بھی قبول نہیں کیا' مجھے کسی نے بھی قبول نہیں

کیا۔" وہ ایک دم سے ہی از حد حساس ہوگئی تھی لگ رہا تھا ساری دنیا میں وہ تنہا ہوگئی ہے ناکارہ و بے مصرف شے کی مانند جس کی کسی کو ضرورت نہیں تھی۔ کوئی اس کا اپنا نہیں تھا صرف غرض کے رشتے زندہ ہوکر رہ گئے تھے۔

"یہ آدمی جو دوسروں کی اولاد کو اپنی اولاد کی طرح چاہتا ہے یہی تمہارا وہ باپ ہے جس نے تمہیں اپنی اولاد ماننے سے انکار کردیا تھا۔"

تیری یاد کی خوشبو میرے دامن سے لپٹی ہے
بڑا اچھا سا لگتا ہے تمہیں ہی سوچتے رہنا

بلآخر مائدہ کی محبت بھری زورآوری اس کے جذبوں پر حاوی ہوکر دل کو قابو میں کرچکی تھی لاہور جاکر وہ عموماً اس سے رابطے میں تھی کہ وہاں آزاد تھی۔ رضوانہ کا زیادہ وقت سونے میں گزرتا یا دوستوں و رشتہ داروں سے ملنے ملانے اور سیر سپاٹوں میں گزرتا تھا جس میں وہ اور عفرا کم ہی شامل ہوتی تھیں کیونکہ عفرا کی دوستی بھی کسی لڑکے سے چل رہی تھی وہ اس کی خاطر کراچی سے لاہور آیا ہوا تھا۔ عفرا اس کے ساتھ زیادہ ٹائم باہر گزارا کرتی تھی رضوانہ بیگم سب دیکھ کر بھی بے پروا بنی ہوئی تھیں وہ ذہنی طور پر ایسی باتوں کو معیوب نہیں سمجھتی تھیں۔ ان کی آزاد خیالی مائدہ کو بے حد بھائی تھی اور وہ بے فکری سے جب چاہتی تھی جنید سے بات کرنے بیٹھ جاتی۔ اس کم عرصے میں وہ بے حد قریب آ گئے تھے جنید کے دل میں جو زید کی طرف سے بے چینی و خوف تھا وہ سب مائدہ نے دور کردیا تھا۔

"کل مارننگ فلائٹ سے ہم کراچی پہنچ رہے ہیں اور میں چاہتی ہوں آپ آج رات تک پرپوزل بھجوادیں۔" وہ شام میں بات کررہے تھے۔

"فنٹاسٹک خواہش تو میری بھی یہی ہے لیکن..." وہ بات کرتا ہوا کچھ سوچ کر اچانک خاموش ہوا۔

"لیکن کیا... بھائی سے خوف آرہا ہے آپ کو؟"

"یس آف کورس مجھے خدشہ یہی ہے زید نہیں مانے گا میں اس کی دوستی سے بھی جاؤں گا اور مجھے تم سے بھی دستبردار ہونا پڑے گا۔"

"دونوں میں سے آپ کو کیا عزیز ہے دوستی یا محبت؟" مائدہ کے لہجے میں سنجیدگی در آئی۔

"محبت بھی اور دوستی بھی دونوں کے بغیر رہا نہیں جاسکتا۔"

"آپ بنا کسی ٹینشن کے دادی کو گھر بھیج دیں۔"

"اگر زید نے انکار کردیا تو پھر کیا ہوگا؟"

"میں ان کو انکار نہیں کرنے دوں گی یہ وعدہ ہے میرا۔" اس کے لہجے میں عجیب سی مضبوطی و ٹھہراؤ تھا۔

رات وہ ایک کمپنی کی طرف سے دی جانے والی بزنس پارٹی اٹینڈ کرنے گھر آیا تو تایا جان کو اپنے انتظار میں جاگتے دیکھ کر لاؤنج میں ہی چلا آیا تھا وہ حسب عادت تسبیح پڑھ رہے تھے وہ سلام کرتا قریب ہی بیٹھ گیا۔ انہوں نے تسبیح مکمل کرنے کے بعد چوم کر جیب میں رکھی۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے تایا جان؟" وہ متفکر ہوا۔

"الحمدللہ طبیعت بھی ٹھیک ہے اور مزاج بھی۔"

"رات خاصی گزر گئی ہے اور آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں؟"

"آج ہم نے میڈیسن دیر سے لی ہیں تو نیند بھی دیر سے ہی آئے گی اور لاؤنج میں بیٹھنے کا مقصد آپ کا انتظار تھا تاکہ ایک اہم فیصلے کے لیے آپ سے مشورہ کیا جاسکے۔" وہ مشفق انداز میں گویا ہوئے۔

"جی کہیے؟" اس نے اچانک ہی بے ہنگم انداز میں دھڑکنے والے دل کی دھڑکنوں کو قابو کرتے ہوئے سعادت مندی کا

مظاہرہ کیا لیکن اندر کہیں بڑی بے سکونی و بے کلی پھیل گئی تھی۔

اس کے ہی اصرار پر اچھی آپا کو وہاں کہا گیا تھا کہ اس نے صوفیہ کو خود راضی کیا تھا اور صوفیہ پہلی بار کی جانے والی ذمہ دارانہ خواہش کو رد نہ کرسکی تھیں۔ اب منور صاحب کا رات دیر تک اس کے انتظار میں جاگنا اور کسی فیصلے کا مشورہ لینے کا مقصد یہی تھا کہ وہ سودہ اور پیارے میاں کی شادی کے بارے میں ہی کچھ ڈسکس کرنا چاہتے ہوں گے۔

''ارے بیٹے...... کیا ہوا یہ تمہارا چہرہ کیوں اتر گیا اچانک ہی؟'' اس کے چہرے پر دل کی کیفیت ابھر آئی تھی وہ پریشان ہوئے پھر یک بہ یک مسکراتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

''چہرہ تو اترنا ہی ہے بات ہی کچھ ایسی ہے جتنی خوشی بہن کی شادی کی بھائی کو ہوتی ہے۔ اتنی ہی رنجیدگی جدائی کی بھی ہوتی ہے خیر بہنوں و بیٹیوں کی شادی کا فریضہ غم و خوشی کے ساتھ دینا ہوتا ہے۔ اب آپ بتائیں جنید کی دادی کو کیا جواب دیا جائے؟''

''جنید کی دادی کو جواب......! کس بات کا جواب دینا ہے؟'' اس نے سخت حیرانگی سے استفسار کیا۔

''اوہ میں سمجھا شاید جنید نے پہلے ہی آپ سے ذکر کیا ہوگا مگر لگتا ہے جنید نے دادی کو پرپوزل دے کر ڈائریکلی بھیجنا بہتر سمجھا۔'' اس کو سمجھ نہیں آیا تھا ذہن الجھ کر رہ گیا۔

''اتنے حیران و پریشان کیوں ہورہے ہو بیٹا' جنید کی دادی جنید کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔ مائدہ کے لیے مدثر سے میں نے بات کرلی ہے مدثر کو کوئی اعتراض نہیں ہے مگر وہ کہتا ہے آخری و حتمی فیصلہ آپ کا اور مائدہ کا ہوگا۔'' اس کے اندر طوفان اٹھنے لگے تھے۔

جنید کی آوارہ مزاجی سے وہ اچھی طرح واقف تھا اس کی زندگی کا بڑا حصہ لڑکیوں کے ساتھ ہی گزرا تھا وہ اس کے ہر معاشقے سے بخوبی آگاہ تھا' ان میں اکثر اختلاف ایسی ہی دوستیوں پر ہوا کرتا تھا جنید اس لحاظ سے اس کی ناپسندیدگی و اشتعال انگیزی جاننے کے باوجود کس طرح اس کی بہن کو پرپوز کرسکتا ہے؟

''جنید دیکھا بھالا لڑکا ہے اچھی فیملی سے وابستہ ہے معزز لوگ ہیں مجھے یہ رشتہ ہر لحاظ سے مائدہ کے لیے بہترین لگا ہے آپ کی کیا رائے ہے؟'' وہ اس کے اندر بھڑکتی غم و غصے کی آگ سے بے خبر پوچھ رہے تھے۔

''لگ رہا ہے فیصلہ کرنے میں آپ کو وقت لگے گا اور یہ اچھی بات ہے ایک طرف دوست اور دوسری طرف اتنی نازک رشتہ داری کا معاملہ ہو وہاں بہت سوچ و بچار کے بعد ہی کوئی اچھا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔''

''جی۔'' وہ جذبات پر قابو پاتا ہوا مختصراً بولا۔

''فیصلہ کرنے میں زیادہ ٹائم نہیں ہونا چاہیے اگر آپ کی مرضی ہوگی پھر مائدہ سے بھی رائے لی جائے گی۔ میں چاہوں گا کہ سودہ اور مائدہ کی شادیوں کو ایک ہی دن مقرر کیا جائے۔'' منور صاحب کہہ کر چلے گئے' وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

خاصی دیر تک شاور لے کر اپنے جلتے دل و دماغ کو ٹھنڈا کرتا رہا پھر نائٹ سوٹ زیب تن کرکے اٹیچڈ باتھ سے نکلا۔ ڈرائیر سے بالوں کو خشک کیا اور حسب عادت پرفیوم خود پر اسپرے کرکے وہ بیڈ پر دراز ہوتا ہی چاہتا تھا کہ دروازہ ناک کرکے عمرانہ اندر داخل ہوئیں۔

''مما...... آپ سوئی نہیں ہیں؟ میں اسی لیے آپ کے پاس نہیں آیا تھا۔'' وہ جانتا تھا مما جلد سونے کی عادی ہیں اس وقت انہیں جاگتا دیکھ کر حیران ہوکر گویا ہوا۔

''آج نیند ہی نہیں آئی بات ہی ایسی ہے کہ مجھے آج ٹرینکولائزر کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ شام میں جنید کی دادی اس کا پرپوزل لے کر آئی تھیں بہت خوش دکھائی دے رہی تھیں' جاتے جاتے بڑے مان سے کہہ کر گئی ہیں کہ وہ ہاں کی صورت میں ہی جواب سننے کی متمنی ہیں۔'' وہ قریب بیٹھ کر ماں کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا جن کے خوب صورت چہرے کے ہر نقوش سے مسرت و اطمینان جھلک رہا تھا۔

''جنید مائدہ کے لیے ہر لحاظ سے موضوع ہے ویل آف' ویل ایجوکیٹڈ' ویل اسٹینڈرڈ پھر وہ اکلوتا بیٹا ہے ساری کی ساری پراپرٹی کا تنہا وارث بھی اس کے پیرنٹس سال کے دس ماہ ایبروڈ رہتے ہیں یہاں صرف ایک دادی ہے' مائدہ لمبے چوڑے سسرال

کی صعوبتوں سے بھی بچے گی ہر لحاظ سے یہ رشتہ قابل قبول ہے۔"
"آپ کا انداز بتا رہا ہے آپ اس رشتے کو قبول کر چکی ہیں مما؟"
"او تسلی میری جان رد کرنے کی کوئی وجہ بھی تو موجود ہو اور یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں......! آپ کو کوئی اعتراض ہے کیا؟" اس کی خفگی بھری سنجیدگی ان کو چونکا گئی تھی۔
"میں اس پرپوزل کو ریجکٹ کرتا ہوں آپ کل صبح ہی وہاں کال کر کے انکار کر دیجیے ہمیں وہاں رشتہ نہیں کرنا...... مائدہ کے لیے جنید سے بہترین رشتے اور فیملیز موجود ہیں۔" وہ حتمی لہجے میں گویا تھا۔
"ارے جنید آپ کا بہترین دوست ہے آپ کو بڑھ چڑھ کر اس رشتے کی حمایت کرنی چاہیے مگر آپ تو......"
"جنید میرا دوست ہے اور دوست سے دوستوں کی اچھی و بری کوئی عادت مخفی نہیں رہتی ہے۔ میں نہیں چاہتا اس کے کردار کی برائی کر کے دوستی پر حرف اٹھاؤں آپ کے لیے یہی جاننا کافی ہے مما جنید مائدہ کے قابل نہیں۔" جنید کے رنگین کردار کی کہانیاں وہ گھر کے کسی فرد کو سنانا دوستی کی تذلیل سمجھتا تھا یہی وجہ تھی وہ تایا کے سامنے بھی لب وا نہ کر سکا اور اب بھی وہ کھل کر کچھ نہ بولا۔
"میرے خیال میں آپ کو اعتراض ہے پھر کوئی وجہ ہی ہوگی ڈونٹ وری میں کل منع کر دوں گی معذرت تو کرنی پڑے گی۔"
وہ اس کے از حد سنجیدہ چہرے پر ناگواری و ناپسندیدگی کا عجیب سا انداز دیکھ کر خائف سی ہوگئی تھیں صبح مائدہ لاہور سے واپس آ گئی تھی گھر آتے ہی وہ جلدی جلدی گھر والوں سے ملی اور تھکن کا بہانہ کر کے سیدھی عمرانہ کے کمرے میں آئی تھی کیونکہ راستے میں عمرانہ نے اس کو جنید کے پرپوزل آنے اور زید کی طرف سے ریجکیٹ ہونے کا بھی بتا دیا تھا۔
وہ ہی ہوا تھا جس کا اس کو ڈر تھا اور اس کو ہی کیا جنید کو بھی یہی خوف تھا زید کے انکار نے اس خوف پر صداقت کی مہر لگا دی تھی۔ ڈرائیور کی موجودگی کی وجہ سے اپنے غصے وجنون کو قابو کیے بیٹھی تھی پھر گھر والوں سے مل کر جیسے ہی عمرانہ کے کمرے میں آئی تمام ضبط جواب دے گیا تھا وہ غصے بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔
"بھائی کو کس نے حق دیا ہے میرے معاملے میں بولنے کا؟"
"یہ کیا کہہ رہی ہو معلوم بھی ہے تمہیں؟"
"سب معلوم ہے مما......" وہ غصے سے بپھری ہوئی تھی۔
"کیا معلوم ہے زید ہم سے زیادہ جنید کے بارے میں معلومات رکھتا ہے اگر وہ انکار کر رہا ہے تو کوئی اسٹرونگ ریزن ہی ہوگا ورنہ زید کوئی دشمن نہیں ہے جو تمہاری خوشیاں برباد کرنے کے درپے ہو۔"
"جنید کو انکار کر کے وہ دشمنی کا ہی ثبوت دے رہے ہیں میری محبت میری خوشیوں کو برباد کر رہے ہیں میں جنید سے محبت کرتی ہوں مما۔" وہ ان سے لپٹ کر رونے لگی تھی عمرانہ ہک دک رہ گئیں۔
"یہ تم کیا کہہ رہی ہو......! جنید سے محبت کرتی ہو؟ مگر کب سے تم اس سے محبت کرنے لگی یہ معاملہ کب شروع ہوا؟" عمرانہ اس کو دور کر کے حیرت سے پوچھ رہی تھیں ان کو معلوم ہی نہ ہوا تھا کہ وہ کب اتنی بے خوفی و نڈر پن سے اس راہ پر چل پڑی تھی جو سب سے کٹھن و دشوار ہوتی ہے۔
"میں نہیں جانتی یہ معاملہ کب شروع ہوا مگر یہ جانتی ہوں کہ اگر بھائی نے میرے اور جنید کے راستے کی رکاوٹ بننے کی کوشش کی تو میں جان دے دوں گی اور اس بار زندہ نہیں بچوں گی۔" وہ غصے سے کہہ کر مڑی اور اسے سامنے دیکھ کر اس کے قدموں تلے زمین نکل گئی تھی۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

مسیحائی

خدیجہ جلال

کچھ وعدے، قسمیں، یادیں تھیں
کچھ قصے تھے، فریادیں تھیں
کچھ آنسو تھے، جو بہائے تھے
کچھ دھوکے تھے، جو کھائے تھے



جب اس کی ماں کے سر میں درد کی لہر اٹھتی تو وہ بے جان ہوجاتیں گویا چہرے پر ہلدی مل دی گئی ہو۔ نقاہت انہیں بے دم کردیتی‘ وہ تکیہ پر سر پٹختی اور رو رو کر بے حال ہوجاتیں۔ ایک طرف بندہ مسجد میں مولوی کو لینے چلا جاتا دم درود اور جھاڑ جھنکار ہوتا۔ مولوی صاحب کا کہنا تھا کہ ان پر جن کا سایہ ہے‘ یہ باہر گئی ہیں ویرانے میں وہاں جنوں کی فیملی رہتی تھی‘ اس کے بچے پر پاؤں رکھ کر زخمی کیا اس کی ماں اپنے بچے کا بدلہ لینے کے لیے اس پر آتی ہے اور یوں اس اذیت کا دورہ پڑتا ہے۔ مولوی صاحب جن کو نکالنے کے لیے کبھی کبھی ایک تعویز کی بتی جلا کر ناک میں رکھتے اور وہ چیختی چیختی بے ہوش ہوجاتیں۔ ہمارے دیہاتوں میں یہی علاج کا روحانی طریقہ چل رہا ہے۔

گاؤں میں آرمی میڈیکل کور کے نرسنگ لانس نائیک ریٹائر ہوکر آئے‘ ٹیکہ لگانا‘ بلڈ پریشر چیک کرنا‘ مرہم پٹی کرنا جیسے میڈیکل سے سیکھ آئے تھے اور اب گاؤں میں کامیاب ڈسپنسری چلا رہے تھے اور ڈاکٹر ریاض کے نام سے مشہور تھے۔ اللہ نے ہاتھ میں شفا رکھی تھی ان کو بلایا جاتا اور وہ ایک ٹیکہ لگاتے اور اماں آرام سے سوئی رہتیں۔ ڈاکٹر صاحب ایک تو گاؤں کے اور اپنی برادری کے تھے اور ہر ایک کے حالات سے باخبر تھے‘ فیس نقد کے علاوہ نقدآور فصل بھی قبول فرماتے اور ادھار کا کھاتا بھی کھلا تھا۔ جہاں ان کی ڈاکٹری کامیابی سے چل رہی تھی وہیں قرب و جوار کے گاؤں اور قصبوں میں ان کی شہرت تیزی سے پھیلی یوں ان کا کلینک کامیابی سے چل رہا تھا اور دن بدن رش بڑھ رہا تھا اور پھر ڈاکٹر ریاض نے اماں کو شہر کے سول اسپتال میں لے جانے کا مشورہ دیا اور اباجی کی درخواست پر ساتھ بھی گئے۔

گاؤں کے حساب سے ہمارا گھر متمول گھرانوں میں شمار ہوتا تھا۔ بارانی زمینیں تھیں اگر باران رحمت ہوجاتی تو فصل بہت اچھی ہوجاتی اور جانوروں کے لیے گھاس اور سبزہ ہوجاتا اور ہمارے لیے بھی مبارک ثابت ہوتا۔ میں اس وقت چھٹی جماعت کا طالب تھا‘ اسپتال میں ان کو داخل کرایا گیا میں ہی ان کے پاس پورا مہینہ رہا۔ وہاں ان کے بہت تفصیلی ٹیسٹ ہوئے اور جو رزلٹ آیا اس کے مطابق ان کے دماغ میں ٹیومر تھا اور اس کا آپریشن ضروری تھا۔ میں نے اسپتال میں ڈاکٹرز‘ نرسنگ اسٹاف کو دیکھا جو بہت درد اور جذبہ سے خدمت کرتے۔ میں نے مسیحائی کو پیغمبری پیشہ جانا ہے‘ یہ درد دل رکھنے والے لوگوں کا کام ہے۔ میں بڑے ہوکر ڈاکٹر بنوں گا اور غریب لاچار بے کس و بے بس مریضوں کا فری علاج کروں گا۔ میں ماں کو تڑپتے دیکھتا تو کلیجہ پھٹتا‘ کاش میں کچھ کرسکتا......

ماں کے سر میں ٹیومر ہے اور دماغ کا آپریشن ہونا ہے جو بہت مہنگا ہے۔ مالی وسائل اور گھر کے حالات اتنے مہنگے علاج کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ ہمارے ملک میں ڈھنگ کا اسپتال نہیں‘ عوام تڑپ تڑپ کر مر رہی ہے اور بڑے لوگوں کو زکام بھی ہو تو علاج کے لیے باہر جاتے ہیں اور ہمارا کوئی پرسان حال نہیں۔ ملک تو آزاد ہوگیا مگر ہماری گردنوں میں غلامی کا طوق بدستور پڑا ہے۔ قانون دستور طریقے پہلے سے بھی بدتر اور عوام کی حالت بد سے بدتر ان کی قسمت بدلنے سے رہی کہ غیر ملکی آقا کی جگہ مقامی آقا آگئے جن کے کتے اور گھوڑے ہم سے قیمتی ہیں۔

ہم اس ملک سے باہر کسی اچھے اسپتال میں علاج نہیں کراسکتے اور ملکی اسپتال کے لیے گھر میں رکھے مویشی‘ اچھے وقتوں میں لیا گیا سونا اور کھڑی فصل کو بیچ کر انہیں داخل کرایا آپریشن بھی ہوا مگر وہ جانبر نہ ہوسکی۔ ہمارے دیہاتوں میں زندگی سستی اور موت مہنگی ہے‘ اسے بھی رسموں کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ موت برحق لیکن اس کے پیچھے دسویں‘ جمعرات اور چالیسویں جیسی رسوم پر دعوتیں لٹائی جاتیں اور یہی ہمارے گھر میں ہوا۔

میں نے ماں کھودی‘ میری محبت لٹ گئی‘ میں بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا اور ماں کا لاڈلا تھا لگا پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ لی گئی اور سر پر تنا آسمان چھن گیا

اور بے یارومددگار رہ گیا۔ میں جو ہر جذباتی موقع پر ماں کی گود میں سر رکھ کر سکون پاتا تھا اب میرا وہ سکون چھن گیا مجھے اب اپنے سہارے ہی جینا ہے۔ میں نے گاؤں سے مڈل کا امتحان پاس کیا اور میٹرک کے لیے میں تین میل روزانہ چل کر دوسرے گاؤں جاتا اور وہاں ہائی اسکول میں صرف آرٹس کے مضامین پڑھائے جاتے یہ بھی غنیمت تھا اور میں نے میٹرک کا امتحان وظیفہ لے کر پاس کیا اور پھر مزید پڑھنے کے لیے شہر چلا گیا۔ گھر سے والد کچھ رقم دے دیتے' وہ بوڑھے بھی ہوگئے تھے اور کمزور بھی ہم نو بہن بھائی تھے' پانچ بھائی اور چار بہنیں سب اپنے اپنے گھر کے تھے۔ ابا بیٹوں کے محتاج تھے' بڑھاپے میں جب زندگی کا ساتھی نہیں رہتا تو بڑھاپا گزارنا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ عورت جو مرد کو ہتھیلی کا چھالہ بنائے رکھتی ہے' وہ اس کے کھوجانے کے بعد بہت لاچار اور بے بس وکمزور ہوجاتا ہے۔

بیٹے باپ کی بہت عزت کرتے اور بہوئیں بھی باری باری اپنے گھر میں رکھتیں' لیکن جب مرکز نہیں رہتا تو پھر زندگی دائروں کے گرد گھومتی بے وقعت سی لگتی ہے۔ زمینیں تو والد کے نام تھیں لیکن ان کی کمائی تو بیٹوں کے ہاتھ میں تھی اور وہ خود بھی بال بچے دار تھے۔ ایک بات بتاتا چلوں کہ غریب گھروں کے بچے وقت سے پہلے باشعور اور سمجھ دار ہوجاتے ہیں ان کو بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ خود محسوس کرتے ہیں ان کی خواہشات' طلب اور مطالبات کچھ بھی نہیں ہوتے وہ بچپن سے چھلانگ لگاتے ہیں اور بڑھاپے میں پہنچ جاتے ہیں۔ وہ جسے جوانی مستانی کا نام دیتے ہیں وہ ولولے' جوش اور جذبوں کا دوران پر نہیں آتا اور مجھے بھی وقت نے عمر سے پہلے زندگی کی تلخ سچائیوں سے روشناس کردیا۔

میں کچھ بننا کچھ کرنا چاہتا تھا' وہ لوگ جو سیلف میڈ ہوتے ہیں یہ خودساز لوگ جب جہد مسلسل کرتے ہیں تو وہ ہستی جو کارساز ہے وہ خداساز بھی ہے وہ کسی کو اپنی ذات سے مایوس نہیں کرتی۔ اس کا وعدہ ہے کہ جو بدلنے کی کوشش کرے گا وہ بدل جائے گا۔ وہ مانگنے والے ہاتھوں کو خالی نہیں لوٹاتا' عطا اور بخشش اس کی دین ہے۔

اسی ذات کے بھروسے پر میں نے کالج میں داخلہ لیا' اخبار و رسائل کی ایجنسی میں جب سب طلباء اپنے کمروں میں خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہوتے۔ میں سائیکل نکالتا اور ہاکر کی ڈیوٹی دیتا' گھر گھر اخبار صبح تڑکے تڑکے پہنچا کر ناشتا کرتا اور کالج پہنچ جاتا۔ انٹر کا وظیفہ بھی آ گیا اور اس طرح میں نے اپنے اخراجات پورے کیے۔ بی اے میں تھا تو چھوٹے بچوں کی ٹیوشن مل گئی میں نے لمحہ لمحہ کی قیمت ادا کی میں نے وقت کو ضائع نہیں کیا اور جو وقت کی قدر کرتے ہیں وقت انہیں پوری قیمت ادا کرتا ہے۔ میرے ساتھ بڑے گھرانوں کے لڑکے تھے جو کالج کینٹین میں گھنٹوں بیٹھ کر پیریڈ گول کرتے' گپ شپ' آوارگی میں وقت گزرتے۔ بی اے میں پولیٹیکل سائنس میں سب سے زیادہ نمبر لے کر وظیفہ لیا اور یونیورسٹی پہنچ گیا۔ والد فوت ہوچکے تھے اور میں نے اپنے بل بوتے پر کھڑا ہونا تھا' ایم اے کے بعد لاء کالج میں داخلہ لیا اس سارے دور میں تنہا ہرگز نہ تھا میری ماں ہر قدم میرے ساتھ تھی۔ میں نے تو ڈاکٹر کا سوچا تھا اور میرے حالات مجھے دوسری طرف لے جارہے تھے' ہم بندے بھی دنیا کی اسٹیج پر کٹھ پتلی کی طرح ناچ رہے ہیں ڈور کا دوسرا سرا کسی اور کے اختیار میں ہے' وہ ہلا رہا ہے اور ہم مجبور و بے بس وہی کچھ کررہے ہیں جو وہ چاہتا ہے۔

لاء کالج سے ایل ایل بی کرنے کے بعد انگلینڈ بار ایٹ لاء کرنے چلا گیا۔ نئے راستے بن رہے تھے اور میں سرپٹ دوڑ رہا تھا' وہاں میں نے ڈگری بھی لی اور نوکری کرکے پونڈز بھی کمائے۔ وہاں تعلیم کے اخراجات پورے کرنے کے لیے وسیع مواقع تھے' میری کلاس میں ایک پاکستانی طالبہ عنایہ تھی جس کے والدین مزدوری کے لیے آئے تھے وہاں کسی کی صلاحیتوں کو روندا نہیں جاتا۔ جتنی محبت کروگے صلہ پاؤگے' باپ کنڈیکٹری کرتا تھا اور

ماں ایک اسٹور پر سیلز گرل تھی اور پھر انہوں نے اپنا اسٹور کھولا دن رات محنت کی اور اب خوش حال زندگی گزار رہے تھے۔ میں اپنے ملک لوٹنا چاہتا تھا' میں نے بیمار ماں کے سرہانے کھڑے ہوکر سوچا تھا میں ڈاکٹر بنوں گا اور کسی غریب بے بس و بے کس ماں کو اس طرح تڑپ کر مرنے نہیں دوں گا وہ خاموش عہد و پیمان کسی پل چین نہیں لینے دیتا اور میں چاہتے ہوئے بھی ڈاکٹر نہ بن سکا۔ میری سوچوں نے مجھ سے ایک فیصلہ کروایا شاید وہ ہی عطا کا لمحہ تھا۔ نوازنے کی گھڑی تھی' قدرت مجھ سے کچھ کروانا چاہتی تھی میں اپنے گاؤں میں اسپتال بناؤں گا اپنی ماں نور بی بی کی یاد میں خیراتی اسپتال ......اور میں نے آخری سال بہت محنت کی۔ نیت خالص ہو تو غیب سے مدد پہنچتی ہے' میں کامیاب اور مال دار بیرسٹر بن گیا اور میری بیوی عنایہ پوری طرح میرے ساتھ تھی حالانکہ وہ وہیں پیدا ہوئی پلی بڑھی لیکن اپنے آبائی وطن اپنی دھرتی ماں کا قرض اتارنا چاہتی تھی۔

سال نو

اے سال نو کی خنک ہواؤں
اب کے برس اپنے ساتھ
جنوری کے سورج کی طرح
کچھ نرم اور گرم
ایسی فضاء لانا
کہ دلوں میں بسی رنجیدگی
آنکھوں میں رچی نمی
روح میں بسی اداسی
تشنہ لبوں کی سیرابی
کہ گھونٹ گھونٹ سسکیوں
کا کوئی سدباب ہو سکے
اب کے برس کے شب و روز
بھی گنگنائیں اور مسکائیں
روح و قلب کو بھی
چین و سکوں میسر ہو۔!!!

ارم شہزاد......لاہور

میری بیٹی عیشاء سات سال کی اور معاذ و معوز چار پانچ سال کے تھے۔ میں اپنے وطن آیا مگر وہ گاؤں ابھی بھی اتنا پسماندہ اور جدید سہولتوں سے دور حال مست مال مست' سب آنکھوں پر پٹی باندھے کولہو کے بیل کی طرح اپنے دائرے میں گھوم رہے تھے جب جمہوریت آتی' برادری اور وڈیرے کے کہنے پر جہاں کہا جاتا ٹھپہ لگا آتے اور جب مارشل لاء کا دور ہوتا تو اس میں بھی زندہ تھے' کنویں کے مینڈک کی طرح جیے جارہے تھے۔

میرے بچے برطانیہ کے پیدائشی تھے لیکن میں انہیں اپنے ملک کے اداروں میں تعلیم دلانا چاہتا تھا۔ میں نے انہیں شہر کے اچھے اسکولوں میں داخل کرایا ہم دونوں میاں بیوی کامیاب وکیل تھے ہماری پریکٹس خوب چل رہی تھی۔ گاؤں میں ایک بہت بڑا رقبہ لے کر میں نے اسپتال بنوانا شروع کیا۔ میں نے سارا سرمایہ اسی پر لگادیا جدید ترین مشینری منگوائی اور ایسا اسپتال کھڑا ہوا جس کو پورے ملک میں انگلیوں میں گنے جانے والے اچھے اسپتالوں میں شمار کیا جاتا۔

اور میرے تینوں بچے جب کالج میں مضامین کے انتخاب کا وقت آیا تو میں انہیں میڈیکل سائنس کے چناؤ کا مشورہ دیتا عنایہ ہر بار بچوں کی سائیڈ لیتی۔

''آپ انہیں ان کی مرضی کے مطابق فیلڈ کے چناؤ کا اختیار دیں۔'' اور میں ہر بار مصر ہوتا۔

''نہیں' انہوں نے ڈاکٹر بننا ہے۔'' اور جب میری بیٹی عیشاء نے کہا۔

وہ ایم بی اے کرکے اپنا بزنس کرنا چاہتی ہے' اس کی خواہش تھی وہ بزنس میں نام بھی کمائے اور پیسہ بھی۔ بزنس ٹائیکون بننا چاہتی ہے' اسے پتا ہے وہ اچھی ڈاکٹر نہیں بن پائے گی۔ وہ پیسہ کمانا چاہتی ہے' پیسہ ہی اصل حقیقت ہے یہ مادی دور ہے یہاں اب ہر رشتہ پیسے سے ناپا تولا جاتا ہے۔ رشتہ داریاں' خونی رشتے بہت مدھم اور ڈھیلے پڑگئے ہیں اب سب کچھ پیسہ ہے۔ یہ نفسانفسی اور آپا دھاپی کا دور ہے ایک وقت تھا اعلیٰ انسانی قدروں کو

پذیرائی تھی۔ جہاں کالا دھن ہو‘ حرام کی کمائی ہو‘ لوگ ایسے لوگوں سے ملنے جلنے اور روابط بڑھانے میں ہچکچاتے تھے کہ یہ ان کا حوالہ نہ بن جائیں مگر اب تو زمانہ ہی بدل گیا فارم ہاؤسز‘ اونچے شاندار محل نما بڑے گھر قیمتی گاڑیاں اور دولت کی ریل پیل۔ یہی اسٹیٹس سمبل اور تعارف ہے‘ یہی بڑے لوگ ہیں‘ دولت گھر کی باندی‘ پیسہ غلط ذریعے سے آیا ہے یا صحیح جائز یا ناجائز حرام ہے یا حلال یہ سب کچھ ختم۔ اس معاشرہ میں مقام بنانے کے لیے کھلا پیسہ ہو‘ اسمبلی میں پہنچنے کے لیے یہی سیڑھی ہے اور حکومت کے ایوانوں میں جانے کے لیے اس کا سہارا چاہیے‘ میں اسے بتا رہا تھا۔ یہ حقیقت سہی لیکن اصل سچائی نہیں‘ سب کچھ وقتی ہے پھر انجام کار سچائی‘ حق‘ حلال اور راست بازی کی فتح ہوگی۔ اخلاقی پستی کا یہ دور ہماری آزمائش ہے ہم نے اس سے مرعوب نہیں ہونا۔

دولت کتنی بھی ہو ہوس نہ مرتی ہے نہ مٹتی ہے۔ قبر کی مٹی سب کو بھرے گی‘ شداد و قارون کی خزانے ان کے کام نہیں آتے۔ قارون جس کے خزانوں کی چابیاں چالیس اونٹوں پر لدی ہوتیں وہ اپنے خزانے سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ وہ فرعون جو اقتدار میں اندھا ہوکر خدائی کا دعویدار بن بیٹھا تھا۔ کہاں گئی حکومت اور کہاں گیا اقتدار‘ قیامت تک کے لیے سامان عبرت بن گیا۔ فتح حق کی ہوتی ہے صداقت‘ سچائی ابدی حقیقت ہے۔ وہ جنہوں نے تاج وتخت کو ذرہ برابر اہمیت نہ دی اور انسانی محبت کو معراج جانا تو اس کے بندوں سے محبت کے انعام میں ابراہیم بن ادھم بن کرامر ہوگئے۔

عیشاء میڈیکل لائن میں آ گئی اور معاذ و معوذ نے بھی میڈیسن کے لیے میری منتخب کردہ راہ کو اختیار کرلیا۔ عنایہ کہتی ہے یہ پاکستانی والدین اپنی ناآسودہ خواہشات کو اپنی اولاد کے ذریعے پورا کرکے اپنی آرزو کی تکمیل چاہتے ہیں‘ بھئی جب اولاد اصل وراثت اور صدقہ جاریہ ہے تو پھر اس کے ذریعے ناآسودہ خواہشات کی تکمیل کرنا کون سا جرم ہے؟

میرے تینوں بچے مانے ہوئے ملک کے مایہ ناز ڈاکٹر ہیں‘ عیشاء نیورو سرجن‘ معاذ ہارٹ اسپیشلسٹ اور معوذ میڈیکل اسپیشلسٹ اور تینوں گاؤں کے خیراتی اسپتال میں کام کررہے ہیں۔ جب اللہ کے بندوں کی خدمت کے لیے نکلتے ہیں تو جو آسودگی تسکین اور خوشی ملتی ہے‘ تمام دنیاوی خزانے اس کے سامنے ہیچ ہوتی ہیں۔

نور اسپتال کی شہرت ملک کے کونے کونے میں ہے‘ غریبوں کا علاج بالکل مفت ہوتا ہے۔ ہمت مرداں مدد خدا‘ پاکستانی قوم خیرات اور صدقات دینے میں دنیا کے صف اول میں شمار ہوتی ہے اور انہیں یقین ہوتا ہے کہ ان کی خون پسینہ کی کمائی ضائع نہیں جائے گی تو وہ عورت جس کے بارے میں کہا جاتا ہے اسے زیور گہنا سب سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ وہ برے وقتوں کے لیے سینت کر رکھی گئی پائی پائی نچھاور کرنے کو بھی تیار ہوتی ہے۔ میں نے اپنے وسائل تو وقف کررکھے تھے مگر جب بھی جھولی پھیلائی کبھی خالی نہیں لوٹائی گئی میری توقعات سے بڑھ کر دیا گیا۔ جب اس ہستی پر توکل کرو تو راستے خود بخود وا ہوجاتے ہیں جب بھی ضرورت ہوئی غیب سے مدد آئی۔

وہ جو کہانیاں سینہ بہ سینہ چلتی ہیں ان میں بہت جان ہوتی ہے۔ وہ غریب و بے کس مجبور جو علاج کرانے کا سوچ نہیں سکتے اور جب صحت یاب ہوکر گئے تو ساری زندگی کے لیے دامے درمے‘ قدمے سخنے کرنے لگے‘ قطرہ قطرہ دریا بنتا ہے اور پیسہ پیسہ خطیر خزانہ بن جاتا ہے۔ باہر ملک میں کام کرنے والے اپنے شعبے کے ماہرین نے اپنی خدمات پیش کیں وہ نہ صرف مالی تعاون کرتے بلکہ ڈاکٹروں کی دنیا میں ہونے والی جدید محقق سے آگاہ کرتے اپنی چھٹیاں وقف کردیتے۔

میں تو اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ملتے گئے کارواں بنتا گیا

مانگنے والے کو دیا جاتا ہے اور میں منگتا اور بھکاری تھا میری جھولی چھید چھید تھی لیکن دینے والے کی سخاوت بے کراں۔

وہ میری بیٹی عیشاء جو سرمایہ دار بننا چاہتی تھی‘ ایسی قناعت اسے ودیعت ہوئی کہ اپنے گھر بچوں کے ساتھ سادہ سی زندگی گزار کر روحانی سکون پائی۔

''پاپا جانی آپ نے مجھے کیسی راہ دکھائی ہے کہ وہ پیسہ جو میرا مطمع نظر تھا اور میں اس کی ہوس میں نہ جانے کہاں بھٹک رہی ہوتی۔ آپ نے اس خدمت کی راہ پر لگا کر میری دنیا ہی نہیں عاقبت بھی سنوار دی۔''

''بیٹا وہ ایک لمحہ ہوتا ہے جو عطا کرتا ہے‘ دیا جاتا ہے۔ ہر شخص کی زندگی میں دونوں راستے کھلے ہوتے ہیں چوائس اس کی اپنی ہوتی ہے وہ کس راہ کا انتخاب کرتا ہے‘ بڑوں کا کام نیک وبد سمجھانا ہے۔''

''سچ تو یہ ہے ماں کے تڑپنے کی اذیت تو میں نے دیکھی‘ ماں کے درد نے مجھ سے خاموش عہد لیا مگر قدرت مجھ پر مہربان نہ ہوتی تو میں اکیلے یہ کیسے کر گزرتا۔'' درد دل رکھنے والی زندگی کی ساتھی اور میرے خوابوں اور امیدوں پر پورا اترنے والی اولاد یہ سب تو میرے گھر سے مددگار رہے اور اگر گھر سے ساتھ نہ ملے تو منزل کٹھن اور دور ہو جاتی ہے اور راستے مشکل۔ پھر وہ ساتھی مل گئے جن کو میں جانتا تک نہ تھا اور سب سے بڑے بہی خواہ وہ تھے۔

مزے کی بات بتاؤں یہ گاؤں کے لوگ بھی کیسے خوش عقیدہ اور خوش فہم ہوتے ہیں‘ کسی ایسے ہی دیوانے نے صحت یاب ہونے پر نور بانو کی قبر ڈھونڈ کر ایک دیا روشن کر دیا‘ وہ اس میں سرسوں کا تیل ڈالتا اور ساری رات جلتا رہتا دیکھا دیکھی دوسرے نے ایک اور دیا ساتھ رکھ دیا اور پھر ایک ایک کے اضافے سے وہاں لاتعداد دیئے جلنے لگے دور سے ان کی ٹمٹماتی روشنی بھلی لگتی۔ کچھ دنوں بعد دیکھا راتوں رات ایک چار دیواری بن گئی اور پھر کسی مجذوب نے دیوار میں الماری لگا کر سپارے رکھ دیئے اب جو دیا جلانے آتا فاتحہ خوانی کرتا‘ سپارہ پڑھتا بخشتا اور اپنی عقیدت دوسرے کو منتقل کر دیتا۔ دیکھا دیکھی ہوتے ہوتے چھت بھی ڈال دی گئی اور کھمبے سے ایک تار لے کر

چل خواب جزیرے چلتے ہیں

چل خواب جزیرے چلتے ہیں
جہاں پھول ہر اک سو کھلتے ہیں
جہاں رنگ فضا میں بکھرے ہیں
جہاں سدا سے پیارا موسم ہے
جہاں درد نہ کوئی ملتے ہیں
جہاں دشمن کوئی نہیں اپنا ہے
جہاں تیر زباں نہیں
جہاں روپ نگر کی رانی ہے
جہاں پریم نگر کا راجہ ہے
اے سنگ زاد! میرا ساتھ دے
چل خواب جزیرے چلتے ہیں

میمونہ صدف

بجلی قمقمہ روشن کر دیا۔ واپڈا کے کسی اہلکار نے میٹر لگا دیا۔

کتنے خوانچہ والے وہاں چھابڑی لیے پہنچ گئے اور پھر ایک چائے کا کھوکھا کھلا اور ساتھ ہی ایک نان بائی نے تندور لگا لیا اور دور سے آنے والے مسافروں کے لیے چائے پانی کا بندوبست ہو گیا۔ کھوکھے والے نے کچھ کمرے بنائے اور ملاقاتیوں کے لیے رہائش کا بندوبست بھی ہو گیا۔

کسی پیسے والے نے پانچ ستارہ ہوٹل ''نور محل'' کے نام سے بنایا اور دیکھتے ہی دیکھتے سڑک کے دونوں اطراف دکانوں کا اضافہ ہو گیا یہ سب کچھ کیسے ہوا‘ نیکی اکیلی نہیں ہوتی اسے درخت کی جڑیں بہت دور تک لے جاتی ہیں اور برگ وبار دیتی ہیں۔ نیک وصالح اولاد اگر صدقہ جاریہ ہے تو ان بچوں کے صدقات وخیرات بے مصرف نہیں ہوتے بلکہ نور اور روشنی بن کر دوسروں کو راستہ دکھاتے ہیں۔

نیا سال اور تم

قرۃ العین سکندر

میں نے پوجا ہے تجھے، تیری عبادت کی ہے
تجھ کو چاہا ہے صنم، تجھ سے محبت کی ہے
تو اگر بھول بھی جائے تو چلو یونہی سہی
میں نہ بھولوں گا کبھی، میں نے محبت کی ہے



''بی جان مجھے جلدی سے کھانا دے دیں' سخت بھوک لگ رہی ہے۔'' سمن نے کالج سے آتے ہی بھوک کی گردان شروع کردی اور بی جان نے ایک خشمگیں نگاہ سے سمن کو نوازا تھا۔

''نامعلوم کب اس لڑکی کو عقل آئے گی' جاکر منہ ہاتھ دھوؤ' کھانا تیار ہی ہے گھڑی بھر دم تو لو۔'' بی جان نے اسے سرزنش کی تو سمن نے لاڈ سے اپنی گداز بانہیں ان کے گرد حمائل کردیں۔

''ارے میری پیاری بی جان' کیوں خفا ہوتی ہیں' میں جیسے ہی گھر میں داخل ہوتی ہوں بے تحاشا لذت آمیز خوشبوئیں میرے نتھنوں سے ٹکراتی ہیں۔ دل خود بخود کچن کے چکر لگانے لگتا ہے اور پھر یہ تو آپ کے ہاتھ کی لذت کی تاثیر ہے۔'' اس نے بی جان کے گال پر بوسہ دیا تو بی جان قدرے نرم ہوئیں۔

''جاؤ اب زیادہ مکھن نہ لگاؤ بات تو کوئی سمجھ آتی نہیں ماں کی اب ان گندے ہاتھوں سے کھاؤ گی تو بیمار پڑ جاؤ گی۔'' بی جان نے اسے کباب اٹھاتے اور منہ میں رکھتے دیکھ کر کہا۔

''اور نہیں تو کیا چچی جان' آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں' کھا کھا کر یہ تو موٹی بھینس بنتی جارہی ہے' مجھے تو اس مظلوم شخص سے بہت ہمدردی ہے جو مستقبل قریب میں اس کا بوجھ اٹھانے والا ہے یعنی شوہر نامدار بننے والا ہے۔'' تبھی کچن میں زین نے داخل ہوتے ہوئے سمن کو مضحکہ خیز انداز میں نشانہ بنایا۔ سمن جو کباب کے لطف سے محظوظ ہورہی تھی' زین کے ان فرمودات سے سخت مشتعل ہوئی۔

''ہونہہ تم تو اپنی زبان بند ہی رکھا کرو۔'' سمن کا حلق تک کڑوا ہوگیا تھا۔

''سمن یہ کیا طریقہ ہے بڑے بھائی سے بات کرنے کا۔'' بی جان نے اسے ڈانٹا۔

''یہ نہیں ہیں میرے بھائی وائی' اللہ کے فضل وکرم سے میرے اپنے تین شیر جوان بھائی موجود ہیں یہ تو کوئی دشمن ہیں جو کوئی وار خالی نہیں جانے دیتے۔'' سمن نے خفگی سے کہا اور کچن سے واک آؤٹ کرگئی' تعاقب میں زین کا قہقہہ گونجا۔

❀......❀......❀

سمن تین بھائیوں کی اکلوتی اور لاڈلی بہن تھی' یکے بعد دیگرے ہونے والے بیٹوں کی پیدائش نے زہرہ بیگم اور ان کے مجازی خدا حمزہ بیگ کے دل میں از خود بیٹی کا ارمان جگادیا تھا۔ زہرہ بیگم جب جٹھانی کی گود میں دو بیٹیاں دیکھتیں تو حسرت بڑھ جاتی۔ دنیا کا عجیب دستور ہے جٹھانی بیٹے کی متمنی تھیں اور دیورانی بیٹی کی چاہت میں ہلکان ہورہی تھی۔

یہ تو رب العزت کی دین ہے' کسی کو رحمت سے نوازتا ہے اور کسی کو نعمت عطا کردیتا ہے مگر دونوں کی دعاؤں نے ایک ساتھ رنگ دکھایا تھا۔ جٹھانی کے ہاں زین کی پیدائش ہوئی اور دیورانی نے چند ماہ بعد ایک گلابی سی گڑیا کو جنم دیا جس کا نام سمن رکھا گیا تھا۔

زاہد اور حمزہ دونوں بھائی شیر وشکر ہوکر رہ رہے تھے' دوسری طرف جٹھانی دیورانی میں بھی روایتی چپقلش نہ تھی بلکہ یہ مکمل طور پر ایک خوش حال گھرانے کی اعلیٰ مثال تھی۔ یہی وجہ تھی کہ گھر سے برکت نہ اٹھی' باہمی محبت نے گھر میں برکت بڑھادی تھی جو بھی معاملات درپیش ہوتے تھے باہم مل جل کر سلجھالیے جاتے تھے۔ لوگ بیگ ہاؤس کی مثالیں دیا کرتے تھے' ایسی یگانگت اور بھائی چارہ کم ہی دیکھنے کو ملتا تھا۔

فی زمانہ تو حسد اور کینہ نے ان اعلیٰ اوصاف کو گھن کی طرح چاٹ لیا تھا مگر اس ساری صورت حال میں ان دونوں بھائیوں کی بیگمات کا بھی پورا کمال تھا۔ جو ہر معاملہ باہم خوش اسلوبی سے حل کرلیا کرتی تھیں۔

''شام کو نادیہ کو دیکھنے رشتے والے آرہے ہیں' میرے تو ہاتھ پاؤں پھولے جارہے ہیں' نامعلوم یہ سب کیونکر ہوپائے گا۔'' صبا بیگم نے گھبراہٹ آمیز لہجے میں اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔

''ارے بھابی آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں' میں سارے انتظامات دیکھ لوں گی۔ نادیہ اور عابدہ میری بھی تو بیٹیاں ہیں' میں نے کبھی اپنی سمن اور ان میں فرق نہیں روا

رکھا' آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوں اللہ پاک سے اچھے کی توقع رکھیں۔'' زہرہ بیگم نے ان کے ہاتھ تھام کر حوصلہ بڑھایا' صبا بیگم نے ممنونیت بھری نگاہوں سے دیورانی کو دیکھا پھر شام کو آنے والے مہمانوں کی تمام خاطر تواضع عین وعدے کے مطابق دیورانی نے کی نہ صرف یہ بلکہ نادیہ کو تیار کر کے خود ڈرائنگ روم میں لائی تھیں۔

آنے والی دونوں خواتین نے نادیہ کو بھرپور نگاہوں سے دیکھا' پرکھا' تولا اور ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے اشارہ کیا۔ انہیں گھر کا رکھ رکھاؤ اور نادیہ دونوں ہی پسند آئی تھیں' یوں آناً فاناً رشتہ طے ہو گیا تھا۔ گھر میں شادی کا غلغلہ اٹھ کھڑا ہوا تھا' نادیہ کے سسرال والوں نے تو گویا ہتھیلی پر سرسوں جما رکھی تھی انہیں شادی کی بھی بہت جلدی تھی اور نادیہ کی چاہت بھی بہت تھی۔ اتنے قدردان لوگ مل جانے پر صبا بیگم کی آنکھیں بھر بھر آتی تھیں۔

یہاں بھی دیورانی نے بڑھ کر اپنی خدمات پیش کیں اور ہر معاملے میں جٹھانی کا ساتھ دیا۔

❁......❁......❁

ڈھولک کی تھاپ پر لڑکیاں نغمگی سے سُر چھیڑ رہی تھیں' کبھی جلترنگ سی بکھر جاتی تھی جب ڈھولک اور سروں میں میل تال نہ رہتی تھی۔ پورا گھر قمقموں سے سجا سنورا تھا' صبا بیگم غمزدہ سی تھیں' کل ان کی بیٹی نے وداع ہو کر پیا گھر سدھار جانا تھا مگر ضبط کیے بیٹھی تھیں۔

گھر میں خوب رونق تھی' ہر جانب افراتفری پھیلی تھی' سب مہندی کے لیے تیاریوں میں لگے تھے۔ محلے کی خواتین ڈھولکی پر شادی کے رنگیلے گیت گانے میں مصروف تھیں۔ کبھی کبھی فضا کسی سوگوار سے نغمے سے افسردہ ہو جاتی تھی اور پھر فوراً ہی سُر بدل جاتے اور فضا میں خوشی کے سچے موتی بکھر جاتے۔

آج تو سمن کی چھب ہی نرالی تھی' دودھیا مرمریں ہاتھوں میں چوڑیوں کی کھنک لیے آنکھوں میں کاجل لگائے' بالوں میں گجرے سجائے وہ مہکتی کھلکھلاتی ہوئی اِدھر اُدھر بھاگتی پھر رہی تھی۔ آج سے قبل زین نے کبھی اپنے نہاں خانوں میں سمن کے لیے ایسے جذبات اٹدتے نہ دیکھے تھے مگر آج تو جیسے سمن اس کے حواسوں پر چھائی جا رہی تھی جب سمن اس کے پاس سے گزرتی تھی وہ سمن کی دلفریب خوشبو کی لپیٹ کے سحر میں خود کو مقید پاتا تھا۔ سمن اس کے دل میں ہلچل مچا کر انجام بنی پھر رہی تھی۔ بارہا زین کی ارتکاز لیے نگاہوں کی تپش سے اس نے جھنجھلا کر موصوف کو دیکھا اور دل میں پکا ارادہ باندھ چکی تھی کہ ابھی جا کر تائی جان سے ان کے بیٹے کی شکایت کرتی ہے مگر پھر کسی نہ کسی کے بلاوے پر بھول بھال کر خوش گپیوں میں مصروف ہو جاتی تھی۔

''عابدہ جاؤ بہن کو لاؤ۔'' فوٹو سیشن کا دور چل نکلا تھا' عابدہ اور سمن نادیہ کو لینے کمرے میں آئیں جہاں نین کٹورے بھرے نادیہ سوگواریت لیے بیٹھی تھی۔

''یہ کیا نادیہ آپی...... آپ کی ان حسین آنکھوں میں آنسو نہیں جچتے۔'' سمن نے لگاوٹ سے کہا تو نادیہ کو اور بھی زیادہ رونا آنے لگا' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''ارے آپی روئیں تو ناں' بس خوشی کے موقع پر یوں رونا کوئی اچھی علامت تو نہیں پھر تائی جان بھی اداس ہو جائیں گی۔'' سمن نے ایک دم سنجیدگی اور پریشانی کی ملی جلی کیفیت میں کہا تو نادیہ نے جھٹ اپنے آنسو پونچھ ڈالے' وہ ماں کو آزردہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔

شرمگیں چہرہ لیے دھڑ کتے دل کے ساتھ وہ لڑکیوں کے جھرمٹ میں سر نیچے کیے بیٹھ گئی تھی۔ صبا بیگم نے دل ہی دل میں اپنی بیٹی کی ڈھیروں بلائیں لے ڈالی تھیں۔ سمن نادیہ کے پہلو سے لگی نادیہ کو اپنی خوش گفتاریوں سے بہلا رہی تھی' اس کی باتوں نے اپنا اثر دکھایا تھا' مدھر سی مسکان نادیہ کے لبوں نے چھو لی تھی۔ کسی بات پر سمن نے شرارتی انداز میں قہقہہ لگایا تو زین نے جھٹ اپنے کیمرے میں یہ انمول پل محفوظ کر لیے تھے۔

❁......❁......❁

آج بارات کے ساتھ نادیہ نے پیا گھر رخصت ہو جانا تھا' گھر کی بجائے شادی ہال میں تقریب سعید کا اہتمام کیا گیا تھا' سب وقت مقررہ پر وہاں پہنچ گئے تھے۔ نادیہ ابھی پارلر سے تیار ہو کر نہیں آئی تھی ادھر بارات کے آنے کا

وقت ہو چلا تھا' تائی جان بوکھلائی ہوئی پھر رہی تھیں۔

''زین جا کر بہن کو لے آؤ۔'' زہرہ بیگم نے زین کو ایک جانب لے جا کر کہا۔

''جی چچی جان...... میں بس جانے ہی والا تھا۔'' ابھی زین کے الفاظ ادا ہی ہوئے تھی کہ خرم سمن اور نادیہ کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔ خرم نے بھی بھائی ہونے کا حق ادا کیا تھا' زہرہ بیگم نے طمانیت کی سانس لی۔

زین کی نگاہوں نے سمن کے سراپے کا احاطہ کر رکھا تھا' آج کامدار کپڑوں گہرے میک اپ میں وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ نادیہ کے ساتھ ساتھ وہ بھی پارلر سے تیار ہو کر آئی تھی' بالوں کا اسٹائل بے حد دلکش تھا۔ جب زین اور سمن کی نگاہیں آپس میں ٹکرائیں تو سمن زین کی نگاہوں سے ہویدا ہوتی محبت کی مہر کو دیکھ کر پل بھر کے لیے سخت متعجب ہوئی تھی۔ اگلے ہی پل اسے اپنا وہم جان کر جھٹک بھی گئی تھی' زین تو اس کا ازلی دشمن تھا۔ بچپن سے اس کی شکایتوں کا ایک انبار ہوا کرتا تھا' سمن کی پل پل کی شرارت کی خبریں بڑوں تک کیسے رسائی پاتی ہیں۔ ایک طویل عرصہ دراز تک سمن کے لیے یہ معمہ ہی بنا رہا تھا' مگر ایک روز اس نے از خود زین کو بی جان سے اس کے خلاف زہر اگلتے دیکھ لیا تھا۔

تب سے ایک نامعلوم سی خلیج زین اور سمن کے درمیان قائم ہو چلی تھی' جسے بڑے تو ان کی نادانی سمجھ کر درگزر کر دیتے مگر سمن تو اس معاملے میں بہت سخت تھی۔ نفرت اور محبت دونوں میں شدت پسند واقع ہوئی تھی پھر نادیہ بڑوں کی دعاؤں کے حصار میں آنسو بہاتے رخصت ہوگئی تھی۔ گھر ایک دم نادیہ کے جانے کے بعد سونا سونا سا لگنے لگا تھا' سب ہی مضمحل اور نڈھال سے تھے اور تو اور ہر دم چہکنے والی سمن بھی آزردہ سی تھی۔

❁......❁......❁

''پر آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' صبا بیگم نے قدرے حیرت سے کہا۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں' نادیہ کی قسمت میں لکھا تھا تو اس کی شادی غیروں میں ہوگئی مگر عابدہ میری بیٹی ہے۔ خرم نے بھی اپنی پسند سے آگاہ کر دیا ہے اب خرم عابدہ کی امانت ہے' آپ اس کے لیے بالکل بھی پریشان نہ ہوں۔''

زہرہ بیگم نے بے حد سبھاؤ سے بات کی تو صبا بیگم نے ممنونیت بھرے انداز میں دیورانی کو دیکھا۔

''میں کس طرح تمہارا شکریہ ادا کروں۔'' وہ گلوگیر لہجے میں گویا ہوئیں۔

''ارے شکریہ تو میں ادا کرتی ہوں آپ اپنے جگر کا ٹکڑا مجھے دیں گی میں بھی ایک بیٹی کی ماں ہوں۔ بیٹی کی چاہت اور قدر جانتی ہوں' جلد ہی گھر میں منگنی کی تقریب بھی رکھ دیں گے۔ نادیہ سے پوچھ لیتے ہیں وہ کس وقت آسانی سے شرکت کر سکے گی' اب بھابی یہ بات پکی ہے۔'' وہ بے حد محبت سے بولی تھیں' پھر دونوں بھاوجیں ایک دوسرے سے گلے ملی تھیں' محبت نے مسکرا کر اس منظر کو دیکھا تھا۔

❁......❁......❁

''اب میں کیسے اپنی دوست کی سالگرہ میں جاؤں گی؟'' سمن نے منہ بسورتے ہوئے کہا' زین قدرے فاصلے پر بیٹھا اس کی روتی صورت دیکھ رہا تھا۔

''دیکھو اگر خرم فارغ ہوتا تو میں اسے تمہارے ساتھ بھیج دیتی مگر وہ بھی فارغ نہیں ہے اور اسجد اور اسد شام گئے آتے ہیں۔ اس وقت میں تمہیں اکیلے بھیجنے کے حق میں نہیں ہوں۔'' زہرہ بیگم نے ناصحانہ انداز میں اسے باور کرواتے ہوئے کہا مگر سمن کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

''چچی جان اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں سمن کو چھوڑ آتا ہوں' واپسی کی بھی فکر نہ کیجیے گا میں ہی لے آؤں گا۔'' زین نے ایک دلکش آفر کی جس پر سمن نے پٹ پٹاتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا' اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ زین ہے جو ہر لحظہ اسے رلانے اور ستانے میں مہارت رکھتا تھا پھر اس کے آنسو دیکھ کر بھی نہ پگھلتا تھا اب سمن کو کوئی کیسے سمجھاتا کہ زین کے پر دل پر سمن کا نام نقش ہو چکا تھا۔ دل کے نہاں خانوں پر جب ایک مرتبہ کسی کا نام درج ہو جائے تو وہ پھر مٹ نہیں سکتا اگرچہ حالات و واقعات اس کے نقوش مدھم کر دیتے ہیں مگر ازل سے لکھا ہوا نام مٹتا نہیں ہے۔ اب زین کو احساس

ہو رہا تھا کہ اسے تو ایک عرصے سے سمن سے عشق تھا۔

''تم..... مگر بیٹا تم کیسے جاؤ گے؟'' زہرہ بیگم بھی اس کایا پلٹ پر محوِ حیرت ہوئیں۔

''کیوں چچی جان میں کیوں نہیں جا سکتا سمن کو چھوڑنے۔'' زین نے ہنس کر پوچھا۔

''ارے میرا یہ مطلب تھوڑا ہی تھا۔'' چچی جان جھینپ سی گئیں۔

''ٹھیک ہے اگر تم اپنی ذمہ داری پر اسے لینے اور چھوڑنے جا سکتے ہو تو مجھے قطعاً کوئی اعتراض نہیں۔'' یہ سنتے ہی سمن نے تیاری کے لیے دوڑ لگا دی' زین اس کی بچگانہ حرکت پر ہنس دیا پھر جب سمن بجی سنوری آئی تو زین کو لگا جیسے اس کا دل ہی دھڑکنا بھول گیا ہو۔ وہ مجسم سراپا حسن تھی' میرون کلر کے لانگ فراک اور پاجامے میں وہ کھلی زلفیں لیے اس کے گرم جذبوں کی حدت سے قطعاً انجان کھڑی تھی۔ جب وہ زین کے ہمراہ بائیک پر بیٹھی تو زین کو لگا جیسے وہ ہواؤں کے دوش پر اڑا جا رہا ہو۔ محبت اسے کشاں کشاں لیے جا رہی تھی' جبکہ ساتھ بیٹھی سمن کو دوست سے ملنے کی بے تابی تھی' وہ اپنے خیالوں میں اتنی منہمک تھی کہ جب بائیک ایک دم رکی تو وہ چونک سی گئی' زوبیہ اسے لینے باہر تک آئی تھی۔ پھر نجانے دونوں نے ایک دوسرے کے کانوں میں کیا کہا کہ دونوں کھلکھلا کر ہنس دی تھیں' زین واپس پلٹ گیا تھا۔

''واؤ یہ موصوف کون تھے؟'' زوبیہ نے رازدرانہ انداز میں اس سے پوچھا۔

''یہ میرے کزن ہیں۔'' اس نے بے فکری سے کہا۔

''بہت ہی ڈیشنگ پرسنالٹی ہے' بہت ہینڈسم ہے تمہارا کزن۔'' زوبیہ نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

''اچھا مجھے تو نہیں لگتا ایسا۔'' اس نے اعتنائی کی حد کر دی تھی۔

''ہاں وہ کیا کہتے ہیں کہ گھر کی مرغی دال برابر' ویسے کیا اس کی کہیں منگنی وگنی ہوگئی ہے؟'' زوبیہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

''ارے یہ تم نے کیا زین نامہ لگا دیا آتے ہی' سارا موڈ کرکرا کر دیا میرا۔ تم کیوں اتنے سوال کر رہی ہو؟'' سمن نے بدمزہ ہوتے ہوئے کہا' اسے زین کی اتنی تعریف اور زین کے نام کی تکرار قطعاً پسند نہ آئی تھی۔ زوبیہ اس کے انداز پر وقتی طور پر خاموش ہوگئی تھی اور حیرت زدہ بھی کہ سمن کیوں اتنی چڑچڑی ہو رہی تھی۔

❁......❁......❁

گھر میں کھلبلی سی مچ گئی تھی' نادیہ کی شادی میں کسی خاتون نے سمن کو دیکھا تھا اور انہیں سمن بے حد بھائی تھی اب وہ سمن کے لیے اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔ لڑکا پڑھا لکھا سلجھا ہوا تھا' کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق تھا پھر ان خاتون کا محبت بھرا اصرار دیکھ کر بمشکل سوچنے کی مہلت لی گئی تھی۔ گھر میں باہم مشورہ ہو رہا تھا۔

''سمن سے بھی اس بابت پوچھ لیا جائے تو بہتر ہے۔'' صبا بیگم نے مشورہ دیا۔

''بھلا سمن کیا کہے گی' وہ اتنی ناسمجھ ہے اسے اپنے برے بھلے کی کیا پہچان؟'' زہرہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''کہتی تو ٹھیک ہی ہو مگر آج کل کے دور میں بچوں کی رائے کو بھی اہمیت دینی چاہیے' بالآخر زندگی تو ان کو ہی گزارنی ہے۔'' سمن کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا جب سمن سے پوچھا گیا تو اس نے سر جھکا کر آمادگی ظاہر کر دی۔

وہ لوگ اگلے ہفتے باقاعدہ منگنی کی رسم کرنے آنے والے تھے' گھر کی چہ میگوئیاں جب زین کے کانوں میں پڑیں تو وہ بوکھلا کر رہ گیا۔ ابھی تو محبت نے اس کے دل پر دستک دی تھی' ابھی تو اس نے روپہلے خوابوں کی کرنوں کا عکس سمن کی آنکھوں میں اترتے بھی نہ دیکھا تھا کہ جدائی کا بھونچال آ گیا تھا۔ اسے یہ بات اس قدر گراں گزری تھی کہ اس نے سختی سے اپنے لب بھینچ لیے تھے اور اس نے دل میں پکا عہد کر لیا تھا کہ آج ہی صبا بیگم سے دو ٹوک بات کرے گا' وہ زین ہی کیا جو اپنی محبت کو یوں لٹتا ہوا دیکھتا رہے۔

❁......❁......❁

''امی یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں' زین اور میں......'' سمن کا مارے حیرت کے برا حال ہوا۔

''ہاں بیٹا اس میں حرج ہی کیا ہے' پھر زین کا ہی اصرار ہے کہ وہ شادی کرے گا تو صرف سمن سے' اب بتاؤ گھر کا دیکھا بھالا بچہ ہے۔ نہایت باادب اور نیک پھر چاہت بھرا دل لیے ہاں کا منتظر بھی۔ میں تو ہاں ہی کہوں گی سوچا ایک بار تم سے بھی بات کرلی جائے۔'' زہرہ بیگم تو تمام معاملات طے کیے بیٹھی تھیں۔

''امی میں ہرگز اس سے شادی نہیں کرسکتی' آپ کے لیے ہوگا ہونہار تابعدار مگر میرے حق میں تو وہ ہمیشہ ہی برا ثابت ہوا ہے۔'' وہ رونے والی ہوئی۔

''یہ تم کیسی بہکی بہکی باتیں کررہی ہو' ہوش میں تو ہو۔ میں نے تو بس رسماً ہی یہ بات کی تھی ورنہ میں اور تمہارے بابا گھر کا بچہ ہوتے ہوئے کیوں باہر کا رشتہ دیکھیں۔ ہم دونوں راضی ہیں' تم بھی اپنا دماغ درست کرلو' ایک دن ٹھنڈے دل سے اس کے بارے میں سوچ لو۔'' وہ ساری بات اس پر ڈال کر چل دی تھیں' سمن سخت شش و پنج میں تھی۔ زین کے لیے اس کے دل میں کبھی کسی جذبے نے سر نہیں ابھارا تھا بلکہ اس کی رائے زین کے متعلق خاصی بری رہی تھی۔ اگرچہ اب وہ سوچنے پر مجبور تھی کہ چند دنوں سے زین کیوں اسے تنگ نہیں کررہا تھا کیوں اس کی ہر بات پر لبیک کہہ رہا تھا۔ یہ معمہ تو حل ہوگیا تھا مگر اب وہ کیا کرتی کہ دل کسی طور پر بھی زین کے لیے آمادگی کا اظہار نہ کررہا تھا مگر سمن نے بھی جیسے ضد پکڑلی تھی وہ زین کے لیے اپنے دل کے بند دروازے وا نہیں کرے گی۔

زین تک بھی سمن کی خاموشی اور لب بستگی کی داستان پہنچ چکی تھی' وہ چاہتا تھا کہ کسی طور سمن کو آمادہ کرے۔ ایک فطری جھجک سی تھی جو زین کی خوشیوں میں دیوار بن رہی تھی۔ وہ چاہ کر بھی اسے آمادہ نہ کر پارہا تھا پھر ایک دن اسے سمن تنہا بیٹھی دکھائی دی اور اس نے بات کرنے کی ٹھان لی۔

''سمن......'' زین نے اسے پکارا' وہ گہری سوچوں میں غلطاں تھی اپنے استغراق سے بری طرح چونکی۔

''جی کیا بات ہے۔'' زین پر نگاہ پڑتے ہی اس نے اجنبیت اور کھردرے لہجے میں پوچھا۔ زین اس کی بے

اعتنائی پر بری طرح سٹپٹا کر رہ گیا۔

''کیا میں تمہارے انکار کی وجہ دریافت کرسکتا ہوں؟'' زین نے گمبھیر لہجے میں پوچھا۔

''بالکل بھی نہیں کیونکہ میں آپ کو جوابدہ نہیں ہوں۔'' وہ رکھائی سے بولی۔ اس کی بات پر زین کی آنکھوں میں محبت کے جگنوؤں نے اپنی روشنائی جیسے کھو سی دی تھی۔ کیا وہ اس سے اتنی ہی بےزار اور متنفر تھی؟ وہ محض سوچ کر رہ گیا چند لمحات میں وہ سا کن کھڑا اس کی جانب سے مزید کسی بات کا منتظر تھا مگر وہ ہنوز خاموشی کی چادر اوڑھے بیٹھی تھی، وہ بےحد خاموشی سے واپس پلٹ گیا۔

''ثمن میں یہ نہیں کہتی کہ تم میرے بھائی سے زبردستی شادی کرو مگر یہ ضرور کہوں گی کہ جس چاہت سے زین تمہارا طلب گار ہے اور جس طرح میری امی تمہیں بالکل ماؤں کی طرح پیار کریں گی وہ تم بخوبی جانتی ہو۔ کسی اور آشیانے میں تمہیں وہ خوشی اور آسودگی نہیں مل سکتی۔ ہم سب بچپن سے ساتھ پروان چڑھے ہیں، نہ ہم روایتی نندیں ثابت ہوں گی، نئے گھر میں ایڈجسٹ کرنا بہت مشکل ہوگا، خاص کر تمہارے لیے کیونکہ تم تو کبھی بھی نا سننے کی روادار نہیں رہی ہو۔ ان تمام نکات پر خوب اچھے سے غور کرلینا، ورنہ میرے بھائی کو بھی اچھی لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں۔ زوبی خالہ نے بھی کئی بار زین کو اپنا بیٹا بنانے کی چاہت ظاہر کی ہے اور مجھے ردا بہت پسند ہے، بہت سادہ سی ہے مگر وہ رشتوں میں احترام کی قائل ہے۔'' عابدہ تو یہ سب کہہ گئی تھی، مگر ثمن کے ذہن میں لامتناہی سوچوں کا امڈ آنے والا سیلاب تھا کہ رک ہی نہیں رہا تھا ردا اسی لیے ہر ہفتے ملنے آجاتی تھی۔

ساری گفتگو میں اسے ردا کی بات ہی کھلنے لگی تھی، ردا کا بارہا آنا نت نئی ڈشز پکا پکا کر وہ بھی تائی جان کو پیش کیا کرتی تھی۔ وہ بھی اس کے اس انداز محبت پر وارے صدقے جاتی تھیں، نامعلوم کیوں ایک ٹیس سی تھی جو ثمن کے دل میں اٹھی تھی۔ وہ اس کو کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھی پھر عابدہ کا یہ کہنا وہ بھی ردا سے خاص الفت رکھتی تھی۔ اپنے اندر ایک خاص معنی رکھتا تھا وہ نجانے کیوں اس نہج پر سوچ رہی تھی، اگرچہ وہ زین کے حوالے سے کوئی بھی جذبہ نہ رکھتی تھی۔ اسے لگا وہ جیسے ہارنے لگی ہو۔

زین خاصی دیر سے نوٹ کررہا تھا کہ کھانے کی میز پر بیٹھی ثمن بےحد چپ سی تھی وہ کن انکھیوں سے گاہے بگاہے سامنے بیٹھی ردا پر نگاہ ڈال لیتی تھی۔ ردا صبا بیگم کے پہلو سے لگی بیٹھی تھی اور نجانے کون کون سی روداد سنا رہی تھی۔

''خالہ جانی یہ کسٹرڈ کتنا لذیز ہے؟'' ردا چہکی۔

''ہاں بیٹا میں نے خاص طور پر تمہارے لیے بنوایا ہے تمہیں پسند بھی تو بہت ہے۔'' صبا بیگم نے محبت پاش لہجے میں جواب دیا۔ ثمن اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گئی۔

''اور بھئی زین، کہاں گم ہوتے ہیں جناب؟'' ردا اب زین کی جانب متوجہ ہوئی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں اور یہیں ہوتا ہوں۔'' زین نے مسکرا کر جواب دیا۔ اچانک ہی ثمن نے چمچ پلیٹ میں پٹخا اور اٹھ کر وہاں سے چلی گئی، زین سمیت سب نے ہی ثمن کی اس حرکت کو محسوس کیا۔

ردا چند دنوں کے لیے یہاں رہنے آئی تھی، وہ پہلے بھی یہاں رہنے کی غرض سے آیا کرتی تھی۔ صبا بیگم اپنی اس بھانجی کی آؤ بھگت میں کوئی کمی روا نہ رکھتی تھیں مگر اس بار تو ثمن بڑی شدت سے محسوس کررہی تھی کہ ردا سے تائی جان کو خاص لگاؤ تھا۔ شام کو عابدہ، ردا اور زین خوش گپیوں میں مصروف نظر آتے تھے۔ نجانے کیوں کس بات کا قلق تھا کہ ثمن کو ردا کی یہ اہمیت ایک آنکھ نہ بھا رہی تھی، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ردا کو اس منظر سے پس منظر کا حصہ بنا دے۔

''تم نے کیا سوچا ہے پھر؟'' زہرہ بیگم نے اس سے پوچھا۔

''زین کے حوالے سے ہاں کروں یا اس نئے آنے والے رشتے کے حوالے سے؟'' زہرہ بیگم نے اس پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا، انہیں اس وقت ثمن کچھ الجھی الجھی سی دکھائی دے رہی تھی۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ باہر سے گزرتے زین نے جب اپنا نام سنا تو وہ ٹھٹک کر رک گیا تھا۔ دم سادھے وہ بھی ثمن کے جواب کا منتظر تھا۔

''امی کیا فائدہ زین کے رشتے پر ہاں کہنے کا جبکہ میں دیکھ چکی ہوں کہ زین سمیت سبھی اہل خانہ کی دلچسپی فقط ردا کی جانب مبذول ہے۔ وہ سب ہر وقت اس کے آگے پیچھے پھرتے رہتے ہیں' یہاں میری کہاں گنجائش نکلتی ہے۔''سمن کی آواز میں ایک کرب تھا۔

''چندا ہر انسان کی اپنی جگہ اپنا مقام ہوا کرتا ہے' ردا ان کی بھانجی ہے ان کا خون ہے وہ کیونکر اس سے پیار نہ کریں۔ تم رشتوں کو ان کے اصل مقام پر رکھ کر سوچو تو یہ سب نارمل ہے' اس انداز سے مت پرکھو جس انداز سے تم پرکھ رہی ہو۔'' زہرہ بیگم نے اسے پیار سے سمجھایا۔

''اور زین کیا وہ بھی بھید بھاؤ کا قائل نہیں' آپ نے دیکھا نہیں کل کس طرح ردا کی بات پر اس کے دانت نکل رہے تھے۔''سمن کی بات پر وہ بے ساختہ ہنس دیں۔

''ارے پگلی' ہنسنے سے کیا ہوتا ہے' وہ تو تجھے ہی چاہتا ہے' باؤلا بنا پھرتا ہے۔'' وہ ہنس دیں مگر وہ ہنوز خاموش اور سنجیدہ صورت لیے بیٹھی رہی۔

''آپ ایک دفعہ زین سے پوچھ لیں اگر اب بھی اس کے دل میں میرے لیے کوئی جگہ باقی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' اس نے سر جھکایا اور زہرہ بیگم نے اس کی پیشانی پر بڑھ کر بوسہ لیا' باہر زین کے دل میں گویا شگوفے کھل گئے تھے۔

''ہونہہ تو محترمہ حسد کی آگ میں جل رہی تھیں۔'' زین نے پُرسوچ انداز میں زیرلب کہا اور مطمئن سوچ و شاد پلٹ گیا۔

❁......❁......❁

گھر کے عقبی لان میں زین اور سمن دوسری جانب خرم اور عابدہ کی منگنی کی تقریب رکھی گئی تھی۔ دونوں بھاوجوں کے چہرے شادمانی سے معمور تھے' ہر جانب خوشیوں نے اپنے پنکھ پھیلا دیئے تھے۔

پہلے خرم نے عابدہ کے دائیں ہاتھ کی انگلی میں منگنی کی انگوٹھی پہنائی' عابدہ اور خرم کے سرشار چہرے دیکھ کر ان کی مائیں کھل رہی تھیں۔ دوسری جانب زین نے بڑھ کر سمن کی مخروطی انگلی میں انگوٹھی پہنائی تو تالیوں کی گونج نے ماحول کو جلترنگ سا کر دیا تھا۔ سب کے دل خوشی سے شاد تھے مگر سمن بے حد خاموش اور مضمحل سی بیٹھی تھی۔ چند دنوں سے زین نے اسے جلانے اور ستانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا تھا۔ ردا سے ہنس ہنس کر باتیں کرتا اور جب سمن کا وہاں سے گزر ہوتا تو یہ ہنسی قہقہے میں بدل جاتی تھی۔ اب یہ تو سمن ہی کی ہمت تھی کہ وہ اپنے بھرے ہوئے نین کٹورے کمرے میں جا کر بند ہو کر بہاتی تھی اور سب کے سامنے ضبط کا مظاہرہ کرتی۔ دیر سے ہی سہی اس پر بھی آگہی کا در وا ہو گیا تھا کہ وہ بھی زین کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' زین نے محبت پاش نظریں اس کے چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے پوچھا۔

''آپ سے مطلب؟'' وہ تیکھے انداز میں دوبدو بولی۔

''مطلب تو سارے مجھ سے ہی نکلتے ہیں' ویسے کتنا خوش کن سال ہوگا ناں کل یکم جنوری ہے نئے سال کا پہلا تحفہ تو مجھے مل ہی گیا۔'' وہ نا سمجھی سے تکنے گی۔

''کتنی بدھو ہو تم' ہر بات سمجھانی پڑتی ہے۔ نئے سال میں تمہاری یہ سنگت مجھے تحفے میں ہی تو ملی ہے۔'' زین کی بات پر اس کا سر از خود جھکتا چلا گیا۔ شرمگیں مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کر لیا تھا۔

''اُف شرماتے ہوئے تم کتنی اجنبی سی لگ رہی ہو' مجھے تو وہ لڑنے والی بلی پسند ہے جو ہر وقت پنجے مارتی ہے۔'' زین نے ہنس کر کہا تو سمن مسکرانا بھول کر اسے غصیلی نگاہوں سے دیکھنے لگی مگر زین کی نگاہوں میں رقصاں محبت دیکھ کر دوبارہ سر جھکا گئی۔ واقعی نئے سال میں اسے زین کی چاہت کے انوکھے رنگ ملے تھے۔

شبِ ہجر کی پہلی بارش

نازیہ کنول نازی

قسط نمبر 30

سنا تھا ہم نے منزل قریب آ پہنچی
کہاں ہیں آپ، اگر ہو سکے صدا دیجے
سحر قریب سہی پھر بھی کچھ بعید نہیں
چراغ بجھنے لگے ہیں تو لو بڑھا دیجے



گزشتہ قسط کا خلاصہ

سین نمبر ۱ میں عدینہ حیران بیٹھی درمکنون کو مخاطب کرتی ہے اور اسے ذہنی طور پر ٹارچر کرنے کی کوشش کرتی ہے جب عائلہ اس کی انسلٹ کر کے اسے چپ کرا دیتی ہے۔ صیام دبئی کی کمپنی کا کانٹریکٹ جیت لیتا ہے مگر اسے اس جیت کی کوئی خوشی نہیں ہوتی۔

سین نمبر ۲ میں درمکنون آفس میں اکیلی بیٹھی عدینہ اور صیام کے بارے میں سوچتی ہے ساتھ ہی اپنے برے حالات کے بارے میں تبھی زاویار وہاں آتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ وہ اس کی ڈوبتی ہوئی کمپنی کو اپنی نگرانی میں لے رہا ہے' ساتھ ہی عائلہ کی جگہ اشعر نامی شخص کو بطور پرسنل سیکرٹری وہاں ہائر کر دیتا ہے۔ عائلہ کو وہ صمید حسن صاحب کی دیکھ بھال کے لیے گھر میں رکھتا ہے ساتھ ہی ساتھ وہ اسے اپنے نئے تعمیر ہونے والے گھر کے بارے میں بھی بتاتا ہے اور اتنی دیر تک آفس میں اکیلی بیٹھنے پر خوب ڈانٹتا بھی ہے۔

سین نمبر ۳ میں وہ دونوں گھر آتے ہیں تو زاویار عائلہ کو اپنے ساتھ گھر چلنے پر راضی کرتا ہے زاویار کے بہت زیادہ اصرار پر وہ مان جاتی ہے یہیں درمکنون اسے شہزاد کے بارے میں بتاتی ہے۔

سین نمبر ۴ میں عائلہ زاویار کے ساتھ اس کے گھر آ کر صمید صاحب کو دیکھتی ہے تو اس کا دل بے حد دکھتا ہے وہ اپنی تمام سرگرمیاں چھوڑ کر صمید صاحب کی خدمت کرتی ہے جس پر زاویار اس کا بہت ممنون ہوتا ہے۔

سین نمبر ۵ میں شہزاد کی اس خدشے کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ اسے شیر دل نے ہی اغوا کیا تھا' لہٰذا وہ اس کے سامنے آ کر ہوشیاری سے کام لیتی ہے اور اسے بھی اپنے فریب میں لینے کی کوشش کرتی ہے وہ اسے بتاتی ہے کہ اسے اب بھی اس سے محبت ہے شیر دل اس کے داؤ میں آ جاتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ وہ دنیا والوں کی نظر میں سرخرو ہونے کے لیے فرضی عدت پوری ہوتے ہی اس سے نکاح کرلے گا شہزاد حامی بھر لیتی ہے۔

سین نمبر ۶ میں ایلی پرہیان کو ساویز آفندی کی والدہ کی رحلت کا بتاتا ہے ساتھ ہی وہ اسے تاکید کرتا ہے کہ وہ ساویز سے اظہار افسوس کرے پرہیان حامی بھر لیتی ہے۔

سین نمبر ۷ میں درمکنون زاویار کے اپائنٹ کیے سیکرٹری اشعر ہمدانی کے ساتھ کام شروع کر دیتی ہے' اشعر شادی شدہ ہے اور اس کی ایک چھوٹی سی بیٹی ہے جس میں اس کی جان ہے مگر اس کی بیوی دو سال سے ناراض ہو کر میکے بیٹھی ہے۔ اس کی ضد ہے کہ اشعر اسے علیحدہ گھر لے کر دے مگر اشعر یہ بات ماننے کو تیار نہیں' اشعر ہمدانی اپنی ہر بات میں سچا اور ایمان دار ہے وہ اشعر کے ساتھ اسید رحمانی کے گھر جاتی ہے جہاں صیام اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر وہ نظر انداز کر کے زاویار کو ائیر پورٹ چھوڑنے آ جاتی ہے۔

سین نمبر ۸ میں صیام مارکیٹ میں عبدالحنان سے ملتا ہے جہاں عبدالحنان اسے درمکنون کے بارے میں بتاتا ہے کہ اس کی سابقہ منگیتر نے درمکنون کی انسلٹ کی تھی۔ صیام کو درمکنون کی بے رخی کی وجہ سمجھ میں آ جاتی ہے۔

سین نمبر ۹ میں پرہیان کیب سے اتر کر اپنے آفس کی طرف بڑھ رہی ہوتی ہے جب زاویار اسے پکار لیتا ہے بعد ازاں وہ اس سے اپنے رویے کی معافی مانگتا ہے پرہیان اسے عائلہ کا خیال رکھنے کی تاکید کرتی ہے' یہیں زاویار اسے ایلی کے بارے میں ہدایت کرتا ہے مگر پرہیان اسے مایوس کر دیتی ہے۔

سین نمبر ۱۰ میں شہزاد شیر دل کے ایک ملازم کے ہاتھ ذبح ہوئے ککڑوں میں اپنی ایک بالی رکھ کر حویلی میں عبدالہادی کو پیغام بھجواتی ہے عبدالہادی وہ بالی دیکھ کر تہہ تک پہنچ جاتا ہے اور اپنے ایک ڈی ایس پی دوست تعظیم رانا کو کال کر کے الرٹ کر دیتا ہے۔ دوسری طرف شیر دل بھی ککڑوں میں وہ بالی دیکھ لیتا ہے بعد ازاں دوسری بالی شہزاد کے کان میں دیکھ کر وہ بھی معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔

سین نمبر ۱۱ میں زاویار پرہیان کو گھر ڈراپ کر کے اپنے اپارٹمنٹ چلا جاتا ہے اگلی صبح درمکنون اسے ائیر پورٹ ڈراپ کرنے اس کے اپارٹمنٹ چلی آتی ہے یہیں وہ زاویار سے پوچھتی ہے کہ اگر درمکنون نے اسے کہا تو کیا وہ اسے چھوڑ دے گا زاویار اس بات پر اسے ڈانٹ دیتا ہے۔

سین نمبر ۱۲ میں ساویز پرہیان سے ملتا ہے اور اس سے اپنے رویے کی معافی مانگ کر اسے منا لیتا ہے۔

اب آگے پڑھیے

کہو وہ دشت کیسا تھا
جدھر سب کچھ لٹا آئے
جدھر آنکھیں گنوا آئے
کہا سیلاب جیسا تھا بہت چاہا کہ بچ نکلیں
مگر سب کچھ بہا آئے
کہو وہ ہجر کیسا تھا کبھی چھو کر اسے دیکھا؟
تو تم نے کیا بھلا پایا؟
کہا بس آگ جیسا تھا اسے چھو کر تو اپنی روح اور
تن من جلا آئے
تمہیں جب چھو لیا اس نے تو کیا احساس جاگا تھا؟
کہا اک راستے جیسا' جدھر سے بس گزرنا تھا مکاں لیکن بنا آئے
کہو وہ چاند کیسا تھا؟
فلک سے جو اتر آیا
تمہاری آنکھ میں بسنے
کہا وہ خواب جیسا تھا نہیں تعبیر تھی اس کی
اسے اک شب سلا آئے
کہو وہ عشق کیسا تھا
بناء سوچے بناء سمجھے بناء پرکھے کیا تم نے
کہا تتلی کے رنگ جیسا' بہت کچا انوکھا سا
جبھی اس کو بھلا آئے
کہو وہ نام کیسا تھا؟
جسے صحراؤں اور چنچل ہواؤں پر لکھا تم نے
کہا بس موسموں جیسا نجانے کس طرح کس پل
کسی رو میں مٹا آئے

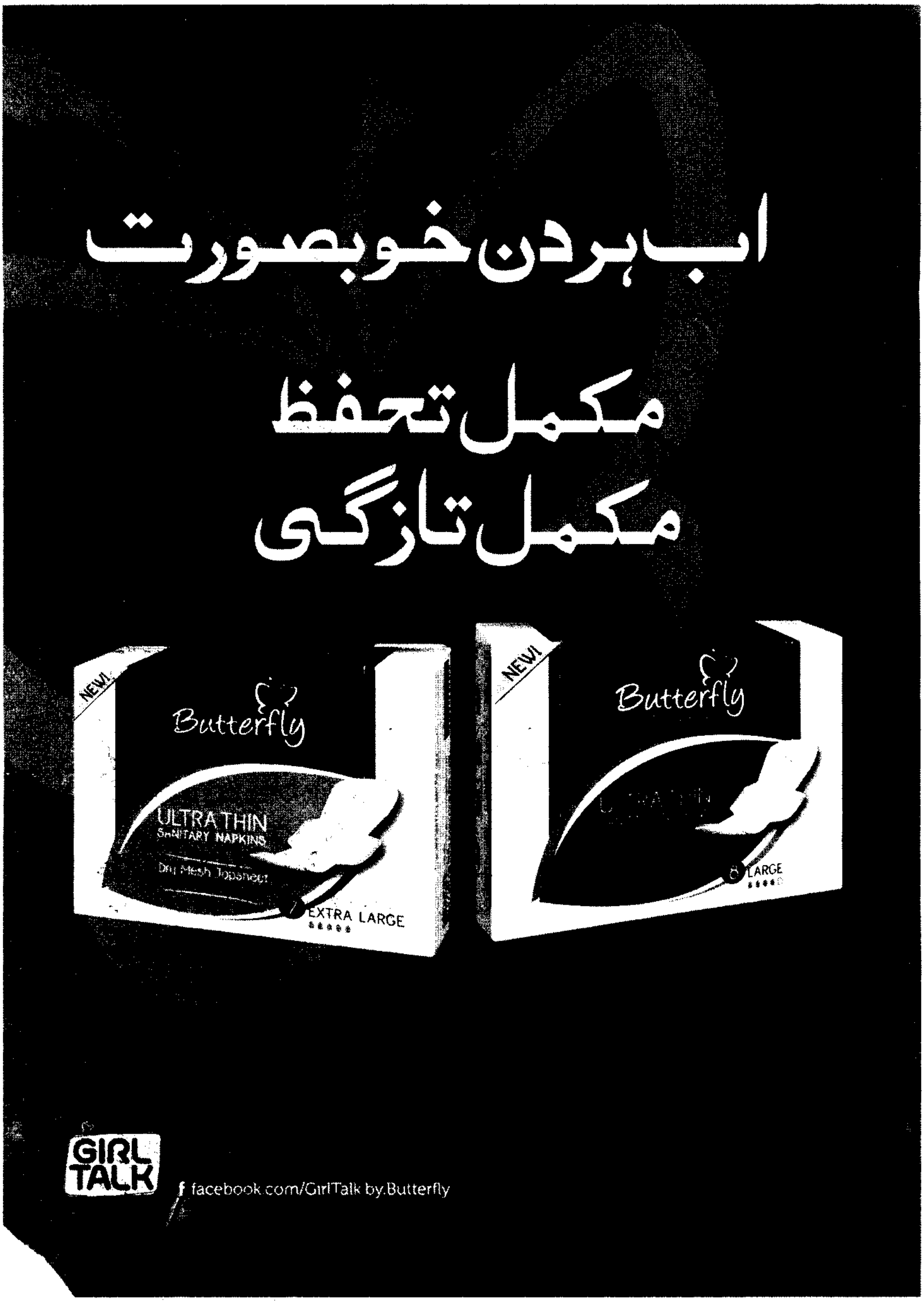
شب کے ڈھائی بجے تھے جب زاویار کے قدموں نے اسلام آباد ائیرپورٹ کی زمین کو چھوا' عمارت سے باہر آتے ہی سرد برفیلی ہواؤں نے اس کے پورے وجود پر کپکپی سی طاری کردی تھی۔ اس نے ڈرائیور کو کال کرنے کا سوچا مگر پھر خود ہی اپنی سوچ کی نفی کرکے ٹیکسی ہائر کرلی' تھکن سے چور بدن کے ساتھ جس وقت وہ گھر پہنچا عائلہ جاگ رہی تھی۔ وہ اپنا بیگ سائیڈ پر رکھ کر وہیں لاؤنج میں صوفے پر عائلہ کے برابر ہی بیٹھ گیا۔

"السلام علیکم! اتنی رات گئے جاگ رہی ہو' خیر ہے؟"

"وعلیکم السلام! آپ کہاں سے آرہے ہیں؟"

"لندن سے۔"

"ہسپتال نہیں گئے؟"



WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"نہیں' کیوں؟"

"دری کی کال آئی تھی' پھوپو کی حالت تسلی بخش نہیں ہے۔"

"کب کال آئی تھی؟"

"ابھی بیس منٹ پہلے صمید انکل بھی وہیں گئے ہیں۔"

"او کے' میں دیکھتا ہوں کیا صورت حال ہے' تم دعا کرنا میری ماں کو کچھ نہ ہو۔" آنکھوں کے گوشوں میں ہلکی سی نمی کے ساتھ بناء اپنی تھکن کی پروا کیے وہ انہی قدموں واپس پلٹ گیا۔

ہسپتال کی لابی میں صمید حسن صوفے پر دیوار سے سر ٹکائے بیٹھے اسے بے حد نڈھال لگے' زاویار دانستہ انہیں نظر انداز کرتا آگے بڑھ گیا۔ مریرہ کی سانس ٹوٹ رہی تھی' ڈاکٹرز اس کے وجود کا سانسوں سے ربط جوڑے رکھنے کے لیے ہر ممکن کوشش کررہے تھے۔ عمر عباس پچھلی دو راتوں سے ایک منٹ کے لیے بھی وہاں سے کہیں نہیں گیا تھا' درمکنون کی حالت غیر ہورہی تھی زاویار نے پاس جاکر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"حوصلہ رکھو' مما کو کچھ نہیں ہوگا۔"

"ڈاکٹرز نے جواب دے دیا ہے بھائی......" وہ بلک رہی تھی' زاویار نے ہونٹ بھینچ لیے۔

"تو کیا ہوا ڈاکٹروں کے ڈاکٹر نے تو جواب نہیں دیا ناں' اس کا در ابھی بھی کھلا ہے میں اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں۔" وہ دلگرفتہ ضرور تھا مگر مایوس نہیں' درمکنون نے آنسو پونچھ لیے۔

"دعا کرو بس' سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔" مکمل اعتماد اور یقین کے ساتھ اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا' درمکنون کے دل کی بے کلی کو قدرے قرار آ گیا تھا۔

واقعی ڈاکٹروں کے ڈاکٹر کا در کھلا تھا' اس کے پاس سے جواب نہیں آیا تھا ابھی' وہ ہر چیز پر قادر تھا' زاویار وہاں سے سیدھا مسجد چلا آیا۔ تہجد کا وقت ہورہا تھا ہر طرف سکون کی چادر تنی تھی' وہ وضو کرکے جائے نماز پر آ بیٹھا۔ دل تھا کہ گزرتے ہر پل کے ساتھ جیسے کٹتا جارہا تھا' ابھی دو نفل حاجت کے پڑھنے کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو جیسے ہر سانس دعا بن گئی' آنسوؤں کے موتی آپ ہی آپ گریبان میں جذب ہونے لگے تھے' وہ گڑگڑانے لگا۔

"اے اللہ! اے پاک بے و نیاز میں گناہ گار تیری رحمت اور بخشش کے قابل نہیں ہوں نہ ہی اس قابل ہوں کہ تُو میری طرف متوجہ ہوکر میری دعا سنے مگر تُو میری اوقات مت دیکھ' تُو اپنی رحمت کے سمندر کی طرف دیکھ' تیرے لیے میری جھولی مرادوں سے بھر دینا کیا مشکل ہے میرے مالک! اے اللہ سارے در بند ہوگئے ہیں ایک تیرا در کھلا ہے۔ ڈاکٹرز نے میری ماں کی زندگی سے مایوسی کا اظہار کردیا ہے مگر تُو مالک کل ہے تُو سب ڈاکٹروں کا ڈاکٹر ہے۔ اے مالک تیری ذات وہ پاک ذات ہے کہ کوئی کافر بھی سو سال تک یا صنم یا صنم کہتے ہوئے غلطی سے ایک بار صمد کہہ دے تو تیری رحمت فوراً پکارتی ہے جی میرے بندے' میں تو تیرے محبوب کا امتی ہوں' اللہ! کہاں جاؤں اگر تُو نے میری دعا نہ سنی؟ تیرے در سے کبھی کوئی مایوس نہیں لوٹا مالک! میں کیسے مایوس ہوجاؤں؟ تیرے ہاتھ میں میری ماں کی زندگی ہے تُو چاہے تو کیا نہیں کرسکتا؟ اے خالق کائنات' مجھے میری ماں کی زندگی لوٹادے۔ اے پروردگار! میں نے تیری رضا کے لیے خود کو سر سے لے کر پاؤں تک بدل ڈالا' سارے ٹوٹے ہوئے تعلق پھر سے جوڑ لیے' تیری بارگاہ میں اگر میرا یہ عمل قبولیت کے قابل ہے تو میرے اسی عمل کے صدقے میری ماں کی زندگی بچالے۔ اے اللہ! پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور بھیک میں مجھے میری ماں کی زندگی عطا فرمادے' اے پروردگار تیرے در سے کوئی حاجت مند خالی ہاتھ نہیں لوٹا' میں کیسے مایوس ہوجاؤں' کس کا در ہے تیرے در کے سوا' جہاں جاکر میں اپنی دعا کی قبولیت کی امید رکھوں۔ اے مالک تُو میرا یقین ہے' مجھے بے آسرا نہ چھوڑ میں اپنے غم کی فریاد تیرے سوا کسی سے نہیں کروں گا۔" بارگاہِ الٰہی میں دعا کے لیے دونوں ہاتھ پھیلائے وہ زار و قطار رو رہا تھا اور چاندنی کرنیں جیسے اسے اپنی آغوش میں لے رہی تھیں۔ دوسری طرف مریرہ ہنوز ایمرجنسی وارڈ میں تھی۔

عمر عباس کا سودائیوں سا حلیہ اس کے اندر کے کرب کو واضح کررہا تھا' پچھلے تین روز سے وہ ایک پل کے لیے بھی وہاں سے کہیں

نہیں گیا تھا' زاویار اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔
ڈاکٹرز جسم سے روح کا تعلق بنائے رکھنے کے لیے سر توڑ کوشش کر رہے تھے' درمکنون کے آنسو کسی طور رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ سب کی آنکھیں ایمرجنسی کے بند دروازے پر لگی تھیں تبھی ڈاکٹر اسد باہر نکل آئے' زاویار لپک کر ان کے قریب گیا۔
''ڈاکٹر صاحب...... کچھ بہتری آئی مما کی حالت میں؟''
''نہیں مسٹر زاویار' اللہ کی مرضی اور مصلحت کے سامنے ہم سب انسان بے بس ہیں' آپ دعا کیجیے اللہ آپ کی والدہ کے حق میں آسانی فرمائے اور ان کا آخرت کا سفر سہل ہوجائے۔'' ڈاکٹر اسد کے لبوں سے نکلنے والے لفظ سانپ اژدھوں سے کم نہیں تھے تبھی شدت سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ پیچھے ہٹا تھا۔
''نہیں' میری ماں کو کچھ نہیں ہوگا' میں جانتا ہوں میری ماں کو کچھ نہیں ہوگا۔ وہ آئیں گی زندگی کی طرف واپس...... میں نے جہاں درخواست کی ہے وہاں سے خیر ملتی ہے' ریجیکشن نہیں ملتی' سنا آپ نے......'' ڈاکٹر اسد اس کی حالت سمجھ سکتے تھے تبھی خاموشی سے آگے بڑھ گئے تاہم عمر عباس کو لگا جیسے وہ پتھر کا ہوگیا ہو۔ مریرہ کے بغیر بھلا زندگی اس کے لیے کیا معنی رکھتی تھی؟
کیا وہ یہ صدمہ آسانی سے برداشت کرسکتا تھا؟ اس نے دیکھا درمکنون کی حالت غیر ہورہی تھی' باہر صمید حسن کے اعصاب جیسے اب تھکنے لگے تھے' وہ کس کس کو تسلی دیتا؟ ایک مریرہ رحمان کے ساتھ بہت سی زندگیاں جڑی تھیں' یہ بات وہ اس برف کے مجسمے کو کیسے بتاتا تبھی زاویار کو درمکنون کا خیال رکھنے کی تاکید کرتا وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔
وہ رات بہت تکلیف دہ تھی۔ مریرہ رحمان کی ذات سے جڑے ہر رشتے کے لیے وہ رات بہت تکلیف دہ تھی۔

❁......❁......❁

چوبیس گھنٹے وینٹی لیٹر پر زندگی اور موت کے درمیان جھولنے کے بعد بالآخر مریرہ رحمان کے دل کی دھڑکن معمول پر آ گئی تھی۔ ایسا ایک ہزار افراد میں کسی ایک فرد کے ساتھ ہوتا تھا' مریرہ رحمان ان ایک ہزار افراد میں وہ واحد خوش نصیب تھی۔ ڈاکٹرز میں جیسے کھلبلی سی مچ گئی' وینٹی لیٹر پر پڑے کسی مریض کا زندگی کی طرف واپس پیش قدمی کرنا کسی کرشمے سے کم نہیں تھا۔
زاویار کی آنکھیں بھیگتی رہیں' اللہ رب العزت کے حضور اس کے سجدے مزید طویل ہوگئے تھے۔ عمر عباس اپنا سب کچھ بھول کر مریرہ کے بستر سے لگ کر بیٹھ گیا' زاویار مسجد سے ہسپتال آیا تو اس کا چہرہ شدت گریہ سے سرخ ہورہا تھا۔ عمر درمکنون کو گھر چھوڑنے گیا تھا وہ مریرہ کے سرد ہاتھ اپنے گرم ہاتھوں میں لے کر پاس بیٹھ گیا۔
''مما میں جانتا ہوں آپ مجھے سن رہی ہیں' محسوس کررہی ہیں' برین سسٹم متاثر نہیں ہوا ہے آپ کا پلیز اپنی وِل پاور کا استعمال کریں' پوری طاقت لگا کر آنکھیں کھولنے کی کوشش کریں' پلیز۔'' وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا' برف کے مجسمے کی طرح ساکت مجسمہ سب سنتا رہا' تبھی اس نے مریرہ کا ہاتھ چوم لیا۔
''آپ میرے ساتھ ٹھیک نہیں کررہی ہیں مما...... ہم میں سے کسی کے ساتھ ٹھیک نہیں کررہی ہیں آپ' مگر پھر بھی میری دعائیں آپ کو جانے نہیں دیں گی' بڑی اونچی جگہ آپ کی زندگی کے لیے درخواست جمع کروا کر آیا ہوں میں' سنا آپ نے۔'' وہ رو رہا تھا مگر سامنے پڑے مجسمے کی بے حسی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔
رات کی تاریکی پھر سے ہر ایک شے کو نگلنے لگی تھی' عمر درمکنون کو بمشکل گھر چھوڑ کر آیا تو زاویار کو وہاں بیٹھے دیکھ کر گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ قریب آ کر اس نے زاویار کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
''تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ گھر جا کر آرام کرو۔''
''مجھے آرام کی ضرورت ہے اور آپ کو......؟'' اپنا ہاتھ عمر عباس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے اس نے ذرا سی گردن موڑی۔
''میں ٹھیک ہوں' مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے ویسے بھی یہ میرا اور میرو کا ذاتی معاملہ ہے اگر اس کی جگہ میں یہاں پڑا ہوتا تو پتا نہیں یہ کیا کیا کرتی' بچپن سے رشتہ ہی ایسا ہے ہمارا ایک دوسرے کے ساتھ۔''
''میں سمجھتا ہوں مگر آپ مسلسل تین دن اور تین راتوں سے جاگ رہے ہیں آپ کو آرام کی سخت ضرورت ہے۔''
''سو جاؤں گا میں' بس یہ جاگ جائے۔'' اس کا لہجہ بھیگا تھا' زاویار کا دل کٹ کر رہ گیا' اٹھ کر عمر کے گلے لگتے ہوئے وہ

پھر رو پڑا تھا۔

"آپ کو نہیں لگتا یہ ایک دن جاگ جائیں گی۔"

"ہوں' ان شاء اللہ۔" زاویار کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے اس نے بمشکل اپنے ضبط کا بھرم رکھا تبھی اس کی نگاہ مریرہ رحمان پر پڑی اسے لگا وہ بہت پُرسکون ہے' وہ مسکرا دیا۔ بے حد زخمی سی مسکراہٹ فوراً سمٹ بھی گئی۔

زاویار اس کی ضد پر گھر جاچکا تھا' وہ ساری رات گلاس ونڈو میں کھڑا گزرے ہوئے وقت کی دھول چاٹتا رہا۔

❀......❀......❀

اس رات بہت بارش ہوئی تھی' درمکنون نے تہجد کی نماز میں سجدے سے سر اٹھایا تو اس کی آنکھوں سے جیسے لہو ٹپک رہا تھا۔ مریرہ کس حال میں تھی اسے کوئی خبر نہیں تھی تاہم اس کا دل پُریقین اور پُرسکون تھا کہ اس کی ماں ایک دن ضرور زندگی کی طرف واپس پلٹ آئے گی۔

رات قطرہ قطرہ پگھلتی رہی تھی' اگلی صبح وہ زاویار اور عمر کے ساتھ ہسپتال میں ڈاکٹر اسد کے آفس چلی آئی۔ ڈاکٹر اسد مریرہ کے تفصیلی چیک اپ سے فارغ ہوکر اپنے آفس میں آئے تو انہیں اپنا منتظر پایا۔

"اب کیسی طبیعت ہے مما کی ڈاکٹر صاحب؟" اس کی آنکھیں اندر کے حال کی بخوبی عکاسی کررہی تھیں۔ ڈاکٹر اسد ریلیکس ہوکر بیٹھ گئے۔

"پہلے سے کافی بہتر ہیں' اللہ سے اچھی امید رکھیں اس کے ہاتھ میں ہر ذی روح کی جان ہے وہ چاہے تو کیا نہیں کرسکتا۔"

"بے شک...... مگر کیا آپ بتاسکتے ہیں کہ موجودہ حالت میں ان کے زندگی کی طرف واپس پلٹنے کی کتنی امید کی جاسکتی ہے؟"

اس بار عمر عباس نے پوچھا' زاویار خاموش بیٹھا ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سنتا رہا۔

"دیکھیے مسٹر عمر' بیماری کوئی بھی ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور اس سے نجات بھی وہی دیتا ہے جہاں تک آپ کی عزیزہ کا سوال ہے تو ابھی ان کی حالت پہلے سے کافی بہتر ہے۔ ہمیں امید نہیں تھی کہ اپنی سابقہ حالت میں وہ زندگی کی طرف کوئی پیش رفت کرسکتی ہیں بہرحال اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ان کے برین سسٹم پر کوئی ضرب نہیں آئی ورنہ ان کا زندگی کی طرف واپس پلٹنا ممکن نہیں تھا۔"

"میں سمجھا نہیں ڈاکٹر صاحب؟ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں کہ مریرہ اب خطرے سے باہر ہیں۔"

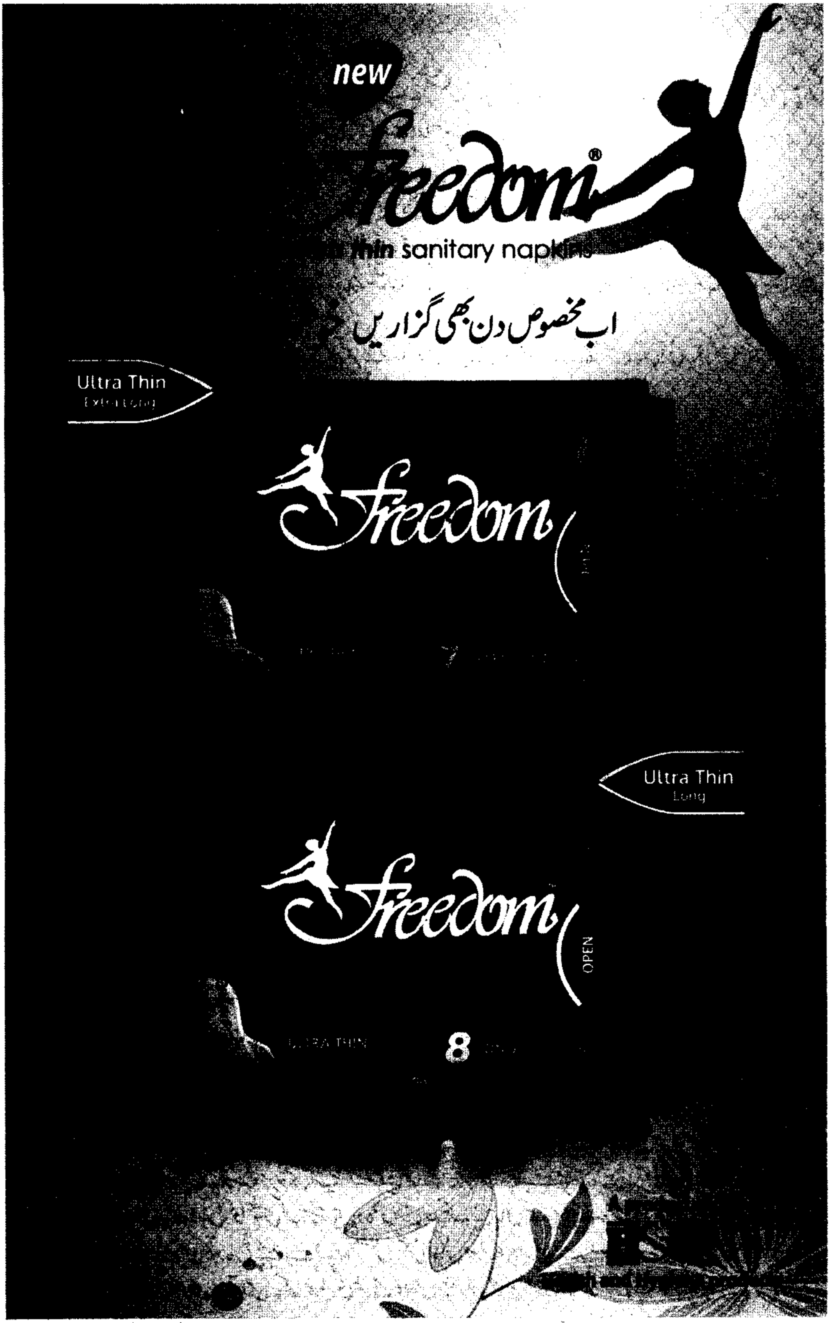
"نہیں۔" عمر عباس کے سوال پر ڈاکٹر اسد نے اپنا چشمہ درست کیا۔

"میں مریرہ کی حالت کو سمجھنے کے لیے پہلے آپ کا کومہ کے بارے میں کسی حد تک جاننا بہت ضروری ہے' اصل میں ہمارے دماغ کے دو اہم حصے ہوتے ہیں......

(۱) کوٹیکس (Cotecess)

(۲) برین سسٹم (Brain Systm)

بعض اوقات کسی بڑے حادثے کے نتیجے میں دماغ کو گہری چوٹ لگتی ہے جس سے دماغ کی طرف خون کا بہاؤ یا تو کم ہوجاتا ہے یا رک جاتا ہے۔ ایسے میں انسان اپنا ہوش کھو بیٹھتا ہے اور جسمانی طور پر کوئی حرکت نہیں کرسکتا اسے یونانی زبان میں کومہ یعنی State Of Sleep کہتے ہیں۔ Glasgow Coma Scale کے مطابق کومہ کو پندرہ قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے' اس میں تین سے پانچ درجے کے درمیان مریضوں کا زندہ بچ جانا نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے جبکہ گیارہ سے پندرہ کے درمیان مریض تھوڑا بہت رسپانس دے سکتا ہے ان کی حالت اتنی سیریس نہیں ہوتی جتنی تین سے پانچ کے درمیان مریضوں کی ہوتی ہے عموماً قصے کہانیوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ کومہ کا مریض اپنے اردگرد کی ساری خبر رکھتا ہے یہ کنفرم نہیں کیونکہ ہم کومہ کے مریض سے بات نہیں کرسکتے صرف اس کے دماغ کو اسکین کرسکتے ہیں وہ بھی کسی حد تک۔ جہاں تک مریرہ صاحبہ کا دماغ ہے تو اس میں پہلے کی نسبت کافی بہتری آئی ہے ان کا دماغ پہلے سے زیادہ فنکشنل یعنی فعال ہوکر کام کررہا ہے۔ کومہ کا مریض اگر چوبیس گھنٹوں میں چار بار بھی اپنی فیملی کی آواز سن لے تو اس کے زندگی کی طرف واپس پلٹنے اور صحت یاب ہونے کے چانسز زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔


new
freedom®
thin sanitary napkins
اب مخصوص دن بھی گزاریں
Ultra Thin
freedom
Ultra Thin
Long
freedom
OPEN
8

مریرہ صاحبہ کو برین سسٹم پر چوٹ نہیں آئی ان کا صرف کوٹیکس گہری چوٹ کا شکار ہوا ہے اس حالت میں مریض درد محسوس کرسکتا ہے، جسم کے کسی عضو کو حرکت بھی دے سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے زندگی کی طرف واپس بھی پلٹ سکتا ہے۔ ہر کومہ اصل میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اور اس کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ دماغ کا کون سا حصہ متاثر ہوا ہے کوٹیکس اگر ڈیمیج ہو بھی جائے تو انسانی زندگی رہتی ہے تاہم برین سسٹم اگر ڈیمیج ہوجائے تو اس کا مطلب ہے کہ دماغ مرچکا ہے۔ کوٹیکس اور برین سسٹم دونوں ایک بار اگر دماغ مرجائے تو اس کی صلاحیتوں کو دوبارہ حاصل کرنا کسی طور ممکن نہیں۔"

"مما اب کومہ کی کس حالت میں ہیں؟" ڈاکٹر اسد تفصیل سے کومہ کے بارے میں بریف کرتے ہوئے سانس لینے رکے تھے جب درمکنون نے بے تابی سے سوال کیا جواب میں وہ بولے۔

"فی الحال تو مریرہ صاحبہ کومہ میں ہی ہیں مگر ان کی موجودہ حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ جلد ان شاء اللہ Vegetative State میں آجائیں گی۔"

"کیا Vegetative State کا تعلق کومہ سے نہیں؟"

"نہیں ایسا نہیں ہے کومہ کی اصل میں تین حالتیں ہیں۔

(۱) Coma

(۲) Vegetative State

(۳) اور Minimalliy Consclousness

کومہ میں زندگی کے چانسز کم ہوتے ہیں Vegetative State میں یہ چانسز قدرے بڑھ جاتے ہیں جبکہ minimalliy Consclousness کا مطلب ہے ہلکی بے ہوشی۔ ان تمام حالتوں کا تعلق انسانی دماغ کے بڑے حصے یعنی کوٹیکس کو چوٹ پہنچنے سے جڑا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کومہ کا مطلب ہے موت مگر ایسا نہیں ہے کیونکہ کومہ اور برین ڈیتھ دو الگ چیزیں ہیں۔ بہت سے مریض اگر کومہ سے زندگی کی طرف واپس آ بھی جائیں تو ان کے دماغ کے کچھ حصے Re-pair نہیں ہوپاتے جس سے کومہ کا مریض زندگی بچ جانے کے باوجود ذہنی معذور ہوکر رہ جاتا ہے۔ آپ دعا کریں مریرہ صاحبہ کے ساتھ ایسا کوئی معاملہ نہ ہو مثلاً یادداشت متاثر ہونا، گونگا ہونا یا نظر نہ آنا وغیرہ وغیرہ۔" ڈاکٹر اسد اپنے پیشہ وارانہ انداز سے ہٹ کر انہیں تفصیل بتا رہے تھے زاویار نے آنکھیں میچ لیں۔

"ڈاکٹر صاحب کومہ میں ڈیتھ کا تصور کس بات پر انحصار کرتا ہے؟" اتنی دیر میں پہلی بار اس نے لبوں کو جنبش دی تھی۔ ڈاکٹر اسد نے غور سے اس کی سرخ آنکھوں کی طرف دیکھا پھر بولے۔

"جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کومہ میں ڈیتھ کا تصور اس بات پر منحصر ہے کہ دماغ کے کس حصے پر چوٹ لگی ہے اگر کوٹیکس متاثر ہوا ہے تو زندگی کی امید رکھی جاسکتی ہے لیکن اگر برین سسٹم جو سر کی پچھلی سائیڈ پر نیچے کی طرف ہوتا ہے کسی شدید چوٹ یا اسٹروک کا شکار ہوتا ہے تو زندگی کے چانسز نہ ہونے کے برابر رہ جاتے ہیں اصل میں جب کسی انسان کے دماغ کو بہت زور کی چوٹ لگتی ہے یا وہ شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہوتا ہے یا پھر دماغ کی کوئی شریان بلاک ہوجائے تو دماغ کو آکسیجن ملنی بند ہوجاتی ہے اور سوجن پھیلنا شروع ہوجاتی ہے، دماغ کی ہڈی چونکہ بہت سخت ہوتی ہے لہٰذا وہ اس سوجن کو باہر نکلنے اور پھیلنے نہیں دیتی ڈاکٹرز عموماً دوا کے ذریعے یا پھر آپریشن سے اس سوجن کو کم کرنے کی کوشش کرسکتے ہیں لیکن اگر وہ کامیاب نہیں ہوتے تو دماغ پر دباؤ بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے عموماً یہ دل کی دھڑکن سے بھی زیادہ ہوتا ہے ایسی صورت حال میں دل آکسیجن سے بھرپور خون کو دماغ تک پہنچانے میں ناکام رہتا ہے لہٰذا جب دماغ کو آکسیجن نہیں ملتی تو برین سیلز مرنا شروع ہوجاتے ہیں۔ ایسا ایک دم سے تو نہیں ہوتا بلکہ برین سسٹم کی موت کے بعد آہستہ دماغ کے خلیے گلنا شروع کرتے ہیں۔ ایک بار برین سسٹم مرجائے تو انسان سانس لینا بند کردیتا ہے جب دل کو آکسیجن نہیں ملے گی تو وہ بھی مرجائے گا اور دھڑکنا بند کردے گا یوں جسم کے باقی اعضاء بھی آکسیجن کی کمی کی وجہ سے مرنا شروع ہوجاتے ہیں۔ برین سسٹم کے ڈیڈ ہونے کے بعد آج تک کوئی بھی انسان دوبارہ زندہ نہیں اٹھا۔"

"کیا کومہ کا مریض وینٹی لیٹر کے بغیر سانس نہیں لے سکتا؟"

''لے سکتا ہے جیسے کہ آپ کی والدہ محترمہ اصل میں جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کومہ کی مختلف اسٹیج ہوتی ہیں انسان جب کومہ میں ہوتا ہے تو وہ زندہ ہوتا ہے اور کسی حد تک اس کا دماغ بھی ایکٹو ہوتا ہے وہ آوازیں بھی سن سکتا ہے اور جسم کے کسی عضو سے کوئی اشارہ بھی دے سکتا ہے۔ شوگر کے مریضوں میں شوگر کا لیول بہت زیادہ کم یا زیادہ ہونے کی صورت میں کومہ کا خطرہ ہوسکتا ہے اوسطاً کومہ دو سے چار ہفتوں تک کا ہوتا ہے لیکن اس کا دورانیہ جتنا زیادہ اور گہرا ہوتا ہے مریض کے زندگی کی طرف پلٹنے کا امکان اتنا ہی کم ہوتا ہے اگر کومہ کے مرض کو مصنوعی سانس کے لیے وینٹی لیٹر پر نہ رکھیں اس کے حال پر چھوڑ دیں تو اس کا برین ڈیمج ہونے کا خطرہ رہتا ہے اگر اسے مصنوعی سانس کی ضرورت نہ بھی ہو تب بھی اس کے بھوک سے مرجانے کے چانسز رہتے ہیں اس لیے ڈاکٹرز کومہ کے مریض کو وینٹی لیٹر پر رکھتے ہیں کیونکہ کومہ کے مریض خود سے کھا ئی نہیں سکتے' بعض اوقات انسان مرچکا ہوتا ہے مگر اس کا دل دھڑک رہا ہوتا ہے یہ دھڑکن وینٹی لیٹر کے سبب ہوتی ہے اس کا زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔'' ڈاکٹر اسد کومہ کے بارے میں تفصیلاً انہیں اتنی معلومات دے چکے تھے کہ ان سب کے اندر جانے کب سے سر اٹھاتے تمام سوال خود بخود دم توڑ گئے تھے۔ وقت کافی ہوگیا تھا عمر عباس نے زاویار کو اشارہ کیا اور اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب آپ نے اپنا اتنا قیمتی ٹائم ہمیں دیا' اللہ نے چاہا تو ہماری دعائیں اور آپ کی کوششیں ضرور رنگ لائیں گی ان شاء اللہ۔''

''ان شاء اللہ۔'' ڈاکٹر اسد کو ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنی تھی لہٰذا عمر عباس درمکنون اور زاویار کے کمرے سے نکلتے ہی وہ بھی اپنے آفس سے باہر نکل گئے تھے۔

❁......❁......❁

مریرہ رحمان صمید حسن کی محبت کے پنجرے میں مقید سنہری چڑیا تھی جبکہ عمر عباس مریرہ رحمان کے عشق میں بے حال تھا۔ شطرنج کی اس بساط میں عمر عباس کی محبت کی دھوپ نے ہوزان کی ماں کی زندگی کو چاٹ لیا تھا اور یہی محبت اب چھاؤں کی چادر اوڑھے خود ہوزان کے دل میں گھلنے کی بھرپور کوشش کررہی تھی۔

وہ جس کا دل زاویار صمید حسن کی شخصیت کا اسیر تھا اسے کسی اور کی ملکیت دیکھ کر اپنا رستہ بدل گیا اور اب یہ دل عمر عباس کی طرف جانے والے ہر رشتے کا فقیر بنتا جارہا تھا۔ عمر عباس کی شخصیت مریرہ رحمان سے اس کی محبت کی سچائی' اس کا رہن سہن' عادات فطرت پر ہر چیز نے جیسے اس کے دل کو اپنے حصار میں جکڑ لیا تھا۔

شہر بانو ہمہ وقت جائے نماز پر بیٹھی اپنی بیٹی کی عزت اور سلامتی کی دعائیں مانگتی رہتی تھی ایسے میں وہ سب سے نظر بچا کر اس کے چھوٹے چھوٹے سینکڑوں کاموں میں الجھی رہتی۔ عمر عباس نادان نہیں تھا جو اپنے لیے اس کے جذبات نہ سمجھتا مگر وہ اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرسکتا تھا کیونکہ ایک تو وہ اس سے عمر میں بہت چھوٹی تھی' دوسرا وہ مریرہ کے بعد کسی اور عورت کو اپنے دل میں جگہ دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ہوزان یہ سب جانتی تھی مگر پھر بھی اس کے قدم مضبوطی سے جمے تھے جانے یہ دل کا کیسا یقین تھا جو اسے منزل کی آس دلائے بیٹھا تھا۔

اس روز صبح سے بارش ہورہی تھی' ہوزان کو زکام اور بخار تھا مگر اس کے باوجود وہ مسلسل کام کاج میں مصروف رہی۔ شام کے ساڑھے آٹھ بجے تھے جب عمر گھر آیا یوں کہ اس کا پور پور تھکن سے چُور تھا۔ شہر بانو اپنے کمرے میں تھیں وہ چائے لے کر عمر کے کمرے میں چلی آئی جو بیڈ پر اوندھا لیٹا سر تکیے پر مار رہا تھا۔ ہوزان نے چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''السلام علیکم!'' کھنکھار کر سلام کرتے ہوئے اس نے عمر کو کمرے میں اپنی موجودگی سے آگاہ کیا تھا جواب میں وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''وعلیکم السلام! دروازہ ناک نہیں کیا آپ نے۔''

''ایم سوری' مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ سو رہے ہوں گے' میں چائے لائی تھی آپ کے لیے۔''

''شکریہ۔'' وہ اس کی طرف دیکھنے سے ہمیشہ گریز برتتا تھا' ہوزان استری اسٹینڈ سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی۔

''میرے خیال سے آپ کے سر میں درد ہے' دبا دوں۔''

''نہیں اتنا شدید درد نہیں ہے۔'' ہمیشہ کی طرح وہ کسر نفسی سے کام لے رہا تھا' ہوزان نے خود کو سخت بے بس محسوس کیا۔

''آپ اپنے ساتھ ٹھیک نہیں کر رہے ہیں۔''

''ہوں میں جانتا ہوں۔'' پہلی بار اس نے نظریں اٹھائیں تھیں' ہوزان نے لب کاٹ لیے۔

''بزنس آپ کی عدم موجودگی کے سبب بہت متاثر ہو رہا ہے۔''

''ہوں' صبح چکر لگانے کی کوشش کروں گا۔''

''آپ کو آرام کی ضرورت ہے' دن رات جاگ جاگ کر آپ خود بیمار پڑ جائیں گے۔''

''جانتا ہوں۔''

''جانتے ہیں تو اپنا خیال کیوں نہیں رکھتے' خود سے اتنی دشمنی اچھی نہیں ہوتی۔''

''چلو سوچوں گا کبھی اس بارے میں بھی۔'' وہ جتنی جذباتی ہو رہی تھی عمر اسے تھکانے کے لیے اتنا ہی تغافل سے کام لے رہا تھا' وہ خاموش ہو گئی۔ کچھ پل یونہی خاموشی کی نذر ہو گئے تھے جب وہ بولی۔

''شہزاد کا کچھ پتا چلا؟''

''نہیں ابھی تک تو کچھ بھی کنفرم نہیں ہے۔''

''پرسوں شہر بانو آنٹی کی لندن واپسی کے لیے فلائٹ ہے' وہ بہت پریشان ہو رہی تھیں آج' بڑی مشکل سے بہلایا ہے ان کو۔''

''اللہ خیر کرے گا' میں بات کرتا ہوں شہر بانو بھابی سے کل۔''

''اب ہسپتال کب جانا ہے؟''

''بیس پچیس منٹ بعد۔''

''مگر ابھی تو آپ آئے ہیں' کپڑے دیکھیں کتنے رف ہو رہے ہیں۔''

''کپڑے تبدیل کرنے ہی آیا ہوں۔''

''آج رک جائیں باہر بہت بارش ہو رہی ہے۔''

''بارش میرا راستہ نہیں روک سکتی ڈیئر ہوزان باہر طوفان بھی ہو تو کوئی پروا نہیں۔'' چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے اس نے مضبوط لہجے میں کہا تھا' ہوزان صبر کا گھونٹ بھر کر رہ گئی۔

''ایسا کیا ہے مریم رحمان میں جو دنیا کی کسی اور عورت میں نہیں۔''

''بتاؤں گا کبھی فرصت میں' فی الحال تو واپس جانا ہے مجھے۔'' قطعیت سے کہتے ہوئے وارڈ روب سے کپڑے نکال کر وہ اٹیچ باتھ میں گھس گیا' ہوزان بمشکل اپنے آنسو ضبط کرتی کمرے سے باہر نکل آئی۔

❁......❁......❁

''ایلی......'' وہ جاگنگ کے لیے نکل رہا تھا' جب پریہان اس کے گھر چلی آئی۔ آیا بی اسے دیکھ کر بے حد خوش ہوئی تھیں۔ بوٹ کے تسمے بند کرتا ایلی بھی اس کی پکار پر بے ساختہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔

''السلام علیکم! صبح صبح سلامتی نہ بھیجنا کبھی مجھ پر۔''

''اوہ سوری وعلیکم السلام! میں نے سوچا آج تمہارے ساتھ صبح کی سیر ہو جائے۔'' مسکرا کر کہتے ہوئے اس نے جھک کر آیا بی سے پیار لیا۔ اگلے پانچ منٹ کے بعد وہ دونوں کشادہ سڑک پر بھاگ رہے تھے۔

''ایلی آج میں بہت خوش ہوں' بہت زیادہ۔''

''خیریت؟'' وہ چپ چپ سا تھا' پریہان نے اپنی خوشی میں اس کی خاموشی محسوس ہی نہیں کی۔

''ہوں خیریت ہی ہے' تمہیں پتا ہے کل جب مارننگ واک کرتے ہوئے میں تم سے بات کر رہی تھی تو کیا ہوا؟'' اس کی آنکھیں بے حد روشن تھیں' وہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیا ہوا؟''



WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

''بہت حیران کن ہوا ایلی، تمہیں یقین نہیں آئے گا سن کر۔''

''ایسا کیا ہو گیا ایک ہی دن میں؟''

''تمہیں کہاں خبر ہوگی تم شہر میں ہوتے تو تمہیں کچھ بتاتی ناں۔''

''چلو اب بتا دو ایک دن میں ایسا کیا ہو گیا جو تمہیں گرم گرم بستر سے اٹھا کر میری دہلیز تک لے آیا۔''

''بات ہی ایسی ہے ڈیئر ایلی، تمہیں پتا ہے کل جب ہم بات کر رہے تھے تو ایک دم سے ساویز نے میرا راستہ روک لیا۔ وہ مجھ سے بات کرنا چاہتا تھا اور پتا ہے ایلی جب میں نے رک کر اس کی بات سنی تو اس نے کیا کہا؟''

''کیا کہا؟''

''اس نے کہا کہ وہ آج بھی مجھ سے پیار کرتا ہے اس کی زندگی میرے بغیر ادھوری ہے اور یہ بھی کہ اس نے ماضی میں جو کچھ بھی میرے ساتھ کیا وہ اس پر بہت شرمندہ ہے۔'' وہ ایکسائٹڈ تھی، ایلی نے پھر سے بھاگنا شروع کر دیا۔

''یہ تو ہونا ہی تھا، میں نے کہا تھا تم سے۔''

''شکریہ ایلی، سب تمہاری وجہ سے ہوا اگر تم اس وقت مجھے سہارا نہ دیتے تو پتا نہیں میرا کیا بنتا۔''

''اپنا شکریہ اپنے پاس رکھو اور سنو زیادہ پُرجوش ہونے کی ضرورت نہیں، ایسا بھی دنیا کا نایاب شخص نہیں وہ۔''

''میری نظر میں ہے، تم نہیں جانتے میں اس کے بغیر ایک ایک پل میں ہزار ہزار بار مری ہوں، مجھے لگتا تھا جیسے اس کے بغیر میرا وجود بے معنی ہے یہ ساری دنیا ہی بے معنی......'' اس کی سانس پھول رہی تھی مگر وہ پھر بھی بول رہی تھی، ایلی نے اپنے بھاگنے کی رفتار مزید بڑھا دی۔

''چلو مبارک ہو، تمہیں خود سے بات نہیں کرنی پڑی، اب آگے کیا سوچا ہے تم نے؟''

''فی الحال تو کچھ نہیں سوچا مگر جلد ہی ہم شادی کر لیں گے ایلی۔''

''ہمم......گڈ۔'' وہ تھک کر بیٹھ گیا، پرہیان بھی سنگی بنچ پر اس کے برابر ہی بیٹھ گئی۔

''سندھیا سے دوبارہ کوئی رابطہ ہوا تمہارا۔''

''نہیں۔''

''کچھ پتا بھی نہیں چلا کہ آج کل کہاں ہے کس حال میں ہے۔''

''پتا ہے، پچھلے ماہ شادی کر لی ہے اس نے آج کل اوٹی گئی ہوئی ہے اپنے شوہر کے ساتھ ہنی مون کے لیے۔''

''واہ......بڑی خبر رکھتے ہو اس کی۔''

''جن کے ساتھ دل کی تاریں جڑ جائیں ان کی خبر تو رکھنی پڑتی ہے، میں تو خیر ویسے بھی کبھی غافل نہیں رہا اس سے تمہیں پتا ہی ہے۔''

''ہوں یہ تو ہے، شادی پر مبارک باد دی اسے؟''

''ہوں ایک ڈائمنڈ رِنگ بھجوائی تھی۔''

''پھر اب؟''

''کچھ نہیں، بزنس ہے، تم ہو، آپا یالی ہیں، اتنا بہت ہے۔''

''یہ سب عارضی سہارے ہیں ایلی، ان کے ساتھ زندگی تو نہیں گزرتی۔''

''گزر جاتی ہے، خیر چھوڑو میں کل مصر جا رہا ہوں، پاپا کی طبیعت کچھ بہتر نہیں، ایک دو روز میں واپس آنے کی کوشش کروں گا تم پلیز ذرا بزنس کو دیکھ لینا۔''

''ٹھیک ہے۔'' سورج آہستہ آہستہ اپنی سنہری کرنوں کا جال پھیلا رہا تھا، وہ دونوں دنیا جہان سے بے خبر یونہی اپنی چھوٹی چھوٹی باتوں میں مصروف وقت کو نظر انداز کیے بیٹھے رہے۔

ایلی مصر چلا گیا تھا' پرہیان اسے ائیرپورٹ چھوڑ کر سیدھی آفس چلی آئی۔ ایلی کی غیر موجودگی میں اس پر کام کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی تھی' وہ ابھی اس کے کمرے میں اس کی سیٹ پر بیٹھی لیپ ٹاپ چیک کر رہی تھی جب ساویز بنا دستک کے اندر چلا آیا۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام آؤ' بیٹھو۔'' ساویز کو دیکھتے ہی اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔

''کیسے ہو؟''

''تمہارے سامنے ہوں' خود ہی دیکھ لو۔''

''مجھے تو پہلے سے کمزور لگ رہے ہو اور کسی حد تک پریشان بھی۔''

''پریشان تو نہیں ہوں ہاں تھوڑا ڈسٹرب ضرور ہوں۔''

''وجہ بتاؤں گا تو تم مائنڈ کر جاؤ گی۔''

''نہیں کرتی مائنڈ' تم بتاؤ پلیز کیا بات ہے؟''

''پکی بات ہے ناں کہ تم ناراض نہیں ہوگی؟''

''ہوں۔''

''ٹھیک ہے تو پھر سنو' مجھے ایلی کے ساتھ تمہارا زیادہ کلوز ہونا پسند نہیں ہے۔ صرف ایلی ہی کیا میں تمہیں کسی کے ساتھ بھی شیئر نہیں کر سکتا۔''

''آہم...... مگر ایلی کوئی ایسا ویسا شخص نہیں ہے ساویز' وہ بہت مضبوط کردار کا' سلجھا ہوا شخص ہے۔''

''جانتا ہوں اور میں یہ کہہ بھی نہیں رہا کہ ایلی اچھے کردار کا لڑکا نہیں ہے' میں نے صرف اپنی فیلنگ کی بتائی ہے۔''

''میں سمجھ سکتی ہوں' ٹھیک ہے میں آئندہ احتیاط کروں گی۔''

''ہوں' تھینک یو۔''

''کوئی اور حکم؟''

''حکم تو کوئی نہیں بس ایک گزارش ہے کہ پاکستان واپس چلو ہم وہیں شادی کریں گے اور وہیں رہیں گے۔''

''مگر ساویز' یہ ابھی ممکن نہیں ہے۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ ابھی مما نے پاکستان میں اپنا سب کچھ اونے پونے بیچ کر یہاں لندن میں خود کو ایڈجسٹ کیا ہے' ایسے میں میں انہیں یہاں اکیلے چھوڑ کر' صرف اپنی خوشی کے لیے پاکستان نہیں جاسکتی جبکہ میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں۔''

''وہ سب تو ٹھیک ہے مگر تم جانتی ہو مما کی ڈیتھ ہوچکی ہے' مما کے بعد پاپا وہاں پاکستان میں ہیں اور بہت اکیلے ہوگئے ہیں' انہیں ہماری ضرورت ہے پری۔''

''ہوں یہ تو ہے' چلو میں کوشش کروں گی کہ مما کو پاکستان واپس جانے کے لیے منالوں۔''

''شکریہ جاناں۔'' ایک عرصے کے بعد اس نے مسکرا کر کہا تھا' پرہیان کے اندر تک خوشی بکھر گئی۔ ساویز آفندی اس کی زندگی میں واپس کیا آیا اسے لگا اس کی زندگی کی خزاں نے بہار کا روپ چرا لیا ہو۔ دن پہلے سے زیادہ حسین اور راتیں پہلے سے زیادہ خواب ناک ہوگئی تھیں۔

اسے یاد ہی نہیں رہا تھا کہ اس کے اور ساویز حسن کے درمیان کبھی بریک اپ بھی ہوا تھا' ساویز چاہتا تھا کہ ان دونوں کے درمیان پھر سے کوئی دیوار کھڑی ہو اس سے پہلے وہ شادی کرلیں اور پرہیان اس پر رضا مند تھی تبھی اس روز آفس واپسی پر وہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آئی۔

سارا بیگم ابھی کچن سے فارغ ہوئی تھیں جب پرہیان کے ساتھ ساویز کو دیکھ کر وہ وہیں کچن کے دروازے پر رک گئیں۔

''السلام علیکم! مما۔''

"وعلیکم السلام! آج پھر لیٹ ہوگئیں تم۔" پرہیان سے پوچھتے ہوئے انہوں نے ساویز کو یکسر نظر انداز کردیا تھا۔ وہ خفیف سا سر جھکائے کھڑا رہا' پرہیان نے اس کی خفت کو کم کرنے کے لیے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"جی مما' میں نے آپ کو بتایا تھا ناں کہ ایلی مصر گیا ہوا ہے اس کی غیر موجودگی میں اس کے حصے کا کام بھی مجھے ہی کرنا پڑ رہا ہے' اسی لیے روز لیٹ ہوجاتی ہوں۔ خیر چھوڑیئے یہ دیکھئے میرے ساتھ کون آیا ہے' ساویز آفندی۔"

"ہوں دیکھ رہی ہوں اور حیران بھی ہورہی ہوں کہ اس نے تو تمہیں چھوڑ دیا تھا ناجائز سمجھ کر پھر یہ تمہارے ساتھ یہاں کیا کررہا ہے؟" ساویز کی طرف دیکھتے ہوئے ان کا لہجہ قدرے تلخ تھا۔ ساویز آفندی نے چہرہ پھیر لیا جبکہ پرہیان نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر جلدی سے سارا بیگم کا ہاتھ تھام لیا۔

"وہ اس کی غلطی تھی مما جس پر ساویز شرمندہ ہے' اب ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہو پری' ایک شخص جو تم سے محبت کے دعوے کے باوجود کئی سال تمہارے ساتھ گزارتا ہے' تمہارے ساتھ رشتہ جوڑتا ہے' شادی کی پلاننگ کرتا ہے ایک دم سے سب کچھ ختم کرکے اپنا راستہ علیحدہ کرلیتا ہے۔ تم اس ساری قیامت کو صرف ایک غلطی کہہ رہی ہو' کل کو پھر اسے کوئی مسئلہ ہوگیا تو کیا کروگی تم؟ طلاق کا کلنک ماتھے پر سجا کر ساری عمر لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹتی رہوگی؟" پرہیان کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے وہ قدرے تلخ ہوئیں۔ پرہیان ساویز کے سامنے اس عزت افزائی پر بے حد شرمندہ سی لب کاٹ کر رہ گئی۔

"مما میں ساویز کے بغیر خوش نہیں رہ سکتی۔"

"تم ساویز کے ساتھ بھی خوش نہیں رہ سکتیں' لکھوا کر رکھ لو مجھ سے۔"

"آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں مما آپ نے ہی تو ساویز سے منگنی کی تھی میری۔"

"جب کی تھی تب اسے ٹھیک سے جانتی نہیں تھی' حالات بھی ایسے نہیں تھے تب' اکلوتی بیٹی ہو تم میری۔ میں جان بوجھ کر تمہیں آگ میں چھلانگ لگانے نہیں دوں گی پری...... کان کھول کر سن لو تم۔" ان کا غصہ کسی طور کم نہیں ہورہا تھا' ساویز نے لب بھینچ لیے۔

"میرے خیال سے اتنی عزت کافی ہے پری' اس سے زیادہ میں برداشت نہیں کرسکتا۔" اس کا چہرہ سرخ ہوچکا تھا' اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہ وہاں ٹھہرا نہیں تھا۔

پرہیان بے بسی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہ گئی' سارا بیگم واپس کچن میں گھس گئیں' وہ بے حد غصے کے ساتھ ان کے پاس جاکر چلا اٹھی۔

"آخر آپ کے ساتھ مسئلہ کیا ہے مما' کیوں کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتیں۔"

"کسی کا تو پتا نہیں مگر اپنی بیٹی کو ضرور خوش دیکھنا چاہتی ہوں میں' ساویز آفندی کے ساتھ میں تمہاری خوشی نہیں ہے۔"

"میری زندگی میں ساویز آفندی کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے مما۔"

"ایلی چوہان ہے۔" رخ پھیرے وہ اب اس کے لیے کھانا گرم کررہی تھیں' وہ پاؤں پٹخ کر رہ گئی۔

"ایلی چوہان میرا محبوب نہیں صرف دوست ہے۔"

"صرف دوست اچھا شوہر ثابت ہوتا ہے پری' ساویز آفندی بھی کبھی اچھا دوست تھا تمہارا۔"

"مما آپ میرے احساسات کیوں نہیں سمجھ رہی ہیں۔"

"سگی ماں ہوں تمہاری اس لیے۔"

"سگی ماں ہیں تو پلیز میرے ساتھ ایسا مت کریں' میں نے بہت مشکل سے اپنی لائف سیٹ کی ہے پلیز مجھے خوش رہنے دیں مما' اتنا تو کرہی سکتی ہیں آپ میرے لیے۔" آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے اس نے کچھ ایسے انداز سے کہا کہ سارا بیگم چپ کرگئیں۔

"ٹھیک ہے' اگر یہی تمہاری خوشی ہے تو میں تمہاری خوشی میں خوش ہوں۔" وہ رخ پھیرے کھڑی تھیں' پرہیان خوشی سے ان کے ساتھ لپٹ گئی۔

"تھینک یو سوچ مما آپ واقعی میری بہت اچھی مما ہیں۔" وہ خوش تھی سارا بیگم خاموشی سے اپنا کام کرتی رہیں۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی پرہیان انہوں نے زندگی میں اسے کوئی خوشی نہیں دی تھی یہ اور بات تھی کہ صرف اس کی خوشیوں کے لیے اپنی زندگی کو جہنم بنالیا تھا۔

❀......❀......❀

ایلی مصر سے واپس آ گیا تھا' پرہیان کو جونہی اطلاع ملی وہ سارا بیگم کو بتا کر سیدھی اسی کے گھر چلی آئی مگر وہ گھر پر نہیں تھا اسے خاصی مایوسی ہوئی۔ کچھ دیر آیا بی کے پاس بیٹھ کر وہ گھر واپس آئی تو ایلی کو اپنے گھر میں موجود پایا۔ لونگ روم میں سارا بیگم کے ساتھ بیٹھا وہ چائے پی رہا تھا' وہ غصہ ہوئی۔

"تو آپ جناب یہاں تشریف فرما ہیں اور میں آپ کی تلاش میں در در کی خاک چھان آئی۔" ایلی جو سارا بیگم کے ساتھ بے حد سنجیدہ بیٹھا تھا اسے دیکھتے ہی مسکرا اٹھا۔

"کس نے کہا تھا در در کی خاک چھاننے کو' تمہیں پتا ہونا چاہیے تھا کہ میں فریش ہو کر سیدھا یہیں آؤں گا۔"

"پتا تو تھا مگر صبر نہیں ہوا۔" وہ اپنی سادگی میں کہہ رہی تھی' ایلی کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ معدوم ہوئی۔

"خیریت؟"

"خیریت کہاں' میں بہت مضطرب ہوں ایلی۔"

"وجہ؟" وہ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھا' سارا بیگم خاموش بیٹھی رہیں۔

"وجہ ساویز آفندی۔"

"کیوں اب کیا ہو گیا اسے؟"

"اسے کچھ نہیں ہوا' اصل میں وہ یہاں آیا تھا' مما سے ہمارے بریک اپ پر سوری کرنے اور ساتھ ہی شادی کی تاریخ طے کرنے کے لیے مگر مما نے اس کی انسلٹ کردی۔ وہ بہت ڈس ہارٹ ہو کر یہاں سے گیا ہے' اپنا نمبر بھی بند کر دیا ہے اس نے اور آفس بھی نہیں آ رہا۔" اپنی تکلیف بتانے میں اس نے ایک پل کی بھی تاخیر نہیں کی تھی۔ ایلی کی سوالیہ نگاہیں سارا بیگم کی طرف اٹھ گئیں جو خود بھی اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"وہ لڑکا اس کے قابل نہیں ہے ایلی...... جو ایک بار چھوڑ دے وہ زندگی میں کبھی بھی چھوڑ کر جا سکتا ہے' مگر اس لڑکی کو یہ بات کون سمجھائے۔"

"میں بچی نہیں ہوں مما' اپنا برا بھلا خوب سمجھتی ہوں' ساویز خواب ہے میرا اگر وہ مجھے نہ ملا تو میں مر جاؤں گی۔"

"سن لو اس کی باتیں۔" پرہیان کی جذباتیت پر سارا بیگم نے ایلی کی طرف شکایتی نگاہوں سے دیکھا جواب میں وہ گہری سانس بھرتے ہوئے بولا۔

"پری ساویز کے لیے بہت مخلص ہے آنٹی...... میرا نہیں خیال کہ یہ اسے کھو کر خوش رہ سکتی ہے لہٰذا میری آپ سے ریکوئسٹ ہے پلیز اسے اس کی خوشی میں خوش رہنے دیں۔" وہ اس کا وکیل تھا' سارا بیگم کے پاس خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ انہیں خاموش پا کر وہ دوبارہ پرہیان کی طرف متوجہ ہوا۔

"تمہیں ساویز کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' میں اس سے بات کرلوں گا وہ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"تھینک ایلی...... میں جانتی تھی تم چٹکیوں میں میری ہر مشکل آسان کردو گے۔" وہ خوش ہوئی تھی اور ایلی چوہان بس اسے خوش ہی تو دیکھنا چاہتا تھا۔

❀......❀......❀

شیر دل کی نگاہیں شہزاد کے خالی کان پر جمی تھیں جب اچانک اس کی آنکھوں اور چہرے کا رنگ بدلا تھا۔

"مجھے یاد آ گیا ہے کہ میں نے تمہاری ایک کان کی بالی کہاں دیکھی ہے۔" اس بار اس کا لہجہ بھی قدرے بدلا ہوا تھا' شہزاد کا دل بے ساختہ دھڑک اٹھا۔

"کہاں؟"

"حویلی میں، عبدالہادی نے جو فرمائشی ککڑ منگوائے تھے ان میں کسی ایک ککڑ کے پیر میں وہ بالی پھنسی ہوئی دیکھی ہے میں نے۔" تفصیلاً بتاتے ہوئے وہ اب شہزاد کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"کتنی حیرت کی بات ہے ناں، تمہارے کان کی بالی اُڑ کر ککڑ کے پیر میں جا پھنسی۔ ککڑ بھی وہ جو ساتھ والے گاؤں سے منگوا کر ادھر بڑے کمرے میں رکھے ہوئے تھے۔" عبدالہادی سے پہلے شیر دل اس کی بالی دیکھ لے گا شہزاد کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا تبھی اس کے چہرے کا رنگ اڑا تھا جو شیر دل سے مخفی نہ رہ سکا۔

"شاید بے دھیانی میں تمہاری بالی باہر کے کمرے میں گر گئی ہوگی، ملازموں کا تو تمہیں پتا ہے کتنے کمینے ہوتے ہیں، نظر پڑنی چاہیے ان کی ایسی کسی چیز پر فوراً ایمان داؤ پر لگا دیتے ہیں یقیناً ملازم سے ہی وہ بالی ککڑوں کے تھیلے میں گر گئی ہوگی ہے ناں۔" وہ اس کی ہوشیاری چیک کر رہا تھا، شہزاد نے سکون کا سانس خارج کیا۔

"ہوں، شاید بے دھیانی میں وہ بالی باہر بڑے کمرے میں گر گئی مجھ سے۔"

"چٹاخ......" ابھی اس نے اپنی بات مکمل بھی نہیں کی تھی کہ شیر دل کا ہاتھ اس پر اٹھ گیا۔

"کم ذات، مجھے کیا الو سمجھ رکھا ہے تم نے جو میں کچھ سمجھ نہیں سکتا۔ تمہاری ساری مکاری سمجھ گیا ہوں میں، اپنے یار کو خفیہ پیغام بھیجتی ہو اور مجھے پاگل بناتی ہو۔ وہ فیاض چاچا تھا جو تمہارے ہاتھوں بے وقوف بن کر دنیا سے چلا گیا، میں شیر دل ہوں شیر دل...... مجھے دھوکا دینا تم جیسی چند عورتوں کے بس کی بات نہیں، اب دیکھو میں کرتا کیا ہوں تمہارے ساتھ۔" کہنے کے ساتھ ہی اس نے اس کے دونوں بازو پکڑ کر مروڑ دیئے تھے، وہ اس کی اصلیت جان گیا تھا۔

شہزاد کو اس سے کسی قسم کی بھلائی کی امید نہیں تھی، ملک فیاض جیسے گھاگ عیاش کی صحبت میں رہنے والے اس عیاش شخص سے کسی بھلائی کی امید رکھی بھی نہیں جا سکتی تھی تبھی اس کے چہرے پر فکر کی پرچھائی ابھری تھی کہ شیر دل نے اسے کچھ بھی سوچنے سمجھنے کا موقع دیے بغیر بے بس کر دیا تھا۔

"میری بات سنو شیر دل...... تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"چپ کر، زیادہ ٹر ٹر کرنے کی ضرورت نہیں...... نہیں تو تیری چہیتی افشین کی طرح تیری آواز بھی ہمیشہ کے لیے مٹی میں دبا دوں گا میں۔" وہ غصے میں چلا رہا تھا۔

شہزاد کو چپ لگ گئی، وہ افشین کا قاتل تھا اسے معافی نہیں ملنی چاہیے تھی، اسے اب افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے ملک فیاض کے ساتھ اس کے لیے بھی کچھ پلان کیوں نہیں کیا تبھی شیر دل نے اسی کے دوپٹے سے اس کے بازو پیچھے باندھ کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔

"چلو اب کرتا ہوں تمہارا بندوبست۔" اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اسے کوئی رعایت دینے کے موڈ میں نہیں لہٰذا ایک نظر اوپر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا۔ شیر دل اسے اپنے ساتھ کھینچتے ہوئے عمارت سے باہر لے آیا جہاں اس کی جیپ تیار تھی، مستند ڈرائیور اس کے حکم کا منتظر تھا۔

شیر دل نے دھکا دے کر شہزاد کو جیپ میں دھکیلا پھر اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے ڈرائیور کو گاڑی آگے بڑھانے کا حکم دیا۔ ابھی اس نے چند فرلانگ کا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ سامنے سے عبدالہادی کی گاڑی نے اس کا راستہ روک لیا۔ شیر دل بے حد غیض و غضب کی کیفیت میں گاڑی سے باہر نکلا تھا۔

"میرے راستے سے ہٹ جاؤ عبدالہادی، میں اپنے ذاتی کاموں میں مداخلت کی اجازت نہیں دیتا کسی کو۔"

"تم سے اجازت مانگ کون رہا ہے، شہزاد کو چھوڑ دو اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔"

"ہرگز نہیں۔"

"تم مجھے قانون کی زبان میں نپٹنے پر مجبور کر رہے ہو شیر دل۔"

"اوہ جا آیا بڑا قانون کی دھمکی دینے والا، تمہارا قانون تلوے چاٹتا ہے میرے، وہ بھی خود حویلی حاضر ہو کر۔"

"تو تم اپنے ارادے سے باز نہیں آؤ گے؟"

"تمہاری بہن کو اٹھا کر نہیں لایا ہوں میں جو دیوار بن کر راستے میں سر کھانے پہنچ گئے ہو ہٹو راستے سے۔" اسے اپنی طاقت کا گھمنڈ تھا۔ اسی اثناء میں ڈی ایس پی عظیم رانا کی جیپ وہاں پہنچ گئی پولیس کو دیکھتے ہی شیر دل کے تلوؤں پر لگی اور سر پر بجھی۔

اسے اور تو کچھ نہ سوجھا' جیب سے اپنا پسٹل اٹھا کر اس نے عظیم رانا پر فائر کردیا' فضا میں گولی کی آواز گونجتے ہی قریبی درختوں پر بیٹھے پرندے شور کرتے اڑ گئے۔ ڈی ایس پی عظیم رانا بھی اگر بروقت سائیڈ پر نہ گر جاتا تو اس کی موت یقینی تھی' شہزاد بندھے منہ اور ہاتھوں کے ساتھ بے بس سی سب دیکھتی رہی۔ عبدالہادی ایک نظر عظیم رانا پر ڈالتے ہوئے آگے بڑھا ہی تھا کہ شیر دل کے پسٹل سے نکلنے والی گولی اس کا دایاں بازو زخمی کرگئی۔

ڈی ایس پی عظیم رانا نے جو یہ منظر دیکھا اس نے فوراً اپنے ریوالور سے شیر دل پر فائر کردیا' ٹھا ٹھا ٹھا کی آواز کے ساتھ تین گولیوں نے اسے وہیں کچی سڑک پر اس کے انجام تک پہنچا دیا تھا۔ شہزاد بے حد ہراساں سی جیپ سے نکل آئی جبکہ ہانپتا کانپتا ڈرائیور بھی وہیں پتھر ہوگیا تھا۔ عظیم رانا نے اسے گرفتار کرنے کے بعد جلدی سے عبدالہادی کو اپنی گاڑی میں بیٹھایا اور گاڑی ریورس کی۔

شہزاد وہیں بیچ راہ میں بندھے ہاتھوں کے ساتھ شیر دل کی لاش کو ٹکر ٹکر دیکھتی رہی۔ کچھ دیر پہلے تک اپنی طاقت کے بل پر اترانے والا وہ شخص پل میں مٹی میں مٹی ہوگیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر بے حس سی کھڑی اس کے بہتے ہوئے خون کو دیکھتی رہی تھی۔ اگلے کچھ ہی لمحوں میں گاؤں کے لوگ وہاں جمع ہونے شروع ہوگئے تھے وہ ذرا سی کوشش سے اپنے بندھے ہوئے ہاتھ آزاد کرواتی وہاں سے نکل آئی۔ گاؤں سے شہر پہنچنے تک جو اذیت اس نے سہی وہ زندگی بھر بھی بھولنے والی نہیں تھی مگر اسے خوشی تھی کہ اس نے نئی حویلی کے سپوتوں سے اپنے پرکھوں کا بدلا لے لیا تھا۔

❀......❀......❀

"سدید......" وہ گروسری کے لیے مارکیٹ آئی' جب اس نے سڑک کے اس پار سدید علوی کو دیکھا اور پھر سارے کام بھول کر دیوانہ وار اس کے پیچھے بھاگ پڑی۔

"سدید میری بات سنو پلیز۔" بناء اردگرد کی پروا کیے وہ اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی جب وہ رک گیا۔ عائلہ کی سانس پھول رہی تھی' بمشکل بھاگتے ہوئے وہ اس کے قریب پہنچی۔

"سدید تم زندہ ہو؟" آنسوؤں سے بھری آنکھوں میں عجیب سی خوشی تھی مگر اس کے سامنے کھڑا شخص قطعی اجنبی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کون سدید......ایم سوری میں نے آپ کو پہچانا نہیں خاتون آپ کون ہیں؟"

"میں کون ہوں؟" عائلہ کو جیسے دھچکا لگا۔

"صرف چند ماہ میں تمہیں یہ بھی بھول گیا کہ میں کون ہوں؟" اس کے آنسو اب ٹوٹنے لگے تھے' سامنے کھڑے شخص نے ایک نظر کلائی پر بندھی ریسٹ واچ پر ڈالی پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"دیکھیے میرے خیال میں آپ کسی بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں' میرا نام سدید نہیں ہے اور نہ ہی میں نے آج سے پہلے کبھی آپ کو دیکھا ہے۔" وہ شخص اجنبیت کی ہر حد کو پار کررہا تھا' عائلہ کسی تھکے ہوئے مسافر کی طرح بے حد شکستہ سی وہیں سڑک کے درمیان کھڑی رہی۔ ٹریفک کا نظام رک گیا تھا لوگ ہارن دے رہے تھے مگر وہ بے حس سی کھڑی سدید علوی کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اسے لگا جیسے سدید علوی کے ساتھ اس کا دل بھی اس کے پہلو سے نکل چکا ہے تبھی اس نے چلا کر اسے پکارا تھا۔

"سدید......" اور اسی کے ساتھ اس کی آنکھ کھل گئی تھی' کمرے میں نائٹ بلب کی روشنی آن تھی' اے سی بھی آن تھا مگر اس کے باوجود اس کا پورا وجود پسینے میں شرابور تھا۔ زاویار جو کمپیوٹر پر کوئی کام کررہا تھا اس کی چیخ پر بے ساختہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا۔

"تم ٹھیک ہو؟" عائلہ کا دماغ سن تھا وہ سمجھ ہی نہ پائی کہ وہ کیا پوچھ رہا ہے تبھی خالی خالی نگاہوں کے ساتھ ٹکر ٹکر اسے دیکھے گئی۔ صمید حسن پچھلے تین دن سے گھر پر نہیں تھے مجبوراً عائلہ کو زاویار کے کمرے میں سونا پڑا کیونکہ وہ گھر پر کم ہی ٹکتا تھا مگر اس رات اس کی

قسمت کہ وہ گھر آ گیا تھا۔ نہ صرف گھر آ گیا تھا بلکہ اب وہ اس کے پاس بستر پر بیٹھا اس کو پانی پلا رہا تھا۔

"لگتا ہے اپنے سابقہ فیانسی کا کوئی خواب دیکھ رہی تھیں تم۔" شاید اس نے چیخ کی صورت اس کے لبوں سے نکلا اسد ید کا نام سن لیا تھا' وہ شرمندہ سی سر جھکا گئی۔

آج سے پہلے اسے ایسا خواب کبھی نہیں آیا تھا' اس کا اگلا پورا دن بے حد اداس گزرا' پتا نہیں اس خواب کی کیا تعبیر تھی وہ سارا دن سوچ سوچ کر الجھتی رہی۔ اسے خبر ہی نہیں تھی کہ اس کا یہ خواب بہت جلد تعبیر پانے والا ہے۔

❁......❁......❁

زاویار گھر سے آفس کے لیے نکلا تھا مگر راستے میں درمکنون کا خیال آ گیا تو گاڑی عمر عباس کے گھر کی طرف موڑ لی۔ پچھلے تین روز سے درمکنون کو بہت تیز بخار تھا شاید مسلسل جاگ کر ٹینشن لینے کی وجہ سے وہ بیمار ہوگئی تھی اوپر سے صمید حسن بتائے بغیر نجانے کہاں چلے گئے تھے' پریشانی سی پریشانی تھی۔

وہ عمر عباس کے گھر آیا تو پتا چلا کہ درمکنون آفس چلی گئی ہے تاہم شہر بانو گھر پر ہیں اسے اچھا نہ لگا کہ وہ انہیں ملے بغیر واپس پلٹ جائے لہٰذا گاڑی گیٹ کے باہر ہی پارک کر کے وہ خود اندر چلا آیا۔ شہر بانو لاؤنج میں سیب کاٹ کر کھا رہی تھیں' وہ وہیں چلا آیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! کیسے ہو' بہت دنوں کے بعد شکل دکھائی' کہاں ہوتے ہو آج کل؟"

"بس آفس اور ہسپتال' آج کل یہی مصروفیت ہیں۔"

"ہوں یہ تو ہے۔"

"آپ کل لندن جا رہی ہیں؟"

"ہوں' پچھلے ہفتے کی بکنگ تھی مگر شیرو کی وجہ سے رک گئی۔"

"شیرو کون؟"

"میری بیٹی ہے شہرزاد۔"

"اوہ مجھے شاید درمکنون نے بتایا تھا ان کے بارے میں' کیا بنا کچھ پتا چلا ان کا؟"

"ہوں الحمدللہ' گھر واپس آ گئی ہے وہ۔"

"واؤ' یہ تو بہت خوشی کی بات ہے' کمال ہے درمکنون نے بتایا ہی نہیں۔"

"اسے بھی پرسوں ہی پتا چلا ہے' تمہارا نمبر ٹرائی کرتی رہی تھی مگر بند مل رہا تھا۔"

"ہوں' میں جب مصروف ہوتا ہوں تو موبائل بند کر دیتا ہوں بہر حال بہت بہت مبارک ہو عمر انکل تو یقیناً ہسپتال میں ہی ہوں گے۔"

"ہوں' وہ ہسپتال میں ہی رہتے ہیں زیادہ۔" شہر بانو جواب دے کر چائے کے لیے اٹھ ہی رہی تھی جب شہرزاد سفید کاٹن کے سوٹ میں نکھری نکھری سی وہاں چلی آئی۔

"مما میں ذرا ہسپتال جا رہی ہوں ہوزان کے ساتھ۔" زاویار کو اس نے دیکھا ہی نہیں تھا' شہر بانو نے اثبات میں سر ہلا دیا' زاویار نے اس کی آواز پر جونہی سر اٹھا کر دیکھا اسے لگا وہ بس وہیں پتھر ہو گیا ہو۔

پہلی نظر کی محبت نے اس کے وجود کو اپنے حصار میں جکڑ کر جیسے پاش پاش کر دیا تھا' نظر شہرزاد کے چہرے پر ایسی جمی کہ اس کی آنکھوں سے صرف ایک چہرے کے سوا ارد گرد کی ساری دنیا ہی محو ہو گئی۔ اسے اتنا ہوش بھی نہ رہا کہ وہ کہاں بیٹھا ہے' شہر بانو اب شہرزاد کو چائے کے لیے کہہ رہی تھیں' وہ خود کو بمشکل محبت کے طلسم سے آزاد کرواتا بول اٹھا۔

"نہیں میں ابھی چائے نہیں پیوں گا' اصل میں خود بھی ابھی ہسپتال ہی جا رہا تھا اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے ساتھ چل سکتی ہیں۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے' سچ پوچھو تو مجھ میں اب اسے اکیلے گھر سے باہر بھیجنے کا حوصلہ ہی نہیں

ہے۔ میری تو خواہش تھی اسے ساتھ لے کر ہی لندن جاؤں مگر...... کچھ مجبوریوں کی وجہ سے ابھی میں اسے ساتھ لے کر نہیں جاسکتی۔ میرے بعد تم اس کا دھیان رکھنا زاویار...... یہ بہت بےوقوف لڑکی ہے۔"

"کوئی بات نہیں آپ پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہوجائے گا۔" اس کی نگاہیں شہرزاد کے چہرے سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھیں، جب ہی شہرزاد بول اٹھی۔

"یہ کون ہیں؟"

"زاویار ہے، تمہاری مریرہ پھوپو کا اکلوتا بیٹا۔"

"اوہ تو یہ موصوف ہیں زاویار صمید حسن، درمکنون کے بھائی صاحب۔"

"جی ہاں آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔"

"شکریہ آپ تو واقعی مریرہ پھوپو کی فوٹو کاپی ہیں۔"

"کاش سیرت میں بھی ان جیسا ہوتا۔"

"اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔" وہ مسکرائی تھی تبھی ہوزان وہاں چلی آئی۔

"چلیں؟"

"ہوں، ٹیکسی سے جان چھوٹ گئی ہے ہماری، زاویار ہسپتال ہی جارہے ہیں ہم بھی ان کے ساتھ ہی چلتے ہیں۔" شہرزاد نے کہا تھا، ہوزان نے اثبات میں سر ہلادیا۔ وہ لوگ ہسپتال پہنچے تو دھوپ اچھی خاصی پھیل گئی تھی۔ شہرزاد مریرہ کی حالت دیکھ کر رو پڑی جبکہ ہوزان عمر عباس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"میں نے کل رات اس برف کے مجسمے کی زندگی کے لیے بہت دعا کی ہے، خدا کرے یہ بالکل ٹھیک ہوجائیں تاکہ آپ کی اذیت اور بےسکونی کو قرار ملے۔"

زاویار شہرزاد کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا، عمر نے لب بھینچ لیے، وہ شہرزاد سے خفا تھا باوجود اس کے کہ وہ پرانی حویلی کے مکینوں کے قاتل "مٹا" کے آئی تھی۔ شہرزاد کا غصہ بھی اس وقت ہوزان پر اترا۔

"تم جن راستوں پر چل رہی ہو سوائے تکلیف کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا تمہیں۔"

"جانتی ہوں۔" وہ بھی ہر طرح تیار تھی، عمر نے خاموشی میں ہی عافیت جانی تبھی اس نے دیکھا کہ زاویار مریرہ کے پاس آ کر اس کا ہاتھ تھام کر بیٹھ گیا تھا۔

"مما...... اب ضد چھوڑ دیں ناں پلیز، کب تک یوں خود سے جڑے ہر رشتے کو رلاتی رہیں گی آپ، اٹھ جائیں ناں پلیز...... پلیز مما......" جانے یہ اس کے ہاتھ کا لمس تھا یا پھر مریرہ کے دماغ نے اس کی آواز سن لی تھی جو اچانک اس کے چہرے پر جیسے تکلیف کے اثرات دکھائی دینے لگے۔ زاویار نے اس کا چہرہ دیکھا اور پھر جیسے خوشی سے چلا اٹھا۔

"ڈاکٹرز......" اس کی پکار نے عمر سمیت سب کو متوجہ کرلیا تھا، اگلے دس منٹ میں وہاں جیسے کھلبلی سی مچ گئی تھی۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

ایک بار کر میرا اعتبار

نادیہ فاطمہ رضوی

بچھڑے تو قربتوں کی دعا بھی نہ کرسکے
اب کے تجھے سپردِ خدا بھی نہ کرسکے
خوش بھی نہ رکھ سکے تجھے ہم اپنی چاہ میں
اچھی طرح سے تجھ کو خفا بھی نہ کرسکے



اس نے بالائی جانب بنے کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکا تو لان میں موجود تمام نفوس کو خوش گپیوں میں مصروف اور قہقہے لگاتے ہوئے پایا اور ان لوگوں میں سب سے بلند وشوخ قہقہے وہی تو لگا رہا تھا جو سب کے درمیان راجا اِندر بنا بیٹھا تھا۔ میرب کی نگاہ نا چاہتے ہوئے بھی اس کے فریش چہرے پر جا ٹکی' کشادہ پیشانی' سیاہ بھونرا صفت آنکھوں میں خوشی وسکون کے رنگوں کو سموئے عنابی لبوں پر دبی دبی ہنسی لیے وہ پہلے سے کہیں زیادہ ہینڈسم اور اسمارٹ ہوگیا تھا۔

''ہونہہ کوئی انسان کسی کا چین وقرار لوٹ کر اسے نارسائی اور اضطراب کے زہریلے کانٹوں میں دھکیل کر بھلا کیسے اتنا مطمئن وخوش رہ سکتا ہے۔'' میرب نے کھڑکی کے گلاس پر اپنی پیشانی ٹکا کر سوچا پھر یک دم اسے اپنے چہرے پر کسی کے نرم و گرم لمس کا احساس ہوا اس نے گھبرا کر کھڑکی چھوڑی اور مضمحل سی ہو کر اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی اس نے اس لمس کی حدت سے خود کو آزاد کرانے کی بارہا کوشش کی تھی' لاکھ جتن کیے تھے مگر نتیجہ صفر ہی نکلا تھا۔ یہ حدت یہ نرمی اس کا پیچھا پانچ سال سے کر رہی تھی اس پل وہ جیسے خود سے ہار گئی تھی۔

''علی سلطان تم میرا پیچھا آخر چھوڑ کیوں نہیں دیتے' نکل کیوں نہیں جاتے میرے دل ودماغ سے۔ مجھے تم سے نفرت ہے علی سلطان...... تم دھوکہ باز' خائن ہو' تم نے میرا قتل کیا ہے علی سلطان' میرے دل' روح اور خوابوں کا۔ تم نے مجھے جیتے جی زندہ لاش بنادیا' مجھے زندگی کی ہر رعنائی ولطافت سے محروم کردیا ہے۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی علی سلطان...... کبھی نہیں۔'' میرب خود سے انتہائی اذیت وتکلیف کے عالم میں بولتے آخر میں اپنا منہ تکیے میں چھپا کر بلک بلک کر رودی۔

❁......❁......❁

صبح اس کی آنکھ معمول سے کچھ لیٹ کھلی تھی' یہی وجہ تھی کہ وہ جلدی جلدی الٹا سیدھا تیار ہو کر ناشتے کی غرض سے باہر کی جانب بھاگی تھی کیونکہ امی کی سخت ہدایت تھی کہ خالی پیٹ گھر سے باہر ایک قدم بھی نہیں رکھنا' وہ ناشتے کی ٹیبل پر پہنچی تو شکر تھا کہ وہاں اس وقت کوئی نہیں تھا شاید رات کی محفل دیر تک جمی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس لمحے کوئی بھی نہیں تھا اس نے جلدی سے ایک سلائس نکال کر اس پر مکھن لگایا اور تھرماس سے گرم چائے نکال کر اس کو جلدی جلدی نگلنے لگی جب ہی وہاں نعمان مرتضٰی نے قدم رنجہ فرمایا۔ اسے اتنا عجلت میں ناشتا کرتے دیکھ کر ہنس کر بولا۔

''ارے سسٹر یہ ناشتا کہیں بھاگا نہیں جارہا جو تم اسے اس طرح جلد بازی میں کر رہی ہو۔'' وہ ٹریک سوٹ میں ملبوس تھا' نعمان مرتضٰی کی سحر خیزی کی عادت بہت پختہ تھی چاہے وہ آدھی رات کو سوتا مگر اٹھتا وہ ہمیشہ علی الصبح تھا۔ میرب نے جلدی سے ایک نگاہ اس پر ڈالی پھر اپنی نشست چھوڑتے ہوئے بولی۔

''میں تم سے بعد میں آکر بات کرتی ہوں نومی' اس وقت مجھے بہت امپورٹنٹ کلاس لینی ہے۔ وقت پر نہ پہنچی تو اسٹوڈنٹس مجھے گالیاں دیں گے اوکے برادر' اللہ حافظ۔'' کہتے ہی وہ ہوا کے جھونکے کی مانند یہ جا وہ جا جب کہ نعمان مرتضٰی مسکرا کر رہ گیا پھر سر جھٹک کر ناشتے کی ٹیبل کی جانب بڑھ گیا۔

❁......❁......❁

سیٹنگ روم میں اس وقت تمام ینگ پارٹی موجود تھی عاتکہ' ثوبیہ اور ملیحہ...... تینوں کسی فیشن میگزین پر جھکیں زور وشور سے تبصرہ کر رہی تھیں جبکہ جاذب اور راحیل لیپ ٹاپ کھولے سرچنگ میں مصروف تھے۔ علی سلطان جو اپنے آئی فون کے ذریعے اپنے امریکہ کے دوستوں سے چیٹنگ کر رہا تھا' ایک نگاہ اٹھا کر پورے کمرے میں دوڑائی پھر لڑکیوں کی جانب متوجہ ہو کر بولا۔

''کیا بات ہے گرلز...... تمہاری وہ روتی دھوتی کزن مجھے کل سے نظر نہیں آرہی جو بغیر کسی بہانے کے آنسو بہانے بیٹھ جاتی تھی۔'' علی سلطان کی بات پر ثوبیہ نے سر اٹھا کر اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کہیں میرب آپی کا تو نہیں پوچھ رہے؟'' جواباً علی سلطان نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''بالکل میں ان ہی محترمہ کا پوچھ رہا ہوں جو مجھے دیکھ کر سات پردوں میں جا چھپی ہیں۔''

''اٹس ناٹ فیئر علی بھائی' آپ پلیز میرب کے لیے ایسا مت بولیے' اب وہ پانچ سال پہلے والی میرب نہیں ہے جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھبرا کر رونے لگتی تھی اب تو وہ لیکچرار ہے ایک پرائیوٹ کالج میں اکنامکس اور انگلش پڑھاتی ہے۔'' ملیحہ علی کو ٹوکتے ہوئے آخر میں فخریہ لہجے میں بولی تو علی سلطان نے اپنی آنکھیں پٹپٹا کر کہا۔

''اچھا......! واقعی میں تو بہت امپریس ہوا ہوں۔'' علی سلطان کے لب ولہجے میں اس لمحے تمسخر وتضحیک کے رنگوں کو

جھلکتے دیکھ کر جاذب جو اُن دونوں کی گفتگو سن رہا تھا قدرے برا مانتے ہوئے گویا ہوا۔

"پلیز علی بھائی..... آپ میرب کے لیے ایسا مت بولیے۔"

"ارے بابا میں کیا کہہ رہا ہوں؟" وہ بے پروائی سے کندھے اچکا کر بولا پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوا۔

"ویسے جاذب تم لوگوں نے تو مجھے ان موصوفہ کے کارناموں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"ہم میں سے کسی نے ضرورت محسوس نہیں کی۔" جاذب سنجیدگی سے بولا تو علی سلطان بے اختیار خاموش سا ہو کر اسے چند ثانیے دیکھتا رہ گیا جب کچھ ہی دیر میں تائی امی وہاں داخل ہوئیں۔

"ارے عاتکہ بہو یہ ماہم اور محب ابھی تک اسکول سے نہیں لوٹے۔" انہوں نے اپنے جڑواں پوتے اور پوتی کی بابت استفسار کیا جو اُن کی آنکھ کا تارا تھے۔ ساس کو دیکھ کر عاتکہ فوراً میگزین چھوڑ کر وہاں سے اٹھی۔

"بس امی یہ دونوں شریر آنے والے ہی ہوں گے میں جب تک کھانا لگا لیتی ہوں۔" جواباً انہوں نے بہو کی بات پر اثبات میں سر ہلایا پھر اپنے لاڈلے بیٹے علی سلطان سے باتوں میں مصروف ہوگئیں جو پانچ سال بعد کل شام ہی امریکا سے لوٹا تھا۔

❁......❁......❁

میرب مسلسل چار کلاسز بناء کسی گیپ کے لے کر کافی تھکن محسوس کر رہی تھی حالانکہ رات دن خود کو بے پناہ مصروف رکھ کر بھی تھکن کا شائبہ تک اس کے چہرے پر نہیں ہوتا تھا مگر نجانے آج کیوں ایک نامعلوم سی تھکن اس کے وجود میں سرائیت سی کر گئی تھی۔ وہ اپنے روم میں آ کر کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندھ کر بیٹھی ہی تھی جب ہی ہلکا سا ناک کر کے ادھ کھلے دروازے سے اس کی کولیگ علیشبہ چلی آئی۔

"یہ آج کل کے لڑکے اتنے چھچھورے اور بدتمیز ہوگئے ہیں کہ اپنی ٹیچرز کا تک لحاظ نہیں ہے انہیں۔" علیشبہ مناسب قد وقامت کی پُرکشش سی لڑکی تھی جو اپنے فرینڈلی نیچر اور ماڈرن ڈریسنگ کی بدولت خصوصاً میل اسٹوڈنٹس میں بہت مشہور تھی جب کہ اس کے برعکس میرب ہمیشہ بے حد سادے سے حلیے میں رہتی تھی' میک اپ کے نام پر صرف کاجل اور جیولری کے طور پر پاپا کی دی ہوئی پانچ سرخ نگوں کی گولڈ کی رنگ وہ اپنے دائیں ہاتھ کی دوسری انگلی میں پہنتی تھی اس کی ساتھی ٹیچرز اور دوستوں نے بہتر اسے سمجھایا کہ وہ باوا آدم کے دور والا حلیہ چھوڑ کر جدید انداز اپنائے مگر اسے ان سب چیزوں سے دلچسپی ہی کہاں تھی۔

"تھرڈ ائیر کے حارث جمال نے دیکھو زبردستی مجھے یہ باکس تھما دیا۔" اس نے انتہائی بیش قیمت ریسٹ واچ کا ڈبہ اس کے سامنے کر کے کہا تو میرب اسے بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی کیوں کہ اب آدھے گھنٹے تک وہ انہی باتوں کو لے کر اس کا دماغ کھانے والی تھی۔

❁......❁......❁

شام کو سلطان پیلس میں بے حد رونق لگی ہوئی تھی سب ہی وسیع وعریض لاؤنج میں بیٹھے ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔ آج خلاف معمول اسے کالج سے واپسی پر دیر ہوگئی تھی' کچھ ضروری کتابیں لینے کی وجہ سے وہ مارکیٹ چلی گئی تھی وہ لاؤنج کی جانب آئی تو اس پل محفل اپنے عروج پر تھی۔ انشال آپی بھی اپنے پردیسی بھائی سے ملنے آ پہنچی تھیں' علی سلطان کی اس کی جانب پشت تھی جس کی بدولت وہ اسے وہاں آتے نہیں دیکھ سکا مگر انشال ملیحہ اور چچی کی نظر اس پر گئی تھی۔

"ارے میرب تم آ گئیں۔" انشال آپی خوش دلی سے بولیں جبکہ علی سلطان اس کا نام سن کر چونکنے کے باوجود بھی ہنوز ویسے ہی بیٹھا رہا۔ ملیحہ اور چچی نے بھی اس سے کچھ استفسار کیا وہ ان سب کا جواب سہولت سے دے کر وہاں سے فوراً چلی گئی۔ علی سلطان چند ثانیے خاموش سا بیٹھا رہا پھر سر جھٹک کر انشال کے دو سالہ گپلو رامش کو گود میں لے کر کھیلنے لگا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو پیچھے پیچھے امی بھی چلی آئیں جو اس وقت کافی غصے میں تھیں۔

"میرب..... یہ کیا طریقہ ہے گھر میں اتنے سارے مہمان آئے ہوئے ہیں اور تم..... تم خود کو چھپائے بیٹھی ہو' کل رات بھی تم ڈنر ٹیبل سے غائب تھیں۔ آج کا لنچ بھی تم نے اپنے کالج کی نذر کر دیا حالانکہ تمہیں آج جلدی گھر آ جانا چاہیے تھا اور اب اتنی شام کو تم گھر میں داخل ہو رہی ہو کیوں میرب..... اپنا تماشہ خود کیوں بنا رہی ہو تم؟" وہ اسے ڈپٹ کر بولیں۔

"امی میں بھلا اپنا تماشہ کیوں بنانے لگی' میرے لیے اس گھر کے مہمان سے زیادہ اپنا کالج اہم ہے اور اپنے بھانجے کی ناز برداریاں آپ کیجیے مجھے اس کی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

اس لمحے میرب کے لہجے میں اتنی تلخی اور کاٹ تھی کہ امی محض اسے دیکھتی رہ گئیں جب کہ میرب سے ملنے کے لیے آتی انشال میرب کے جملوں کو سن کر بوجھل دل لیے دروازے سے ہی لوٹ گئی۔

کل رات بھی محفل نجانے کتنی دیر میں برخاست ہوئی تھی اسے معلوم نہیں تھا وہ کل رات بھی ڈنر ٹیبل پر نہیں آئی تھی صرف ملازمہ سے چائے منگوا کر اس کے ہمراہ سر درد کی ٹیبلٹ کھا کر وہ پُرسکون نیند سوگئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ منہ اندھیرے بہت فریش سی اٹھی تھی نماز فجر پڑھنے کے بعد وہ لان میں چلی آئی۔

موسم بدل چکا تھا ہلکی پھلکی سردی کا رنگ فضا میں اتر آیا تھا وہ ننگے پاؤں گھاس پر چہل قدمی کرتے ہوئے اوٹ پٹانگ سوچے جارہی تھی اس پل وہ خود میں اتنی محو تھی کہ اسے کسی وجود کی موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوا۔ علی سلطان نجانے کتنی دیر سے اسے خود میں مگن لان میں چکر لگاتے ہوئے دیکھ رہا تھا وہ بے دھیانی میں چلتے ہوئے لان کے اس جانب آ گئی جہاں وہ کھڑا تھا۔ میرب نے بے ساختہ خود کو اچانک سامنے آنے والے وجود سے ٹکرانے سے بچانا چاہا مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو پائی اس کا سر بے اختیار مقابل کے سینے سے جا ٹکرایا تھا۔

"او ایم سوری......" باقی کے الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے تھے سامنے کھڑی شخصیت کو دیکھ کر اس کے اندر کڑواہٹ و بیزاری دور تک پھیلتی چلی گئی تھی۔

"یہ آپ کیا پلر کی طرح راستے میں آ کر کھڑے ہوگئے سامنے سے ہٹ نہیں سکتے تھے آپ۔" وہ انتہائی چڑ کر بولی مگر علی سلطان اپنے دونوں بازو سینے پر باندھے اسے والہانہ نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ میرب نے یونہی اِدھر اُدھر دیکھا سورج نکلنے میں شاید کچھ وقت تھا چہار سو ملگجا سا اندھیرا اور خوش گوار سی ٹھنڈک فضا کو بے حد خوب صورت بنا رہی تھی جب ہی علی سلطان کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"زہے نصیب آج تو دیدار یار ہو ہی گئے ورنہ آپ کا رخ روشن دیکھنے کی حسرت میں ہم تو اس جہان سے گزر ہی جاتے۔" وہ بے حد رومان پرور انداز میں بولا جب کہ اس کے انداز پر غصے سے کھول کر رہ گئی تھی۔

"شٹ اپ ذرا تمیز سے بات کیجیے۔" وہ سخت طیش میں بولی مگر مقابل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا وہ ایک قدم آگے آ کر ہنوز لہجے میں گویا ہوا۔

"اچھا مگر تمہارے ساتھ تو میرا تمیز اور بدتمیز کا ہر رشتہ جڑا ہوا تھا تمہیں یاد ہو نہ یاد ہو۔" آخر میں اس کی گنگناہٹ میرب کے وجود میں شرارے بھر گئی۔

"مسٹر علی سلطان اپنی چیپ اور گھٹیا زبان پر قابو رکھیں اور آئندہ میرے سامنے آنے سے گریز کیجیے گا سمجھے آپ۔"

"کیوں...... کیوں مجھ سے ڈرتی ہو تم میرب سلطان...... میری آنکھوں میں دیکھنے سے ڈرتی ہو کہ کہیں تم دوبارہ اس میں ڈوب کر اپنا آپ نہ کھو دو۔" وہ مخمور لہجے میں بولا جب وہی چلا اٹھی۔

"دفع ہو جاؤ علی سلطان...... میری نگاہوں کے سامنے سے...... تم خود کو سمجھتے کیا ہو ہاں...... تم ہو کیا علی سلطان...... میں تم سے پہلے بھی نفرت کرتی تھی اور آج بھی نفرت ہی کرتی ہوں کیوں کہ تم جیسے گھٹیا انسان صرف نفرت ہی ڈیزرو کرتے ہیں۔" میرون اینڈ آف وائٹ کاٹن کے امتزاج کے سوٹ میں دوپٹہ نماز کی طرح اوڑھے وہ اس لمحے لال بھبھوکا چہرہ لیے علی سلطان کے روبرو تھی۔

"میرب جان یہ نفرت بھی محبت کا روپ ہوتی ہے کیا یہ بات تمہیں نہیں معلوم؟" علی سلطان پر میرب کی ڈانٹ پھٹکار کا مطلق اثر نہیں ہوا تھا وہ تو جیسے اس کے ہر ہر انداز سے لطف اٹھا رہا تھا۔ میرب نے بے حد کاٹ دار نگاہوں سے دیکھا پھر مشتعل ہو کر بولی۔

"میں لعنت بھیجتی ہوں اس پر اور تم پر بھی۔" وہ بجلی کی تیزی سے پلٹ کر وہاں سے چلی گئی جب کہ علی سلطان کے بلند قہقہے نے اس کا دور تک پیچھا کیا تھا۔

تایا ابو اپنے دوست کی بیٹی مہوش نعمان مرتضیٰ سلطان کے لیے پہلے ہی پسند کر چکے تھے اب دونوں گھرانے منگنی کا فنکشن رکھنا چاہ رہے تھے۔ یہ گھر تین بھائیوں کی ملکیت تھا جن کی بیویوں میں بھی مثالی سلوک تھا۔ سب سے بڑے مرتضیٰ سلطان تھے جن کے تین بیٹے اور ایک بیٹی انشال جو پہلی اولاد تھی پھر طلحہ مرتضیٰ سلطان کے بعد علی مرتضیٰ سلطان اور آخر میں جاذب مرتضیٰ سلطان تھا جب کہ منجھلے بھائی دانیال سلطان کے دو بچے تھے بیٹا اشعر سلطان اور اس سے دس سال چھوٹی میرب سلطان تھی۔

دانیال سلطان آٹھ سال پہلے ہارٹ فیل ہونے کی بدولت انتقال کر چکے تھے جبکہ سب سے چھوٹے عثمان سلطان تھے جن کے تین بچے ثوبیہ ملیحہ اور راحیل تھے۔ دانیال کی شادی مرتضیٰ سلطان سے کافی پہلے دادا سلطان حشمت نے اس لیے کردی

تھی کیوں کہ وہ اعلیٰ تعلیم کی غرض سے لندن جا رہے تھے۔ عابدہ بیگم ان کی کسی عزیز کی بیٹی تھیں جو بہت اچھی بہو ثابت ہوئیں لہٰذا عابدہ بیگم کی نیک فطرت کو دیکھتے ہوئے سلطان حشمت نے اپنے بڑے بیٹے کے لیے عابدہ بیگم کی چھوٹی بہن عارفہ بیگم کا ہاتھ مرتضیٰ سلطان کے لیے مانگ لیا تھا' دونوں ہی بہنیں بہت اچھی ثابت ہوئی تھیں جب کہ اشعر سلطان کی بیوی عالیہ بھی اپنی جٹھانیوں کے ساتھ بہت اتفاق و سلوک سے رہتی تھیں۔ مرتضیٰ سلطان نے اپنے بڑے اور بیٹی کی شادی پانچ سال پہلے اپنے دور کے رشتہ داروں میں کردی تھی انشال کے تین بچے دو بیٹے اور ایک بیٹی جب کہ طلحہ اور عاتکہ کے دو جڑواں بچے محب اور ماہم تھے۔ مرتضیٰ سلطان نے جب علی سلطان سے شادی کی بابت پوچھا تو وہ تو فوراً سے امریکہ جا پہنچا اور اب پورے پانچ سال بعد وہاں سے لوٹا اس دوران وہ اپنے چھوٹے بیٹے نعمان کی بات اپنے دوست کی بیٹی مہوش سے طے کرچکے تھے دونوں میاں بیوی جب بھی علی سلطان سے شادی کے حوالے سے بات کرتے وہ ہمیشہ کنی کترا جاتا تھا۔

❁......❁......❁

چوتھی بار فون کا الارم بجنے پر اس کی آنکھ کھلی تو اس نے مندی مندی نظروں سے سامنے دیوار پر لگی وال کلاک کی جانب دیکھا اور دوسرے ہی لمحے وہ کرنٹ کھا کر اٹھی۔

''اوہ گاڈ دس بج گئے...... یا آج میری آنکھ کیسے نہیں کھلی۔'' وہ بڑبڑا کر بولی پھر فریش ہوکر باتھ روم سے آئی تو کالج جانے کا ارادہ ترک کرچکی تھی اپنی چھٹی کا میسج علیشبہ کو دے کر وہ نیچے ڈائننگ ہال میں آئی تو وہاں تائی امی کے ہمراہ نعمان عاتکہ اور جاذب کو بیٹھے پایا۔

''ارے واہ زبردست آج میرب نے کیسے چھٹی کرلی' کہیں پبلک ہالی ڈے تو نہیں ہے۔'' عاتکہ شرارت آمیز لہجے میں بولی وہ کالج کی چھٹی کبھی نہیں کرتی تھی' چاہے سردی ہو یا گرمی طوفان ہو یا بارش ہمیشہ کالج جاتی تھی۔

''بس بھائی آج نجانے کیسے آنکھ ہی نہیں کھلی۔'' وہ بے زاری سے کرسی کھینچ کر بیٹھی۔

''چلو اچھا ہوا نہ کہ آج تمہاری چھٹی ہوگئی ہم سب کا مارکیٹ جانے کا پلان ہے۔'' عاتکہ چائے کا بڑا سا گھونٹ بھرتے ہوئے بولی تو میرب فوراً سے پیشتر بولی۔

''میرا تو بالکل موڈ نہیں ہے مارکیٹ جانے کا آج چھٹی ہو ہی گئی ہے تو کچھ ضروری کام گھر کے نمٹا لوں۔''

''دیکھا نومی بھائی......'' عاتکہ نے ناراضی سے اسے دیکھ کر نومی کو مخاطب کیا۔

''ہوں بھائی...... دیکھ بھی رہا ہوں اور سن بھی۔'' نومی نے اسے تادیبی نظروں سے دیکھ کر کہا تو میرب مجبوری ہوگئی پھر مسکرا کر نومی کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''اچھا اب اپنا منہ بھانے کی ضرورت نہیں ہے چلتی ہوں مارکیٹ۔'' میرب کا جملہ سن کر نعمان خوشی سے بولا۔

''او تھینک گاڈ تم مان گئیں۔''

''کون کیا مان گیا کچھ ہمیں بھی تو پتا لگے۔'' اسی پل وہاں علی سلطان نے اپنی انٹری دی جب کہ میرب کے مسکراتے لب یک دم بھینچ گئے تھے جب ہی عاتکہ پُرجوش انداز میں بولی۔

''علی بھائی ہم سب نعمان بھائی کی منگنی کی شاپنگ کے لیے مال جا رہے ہیں اور تھینک گاڈ میرب بھی ہمارے ساتھ جانے کو راضی ہے۔'' نعمان مرتضیٰ نے تھوڑا خائف ہوکر میرب کے بے پناہ سنجیدہ چہرے کو دیکھا' اسے اس لمحے اس کے منع کرنے کا خدشہ لاحق ہوا کیونکہ علی بھی ان سب کے ساتھ جا رہا تھا۔

''اوہ ویٹس گڈ پھر کب نکلنا ہے نعمان؟'' علی مگن سے انداز میں بولا جب کہ میرب بنا اس کی جانب توجہ دیئے خاموشی سے چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔ نعمان کو کچھ اطمینان سا ہوا صد شکر کہ میرب نے کوئی جواب نہیں دیا پھر عاتکہ ملیحہ' میرب' نعمان اور علی کے ہمراہ کلفٹن میں بنے مال کی جانب روانہ ہوگئے۔ واپسی میں ان سب نے ڈیسائیڈ کیا کہ کچھ دیر سی ویو پر چہل قدمی کرتے رات کا کھانا دو دریا کے کسی ریسٹورنٹ میں کھایا جائے۔ حیرت انگیز طور پر میرب نے کسی بھی بات پر انکار نہیں کیا تھا' علی کے ساتھ ساتھ نعمان کو بھی میرب کا اتنا سعادت مندانہ رویہ متعجب کر رہا تھا جب کہ میرب نے دل ہی دل میں یہ مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ وہ اب علی سلطان سے بھاگ کر اس کو خود پر ہنسنے کا موقع ہرگز نہیں دے گی بلکہ یہ ثابت کرے گی کہ اس کی موجودگی سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

فضا میں پھیلا مدھم اندھیرا اور ساحل پر لگی لائٹس نے ماحول کو خاصا رومان پرور بنادیا تھا' وہ تینوں ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ گئے تھے۔ عاتکہ اور ملیحہ غالباً کسی ڈریس کو لے کر زور و شور سے تبصرے میں مصروف تھیں جبکہ میرب اپنے ہی خیالوں میں

گم تھی، کچھ دیر بعد جب وہ اپنے دھیان سے چونکی تو عاتکہ اور ملیحہ اسے کچھ فرلانگ پر واک کرتی ہوئی دکھائی دیں جب ہی اچانک علی سلطان اپنی مخصوص مسکراہٹ چہرے پر سجائے وہاں آدھمکا۔

''ہوں، آج میرب سلطان کافی بہادر نظر آرہی ہیں، مجھے دیکھ کر نہ کہیں غائب ہوئیں اور نہ......''

''آپ کو اتنی خوش فہمی کیوں ہے میں اپنے موڈ کے تابع ہوں جب جیسا دل چاہتا ہے ویسا ہی کرتی ہوں۔'' وہ اس کی بات درمیان میں سے ہی اچک کر کلس کر بولی جب کہ بلیک جینز پر بلیک ہی شرٹ کی آستین کہنیوں تک فولڈ کیے علی سلطان نے اسے اسی والہانہ پن سے دیکھا جیسے پہلے دیکھتا تھا میرب کو یک دم علی سلطان کی نگاہوں سے بے حد الجھن محسوس ہوئی۔ کبھی وہ ان نگاہوں کی تاب نہ لاکر شرما کر بیربہوٹی بن جاتی تھی مگر آج تو اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس شخص کو دھکا دے کر سمندر کی لہروں کے حوالے کردے جو دلوں سے کھیلنے کا ماہر تھا جو شاید آج بھی اسے تکلیف واذیت دے کر حظ اٹھا رہا تھا۔

''اچھا تو تمہارا موڈ آج میرے ساتھ وقت گزارنے کا ہو رہا تھا جب ہی تم شاپنگ پر آ ئیں ناں۔'' وہ اتنے دل جلانے والے انداز میں بولا کہ میرب سر اٹھا کر محض اس سنگ دل اور بے وفا شخص کو دیکھتی ہی رہی جسے وہ اپنی زندگی سے بھی زیادہ چاہتی تھی اس کی خاطر مرنے مارنے کو تیار تھی مگر......

''علی سلطان تم مجھ سے چاہتے کیا ہو؟ اور تم میرے لیے کچھ بھی نہیں ہو علی، تم اگر مر بھی جاؤ گے تو بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا اگر تم مجھے وہ پانچ سال پہلے والی بے وقوف اور احمق سی میرب سلطان سمجھ رہے ہو تو یہ تمہاری سنگین بھول ہے۔ علی سلطان اپنی پانچ سال پہلے والی حماقت کو میں اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تسلیم کرتی ہوں اور ہوسکتا ہے وہ محبت محبت ہی نہ ہو وقتی لگاؤ اور انسیت ہو جو تمہارے چھل فریب کی بدولت پیدا ہوگیا ہو۔'' میرب اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے عین مقابل کھڑے ہوکر انتہائی خود اعتمادی سے بول رہی تھی جب کہ علی اس کے چہرے کے ایک ایک نقوش کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنے دل میں اتار رہا ہو۔

''میرب سلطان کو تم سے صرف اور صرف نفرت ہے اور کچھ نہیں۔'' یہ کہہ کر وہ جونہی پلٹی نجانے کیسے اس کا پاؤں پھسلا علی نے بے اختیار اس کی کلائی تھام کر اسے گرنے سے بچایا تو دوسرے ہی لمحے اس نے انتہائی حقارت سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

''میں اگر پہاڑ سے بھی گر رہی ہوں گی تو بھی تمہارا سہارا کبھی نہیں لینا چاہوں گی۔'' میرب کے لب و لہجے میں کتنا تنفر کتنی حقارت تھی اس کے وہاں سے جانے کے بعد وہ کتنی ہی دیر اس کے لفظوں کی بازگشت میں گھرا کھڑا رہا۔

❀......❀......❀

منگنی سے دو دن پہلے سب لڑکے اور لڑکیوں نے ہلا گلا کرنے کی غرض سے ڈھولکی رکھ لی تھی اور اب وہ سب اپنی اپنی بے سری آوازوں میں اپنے فن کا جادو جگا رہے تھے جب ہی عاتکہ بھابی بھی ٹرالی میں کافی اور دیگر لوازمات سجائے وہاں داخل ہوئیں تو ساری لڑکیاں ڈھولک چھوڑ چھاڑ کافی کی جانب لپکیں سردی اچھی خاصی اپنے جوبن پر آ گئی تھی سب کو ہی اس پل کافی کی بے حد طلب ہو رہی تھی۔

''ارے واہ بھابی...... یہ آپ نے بڑا نیک کام کیا۔'' جاذب پلیٹس میں چکن رول کباب، نیگٹس اور ڈرائی فروٹ رکھے دیکھ کر بولا، علی سلطان جس نے مسلسل میرب کو اپنی نگاہوں کی زد میں لے رکھا تھا اسے وہاں سے اٹھتا دیکھ کر خود بھی بڑے نامحسوس انداز میں وہاں سے اٹھا میرب اپنی جون میں سیڑھیاں عبور کرکے جونہی کاریڈور کی جانب آئی تب ہی علی سلطان کی آواز نے اس کے قدموں کو بے اختیار جکڑا تھا۔

''بڑی چچی بتا رہی تھیں کہ تم ہر رشتے سے انکار کردیتی ہو۔'' میرب بل کھا کر پلٹی، ڈارک براؤن گرم سوٹ میں آف وائٹ شال اوڑھے وہ اس پل بہت پیاری لگ رہی تھی۔

''آپ ہوتے کون ہیں میرے ذاتی معاملات میں دخل دینے والے۔'' علی سلطان اسے چند ثانیے مسکراتی نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر دوستانہ انداز میں بولا۔

''سوچ لو میں تمہارے لیے بڑے کام کا آدمی بن سکتا ہوں۔''

''ہونہہ...... میرب سلطان اپنا ہر کام بخوبی کرسکتی ہے اسے کسی ایرے غیرے سے مدد لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''اتنی زیادتی تو نہ کرو میرے ساتھ، تایازاد ہونے کے ساتھ ساتھ خالہ زاد بھی ہوں۔'' وہ چند قدم مزید قریب آ کر بولا پیچھے دیوار ہونے کی وجہ سے دونوں کے درمیان فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا۔ علی سلطان کی پُرحدت سانسوں کی مہک اسے اپنے چہرے پر محسوس ہوئی۔

''راستہ دیجیے مجھے جانا ہے۔'' میرب اندر سے بے حد ڈسٹرب ہوکر آنکھیں چرا کر بولی مگر اس نے تو جیسے سنا ہی نہیں۔

''کیا چیز ہو تم میرب سلطان نہ تم سے محبت کرپاتا ہوں نہ نفرت' تم ہی بتاؤ جانِ علی میں کیا کروں......؟'' عجیب بے بسی میں ڈوبا لہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا تو میرب نے انتہائی بھونچکا ہوکر اسے دیکھا جو اس پل اس کے قریب کھڑا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی اب بھلا یہ کون سا روپ تھا اس کا شاید اسے زیر کرنا چاہتا تھا مگر نہیں اب وہ اس جادوگر کی باتوں میں ہرگز نہیں آئے گی۔ میرب نے خود کو دل ہی دل میں سمجھایا مگر یہ کیا......علی سلطان اس کے چہرے پر آئی بالوں کی لٹوں کو سنوارنے لگا تھا اس لمحے میرب کو لگا جیسے اس کا وجود جلتا انگارہ بن گیا ایک زناٹے دار تھپڑ علی سلطان کو ہوش کی دنیا میں واپس لے آیا جب کہ میرب طیش و اشتعال کے عالم میں تھر تھر کانپ رہی تھی۔

''تم سے زیادہ گرا ہوا انسان میں نے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھا' تمہیں ہمت کیسے ہوئی مجھے ہاتھ لگانے کی۔'' اس سے پہلے کہ وہ اس کی باتوں پر غور کرتا میرب اسے دھکا دے کر وہاں سے تیزی سے نکل گئی۔

❁......❁......❁

آنسو قطار در قطار اس کی آنکھوں سے بہتے چلے جارہے تھے' رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی مگر اس کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔

''علی تم اتنے برے کیوں ہو؟'' وہ خود سے تھک کر بولی پھر مزید گویا ہوئی۔

''کاش میں نے تم سے کبھی محبت نہ کی ہوتی' تمہیں اپنے دل کی مسند پر بادشاہ بنا کر نہ بٹھایا ہوتا۔ اپنی روح تمہارے حوالے نہ کی ہوتی۔'' پھر بے اختیار وہ ماضی کی بھول بھلیوں میں گم ہوتی چلی گئی' تمام کزنز میں اس کی علی سلطان سے سب سے زیادہ بنتی تھی ان دونوں میں ذہنی ہم آہنگی بھی خوب تھی' دونوں ہر کام ایک دوسرے سے مشورہ لے کر کیا کرتے تھے ان کی ایسی دوستی نے بہت جلد محبت و الفت کا پیراہن اوڑھ لیا تھا اور اس میں زیادہ ہاتھ علی سلطان کا تھا۔ گندمی رنگت' سیاہ بڑی آنکھوں والی اپنی یہ کزن اسے دل و جان سے بھا گئی تھی' دونوں کی پسندیدگی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی نہ ہی کسی کو اس رشتے پر اعتراض تھا مگر نجانے کس کی بدنظر نے میرب کی خوشیوں اور آرزوؤں کو نگل لیا تھا۔

انشال اور طلحہ دونوں بھائی بہن کی کہائن مہندی میں اس نے ایک درخت کی اوٹ میں علی سلطان کو انشال کی سہیلی کی بہن سے وہی مکالمے دہراتے سنا جو علی اس کے سامنے بڑے جذب سے بولا کرتا تھا۔

''مہرین مجھے لگتا ہے کہ تم دنیا کی سب سے خوب صورت لڑکی ہو' تمہیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ میری سانسیں چل رہی ہیں پلیز مجھے چھوڑ کر کبھی نہیں جانا۔'' چونکہ تقریب کا انتظام گھر کے وسیع و عریض لان میں ہی کیا گیا تھا جب ہی میرب اسے ڈھونڈتی ہوئی وہاں آن پہنچی تھی اسے علی سلطان پر اتنا بھروسہ اتنا یقین تھا کہ اگر اس کی ماں بھی علی کے خلاف کچھ بولتی تب بھی وہ ان پر یقین نہ کرتی اس لمحے اس کا بھروسہ اس کا مان سب ٹوٹ گیا' وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے علی کو اس لڑکی کا ہاتھ پکڑے اسے فلرٹ کرتا دیکھتی رہی پھر دوسرے ہی پل تیورا کر گر پڑی جب اسے ہوش آیا تو سب ہی کو اپنے اردگرد متفکرانہ انداز میں ایستادہ پایا ایک بار پھر تمام باتیں یاد آنے پر اس نے اذیت سے آنکھیں دوبارہ بند کرلیں اس پل اسے اپنے واپس ہوش میں آنے پر بے پناہ صدمہ ہوا۔ میرب کا خیال تھا کہ ہر مرد کی طرح وہ بھی صاف مکر جائے گا مگر وہ تو انتہائی ڈھٹائی سے اقرار کررہا تھا۔

''کشف مجھے اچھی لگتی ہے میرب......''

''اور میں...... میں علی......'' وہ انگشت بدنداں سی فقط اتنا ہی بولی۔

''تم اچھی لگتی تھی اب مجھے کشف پسند ہے اور میرے خیال میں کشف جیسی ماڈرن اور زمانے کے ساتھ چلنے والی لڑکی ہی مجھے سوٹ کرتی ہے۔'' پھر وہ اس کا دل بے دردی سے توڑ کر' سارے وعدے بھلا کر امریکہ چلا گیا۔ میرب نے اپنا سارا دھیان بے حد دقتوں سے اپنی پڑھائی کی جانب لگالیا خود کو مصروف کرلیا جب کبھی اس کا فون آتا یا اسکائپ پر وہ بات کرتا وہ فوراً اِدھر اُدھر ہوجاتی۔ تائی امی جو باقاعدہ منگنی کرنے کا سوچ رہی تھیں اچانک علی کے انکار پر دل مسوس کررہ گئیں۔ ساری ینگ جنریشن بھی علی کے اس طرح بدلنے پر حیران و ساکت تھی مگر اس نے سب کی باتوں کو چٹکیوں میں اڑا دیا تھا اور اب وہ واپس آ گیا تھا اسے ستانے اور دل جلانے کے لیے۔

"کچھ بھی ہوجائے علی سلطان اب میں تمہارے سامنے کبھی کمزور نہیں پڑوں گی تم جھوٹے خائن اور بدکردار انسان ہو۔ میں اب وہ اکیس سال والی بے وقوف سی میرب نہیں ہوں اب اگر تم نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تو میں بھی تمہیں زمین کی دھول چٹادوں گی۔" میرب اپنے گالوں پر بہتے آنسوؤں کو اپنی ہتھیلی سے بے دردی سے رگڑتے ہوئے خود سے ایک عزم سے بولی۔

❁......❁......❁

"تمہارے ساتھ پرابلم کیا ہے علی کیوں تم میرب کو زچ کرتے ہو۔ میری تو یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ آخر تم چاہتے کیا ہو؟" انشال علی اور میرب کے درمیان ہونے والی سرد جنگ سے بخوبی واقف تھی ابھی تھوڑی دیر پہلے میرب کے لاؤنج میں آنے پر اس نے طنز کے تیر جو میرب پر برسائے تھے انہیں انشال بخوبی دیکھ اور سن چکی تھی جب کہ علی سلطان انشال کے استفسار پر انجان بننے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا۔

"میں نے کیا کیا ہے آپی؟" جواباً انشال نے تادیبی نگاہوں سے دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر گویا ہوئی۔

"مجھے نہیں معلوم کہ تم نے کس بناء پر میرب کو ریجیکٹ کیا تھا مگر اتنا ضرور بتاؤں میرے بھائی تم نے ہیرے کو ٹھکرایا ہے میرب جیسی پیاری اور حساس لڑکی شاید ہی تمہیں دوبارہ ملے۔"

"آپ مجھے بددعا دے رہی ہیں آپی۔" وہ برا مانتے ہوئے بولا۔

"بددعا نہیں دے رہی حقیقت بتارہی ہوں۔" پھر تھوڑی دیر بعد انشال کندھے اچکا کر بولی۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو اب تو وقت گزر چکا ہے ویسے نومی کی منگنی کے بعد میری نند اپنے دیور کا رشتہ میرب کے لیے لے کر آرہی ہے اور ہمیشہ کی طرح ہر رشتے سے انکار کرنے والی میرب نے اس رشتے کے لیے رضامندی بھی دے دی ہے۔"

"یہ آپ مجھے کیوں بتارہی ہیں؟" وہ بے حد چڑ کر بولا۔

"شاید اس لیے کہ تمہیں اپنے زیاں کا احساس بروقت ہوجائے۔" یہ کہہ کر انشال کمرے سے نکل گئی جب کہ علی نے طیش کے عالم میں اپنے ہاتھ کا مکا بنا کر کشن پر دے مارا۔

❁......❁......❁

نعمان کی منگنی کی تقریب کے لیے تقریباً سب ہی میرج ہال کے لیے روانہ ہوچکے تھے میرب چونکہ آج کالج بھی گئی تھی لہٰذا وہاں سے آکر وہ گہری نیند سوگئی تھی کیوں کہ گزشتہ رات بھی وہ نہیں سوسکی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لیٹ ہوگئی۔ اپنی تیاری جیسے تیسے مکمل کرکے وہ نیچے آئی تو یہ دیکھ کر ہک دِک سے رہ گئی کہ سب ہی اسے چھوڑ کر جاچکے ہیں جب کہ علی سلطان بڑے طمطراق سے صوفے پر بیٹھا محوِ انتظار ہے۔

"اُف تم برآمد تو ہوئیں ورنہ تھوڑی دیر میں میں بھی نکلنے والا تھا ابو کی خاص ہدایت تھی کہ تمہیں لے کر پہنچوں۔" علی سلطان کی بات سن کر اس کے قدم بے جان سے ہوگئے اسے ایک ہی جگہ اسٹیچو بنا دیکھ کر وہ دوبارہ مخاطب ہوا۔

"کیا کھڑے کھڑے مراقبے میں چلی گئی ہو؟ جلدی باہر آؤ دیر ہورہی ہے۔" علی تیزی سے باہر جاچکا تھا ناچار وہ مرے ہوئے قدموں سے باہر آئی۔ علی کی بلیک سوک کی فرنٹ سیٹ پر وہ اپنی سوچوں میں گم بیٹھی تھی علی نے سہولت سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اسے دیکھا گرے اینڈ رائل بلو مخمل کے سوٹ میں انتہائی دلفریب سفید موتیوں اور ستاروں کے کام میں وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی جب کہ نازک سے پرل کے سیٹ نے اس کی خوب صورتی کو چار چاند لگا دیئے تھے جب کہ میک اپ کے نام پر اس نے صرف آئی لائنر اور پنک لپ اسٹک لگا رکھی تھی اپنے شہد آگیں بالوں کو چوٹی کے بل دیے وہ کسی اپسرا سے کم نہیں لگ رہی تھی۔

"تو گویا تم نے شادی کا فیصلہ کر ہی لیا۔" یک دم گاڑی کے خاموش ماحول میں علی کی گمبھیر آواز گونجی تو میرب اپنے دھیان سے چونکی پھر انتہائی ناگوار انداز میں بولی۔

"آپ کے ساتھ کیا مسئلہ ہے آخر؟ کیوں آپ میرے پرسنل معاملات میں دخل دیتے ہیں۔" جٹ بلیک سفاری سوٹ میں ملبوس اس پل علی سلطان مکمل وجاہت کا نمونہ لگ رہا تھا جسے وہ نظر انداز کررہی تھی۔

"تم نے میرے آنے سے پہلے شادی کیوں نہیں کی؟" انتہائی بے تکے سوال پر میرب کی زبان کو فوراً بریک لگا تھا اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"جب تمہارے اتنے رشتے آرہے تھے تو تم پہلے ہی شادی کرکے یہاں سے چلی جاتیں ناں۔" میرب اس کی بے سروپا باتیں سمجھ نہیں پارہی تھی جب ہی الجھ کر بولی۔

"آپ کا شاید دماغ خراب ہوگیا ہے۔" اسی دم علی نے بریک لگایا تو اس نے بمشکل خود کو ونڈ اسکرین سے ٹکرانے سے بچایا۔

"تم کیا سمجھتی ہو میرب سلطان...... تمہاری شادی کرنے کے فیصلے سے مجھے تکلیف ہوگی۔" وہ بھینچے بھینچے انداز میں بولا۔

"میں نے یہ کب کہا؟" وہ حیرت سے گویا ہوئی۔

"ہونہہ تم مجھے اذیت دینا چاہتی ہو مگر میڈم میرب سلطان صاحبہ مجھے تمہارے شادی کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"تو میں نے ایسا کب کہا؟" وہ ہنوز متعجب سی بولی جب ہی وہ تلملا کر اس کے تھوڑا قریب جھکتے ہوئے بولا۔

"مگر تمہاری نیت یہی ہے میرب سلطان......"

"میری کوئی ایسی نیت نہیں ہے اگر آپ حقیقت سننا چاہتے ہیں تو سنئے میں آپ کو اپنی نظروں کے سامنے نہیں دیکھنا چاہتی' مجھے آپ کے وجود سے وحشت ہوتی ہے' گھٹن ہوتی ہے......" بولتے ہوئے یک دم اس نے اس کا گریبان پکڑا۔

"علی سلطان کیا اس پوری دنیا میں تمہیں صرف میں ہی ملی تھی' تمہارے وقت کو کچھ دیر کے لیے رنگین بنانے کے لیے' تمہارے دل کو بہلانے کے لیے' کیا دنیا میں لڑکیوں کا کال پڑ گیا تھا جو تمہیں صرف میری ہی ہستی بے قیمت اور بے وقعت دکھائی دی۔ تم نے اس بات تک کا پاس نہیں کیا کہ میں تمہارے مرحوم چچا کی یتیم بیٹی ہوں۔" شدت غم وصدمے سے میرب کی آواز پھٹ گئی جب کہ علی سلطان بھونچکا سادم سادھے فقط اسے دیکھتا رہ گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ بلک بلک کر رودی علی نے گاڑی نسبتاً سنسان جگہ کھڑی کی تھی' وہ بالکل گم صم بیٹھا اس کا لرزتا وجود دیکھتا رہا پھر اس نے تلملا کر سر اٹھایا۔

"نفرت کرتی ہوں میں علی تم سے اور یہ نفرت مجھے ہمہ وقت' ہر پل' ہر لمحہ جلاتی سلگاتی ہے۔ میں مرجاؤں گی علی' اس نفرت اور اپنے وجود کی بے وقعتی کے احساس نے مجھے زندہ لاش بنادیا ہے۔" بولتے ہوئے میرب ہذیانی کیفیت میں مبتلا ہوکر اپنی سائیڈ کا دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکلی' علی جو عجیب سے احساسات میں گھرا بیٹھا تھا یک دم الرٹ ہوکر خود بھی تیزی سے باہر نکلا کراچی کے فریئر ہال کے قریب علاقے میں رات کے اس پہر دور دور تک سناٹا تھا اور پھر سردی کی وجہ سے معمول کی چہل پہل بھی بالکل مفقود تھی۔

"میرب...... میرب...... اللہ کے واسطے' پلیز رکو تم کہاں جارہی ہو؟" وہ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی علی بری طرح گھبرا کر اس کی جانب لپکا اس لمحے میرب جیسے اپنے ہوش وحواس سے بے گانہ ہوچکی تھی۔

"مجھے مرجانا چاہیے...... مجھے یقیناً مرجانا چاہیے آدھا تو تم مجھے مار چکے ہو' آج یہ قصہ ختم ہی ہوجانا چاہیے۔" وہ دیوانوں کی طرح چلتی جارہی تھی' علی روہنسا ہوکر اس کے پیچھے دوڑا پھر بڑی مشکل سے اسے جالیا' میرب منہ زور لہر کی طرح بپھری ہوئی تھی۔

"چھوڑو مجھے علی...... اب مجھے آزاد ہونے دو' اس قید نارسائی سے اب مجھے چھٹکارا دلا دو۔"

"میرب......!" علی نے اس کے دونوں بازوؤں کو زور سے جھنجھوڑا پھر دوسرے ہی پل اسے اپنے سینے سے لگا کر بے خود ہوکر رو دیا۔

"پلیز میرب...... مجھے معاف کردو اب میری سزا بھی ختم کردو' مجھے بھی آزادی دے دو۔ تمہارے دل دکھانے کا احساس جرم مجھے کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتا...... اللہ کے واسطے معاف کردو میرب......" میرب کو جیسے سانپ سونگھ گیا' ساری وحشت و دیوانگی پانی کے بھانپ کی طرح اڑ گئی' میرب نے سیدھے ہوکر ایک اذیت کے عالم میں اسے آنسو بہاتا دیکھا پھر اس کے دونوں ہاتھ تھام کر بولی۔

"علی پلیز سنبھالو خود کو' میں نے تمہیں معاف کیا علی...... پلیز خاموش ہوجاؤ۔" عجب ہے یہ محبت کا مزاج جس شخص نے اسے اتنی تکلیف واذیت دی آج اسے روتا دیکھ کر وہ ایک ہی لمحے میں سب کچھ بھول بھال کر اسے معاف کردینے پر آمادہ ہوگئی تھی' علی نے اسے انتہائی ممنونیت سے دیکھا تو دوسرے ہی لمحے میرب کھل کر مسکرادی۔

❁......❁......❁

اس واقعہ کے بعد میرب اور علی آپس میں دوستانہ انداز میں بات چیت تو کرلیا کرتے تھے مگر دونوں ہی ایک دوسرے سے ریزرو ریزرو سے رہتے تھے' ایک جھجک کا پردہ ان دونوں کے درمیان حائل ہوگیا تھا۔ اس رات علی اور میرب' نعمان کی منگنی میں بہت دیر سے پہنچے تھی' تمام رسومات کے بعد کھانا بھی کھل چکا تھا۔ علی نے سب کو یہ کہہ کر مطمئن کیا تھا کہ اتنا عرصہ امریکہ میں رہنے کے بعد وہ راستہ بھول گیا تھا۔

"اُف علی...... تم ہم میں سے کسی کو کال ہی کرلیتے۔" نعمان غصے سے بولا جواباً علی تھوڑا گڑبڑایا پھر روانی سے بولا۔

"یار میرا سیل ہی آف ہوگیا تھا بیٹری ختم ہونے پر اور

میرب موصوفہ اپنا سیل گھر پر ہی چھوڑ آئی تھیں۔"

"مگر علی بھائی میں نے تو تایا کے کہنے پر آپ کو چھ سات بار کال کی تھی۔" جاذب نے دہائی دی تو علی نے تپ کر کہا۔

"تیرے فون کرنے کی وجہ سے ہی تو بیٹری ڈاؤن ہوئی تھی۔" نعمان نے علی کے سٹپٹائے ہوئے چہرے کو بغور دیکھا پھر کچھ سوچ کر مسکرا دیا تھا۔ میرب کلاس لے کر نکلی تو علیشبہ بڑے پُرجوش انداز میں اس کے پاس آ کر بولی۔

"یار تمہارا بڑا ڈیشنگ سا کزن تم سے ملنے آیا ہے میں نے اسے تمہارے روم میں بٹھا دیا ہے۔"

"علی آیا ہے.....! مگر وہ کیوں یہاں آ گیا؟" میرب کو سب سے پہلے علی کا ہی خیال آیا جس پر علیشبہ نے کہا۔

"تم بھی کمال کرتی ہو بھئی تم سے ملنے نہیں آ سکتا وہ۔" پھر علیشبہ میرب کے ساتھ ہی اس کے روم میں داخل ہوئی اور علی سے یوں گپ شپ لگانے لگی جیسے وہ برسوں سے آشنا ہوں۔

"ہائے اللہ علی آپ تو بڑی انٹرسٹنگ باتیں کرتے ہیں میرب تم کبھی ان کو میرے گھر بھی لانا ناں۔" وہ بڑی اٹھلا کر بولی تو میرب زبردستی چہرے پر مسکراہٹ لا کر گویا ہوئی۔

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں مگر ابھی تم کلاس تو لینے جاؤ تمہارا پیریڈ ہے ناں اس وقت۔"

"اوہ باتوں باتوں میں میرے تو ذہن سے ہی نکل گیا کہ اس وقت میری کلاس ہے۔" وہ انتہائی خوش گواری سے بولی پھر اس کے جانے کے بعد وہ علی کی جانب متوجہ ہوئی۔

"تمہیں کس نے کہا تھا میرے کالج آنے کے لیے؟"

"کیوں میں تمہارے کالج نہیں آ سکتا کیا؟" وہ قدرے حیرت سے استفسار کرتے ہوئے بولا تو وہ کچھ جھنجھلا سی گئی۔

"اچھا خیر چھوڑو میں تمہارے لیے چائے منگواتی ہوں۔"

"نہیں میں چائے یہاں نہیں پیوں گا چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔" وہ سہولت سے بولا تو میرب نرمی سے گویا ہوئی۔

"سوری علی اگر میں اس طرح تمہارے ساتھ باہر جاؤں گی تو یہاں کالج میں اچھا نہیں لگے گا۔" علی اس کی بات سمجھ گیا جب ہی برا مانے بغیر بولا۔

"اٹس اوکے پھر تم یہیں چائے منگوالو۔" جواباً میرب مسکرا دی۔

❁......❁......❁

اچانک میرب کے بھائی اشعر کی آمد نے سلطان ہاؤس

میں خوش گوار حیرت در آئی' اشعر بھی کافی عرصے بعد جرمنی سے بغیر کسی اطلاع دیئے گھر آدھمکا تھا۔ میرب تو بھائی کے آنے سے بے حد خوش تھی' آج اتنے عرصے بعد وہ پہلے والی میرب لگ رہی تھی۔ ہر بات پر کھلکھلا رہی تھی البتہ نجانے کیوں علی کے چہرے کے عضلات تن سے گئے تھے' اس کو اشعر کا آنا شاید ناگوار گزرا تھا وہ اشعر سے بھی انتہائی ٹھنڈے اور روکھے انداز میں ملا تھا۔

''اب میں تمہاری ایک نہیں سنوں گی اشعر' تمہیں یہاں سے میں کہیں نہیں جانے دوں گی تمہارا گھر بساؤں گی اور اپنی بہولاؤں گی سن لیا تم نے۔'' امی حتمی انداز میں بولیں تو اشعر تھکی سے ہنس دیا۔ شام کو جب انشال اپنے بچوں کے ساتھ گھر آئی تو وہ بھی اشعر کی آمد کا سن کر ٹھنڈی سی پڑ گئی' رات کے ڈنر میں آج بہت رونق تھی' میرب خلاف معمول بہت چہک رہی تھی' جب کہ انشال اور علی انتہائی خاموشی سے کھانے میں مصروف تھا۔ کھانے کے بعد کافی کے ساتھ ڈرائی فروٹ کا دور چل رہا تھا جب ہی علی بوجھل دل لیے سب کے درمیان سے اٹھ کر اپنے ابو کی اسٹڈی کی جانب آیا تو اسٹڈی کے بالکل برابر میں بنے ٹیرس میں اسے دو سائے محسوس ہوئے۔

''اتنی سردی میں اس وقت ٹیرس پر کون ہے؟'' اس نے خود سے بولتے ٹیرس کی قدآور کھڑکی کو ہلکا سا کھول کر جونہی باہر جھانکا چاہا تو اشعر کی سوز میں ڈوبی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''میں جانتا ہوں کہ تم نے مجھے اب تک معاف نہیں کیا ہوگا۔''

''نہیں اشعر یہ تمہاری غلط فہمی ہے میں تو تمہیں کب کا معاف کر چکی ہوں بلکہ میں تو تمہاری شکر گزار ہوں کہ اگر اس وقت تم نے میرا ہاتھ نہ جھٹکا ہوتا تو آج مجھے فائز جیسا خیال رکھنے والا شوہر نہ ملتا' میرے بچے میرا گھر میری جنت ہے اشعر اب مجھے ماضی کی کوئی بات یاد نہیں۔'' اس پل انشال کے لہجے میں بلا کا سکون واطمینان تھا۔

''تمہیں یاد ہے نا انشال تم مجھ سے اکثر کہا کرتی تھیں کہ تمہیں بچے بہت پسند ہیں۔''

''ہاں اشعر بچوں میں تو شروع سے میری جان تھی۔'' اسی دم علی کو یاد آیا کہ انشال آپی کس طرح ہر وقت اپنے آس پاس اڑوس پڑوس کے بچوں کو جمع کیے رکھتی تھیں۔

نیا سال آیا

نیا سال آیا
میں چاہوں یہ لائے
سکوں، امن، چاہت
دعا ہو پوری
مری اس میں ہر دم
اجالوں، خیالوں کی
روشن ہوں راہیں
مرے دل سے نکلیں
یہی سب دعائیں
دعاؤں کے موتی
پروؤں لڑی میں
سوالی بنوں میں
رب کی چوکھٹ میں تھاموں
میرا رب جو بانٹے
خوشیاں جہاں کی
تو دامن پھیلا دوں
مجھے علم ہے
رب مجھ سے کرتا ہے محبت
نہ لوٹائے وہ
مرے دامن کو خالی
نیا سال آیا
نیا سال آیا

نبیلہ خان...... گجرات

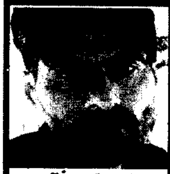
''بس انشال تمہاری اس خواہش کی بدولت ہی میں نے ہمارے درمیان قائم رشتے کی قربانی دی۔''

''کیا مطلب اشعر؟'' انشال آپی نے الجھ کر پوچھا جب کہ کھڑکی کے پاس کھڑا علی بھی خاصا مضطرب سا ہو گیا جب ہی اشعر ایک زخمی ہنسی ہنستے ہوئے گویا ہوا۔

''انشال تمہیں یاد ہے ناں اس دن آفس سے واپس آتے ہوئے میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا؟''

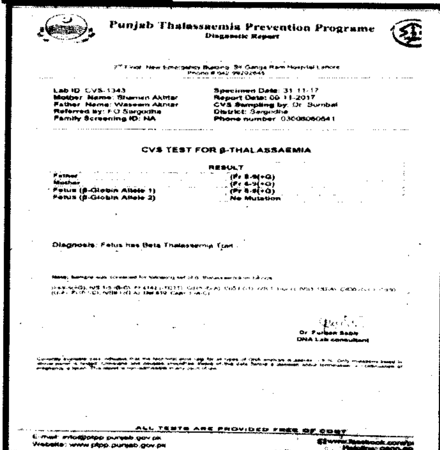
''ہاں ہاں اشعر وہ بات مجھے کیوں نہیں یاد ہوگی تمہیں پورے دو دن بعد ہوش آیا تھا۔'' انشال جلدی سے بولی میرب جو نیچے سے اپنے آپ میں مگن اپنے کمروں کی جانب بڑھ رہی تھی' علی کو ٹیرس کی جانب کھلنے والی کھڑکی پر ساکت سا کھڑا دیکھ

اولاد نرینہ، تھیلسیمیا، اٹھرا، کا کامیاب علاج



فیضیاب وسیم اختر

شہادت نمبر 1 ہمارے ہاں اول بیٹا ابوبکر صدیق جسکی عمر 4 سال ہے۔ اسے تھیلسیمیا میجر ہے۔ ہر ماہ بلڈ لگوانا پڑتا ہے۔ دوئم بیٹی عروبہ مریم عمر دو سال۔ اسے بھی تھیلسیمیا میجر ہے۔ اسے بھی ہر ماہ بلڈ لگوانا پڑتا ہے۔ تیسری مرتبہ بھی ہم نے گنگارام ہسپتال لاہور سے علاج کرایا مگر اس مرتبہ بھی تھیلسیمیا میجر ہونے کی وجہ سے ڈاکٹری رپورٹ پر بچہ کو بذریعہ ڈی این سی ضائع کرانا پڑا۔ جسکی وجہ سے ہم بہت پریشان تھے۔ ماہنامہ آنچل کراچی کے ذریعے سے معلوم ہونے پر حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کی خدمت میں کوٹ ادو حاضر ہوئے دعا کرائی اور علاج حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے علاج کامیاب ہوا۔ اب ہم نے گنگارام ہسپتال لاہور سے اہلیہ کے چیک اپ کی رپورٹ لی ہے۔ ڈاکٹروں نے اس مرتبہ بچہ کے تندرست ہونے کی خوشخبری دی ہے۔ یہ علاج کامیاب اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔



Punjab Thalassaemia Prevention Programe
Diagnostic Report

Lab ID: CVS-1343
Mother Name: Shumen Akhtar
Father Name: Waseem Akhtar
Referred by: FO Sargodha
Family Screening ID: NA

Specimen Date: 31-11-17
Report Date: 00-11-2017
CVS Sampling by: Dr. Sumbal
District: Sargodha
Phone number: 03006060641

CVS TEST FOR β-THALASSAEMIA

RESULT

Father	(Fr 8-9(+G)
Mother	(Fr 4-5(+G)
Fetus (β-Globin Allele 1)	(Fr 8-9(+G)
Fetus (β-Globin Allele 2)	No Mutation

Diagnosis: Fetus has Beta Thalassemia Trait

Dr. Furgan Sabir
DNA Lab consultant

ALL TESTS ARE PROVIDED FREE OF COST

E-mail: info@ptpp.punjab.gov.pk
Website: www.ptpp.punjab.gov.pk

عکس رپورٹ جس میں ڈاکٹروں نے تندرست بچے کی خوشخبری دی

فیضیاب وسیم اختر ولد محمد سلیم قوم ارائیں
محلہ حاجی گلاب سٹی بھیرہ ضلع سرگودھا۔
فون نمبر 0300-6060541

یہ طریقہ علاج ان کیلئے ہے جن کے ہاں مسلسل بیٹیاں پیدا ہوں اور بیٹے نہ ہوں یا بچے زندہ نہ رہتے ہوں یا بچے گروتھ خرابی کی وجہ سے پیٹ میں خراب ہو جاتے ہوں یا تھیلسیمیا کا عارضہ لاحق ہو۔

نوٹ: اولاد نرینہ کیلئے شدید خواہش مند حضرات جن کے بچے میجر اپریشن سے پیدا ہوتے ہوں اور چانسز کم باقی ہوں تو انہیں علاج درجہ اول حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور جن کے بچے زندہ نہ رہتے ہوں یا گروتھ خرابی کا عارضہ لاحق ہو تو انہیں امید ہونے پر بروقت علاج حاصل کرنا ضروری ہے۔

حصول علاج کیلئے ایڈریس

مرکزی جامع مسجد چوک کالی پل جی ٹی روڈ کوٹ ادو ضلع مظفرگڑھ رابطہ نمبر: 0331-6002834

ہمارا مقصد صرف قرآن وسنت کی روشنی میں کامیاب طریقہ علاج سے فیضیاب لوگوں کی شہادتوں وتاثرات سے اولاد نرینہ کے خواہش مند حضرات کو آگاہ کرنا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اولاد نرینہ جیسی نعمت سے مستفید ہوسکیں۔ ضرورت مند انٹرنیٹ پر دی گئی تفصیلات سے بھی معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔

جسکا ایڈریس یہ ہے: www.facebook.com/male progeny through the means of Quran and sunnah

تحریر: طارق اسماعیل بھٹہ پریس رپورٹر کوٹ ادو

کر کچھ متعجب سی ہو کر وہاں آئی تھی ابھی وہ علی کو مخاطب کرنے ہی والی تھی کہ اسی پل اشعر کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرا کر اس جانب متوجہ کر گئی۔

''اسی دوران ڈاکٹرز نے میرے مختلف ٹیسٹ کیے تھے۔'' وہ چند پل کے لیے رکا پھر ایک گہری سانس بھر کر سہولت سے بولا۔

''انشال بظاہر ڈاکٹرز نے میرے جسم پر لگے ظاہری زخموں کو تو مندمل کر دیا مگر میری روح پر لگے گھاؤ کو وہ کبھی بھی نہ بھر سکے۔'' علی کو اپنے پہلو میں حیران و پریشان سی کھڑی میرب کا احساس ہوا مگر اس نے اس کی جانب دیکھا نہیں۔

''تم صاف صاف بتاؤ ناں اشعر آخر کس گھاؤ کی تم بات کر رہے ہو؟'' انشال کے لہجے میں عجیب سی الجھن تھی۔

''انشال اس وقت ڈاکٹرز نے مجھے بتایا کہ مختلف بلڈ ٹیسٹ کے دوران یہ انکشاف ہوا ہے کہ میرے بلڈ میں کوئی ایسی خرابی ہے، جس کی بدولت میں ایک صحت مند نسل اس دنیا میں لانے سے قاصر ہوں۔''

''کیا......!'' انشال کی زبان سے بے اختیار پھسلا جب کہ میرب نے تیزی سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنے منہ سے برآمد ہوتی چیخ کو بروقت روکا جب کہ اس لمحے علی کو لگا جیسے آسمان اس پر گر پڑا ہو۔

''ہاں انشال انہوں نے مجھے شادی کرنے کی تو پرمیشن دے دی تھی مگر اولاد پیدا کرنے کے لیے انہوں نے سختی سے منع کر دیا کیوں کہ میرے خون میں جو سنگین بیماری ہے وہ یا تو میری اولاد کو دنیا میں آنے سے پہلے ہی ختم کر دے گی اور اگر بالفرض وہ دنیا میں آ بھی گئی تو صرف چند سانسیں ہی لے سکے گی۔'' اشعر کا لہجہ اس پل ٹوٹے کانچوں کی مانند بکھرا ہوا تھا۔

''اب تم ہی بتاؤ انشال میں کیا کرتا خود غرض بن کر تم سے شادی کر کے تمہیں ہمیشہ کے لیے اولاد کی خوشی سے محروم کر دیتا یا پھر خود سے تم کو بدگمان کر کے یہاں سے دور چلا جاتا۔'' علی کو لگا جیسے کوئی بم اس کے سر پر بلاسٹ ہوا ہو وہ بے اختیار چکرا کر رہ گیا' انشال اور اشعر کے درمیان گہری پسندیدگی سے وہ تو ابھی دنوں سے واقف تھا جب وہ خود ٹین ایج تھا اسے اپنی آپی کے حوالے سے اشعر بھائی بھی بے حد پسند تھے مگر نجانے ان کو کیا ہو گیا وہ بات بات پر انشال آپی کو بری طرح جھڑک دیتے' ہمہ وقت ان سے بے زاری کا اظہار کرتے اور پھر اکثر و بیشتر تو ان کے سیل فون پر نجانے کن کن لڑکیوں کے فون آنے لگے اور پھر وہ آپی کا دل توڑ کر بڑے طمطراق سے جرمنی چلے گئے پھر علی نے اشعر سے اپنی آپی کے آنسوؤں اور سسکیوں کا بدلہ لینے کی ٹھانی وہ جو حقیقی معنوں میں میرب کو پسند کرنے لگا تھا اور اسی سے شادی کرنا چاہتا تھا اس نے بھی بالکل ویسا ہی سلوک میرب کے ساتھ کیا اس کی وفاؤں کا مذاق اڑایا اسے تڑپایا' رُلایا اور پھر اس سے بہت دور چلا گیا۔ ٹیرس میں اب بالکل خاموشی تھی شاید دونوں ہی نفوس اپنے اپنے سود و زیاں کا حساب لگا رہے تھے' علی نے اپنے پہلو کی جانب دیکھا جہاں اب میرب موجود نہیں تھی' وہ انتہائی مضمحل دل اور بوجھل قدموں سے وہاں سے پلٹ گیا۔

❁......❁......❁

اداس سی دسمبر کی شام میں لان کے وسیع و عریض رقبے میں پھیل کر آہستہ آہستہ دم توڑنے لگتیں' یہ سال بھی ان گنت یادیں چھوڑے اب محو رخصت تھا' میرب ڈارک گرین لینن کے شلوار سوٹ پر ڈارک میرون شال اوڑھے گلاب کی کنج کو دیکھ رہی تھی۔ جب ہی وہاں علی سلطان خاموش قدموں سے آ کر اس کے قریب بیٹھ گیا' کل رات کے ہولناک انکشاف کے بعد میرب کی آنکھوں سے لاعلمی کے تمام پردے ایک ایک کر کے اٹھتے چلے گئے تھے اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے بھائی کی زندگی کی بربادی پر آنسو بہائے یا پھر خود کسی کے تاوان بن جانے پر ماتم کرے۔ لان کے ایک جانب بنے سنگی بنچ پر نجانے کتنی ہی دیر وہ دونوں خاموش بیٹھے اپنی اپنی جگہ نجانے کن سوچوں میں گم تھے جب ہی علی سلطان کی گمبھیر آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

''انسان کتنا جلد باز اور بے صبرا ہے ناں میرب' اپنی جلد بازی اور جذباتیت کے ہاتھوں خود اپنے ہی آپ کو ہلاکت میں ڈال کر بعد میں کف افسوس ملتا ہے' خود کو ہمیشہ درست جان کر دوسروں پر ستم ڈھاتا ہے۔'' جواباً میرب ہنوز خاموش رہی' علی نے اسے بغور دیکھا پھر بے حد ندامت آمیز لہجے میں بولا۔

''میرب کیا تم مجھے معاف کر سکتی ہو؟ یقین جانو میرب...... جتنا میں نے تمہیں تڑپایا' جلایا' رلایا اس سے کہیں زیادہ میں تڑپا اور رویا ہوں۔ ہاں میرب میں نے وہ سب تمہارے ساتھ صرف اشعر بھائی کی......''

''علی اب ان باتوں کو دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں...... وقت بہت گزر چکا ہے نہ اب میں پہلی والی میرب ہوں اور نہ تم۔''

میرب اس کی بات درمیان میں ہی قطع کر کے بولی تو وہ تڑپ کر گویا ہوا۔

"نہیں میرب...... میں اب بھی تمہارا وہی پہلے والا علی ہوں' دیکھو میری آنکھوں میں میرب تمہیں یہاں صرف اپنی ہی صورت دکھائی دے گی' ہاں میرب...... بس ایک بار کرو میرا اعتبار۔"

"میں نے امی کو انشال آپی کے نند کے دیور کے لیے رضا مندی دے دی ہے علی...... بہتر یہی ہوگا کہ تم دبی چنگاری کو کریدنے کی کوشش نہ ہی کرو۔" یہ کہہ کر وہ وہاں سے تیزی سے اٹھ کر چلی گئی جب کہ علی وہیں ہکا بکا بیٹھا رہ گیا۔

❁......❁......❁

علی سلطان نے آناً فاناً واپس جانے کا فیصلہ کرلیا سب اس سے بہت خفا تھے مگر وہ کسی کی بھی ناراضی کی پروا کیے بغیر امریکہ جانے کی تیاریوں میں لگا ہوا تھا۔

"اللہ کے واسطے میرب...... تم اس احمق کو روک کیوں نہیں لیتیں' وہ صرف تم سے روٹھ کر جارہا ہے۔" نعمان بے حد زچ ہو کر بولا جب کہ میرب اطمینان سے کینو کی پھانک منہ میں رکھ کر بے پروائی سے گویا ہوئی۔

"وہ اپنی مرضی اور خوشی سے جارہے ہیں تم خواہ مخواہ مجھے مورد الزام نہ ٹھہراؤ۔" جب کہ اس جانب سے گزرتے علی کے کانوں میں بھی میرب کے الفاظ پڑے تو وہ بری طرح کلس کر رہ گیا پھر ساری ہی ینگ جنریشن نے میرب کو علی سلطان کے روکنے پر اصرار کیا مگر وہ تو گردن اکڑائے بیٹھی رہی۔

❁......❁......❁

آج اکتیس دسمبر تھا اور رات ڈھائی بجے کی فلائٹ سے علی سلطان واپس جارہا تھا تقریباً رات ساڑھے گیارہ بجے علی کو گھر سے نکلنا تھا اس کی تیاری مکمل تھی مگر عین جانے کے ٹائم اس کا پاسپورٹ اور ٹکٹ ندارد تھا۔

"کیا پاسپورٹ اور ٹکٹ مکھی بن کر اڑ گیا یا کوئی جن لے گیا' کہاں چلا گیا؟" اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے یہ دونوں چیزیں اپنی رائٹنگ ٹیبل پر سیل فون کے نیچے رکھی تھیں فون تو وہیں تھا مگر پاسپورٹ اور ٹکٹ غائب تھے جب ہی میرب سلطان فریش سے حلیے میں اندر داخل ہوئی۔

"آپ کچھ ڈھونڈ رہے ہیں کیا؟" وہ بڑے مزے سے بولی تو علی کے حرکت کرتے ہاتھ چند لمحوں کے لیے ٹھہرے پھر واپس اس نے اپنی تلاش شروع کردی۔ میرب تقریباً دس منٹ تو اسے اِدھر اُدھر دیوانوں کی طرح پاسپورٹ ٹکٹ ڈھونڈتے ہوئے دیکھتی رہی پھر انتہائی پُرسکون آواز میں گویا ہوئی۔

"کہیں آپ یہ دونوں چیزیں تو تلاش نہیں کررہے؟" میرب کے ہاتھ میں اپنی مطلوبہ چیزیں دیکھ کر وہ بری طرح ٹھٹکا۔

"یہ...... یہ تمہارے پاس کیا کررہا ہے؟" پھر اس نے گھبرا کر وال کلاک کی طرف دیکھا جو رات پورے بارہ کا اعلان کررہی تھی۔ "جلدی دو میرب...... مجھے دیر ہورہی ہے۔"

"آپ میری شادی تو اٹینڈ کرکے جاتے۔"

"اوشٹ اپ......" وہ بری طرح جھنجھلا کر میرب کی طرف اپنی چیزیں لینے کے لیے بڑھا مگر اس نے سرعت سے ہاتھ پیچھے کرلیا' علی نے اس کی اس حرکت کو انتہائی ناسمجھی والے انداز میں دیکھا جواباً میرب آنکھوں میں ڈھیر ساری شرارت لیے بے حد دلکشی سے مسکرانے لگی۔

"میرب مجھ سے زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے لاؤ میری چیزیں......" مگر اس پر مطلق اثر نہیں ہوا۔ "اُف...... اللہ کے واسطے مجھے دیر ہورہی ہے میرب۔" وہ تلملا کر رہ گیا جب ہی میرب نے تھوڑا دور جا کر ٹکٹ اس کی آنکھوں کے سامنے دو ٹکڑے کردیئے' علی منہ کھولے اچنبھے سے اسے دیکھے گیا جو اب چہرے پر ڈھیروں اطمینان کے رنگ بکھیرے پُرسکون لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"اب دیر نہیں ہوگی علی...... بس ایک بار کرو میرا اعتبار۔"

علی سلطان کی آنکھوں میں مسرت وانبساط کی بے ساختہ نمی اُمڈ آئی اور دوسرے ہی لمحے اردگرد سے سالِ نو کی آمد کے استقبال کے حوالے سے پٹاخوں کی آوازیں آنے لگیں جب ہی میرب مسکرا کر گویا ہوئی۔

"نیا سال اور میری زندگی میں واپس لوٹنا آپ کو مبارک ہو۔" علی سلطان نے محبت لٹاتی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر اثبات میں سر ہلا کر سرشاری سے ہنس دیا۔

جنون سے عشق تک

سمیرا شریف طور

حصہ 7

خونِ دل سے شاخِ گل تک جو بیتی سو بیت گئی
اے پھولوں میں رہنے والو! اب کیا بات بڑھاتے ہو
خواب ہوئی وہ صبح فردا' یہ کیسی نادانی ہے
وہ آنکھیں جو اَب پتھر ہیں ان کو زخم دکھاتے ہو



(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

لاہور سے آئے مہمان افکن، شایان، زوبیہ اور فرح آؤٹنگ کا پروگرام بناتے شہرینہ کو بھی زبردستی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں شہرینہ سب سے لاتعلق ایک جگہ جا کھڑی ہوتی ہے افکن اس کی اس حرکت کا بغور جائزہ لیتا ہے تب ہی ٹیپو (شہرینہ کا بھائی) شایان سے کنسرٹ میں چلنے کی بات کرتا ہے لیکن افکن وہاں جانے سے منع کرتا شہرینہ کو غصہ دلا جاتا ہے اور وہ اس کنسرٹ میں جانے پر بضد ہوجاتی ہے تب ہی شایان واپس گھر چلنے کی بات کرتا ہے راستے میں شہرینہ کے موبائل پر اس کے کلاس فیلو زین کی کال آتی ہے جس سے وہ بے تکلفی سے باتیں کرتی افکن کو ناگواری سے دوچار کرجاتی ہے۔ دوسرے دن شہرینہ کو اپنے گروپ کے ساتھ سوئمنگ پریکٹس پر جانا ہوتا ہے تب وہ غصہ سے جھنجلاتی زین سے پک کرنے کا کہتی ہے تب افکن فائقہ بیگم سے شہرینہ کو کالج ڈراپ کرنے کی اجازت لیتا اسے مزید غصہ دلا جاتا ہے وہ کسی بھی صورت اس کے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہوتی ہے تب وہ افکن پر غصہ کرتی ساتھ ہی اپنی ناپسندیدگی کا بھی اظہار کرتی ہے۔ جس پر افکن اس کا ہاتھ پکڑ کر سب کے سامنے سے لے جاتا ہے شہرینہ تلملا کر رہ جاتی ہے۔ شہرینہ نے کالج میں ابھی تک کسی کو اپنے نکاح کے حوالے سے نہیں بتایا ہوتا ہے تب کالج میں فریحہ اس سے لاہور سے آئے مہمانوں کا پوچھتی اس کی دوستوں پر نکاح والی بات بھی ظاہر کردیتی ہے جس پر صبا اور حوریہ (کالج فیلو) حیرت کا اظہار کرتی اسے نکاح کی تصویر دکھانے کا کہتی ہیں شہرینہ افکن کی تصویر انہیں نہیں دکھاتی صبا اور حوریہ اس کے ساتھ افکن سے ملنے گھر آجاتی ہیں شہرینہ ان کی وجہ سے سوئمنگ پریکٹس پر نہیں جاسکی تھی فائقہ بیگم حسب پروگرام عثمان صاحب کے ڈرائیور کے پاس کسی انوی ٹیشن پر جاچکی ہوتی ہیں جبکہ افکن بھی ابھی گھر پر نہیں ہوتا ہے تب شہرینہ انہیں اماں بی سے ملواتی ہے فرح بھی ان سے مل کر خوش ہوتی ہیں۔ افکن گھر آتا ہے تو ملازمہ سے فرح کو اماں کے کمرے میں بلاتا ہے صبا اور حوریہ بھی افکن سے ملنے کو بے تاب ہوجاتی ہیں تب شہرینہ انہیں اماں بی کے کمرے میں لے آتی ہے۔ صبا اور حوریہ اماں بی سے اجازت لے کر اپنے گھر رخصت ہوجاتی ہے ہیں۔ فرح شہرینہ سے شاپنگ پر چلنے کا کہتی ہے لیکن وہ اکیلے جانے پر راضی نہیں ہوتی ہے فرح اس سے افکن کے حوالے سے بات کرتی ہے عثمان صاحب سے اماں بھی افکن اور شہرینہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں جبکہ عثمان صاحب اس کی پڑھائی کی وجہ سے انکار کردیتے ہیں اماں بی کو ڈر ہوتا ہے کہ کہیں شہرینہ کی ضد اس رشتے میں بگاڑ پیدا نہ کردے لیکن عثمان صاحب اس بات کی گارنٹی لیتے ہیں۔ فرح، شہرینہ، زوبیہ اور شایان چاروں شاپنگ کے لیے روانہ ہوجاتے ہیں اور وہیں مال میں افکن سے ان کی ملاقات ہوتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

❖......O......❖

شہرینہ نے بہت تنفر سے افکن کے ہاتھ کی گرفت سے اپنا ہاتھ کھینچ کر اپنے اندر لڈتے طوفان کو بڑی کوشش سے اندر دھکیلا تھا۔ افکن نے اسے بغور دیکھا' اس نے اپنے چہرے کا رخ موڑ لیا تھا۔ وہ چند لمحے کمزور پڑی لیکن اگلے ہی لمحے وہ پھر سے اپنی ذات کے قلعے میں مضبوطی سے بند ہوگئی تھی لیکن افکن اس کی ذات کی وہ ایک لمحے کی کمزوری نہ صرف محسوس کرچکا تھا بلکہ بغور جان بھی چکا تھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا' اس نے خاموشی سے گاڑی دوبارہ چلادی۔ کچھ دیر میں گھر آ گیا تھا۔

شہرینہ نے بمشکل گیٹ کھلنے اور گاڑی اندر جانے کا انتظار کیا تھا۔ جیسے ہی گاڑی رکی وہ تیزی سے باہر نکلنے لگی لیکن آٹو میٹک لاک کی وجہ سے دروازہ بند تھا۔ افکن نے خود اس کی طرف جھک کر دروازہ ان لاک کیا۔ وہ تیزی سے اندر کی طرف چلی گئی۔

وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی تھی اماں بی وہیں کاریڈور میں ہی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں زبیدہ پاس کھڑی تھی۔ زبیدہ اسے دیکھ کر ایک دم مسکرائی۔

''شہری بی بی آ گئیں۔'' اس نے اماں بی کو اطلاع کی' اماں بی نے اسے دیکھا وہ بے مروتی سے ان کو نظر انداز کرتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''اتنی دیر کردی شہری بیٹا۔'' شہرینہ ایک دم غصے سے پلٹی۔

اس نے اپنی ذات کے گرد بہت ساری دیواریں کھڑی کرلی تھیں لیکن اب یہ لوگ ان دیواروں کو توڑنے کے درپے تھے جبکہ اس کے اندر اب شدت سے مدافعتی تحریک برپا ہوئی تھی۔ اس کا شدت سے دل چاہ رہا تھا اپنی ذات میں زبردستی اس طرح دخل اندازی کرنے والے تمام لوگوں کا حشر نشر کردے۔ سب کچھ تباہ کردے۔ ایسے جواب دے کہ ان کی ہمت نہ ہو اس سے ہمکلام ہوں۔

''کیا مسئلہ ہے آپ کو'' وہ انتہائی غصیلے لہجے میں بولی۔

''میں تو تمہاری وجہ سے پریشان تھی۔''

''نہیں چاہیے مجھے آپ لوگوں کی پریشانی' میں جو بھی ہوں جیسی بھی ہوں اچھی یا بری اپنی ذات کے لیے بہت اچھی ہوں، اللہ کے واسطے میری ذات میں دخل اندازی کرنا بند کردیں جلدی آؤں یا دیر سے آپ کو میرے معاملات سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔'' اس کا انداز نہایت بدتمیزانہ اور گستاخانہ تھا۔ اندر آتا افگن اسے دیکھ کر ٹھٹکا اور پھر غصے سے آگے بڑھا۔

''اماں بی سے بات کرنے کا یہ کون سا طریقہ ہے شہرینہ۔'' وہ بہت غصے سے بولا۔

''آپ کو میرے معاملات میں انٹرفیئر کرنے کی قطعی ضرورت نہیں میں کچھ بھی کروں آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے؟'' وہ بہت بدلحاظی سے اس سے مخاطب ہوئی۔ افگن نے ازحد سنجیدگی سے اسے اور پھر اماں بی کو دیکھا۔

''تم جاؤ یہاں سے۔'' اس نے زبیدہ کو وہاں سے بھگایا۔

''اماں بی تم سے محبت کرتی ہیں اتنی دیر گھر سے باہر رہو گی تو ان کی پریشانی فطری امر ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''میں اپنے معاملات میں خود مختار ہوں آئندہ کوئی مجھے نہ لینے آئے گا اور نہ ہی میرے معاملے میں دخل اندازی کرے گا سمجھالیں ان کو۔'' وہ تلخی سے کہہ کر تن فن کرتی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ اماں بی نے بڑی آزردہ نگاہوں سے پوتے کو دیکھا۔

ان کے سامنے کبھی ان کے بیٹوں نے بھی آنکھ اٹھا کر بات نہ کی تھی اور یہ کل کی لڑکی ان کی محبت کے جواب میں کس قدر بدتمیزی سے پیش آئی تھی۔

''میں دیکھتا ہوں اسے۔'' افگن نے کہا تو اماں بی نے اسے منع کردیا۔

''نہیں رہنے دو۔'' وہ آزردہ سی واپس پلٹیں افگن نے فوراً آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھاما اور ان کے ساتھ چلنے لگا۔

''آرام وسکون سے وہ تمہارے ساتھ آ گئی تھی ناں؟'' انہوں نے ساتھ چلتے پوچھا افگن نے ایک گہرا سانس لیا۔

''شہرینہ کو لینے بھیجا تھا آپ نے اور وہ آرام وسکون سے آجائے ناممکن بات ہے۔''

''پتا نہیں کیوں ہو رہا ہے یہ سب...... اتنا سمجھاتی رہی ہوں عثمان اور فائقہ دونوں کو لیکن یہ دونوں اپنی زندگی تو جیسے تیسے گزار ہی گئے لیکن اب بچوں کا ہی خیال کرلیتے۔'' وہ چلتے ہوئے افسردہ لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ افگن کے ذہن میں کئی سوال ابھرے تھے۔

وہ اماں بی کو ان کے کمرے میں لے آیا تھا۔ ان کا ارادہ صبح صبح یہاں سے نکلنے کا تھا۔ اس نے اماں بی کو ان کے بستر پر بٹھایا اور خود ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

''مجھ سے وعدہ کرو کہ حالات کچھ بھی ہوں تم شہرینہ کو نہیں چھوڑو گے۔'' ان کے لہجے میں التجا تھی۔ افگن نے ان کو بغور دیکھا۔

''ایک بات پوچھوں؟'' انداز پُرسوچ تھا اماں بی نے افگن کو دیکھا اور گہرا سانس لیا۔

''میں جانتی ہوں تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔'' ان کے لہجے میں یاسیت تھی۔

''ابھی میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتی شہرینہ کی ذات کا دفاع تمہاری ذمہ داری ہے اور میں جانتی ہوں کہ تم سے کچھ بھی چھپانا ایک بہت بڑی غلطی ہے لیکن ابھی میں کچھ بھی بتانے کی سطح پر نہیں ہوں۔''

''تو پھر شہرینہ کا رویہ بھی آپ کے سامنے ہے اور آپ جانتی ہیں کہ زبردستی کسی کے ساتھ منسلک ہوجانا اور پھر اس کے ساتھ بندھے رہنا میری طبیعت اور انا کے لیے یہ بات گوارا نہیں آپ کی خواہش آپ کی آرزوئیں میرے لیے میری ذات سے زیادہ اہم ہیں اور میں ان کا احترام بھی کرتا ہوں شہرینہ جیسی لڑکی کو برداشت صرف اور صرف آپ کی محبت میں کررہا ہوں ورنہ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ شہرینہ کو ایز آ لائف پارٹنر میں کبھی برداشت نہ کرتا۔'' افگن کا انداز مؤدب تھا لیکن اپنا موقف واضح کرتا انداز تھا۔

اماں بی نے شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''میں جانتی ہوں تم میرے بیٹوں سے بڑھ کر میری خواہشوں کا احترام کرتے ہو میرے فیصلوں کو مان دینے والے ہو، یقین رکھنا تم ہمیں بہت عزیز ہو اور ہم تمہارے ساتھ کبھی ناانصافی کرنے والے نہیں۔''

''جی میں یقین رکھتا ہوں۔'' اماں بی مسکرائیں ان کے بیٹے بے شک ان کا احترام کرنے والے تھے لیکن عثمان کئی معاملات میں ان کے فیصلوں کے سامنے اپنی من مانی کرجاتا تھا مگر شیر افگن کی ذات سے انہیں وہ سکھ ملا تھا وہ ان کو کسی اور

سے نہ ملا تھا۔

"میں شہرینہ کی طرف سے پریشان ہوں۔" افگن نے ان کو دیکھا۔

"جتنے دن عثمان اور فائقہ گھر نہیں آ جاتے وہ تنہا رہے گی بے شک ملازمین لاکھ بھروسے کے قابل سہی لیکن ہماری کچھ روایتیں بھی ہیں وہ کیسے اکیلی رہ سکتی ہے میرا دل نہیں مان رہا اسے تنہا چھوڑ کر جانے کو۔"

"یہ تو چچا اور خالہ کو سوچنا چاہیے تھا۔" افگن کے لہجے میں کچھ گرمی سی تھی۔

"میں سمجھتی ہوں کہ ماں باپ کے رویوں نے ہی اسے اس حد تک بدمزاج بنا دیا ہے ورنہ کچھ عرصہ پہلے تک وہ بڑی فرماں بردار اور سلجھی ہوئی بچی تھی۔" افگن خاموش رہا۔

"میں چاہتی ہوں کہ شہرینہ ہمارے ساتھ گاؤں چلے۔" انہوں نے کہا تو افگن کچھ سوچنے لگا۔

"وہ کبھی نہیں مانے گی۔"

"اسے تنہا چھوڑ کر جانے کو میرا دل نہیں مان رہا۔"

"وہ شاید آپ کے لیے مان ہی جائے لیکن میری ضد میں وہ کبھی نہیں جائے گی۔" افگن اسے بہت اچھی طرح نہ صرف جان چکا تھا بلکہ سمجھ بھی چکا تھا۔

"میں بات کروں گی اس سے۔"

"بے فائدہ ہے لیکن آپ کو اس سے بات کرنے سے نہیں روکوں گا آپ دیکھ لیں وہ مان جاتی ہے تو یہ بہت اچھی بات ہوگی۔" اماں بی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم آرام کرو، میں زبیدہ کو بھیج کر اسے بلوالوں گی۔" اماں بی نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

افگن نے ایک دو اور باتیں بھی کی تھیں پھر اس کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا' اماں بی نے انٹرکام اٹھایا تھا انہوں نے زبیدہ کو پیغام دیا کہ وہ شہرینہ کو ان کے پاس بھیجے۔ کچھ دیر بعد زبیدہ آئی تھی۔

"شہری بی بی کہہ رہی ہیں کہ جو بھی کہنا ہے مجھے بتا دیں وہ لیٹ چکی ہیں اب کمرے سے نہیں نکلیں گی۔" زبیدہ کے بتانے پر اماں بی نے کچھ پل سوچا۔

"چلو کوئی بات نہیں میں خود اس کے پاس چلی جاتی ہوں۔" وہ اپنی عینک آنکھوں پر لگائے سیدھی ہوئیں۔

گھٹنوں میں درد کی وجہ سے وہ اٹھنے بیٹھنے میں کچھ دقت محسوس کرتی تھیں لیکن اس عمر میں بھی ان کی صحت بہت اچھی تھی وہ بہت متحرک اور ایکٹیو خاتون تھیں پوری حویلی ان کے کنٹرول میں تھی جہاں وہ ہر وقت ملازمین سے کام کرانے میں مصروف رہتی تھیں۔ زبیدہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اٹھنے میں مدد دی تھی۔ فائقہ اور عثمان کی طرف سے ان کا خاص خیال رکھنے کی تاکید تھی۔ ان لوگوں کی غیر موجودگی میں وہ ہمیشہ گھر کے اندر ہی رہتی تھی پھر اپنے کوارٹر میں نہیں جاتی تھیں خاص طور پر شہرینہ کا خاص خیال رکھتی تھی جب تک وہ گھر میں موجود رہتی تھی وہ اماں بی کے ساتھ شہرینہ کے کمرے تک آئی تھی۔

شہرینہ کا کمرہ لاک تھا۔ اماں بی کے اشارے پر اس نے ناک کیا۔

"کون؟"

"میں زبیدہ اماں بی آئی ہیں آپ سے ملنے۔" کچھ پل بعد دروازہ کھل گیا تھا۔

شہرینہ نائٹ ڈریس میں ملبوس تھی اماں بی کی وجہ سے دوپٹا اردگرد لپیٹ رکھا تھا۔

"آپ اس وقت۔" وہ اماں بی کی اس بے وقت کی آمد پر کچھ اکتائی تھی۔

"تم جاؤ میں شہرینہ کے پاس ہی اب رکوں گی۔" اماں بی نے شہرینہ کو مسکرا کر دیکھتے زبیدہ کو چلتا کیا۔

وہ خود ہی اندر جا کر شہرینہ کے بستر پر بیٹھ گئیں۔ شہرینہ بے زاریت لیے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"اُدھر کیوں کھڑی ہو اِدھر آ جاؤ۔" وہ ابھی بھی دروازے کے پاس ہی کھڑی تھی۔ اماں بی نے کہا تو اس نے ناگواری سے ان کو دیکھا۔

"دروازہ بند کر کے اِدھر آ جاؤ۔" اماں بی نے پھر کہا تو وہ زور سے دروازہ بند کرتے واپس بستر تک آئی۔

"میں صبح چلی جاؤں گی پھر پتا نہیں کب ملاقات ہو، پہلے تو گاؤں آتی رہتی تھی اب ایک سال ہو گیا ہے تم نے گاؤں آنا ہی چھوڑ دیا۔" اماں بی نے کہا تو وہ ایک گہرا سانس لیتی بستر کے کنارے پر ٹک گئی۔

"مجھے نیند آ رہی تھی۔" شہرینہ نے صاف الفاظ میں جتایا تھا کہ ان کی وجہ سے اس کی نیند ڈسٹرب ہو رہی ہے اماں بی مسکرائیں۔ محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"میرے ساتھ گاؤں چلو۔" ان کے انداز میں بہت محبت

تھی شہرینہ چونکی۔

"مجھے بہت اچھا لگے گا ماں باپ تو تمہارے یہاں ہیں ہی نہیں اکیلی کیسے رہو گی تمہارے بابا صاحب کی طبیعت خراب نہ ہوتی تو میں کبھی نہ جاتی، اب میں وہاں گئی بھی تو تمہاری پریشانی لگی رہے گی دھیان ہر وقت تمہاری طرف ہی رہے گا۔" شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"تو یہ وجہ تھی۔"

"سوری میں آپ کے ساتھ نہیں جاسکتی۔" اماں کے چہرے کی مسکراہٹ ایک دم بجھی تھی۔

"لیکن بیٹا......"

"ایم سوری میں ایسے ماحول کی عادی ہوں، میں اکیلے رہنا جانتی ہوں، میں نے ایک لمبا عرصہ ہاسٹل میں گزارا ہے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں اکیلی ہوں یا میرے ساتھ کوئی اور بھی ہے، میں تنہائی کی عادی ہوں سارا دن گھر سے باہر رہ لیا رات گئے لوٹی تو اپنے کمرے کو لاک کرکے سوگئی، نو میٹر۔" وہ ہنس کر بتا رہی تھی۔

"لیکن شیری بیٹا ہمیں یہ اچھا نہیں لگ رہا تم ہمارے ساتھ چلو جب فائقہ اور عثمان آجائیں تو واپس آجانا۔"

"کہا ناں سوری...... میرے ساتھ ایک لاحاصل بحث مت کیا کریں آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں نہیں جاؤں گی گاؤں سو مجھے فورس بھی مت کریں۔" اب کی بار قطعی انداز تھا۔

اماں بی کا چہرہ مرجھا گیا۔

ان کا خیال تھا کہ وہ پیار و محبت سے شہرینہ کو کہیں گی تو شہرینہ مان جائے گی لیکن اس کے انکار نے ان کا دل توڑ دیا تھا۔ وہ افسردہ سی تھیں۔ شہرینہ کو ان کی افسردگی پر ایک پل کو گلٹ فیل ہوا لیکن اگلے ہی پل اس نے خود کو کمپوز کرلیا۔

اماں بی نے افگن کے ساتھ اس کا نکاح زبردستی کرایا تھا اس کے ماں باپ نے اماں بی کے فیصلے کو بخوشی مانا تھا اور اس کے انکار کو قطعی کوئی اہمیت نہ دی گئی تھی وہ یہ بات کبھی نہ بھولنے والی تھی۔ اس نے سر جھٹکا۔ اماں بی نے بمشکل مسکرانے کی کوشش کی۔

"چلو کوئی بات نہیں، اپنا خیال رکھنا، میں زبیدہ کو اچھی طرح سمجھادوں گی، تم دھیان سے رہنا۔" انہوں نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

اب کی بار شہرینہ جھٹکے سے ان کی گرفت سے اپنا ہاتھ نہیں کھینچ سکی تھی، اماں بی بڑی نرمی سے اس کا ہاتھ سہلا رہی تھیں۔ نجانے کیوں شہرینہ کو ان کے ہاتھ کو سہلانے کے اس عمل سے جسمانی طور پر کچھ سکون سا محسوس ہو رہا تھا۔

"تم لیٹ جاؤ میں کچھ دیر ادھر ہی ہوں مجھے ابھی نیند نہیں آرہی۔" انہوں نے کہا تو شہرینہ خاموشی سے لیٹ گئی۔

اماں بی نے محبت سے اس کے اوپر بلینکٹ سیدھا کیا۔ اس نے سنجیدہ نگاہوں سے ان کو دیکھا۔ وہ ہو بہو عثمان فاروق کی شبیہ لگ رہی تھیں۔ لیکن وہ عثمان فاروق سے کچھ حد تک مختلف بھی تھیں۔

شاید ان کے چہرے پر ہر وقت رہنے والی نرمی تھی جو ان کو عثمان سے مختلف بنا دیتی تھی، وہ ان کو دیکھ رہی تھی جب اماں بی مسکرائیں اور اس کے قریب لیٹ گئیں۔

"میرا بہت دل چاہ رہا ہے کہ آج تمہارے ساتھ سوؤں۔" ان کے الفاظ سرگوشی نما تھے۔ شہرینہ نے ٹھٹک کر ان کو دیکھا۔

ان کا چہرہ بے ریا تھا اور آنکھوں میں ٹھاٹھیں مارتا والہانہ محبت کا ایک دریا رواں دواں تھا۔ انہوں نے اس کے قریب لیٹ کر نرمی سے اس کے سر کو سہلانا شروع کردیا تھا۔ وہ ان کو یہ سب کرنے سے روکنا چاہتی تھی ان کو غصے و تلخی سے اپنے کمرے سے نکل جانے کا کہنا چاہتی تھی لیکن وہ کچھ بھی نہ کرسکی۔

وہ بس خاموشی سے ان کے صبیح و ملیح چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ پل بعد اس کی آنکھیں نیند سے خود بخود بوجھل ہونا شروع ہوگئی تھیں، اس نے پلکیں جھپک جھپک کر خود کو سونے سے باز رکھنا چاہا لیکن کچھ پل بعد اسے پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کب وہ گہری نیند کی وادی میں اترتی چلی گئی تھی اسے کچھ علم ہی نہ ہوسکا تھا۔

وہ گہری نیند میں تھی جب اماں بی نے از حد محبت سے اس کی پیشانی چومی تھی، پھر خود بھی آنکھیں موند لی تھیں۔

❖......○......❖

افگن جلدی اٹھ گیا تھا۔

وہ اماں بی کے کمرے میں آیا تو وہ خالی تھا اس نے باہر آکر زبیدہ سے پوچھا تو حیران ہوگیا، اماں بی رات شہرینہ کے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ یعنی اماں بی رات بھر شہرینہ کے کمرے میں رہی تھی۔ وہ یہ جان کر از حد حیران ہوا تھا۔

وہ زبیدہ کو چھوڑ کر شہرینہ کے کمرے کی طرف آیا تھا۔ اس



حیرت انگیز نسخہ جات سے موٹاپے سے مکمل نجات پائیے
ایک ماہ میں 30 پاؤنڈ وزن کم اور 6 کمر کم کریں
سلمنگ کورس کے استعمال سے جسم کے اندر پیدا ہونے والی بیماریاں جو موٹاپے کا سبب بنتی ہیں ان کا مکمل خاتمہ
موٹاپا
یقینی ختم
آئیڈیل
آئیڈیل سلمنگ کورس
فری ہوم ڈلیوری
بغیر لیزر
بے ضرر جڑی بوٹیوں اور ہومیو ادویات کے باہمی ملاپ سے تیار کردہ نایاب مرکب
ایچ۔ آر لوشن
شوگر کا مکمل علاج
شوگر کی زیادتی یا کمی انتہائی نقصان دہ ہے
چہرے کے کیل مہاسے اور داغ دھبوں کا یقینی خاتمہ
آئیڈیل بیوٹی کورس
بریسٹ اَپ نسوانی حسن میں اضافہ یا کمی
آئیڈیل ہائٹ گرو
پاکستان ہومیوپیتھک کلینک
فون
0300-4370496

نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

"اماں بی۔" اندر داخل ہونے کے بجائے اس نے اماں بی کو آواز دی۔

"آجاؤ افگن۔" اماں بی ابھی فجر کی نماز سے فارغ ہوئی تھیں اذکار کررہی تھیں۔ جبکہ شہرینہ ابھی بھی سو رہی تھی۔

افگن اندر داخل ہوا تو اماں بی نے مسکرا کر اسے دیکھا وہ ابھی بھی جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

"بہت جلدی اٹھ گئے تم؟" شہرینہ کی نیند خراب نہ ہو اسی لیے وہ بہت آہستہ بولیں۔

"جی آپ کو علم ہی ہے میں صبح جلد اٹھ جاتا ہوں۔" اماں بی نے سر ہلایا۔

"آپ رات اِدھر تھیں؟" اس نے آہستگی سے پوچھا۔

اس نے بیڈ کی طرف دیکھا شہرینہ سو رہی تھی بلینکٹ اس کے اوپر تھا خوابیدہ چہرہ بڑا معصوم سا لگ رہا تھا۔

"ہاں میں رات کو اِدھر آ گئی تھی۔" افگن نے سر ہلایا۔

اماں بی نے جائے نماز تہہ کر کے ایک طرف رکھی، سائیڈ ٹیبل سے اپنی عینک اٹھا کر وہ شہرینہ کے قریب بستر کے پاس جا کر جھکیں۔ انہوں نے شہرینہ پر کچھ پھونکا اور پھر افگن کو اشارہ کرتے کمرے سے نکل آئیں۔

"واپسی کا کیا پروگرام ہے کب نکلنا ہے؟"

"ذرا سورج نکلنے دو شہرینہ اٹھتی ہے ناشتہ کرتے ہیں تو پھر نکلتے ہیں۔"

"اوکے۔"

"میں نے رات شہری سے بات کی تھی کہ ہمارے ساتھ چلے۔" افگن چونکا۔

"تو پھر......؟"

"منع کر دیا اس نے۔" اماں کا لہجہ ایک دم پھر افسردہ ہو گیا تھا۔

"وہ کہتی ہے وہ اکیلے رہنے کی عادی ہے، رہ لے گی۔"

"میں نے تو آپ کو پہلے ہی کہا تھا کہ وہ نہیں مانے گی۔"

"لیکن پتا نہیں کیوں میرا دل اب ہر وقت دھڑکتا ہی رہتا ہے میں چاہتی تھی وہ ہمارے ساتھ چلے لیکن زبردستی بھی نہیں کر سکتی۔" افگن خاموش رہا۔ وہ اس معاملے میں ابھی کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا۔

وہ شہرینہ کے مخالف نہیں تھا لیکن شہرینہ کی ہٹ دھرمی اسے بعض اوقات بہت اریٹیٹ کرتی تھی۔ اماں بی کچھ اور بھی کہہ رہی تھیں وہ ہوں ہاں کرتا رہا۔ اماں بی اپنی پیکنگ کل ہی کر چکی تھیں افگن نے کچھ دیر لان میں واک کی، زبیدہ ناشتہ بنا رہی تھی واک سے فارغ ہو کر افگن اپنے کمرے میں تیار ہونے چلا آیا تھا۔ سورج نکل چکا تھا ناشتہ لگا تو اماں بی نے افگن کو بلا بھیجا۔

"ناشتہ کرو۔" افگن نے دیکھا ناشتے کی ٹیبل پر وہ صرف دونوں ہی تھے۔

"شہرینہ ناشتہ نہیں کررہی؟"

"زبیدہ گئی تھی اس کے کمرے میں وہ ابھی تک سو رہی ہے۔"

"آج کالج نہیں جائے گی وہ؟"

"پتا نہیں۔" دونوں ناشتہ کررہے تھے اماں بھی سنجیدہ تھیں۔

کچھ توقف کے بعد اماں بی ناشتہ مکمل کر کے اپنے کمرے میں چلی گئیں، افگن نے ان کی افسردگی خاص طور پر نوٹ کی تھی۔

زبیدہ چائے لے آئی تھی وہ چائے کا خالی مگ ٹیبل پر رکھ کر شہرینہ کے کمرے کی طرف آیا اس نے دروازہ ناک کیا۔

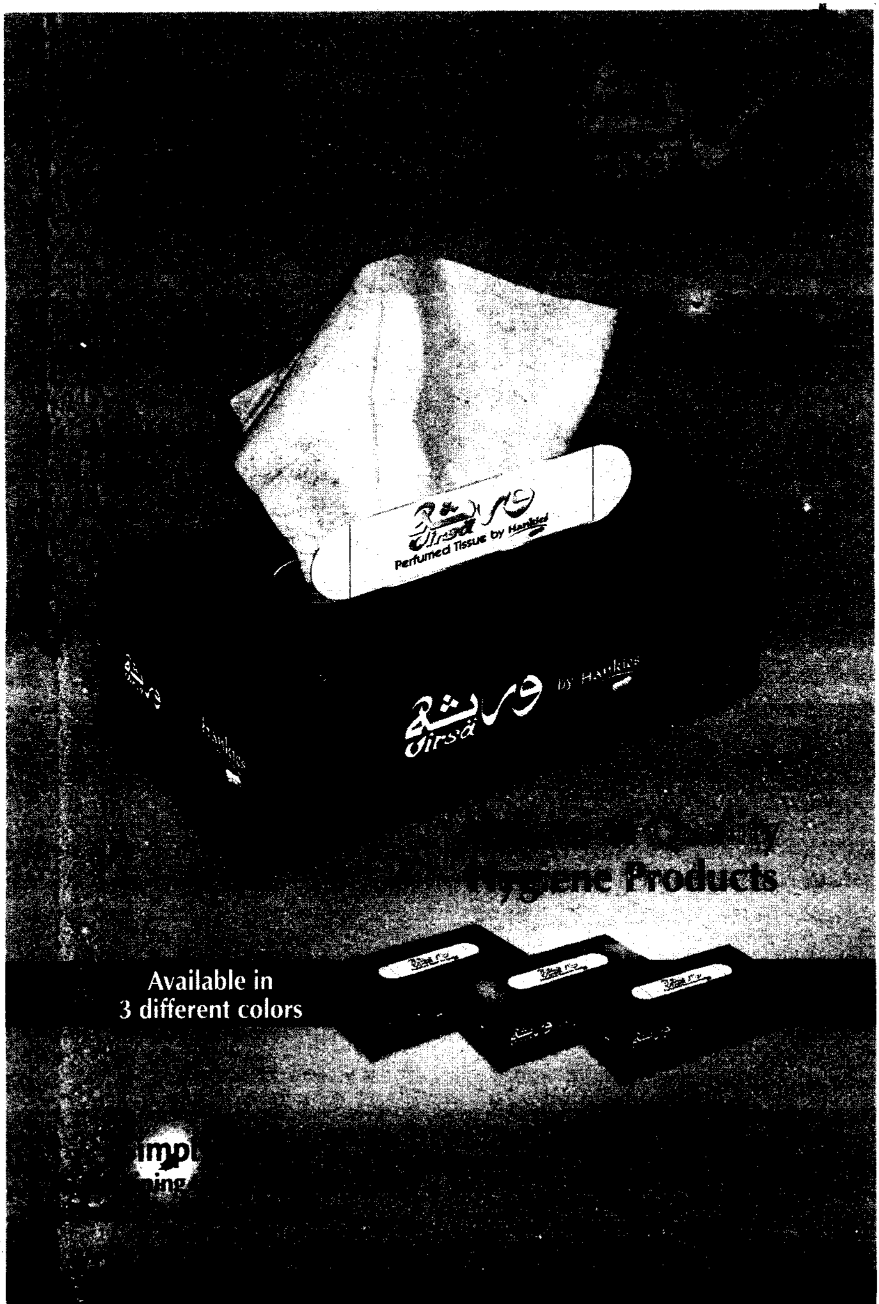
وہ اس کے کمرے میں بہت کم آیا تھا شاید چند ایک بار ہی آنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس کا کمرہ بہت خوب صورت انداز میں ڈیکوریٹڈ تھا۔

"کم اِن؟" شہرینہ کی آواز گونجی تو وہ اندر داخل ہوا شہرینہ اٹھ چکی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر ڈریسنگ کے سامنے کھڑی تھی۔ افگن کو دیکھ کر چونکی۔

اس کا خیال تھا کہ زبیدہ ہو گی وہ ابھی تک نائٹ ڈریس میں ہی تھی سلکی لانگ کوٹ بے شک پورے جسم کو کور کیے ہوئے تھا لیکن افگن کو دیکھ کر اسے اپنے اس لباس پر عجیب سی ہچکچاہٹ محسوس ہوئی تھی اس نے تیزی سے بستر پر پڑا دوپٹا اٹھا کر اپنے گرد لپیٹا تھا۔ چہرے پر عجیب سی ناگواری تھی۔

"کسی کے بھی کمرے میں آنے سے پہلے کچھ ایٹی کیٹس ہوتے ہیں۔" وہ بہت ناگواری سے افگن کو دیکھ کر بولی۔ افگن نے ایک گہرا سانس لیا۔

"مجھے یاد ہے میں نے ناک کیا تھا اور "کم اِن" کی آواز سن کر ہی کمرے میں داخل ہوا تھا۔" اس نے اسے بغور دیکھا سر سے پاؤں تک شہرینہ کلسی تھی، اوپر سے الفاظ ایسے تھے کہ شہرینہ اندر ہی اندر تلملائی تھی۔


Perfumed Tissue by Hankies
Hygiene Products
Available in
3 different colors

"کوئی کام ہے؟" انداز کاٹ کھانے والا تھا۔ اس نے ری لیکس موڈ میں اسے دیکھا۔

"تم میرے کس کام آسکتی ہو؟" افگن اب کی بار اس سے الجھنا نہیں چاہتا تھا لیکن نجانے کیا بات تھی کہ اسے دیکھتے ہی زبان سے کچھ ایسے الفاظ پھسل جاتے تھے کہ وہ ہر بار آؤٹ ہوجاتی تھی۔

اس نے افگن کے کی بات پر اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے آگے بڑھ کر الماری سے اپنا ڈریس نکالا تھا۔ افگن نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

وہ ان باتوں کو بہت سطحی سمجھتا تھا لیکن اس وقت پتا نہیں کیوں موڈ عجیب سا ہو رہا تھا نجانے کیوں اسے غصے میں دیکھ کر حظ اٹھانے کو جی چاہ رہا تھا۔

"میں آپ جیسے لوگوں کے کام آنا تو دور کی بات ان سے کلام کرنا بھی پسند نہیں کرتی۔" وہ نخوت سے بولی۔

"یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ تم میرے کسی کام نہیں آسکتی ویسے بھی میں افلاطون ٹائپ عورتوں کو کچھ خاص پسند نہیں کرتا میں عورت کو گھر کی چار دیواری میں مصروف رکھنے کو ترجیح دیتا ہوں کہ عورت کا اصل مقام اس کا گھر، اولاد اور اس کا شوہر ہونا چاہیے۔" افگن کی بات نے شہرینہ کا جی جلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

"تو پھر کیا لینے آئے ہیں ادھر؟" وہ غصے سے بولی۔

"اماں بی تمہیں اپنے ساتھ گاؤں لے جانا چاہتی ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"اور میں نے ان کو رات صاف اور واضح الفاظ میں انکار کردیا تھا۔"

"میرا خیال ہے تمہیں ہمارے ساتھ گاؤں چلنا چاہیے یہاں اکیلے رہنے کی بجائے تم وہاں زیادہ پُرتحفظ ماحول میں رہوگی۔" شہرینہ طنزیہ مسکرائی۔

"آپ کو اپنی عورتوں کو گھر کی چار دیواری میں قید کرکے رکھنے میں شاید روحانی سکون ملتا ہو لیکن ایم سوری میں آپ کے خیالات کی نفی کرتی ہوں میں خود کو ویسی ہی افلاطون ٹائپ عورتوں کی فہرست میں شامل کرتی ہوں جن کو آپ ناپسند کرتے ہیں اور جن عورتوں کا خیال نہیں یقین ہوتا ہے کہ اس ملک کا نظام ان کے بغیر چلنا ناممکن ہے؟" اس نے بھی گویا طے کرلیا تھا کہ وہ افگن کی ہر بات کی نفی کرے گی۔ افگن نے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

شہرینہ کے اندر کسی بھی قسم کی کوئی لچک دکھائی نہ دیتی تھی۔

"پھر تم جیسی عورتیں ہی نام نہاد آزادی کے چکر میں جب باہر کے لوگوں سے الجھتی ہیں تو پھر ان کے حصے میں عمر بھر کا خسارہ آ گرتا ہے یہ میری ہی نہیں ہر باعزت اور غیرت مند مرد کی سوچ ہے کہ وہ اپنی عورت کو دنیا کی ناپاک نظروں سے چھپا کر اپنے گھر کے پاک وصاف بہترین ماحول میں رکھے۔" اب کی بار وہ سنجیدہ تھا۔ شہرینہ طنزیہ ہنسی۔

"میں صبح صبح آپ سے عورتوں کی آزادی ونقصان کے متعلق لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں اگر یہاں آپ کی آمد کا مقصد پورا ہوگیا ہے تو آپ جاسکتے ہیں میرے پاس فالتو لوگوں کے لیے فضول وقت نہیں۔"

"اوکے میں تم سے الجھنے یا تمہیں نیچا دکھانے نہیں آیا تھا میں تمہارے پاس گاؤں چلنے کی آفر لے کر آیا تھا۔"

"اور میں اپنا جواب دے چکی ہوں تو آپ جاسکتے ہیں۔" اس کے انداز میں قطعی لچک نہ تھی۔ افگن نے چند پل اسے بغور دیکھا۔

وہ کچھ فاصلے پر ابھی بھی دیوار گیر الماری کا پٹ کھولے لباس بازو پر ڈالے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی انداز بے مروت تھا۔ افگن چند قدم چلتا اس تک آیا۔

اس کے قریب آنے پر شہرینہ کے چہرے کے تیور بدلے تھے۔ بے لچک تاثرات ہی نہیں کچھ جھنجلاہٹ بھی پیدا ہوئی تھی۔

"میرا خیال ہے یہ لباس رات کی تاریکی تک تو ٹھیک ہے لیکن بستر سے اترنے کے بعد بدل لینا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ یا پھر میں اس کو بھی ماڈرن ازم کی کوئی مثال سمجھوں۔" وہ سینے پر ہاتھ باندھے سنجیدہ انداز میں بولا۔ شہرینہ تو بھک سے اڑ گئی۔

"واٹ ڈو یو مین۔"

"جو کہہ چکا ہوں تم اچھی طرح سمجھ رہی ہو۔"

"آپ میری توہین کررہے ہیں آپ کو میں نے دعوت دے کر اپنے کمرے میں نہیں بلایا تھا یہ میرا ذاتی کمرہ ہے میں یہاں جیسے مرضی رہوں آپ کون ہوتے ہیں مجھ پر کمنٹس پاس کرنے والے۔" وہ پھٹ پڑی۔ اسے افگن کا لہجہ بہت توہین آمیز لگ رہا تھا۔

اس کی آنکھوں میں اس پل بہت عجیب سا سرد سا انداز تھا۔شہرینہ کے اندر غم و غصے کے بھانبڑ سے جلنے لگے تھے۔

"تمہاری ذات سے متعلق اب سارے اختیار میرے پاس ہیں تم ہمارے ساتھ چلتی تو زیادہ بہتر تھا جب تک تم شہرینہ عثمان تھیں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ تم کیا کرتی پھرتی ہو لیکن اب تم شہرینہ شیر افگن ہو، شیر افگن کے نام سے منسوب اور مجھے اپنی عزت بہت پیاری ہے۔"

"رشتے دل کے ماننے سے بنتے ہیں اور زور زبردستی بنائے جانے والے رشتوں کو آپ کچھ بھی سمجھیں میں پروا نہیں کرتی۔"

"پروا تو تمہیں شہرینہ شیر افگن اب کرنا پڑے گی یہ رشتہ اب میری عزت ہے میری ضد اور میری انا ہے جسے تم کبھی چیلنج مت کرنا اور ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ جب تک میں چاہوں تب تک ہی تم یہ آزاد زندگی گزار سکتی ہو اور جس دن میں نے اماں بی اور چچا جان سے بات کی اسی دن تمہاری اس نام نہاد آزادی کے پر کاٹ دیے جائیں گے۔" وہ طنزیہ کہہ کر پلٹا تھا۔شہرینہ تو اندر تک جل بھن گئی تھی۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ شیر افگن کا منہ نوچ لے۔

"میں لعنت بھیجتی ہوں آپ پر، آپ سے منسلک ہر رشتے پر، اگر اب کی بار کسی نے میرے ساتھ زبردستی کی تو میں اپنی شہ رگ کاٹ لوں گی۔" وہ افگن کے پیچھے چیخی۔

افگن نے ایک پل کو پلٹ کر دیکھا' اس کا چہرہ ایک دم نہایت کرخت ہوا تھا۔اسے ایسی لڑکیاں از حد ناپسند تھیں اس کے اندر سے شدید ترین نفرت کا احساس پیدا ہوا تھا وہ صرف اور صرف اماں بی کی وجہ سے یہ رشتہ برقرار رکھنے پر آمادہ ہوا تھا۔وہ واپس شہرینہ کے پاس آیا۔افگن نے بہت تلخی سے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا انداز میں بہت جارحانہ پن تھا۔

"اپنی زبان پر کنٹرول رکھو تو یہ ہم دونوں کے لیے زیادہ بہتر ہوگا۔" شہرینہ کے بازو پر دھرا اس کا لباس قالین پر جا گرا تھا۔

"لعنت بھیجنے کی بات مت کرو، بات لعنت کی آئی تو بہت پچھتاؤ گی ساری زندگی کہ تم نے کس انسان کو چھیڑا تھا' یہ رشتہ اب میری ضد ہے اب دیکھتا ہوں تم کہاں انکار کرتی ہو چچا جان آجائیں پہلی فرصت میں اب رخصتی کی بات ہوگی، تم جیسی عورتوں کو کیسے ہینڈل کرنا ہے شیر افگن کے لیے اس مسئلے کو حل کرنا بہت آسان ہے۔" اسے غم و غصے سے الماری کی طرف دھکا دے کر وہ تیزی سے کمرے سے چلا گیا تھا اور شہرینہ وہ اپنا کندھا پکڑ کر قالین پر بیٹھ گئی تھی۔

افگن تو جاچکا تھا لیکن شہرینہ کے اندر شدید طوفان کا منہ کھول گیا تھا۔وہ شدت سے رو پڑی تھی۔افگن سے رشتہ جڑنے سے اس کی زندگی عذاب بن کر رہ گئی تھی۔اگر بات ضد کی تھی تو اس نے بھی سوچ لیا تھا کہ وہ اب افگن کی ضد میں آخری حد تک جائے گی۔

❖......○......❖

افگن گاڑی نکال کر منتظر تھا۔

اماں بی شہرینہ سے ملنے گئی تھیں لیکن اس نے دروازہ ہی نہیں کھولا وہ کتنی دیر تک آوازیں دیتی رہی تھیں اور پھر مایوس ہوکر گاڑی میں آبیٹھی تھیں چہرہ اترا ہوا تھا۔افگن نے ان کو بغور دیکھا تھا۔

"کیا ہوا؟"

"شہرینہ نے دروازہ ہی نہیں کھولا وہ مجھ سے ملی ہی نہیں۔"

جواب افگن کی توقع کے مطابق تھا۔

"چھوڑیں اس کو۔" اس نے گاڑی گیٹ سے نکالی۔

"مجھے شہرینہ کی فکر رہے گی جب تک عثمان اور فائقہ واپس نہیں آجاتے۔" افگن اب کی بار بھی خاموش کچھ سوچ رہا تھا۔

"ضدی اور خودسر ہے لیکن دل کی بری نہیں۔" وہ مزید کہہ رہی تھیں افگن نے ان کو دیکھا۔

"چچا جان واپس آتے ہیں تو آپ ان سے رخصتی کی بات کریں۔" اس نے بالکل اچانک کہا۔ اماں بی نے حیران ہوکر دیکھا۔

"رخصتی......!" انہوں نے افگن کو دیکھا وہ بہت زیادہ سنجیدہ تھا۔

"لیکن اتنی جلدی کیوں عثمان تو نہیں مانے گا اس نے نکاح کے وقت صاف کہا تھا کہ شہرینہ کی تعلیم مکمل ہونے پر ہی رخصتی ہوگی۔"

"یہ شقیں آپ نے قائم کی تھیں میں نے آپ کی خواہش کے احترام میں نکاح کیا تھا اور میں اب رخصتی چاہتا ہوں اور بس۔" قطعی انداز تھا۔

"لیکن کیوں......یہ اچانک کیا ہوا؟"

"اچانک کچھ نہیں ہوا شہرینہ ضد پر اتری ہوئی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میں اسے بہت زیادہ ڈھیل دوں، رخصتی لازمی ہے آپ ایک دو دن میں فون پر چچا سے بات کرلیں وہ واپس

آجاتے ہیں تو فائنل کرلیں میں رخصتی کے متعلق بہت سنجیدہ ہوں۔'' اس نے سب واضح طور پر کہا تھا اماں بی پریشان سی ہوگئی تھیں۔

''شہرینہ نہیں مانے گی۔''

''اس کی مجھے پروا نہیں۔'' وہ گاڑی چلا رہا تھا اب ساری توجہ گاڑی کی طرف تھی۔

''اس کی تعلیم مکمل ہوجاتی تو پھر رخصتی بھی ہوجاتی تب تک وہ بھی اس رشتے کو قبول کرلیتی۔'' انہوں نے کہا تو افگن نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

''اماں بی اگر رخصتی نہیں ہوگی تو پھر یہ رشتہ ختم سمجھیں۔''

''افگن......!'' اماں بی تو حیرت وصدمے سے گنگ رہ گئی تھیں۔

''اماں بی شہرینہ کی نفرت مجھ سے اور اس رشتے سے بہت گہری ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس رشتے کو قائم رکھنے کے لیے رخصتی ہوجائے اور یہی میرا آخری اور حتمی فیصلہ ہے ایک خواہش میں آپ کی مان رہا ہوں اور ایک خواہش آپ کو میری ماننا ہوگی۔'' وہ اپنا فیصلہ سنا چکا تھا آخری اور حتمی فیصلہ، اماں بی نے ازحد بے چارگی سے اسے دیکھا۔

وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ افگن اپنے فیصلوں اور معاملات میں ہمیشہ بہت دوٹوک رہا ہے۔ اگر اس نے شہرینہ کے معاملے میں کچھ لچک دکھائی تھی تو صرف اور صرف ان کی خواہش کے احترام میں ورنہ شہرینہ جیسی لڑکی کی شہہ زوری کو برداشت کرنا اس کے مزاج کا خاصہ نہ تھا۔

❖......○......❖

شہرینہ کالج گئی تھی عجیب مضمحل سی تھی لیکن مزاج برہم تھا اور یہ فریحہ کی بدقسمتی تھی یا پھر اس کی اپنی کہ دو تین کلاسز کے بعد اس کا فریحہ سے سامنا ہوگیا تھا وہ اکیلی نہ تھی اس کی دوست اس کے ساتھ تھی فریحہ سابقہ رویوں کا مظاہرہ کرنے لگی تھی۔ وہ پہلے ہی کھول رہی تھی فریحہ نے جیسے ہی شیر افگن کا ذکر کیا تو اس پر الٹا گرم ہوگئی۔

''تمہیں مسئلہ کیا ہے شیر افگن کا ذکر لے کر بیٹھ جاتی ہوں کیا چاہتی ہو تم مجھ سے۔'' فریحہ تو بوکھلا گئی۔

''میں تو ویسے ہی حال چال پوچھ رہی تھی پتا چلا تھا وہ کل سے تمہاری طرف آیا ہوا ہے تو اس لیے۔''

''جب تمہیں اتنا علم ہے کہ وہ کل سے کدھر ہے تو اس کے حال چال کا بھی علم ہوگا مجھ سے زیادہ تم باخبر ہو پھر مجھ سے سوال کرنے کا فائدہ۔''

''تم خوامخواہ ناراض ہورہی ہو، رشتہ داری ہے ہم سے اِدھر اُدھر کی خبریں تو ملتی رہتی ہیں ناں اگر پوچھ ہی لیا تو کیا برا کیا ہے میں نے۔''

''برا ہے یا اچھا اگر آئندہ مجھ سے ایسے الٹی سیدھی بات کی تو بہت بری طرح پیش آؤں گی۔'' وہ تلخی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

''حوریہ اور صبا دونوں نے ناسمجھی میں ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ فریحہ چہرے پر غصے کی کیفیت لیے اسے جاتے دیکھتی رہی۔ شہرینہ لان کے نسبتاً ایک تنہا گوشے میں جا بیٹھی تھی۔ حوریہ اور صبا بھی اِدھر آ گئی تھیں۔

''کیا مسئلہ ہے صبح سے ہر ایک کو کاٹ کھانے کو دوڑ رہی ہو آخر ہوا کیا ہے تمہیں؟'' حوریہ نے پاس بیٹھتے ہی کہا۔ اس نے غصے سے اسے بھی دیکھا۔

''یہ نظروں کے تیر، یہ لہجے کے گھاؤ، بات تو کچھ ہے جو بہت خاص ہے۔'' وہ گنگنائی تھی۔ صبا مسکرائی تو شہرینہ نے غصے سے اسے دیکھا۔

''بکواس مت کرو۔''

''سیریس لی بتاؤ کیا بات ہے صبح سے موڈ خراب ہے تمہارا۔''

''کچھ نہیں ہوا مجھے۔'' اس نے خود کو نارمل کرنا چاہا۔

''یہ شیر افگن صاحب والا کیا قصہ ہے؟'' حوریہ نے مزید پوچھا۔

''بکواس کرتی ہے یہ فریحہ بھی۔'' اس نے سر جھٹکا۔

''شیر افگن صاحب کب آئے تھے؟'' اس نے مزید کہا۔

''اب تم فریحہ کی طرح شروع ہوجاؤ، نمبر دے دیتی ہوں افگن ''صاحب'' کا خود ہی پوچھ لو۔'' وہ پھر غصے سے بولی اور صاحب کو کھینچ کر کہنے پر صبا ہنسنے لگی تھی۔

''تمہارے غصے سے تو ایسے لگ رہا ہے کہ جیسے بہت بڑی بات ہوئی ہے۔'' حوریہ نے پسپائی اختیار نہ کی تو شہرینہ نے سر تھام لیا۔

''اب اگر تم نے کوئی اور سوال کیا تو میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔'' حوریہ نے صبا کو دیکھا اس نے کندھے اچکا دیے تھے حوریہ نے ایک گہرا سانس لیا یعنی وہ کچھ بھی بتانے والی نہ تھی۔

❖......○......❖

فائقہ نے وہاں پہنچنے کے بعد کال کی تھی لیکن شہرینہ نے کال پک نہ کی اس کے بعد بھی وہ گاہے بگاہے کال کررہی تھیں لیکن ہر بار کی طرح شہرینہ نے کال پک نہ کی تھی اس نے نمبر بند کردیا تھا۔ فائقہ افسردہ ہوگئی تھیں۔ ان کے دو دن بڑے مصروف گزرے تھے۔ عثمان کے ساتھ ہر جگہ ساتھ جانا، عمدہ لباس، قیمتی و نفیس جیولری اور پُر وقار سا سنگھار۔ ہر کوئی سراہتا اور پھر جن نظروں کی وہ منتظر رہتی تھیں وہ تو جیسے دیکھنا بھول گیا تھا، وہ چند دن میں ہی اکتا گئی تھیں۔

''اس سو آف فارمل مصنوعی زندگی سے۔'' فائقہ کو اب لگنے لگا تھا کہ وہ اب تھکنے لگی ہیں۔

ان کا اپنا دیوانہ پن اب ان کے لیے نہایت تکلیف دہ بنتا جارہا تھا انہوں نے اپنی ساری زندگی ایک امید اور آس پر گزاری تھی لیکن زندگی کے اس مقام پر آ کر وہ بالکل ہی حوصلہ ہار چکی تھیں۔ فائقہ آج کہیں بھی نہیں گئی تھی۔ جس ہوٹل میں ان کا قیام تھا اسی ہوٹل کے ریزروڈ کمرے میں وہ سارا وقت گم صم انداز میں بیٹھی رہی تھیں۔

انہوں نے کئی بار گھر کال کی تھی زبیدہ سے بات ہوئی تھی۔ زبیدہ نے بتایا تھا شہرینہ روزانہ سوئمنگ پریکٹس کے لیے جارہی ہے۔ وہ لیٹ نائٹ آتی تھی اس بات نے انہیں تشویش میں مبتلا کردیا تھا۔

انہیں لگ رہا تھا کہ شیر افگن سے شہرینہ کے نکاح کا فیصلہ عثمان کا ایک غلط ترین فیصلہ تھا۔ اس فیصلے نے شہرینہ کو ان سب سے بہت دور کردیا تھا، شہرینہ صبح گھر سے نکلتی تھی اور رات گیارہ بارہ بجے لوٹتی تھی، کال سننے کے بعد وہ بہت دیر تک خاموش رہی تھیں، وہ کچھ سوچتی رہی تھیں انہوں نے افگن کا نمبر ملایا تھا۔ کال جارہی تھی اور کال ریسیو کرلی گئی تھی۔

''وعلیکم السلام...... کیسے ہو افگن۔''

''ہاں میں ٹھیک ہوں...... تمہارے چچا بھی ٹھیک ہیں۔''

''ہاں ٹیپو اور آفاق سے فون پر رابطہ ہے میرا سب ٹھیک ہیں۔''

''بابا صاحب اب کیسے ہیں؟''

''ہوں...... نہیں...... اچھا۔''

''میں شہرینہ کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔''

''ایسا مت کہو بیٹا تم جانتے ہو وہ بس غصے میں یہ سب کررہی ہے دل کی بہت اچھی ہے۔''

''کیا، نہیں عثمان کبھی نہیں مانیں گے یہ بات تو نکاح کے وقت انہوں نے اماں بی سے کہہ دی تھی کہ شہرینہ کی جب تک تعلیم مکمل نہیں ہوگی اس کی رخصتی نہیں ہوگی۔''

''اچھا۔''

''وہ جذباتی ہے تو تم جذباتی باتیں مت کرو بیٹا، وہ ٹھیک ہوجائے گی تم پیار سے ہینڈل تو کرو۔''

''اوکے، ہم کچھ دنوں میں لوٹتے ہیں اس ٹاپک پر بات کریں گے ابھی آپ عثمان سے کچھ نہیں کہو گے میں خود شہری سے بات کروں گی ٹھیک ہے، اوکے اپنا خیال رکھنا میں پھر کال کروں گی اماں بی کو سلام کہنا۔'' انہوں نے چند اختتامی جملوں کے بعد کال بند کردی تھی۔

افگن سے بات کرنے کے بعد بجائے وہ ریلیکس ہوتیں مزید ڈپریشن کا شکار ہوگئی تھیں۔

افگن شہرینہ کی رخصتی کی بات کررہا تھا لیکن وہ جانتی تھیں کہ شہرینہ کبھی نہیں ماننے والی۔ سوچ سوچ کر ان کا دماغ پھٹنے لگا تو انہوں نے اپنے بیگ سے اینٹی ڈپریشن کی ٹیبلٹس نکالی تھیں۔ دو گولیاں پانی کے ساتھ نگل کر وہ بستر پر لیٹ گئی تھیں۔ انہوں نے ایک بار پھر شہرینہ کا نمبر ملایا تھا لیکن شہرینہ کال ریسیو نہیں کررہی تھی انہوں نے افسردگی سے کال بند کرکے موبائل سرہانے رکھ کر آنکھیں بند کیں تو پانی کے چند قطرے ان کی آنکھوں سے نکل کر کنپٹیوں سے ہوتے ہوئے بالوں میں جذب ہوگئے تھے۔

❖......○......❖

شہرینہ کی عجیب سی روٹین تھی۔ وہ صبح کالج کے لیے نکلتی تو واپسی پر روز انز دار الاطفال چلی آتی اور وہاں سے عصر کے بعد نکلتی تو گھر جانے کی بجائے سوئمنگ پریکٹس کلب چلی جاتی تھی۔

وہ آج کل پریکٹس سے زیادہ گروپ ممبرز کے ساتھ بیٹھی مختلف سوچوں میں الجھی رہتی تھی۔ پریکٹس میں اس کی توجہ بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ انسٹرکٹر کئی بار اس کی Poor پرفارمنس کے سبب اسے ہدایت دے چکا تھا۔ اس وقت بھی اس کا اپنے ہی گروپ کی لڑکیوں کے ساتھ مقابلہ چل رہا تھا لیکن پریکٹس کے اینڈ میں وہ ہمیشہ پہلے اور دوسرے نمبر پر رہا کرتی تھی اس بار لاسٹ نمبر پر تھی۔ انسٹرکٹر کو اس سے اس قدر Poor پرفارمنس کی توقع نہ تھی۔ اس نے اسے بلالیا تھا۔

"میں اس دفعہ سوئمنگ میں حصہ نہیں لے سکتی سر۔" انسٹرکٹر نے بری پرفارمنس کی وجہ پوچھی تو اس نے جواباً کہا تھا انسٹرکٹر حیران ہوا تھا۔

"بٹ وائے؟"

"میرا دل نہیں لگ رہا اس دفعہ اس گیم میں۔" اس کے انداز میں بے چارگی سی تھی انسٹرکٹر پریشان ہوا۔

"آپ بہت بڑی غلطی کررہی ہیں شہرینہ آپ جانتی ہیں ان گیمز میں جو اچھی کارکردگی دکھائیں گے ان کو نیشنل لیول پر جانے کا موقع ملے گا اور اس کے بعد انٹرنیشنل لیول پر۔"

"آئی نو سر بٹ میرا انٹرسٹ اس گیم میں روز بروز ختم ہورہا ہے، میں پہلے دل کی خوشی سے پارٹی سی پیٹ کرتی تھی اور جیتتی بھی تھی لیکن اس بار میں روز خود کو راضی کرتی ہوں یہاں آتو جاتی ہوں لیکن سوئمنگ پوائنٹ کی طرف جاتے جاتے میرا دل اچاٹ ہوجاتا ہے میرا دل کرتا ہے کہ ہر چیز کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں، میں مزید نہیں کھیل سکتی سر۔" انسٹرکٹر نے اسے بڑی ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

"دیکھ لیں آپ کے کالج کی پوزیشن بہت لو ہوسکتی ہے۔" وہ اتنے بڑے سیاستدان کی بیٹی تھی وہ اسے فورس بھی نہیں کرسکتے تھے اس نے قائل کرنا چاہا۔

"میں چیئرمین سے بات کرلوں گی ویسے بھی ہمارے کالج کی اور لڑکیاں بھی موجود ہیں انہیں کوئی خاص اعتراض نہیں ہوگا میں نہیں تو وہ جیت جائیں گی سبھی کمپی ٹینٹ ہیں۔" انسٹرکٹر نے ایک گہرا سانس لیا۔

"کوئی ذاتی وجہ؟"

"سوری میں اس سے زیادہ ایکس پلی نیشن نہیں دے سکتی۔" اس کا انداز قطعی اور سنجیدہ تھا انسٹرکٹر نے سر ہلا دیا تھا۔

بہرحال اسے تجسس ضرور تھا لیکن شہرینہ جیسی لڑکی سے وہ انکار کی وجہ جان نہیں سکتا تھا شہرینہ چلی گئی تھی۔ وہ اسے بغور جاتے دیکھتا رہا تھا۔

❖......○......❖

شہرینہ گھر آئی تو زبیدہ حیران ہوئی، آج وہ خلاف معمول جلدی آگئی تھی۔ وہ فون پر کسی سے بات کررہی تھی فوراً کال بند کرکے شہرینہ کی طرف آئی، شہرینہ اپنے کمرے میں جانے کی بجائے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے بیگ سائیڈ پر پھینک دیا تھا۔ وہ ٹانگیں سامنے ٹیبل پر رکھ کر اپنا سر صوفے کی پشت سے ٹکا کرآنکھیں بند کرکے بیٹھی تھی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" زبیدہ نے پوچھا تو اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔

"ہوں، کیا کہا؟"

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟"

"ہاں سر درد ہورہا ہے ایک کپ اسٹرانگ سی چائے پلاؤ۔"

"جی ابھی لائی۔" وہ فوراً کچن کی طرف چلی آئی۔ شہرینہ نے ریموٹ اٹھا کر ایل سی ڈی آن کرلی تھی۔ لاؤنج میں آواز گونجی تو اس نے والیوم بڑھادیا۔ اس کی انگلیاں تیزی سے چینلز بدل رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر بلا کی اکتاہٹ تھی۔

وہ اپنی ہی سوچوں میں مست عجیب سی کیفیت میں تھی۔ اس کے بیگ میں موجود اس کا موبائل بار بار بج رہا تھا لیکن اس نے بیگ کھول کر موبائل نکالنے کی زحمت نہ کی تھی۔ کچھ دیر بعد زبیدہ چائے لائی تو وہ اسی طرح تھی۔ اس نے چائے کا مگ اس کے سامنے رکھا تو شہرینہ نے خاموشی سے ٹیبل پر سے مگ اٹھا کر آہستگی سے سپ لینے لگی تھی زبیدہ ایک طرف خاموشی سے کھڑی تھی۔

"کیا بات ہے؟" اس نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"کھانا کھائیں گی؟"

"کیا پکایا ہے؟"

"اتنے دنوں سے آپ رات کو گھر سے کچھ کھاتی ہی نہیں تو میں کچھ پکاتی ہی نہیں آپ نے جو کھانا ہے بتادیں میں پکادوں گی۔" شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"چائنیز۔" اس نے کہا تو وہ سر ہلا کر جانے لگی۔

شہرینہ کا موبائل بجنے لگا تو زبیدہ رک گئی تھی۔ شہرینہ نے پرس اٹھا کر اپنا موبائل نکالا تھا۔ اجنبی نمبر تھا۔

"ہیلو۔" اس نے کہا تو زبیدہ نے پورے دھیان سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیسی ہیں شہرینہ صاحبہ۔" دوسری طرف سے اجنبی آواز تھی۔ شہرینہ چونکی۔

"کون؟"

"یہ چھوڑیں ہم کون ہیں آپ بتائیں آپ کیسی ہیں؟" دوسری طرف انداز بہت عجیب سا تھا۔ وہ شش وپنج میں پڑگئی۔ نجانے کون تھا۔

"کہیں افگن تو نہیں۔" اس کے ذہن نے کہا تو اس نے ہونٹ بھینچے۔

افگن سے موبائل پر بہت کم بات کرنے کا اتفاق ہوا تھا اس لیے وہ اس کی آواز نہیں پہچانتی تھی۔

"تم جو کوئی بھی ہو پہلے اپنا تعارف کراؤ پھر میرا حال دریافت کرنا۔" وہ اس بار کافی غصے سے بولی تھی۔ زبیدہ کے کان کھڑے ہوچکے تھے۔

"ہمارے تعارف سے آپ کو کیا لینا دینا میم کسی جاننے والے سے آپ کا نمبر حاصل کیا ہے رہ گئی تعارف کی بات تو کچھ دن بات کرلیتے ہیں پھر نام بھی بتادوں گا۔"

"شٹ اپ۔" انتہائی کمینہ انسان۔ نہایت آوارگی سے مخاطب تھا اس نے کال بند کردی تھی زبیدہ ابھی بھی ادھر ہی کھڑی تھی۔

"کیا ہوا بی بی جی، کون تھا؟" شہرینہ نے اسے بھنا کر دیکھا۔

"کیوں، تم نے اس سے تیل خریدنا ہے کیا؟"

"میں...... وہ بی بی جی...... نہیں ایسے ہی۔" وہ گھبرا گئی تھی۔

"جاؤ میرا دماغ مت کھاؤ اپنا کام کرو۔" اس نے کال والے کا سارا غصہ اس پر انڈیل دیا تھا۔ زبیدہ فوراً بھاگ گئی تھی۔

شہرینہ نے نہایت برہمی سے اپنا موبائل دیکھا۔ اب وہ زیادہ تر اس کو بند ہی رکھتی تھی۔ کچھ دیر پہلے فائقہ کی کئی کالز تھیں جو اس نے ریسیو نہیں کی تھی۔ اس نے اپنا موبائل بند کردیا اور ایل سی ڈی آف کرتے وہ کھڑی ہوگئی تھی۔ وہ کچن کی طرف آئی۔

"میں سونے جارہی ہوں کسی کی بھی کال ہو کوئی بھی آئے جائے مجھے اٹھانا نہیں میں اب صبح ہی اٹھوں گی۔"

"لیکن بی بی جی کھانا......" اس نے ہاتھ میں چھری پکڑی ہوئی تھی وہ شاید کھانے کا ہی انتظام کررہی تھی۔

"تم اپنے لیے تیار کرلو۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چل دی تھی۔ زبیدہ ایک گہرا سانس لیتے چھری واپس کاؤنٹر پر رکھ کر کچن سے نکل کر لاؤنج میں آگئی تھی۔ اس نے ٹیلی فون کے قریب آکر ریسیو تھاما تھا۔

❖......○......❖

اگلے دن وہ ابھی سو ہی رہی تھی جب زین کی کال آگئی تھی، رات کے کسی پہر اس نے موبائل آن کیا تھا اور پھر سوگئی تھی۔

"کہاں ہو؟" کال ریسیو ہوتے ہی اس نے پوچھا۔

"کیوں؟"

"کہاں ہو یہ بتاؤ۔"

"گھر ہوں، ابھی سوکر اٹھی ہوں۔"

"مائی گاڈ دن کے دس بج رہے ہیں اور تم ابھی تک سو رہی ہو۔" دوسری طرف اس نے حیرت سے کہا تو وہ چونکی۔ اس نے جلدی سے وال کلاک پر نظر ڈالی واقعی دس بج رہے تھے۔

"تم کہاں ہو۔"

"میں کالج میں ہوں۔"

"ہوں میں کچھ دیر میں کالج پہنچتی ہوں۔"

"جلدی آنا مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔" اس نے کہا۔

"او کے لیکن کیا بات کرنی ہے۔"

"تم سامنے آؤ گی تو بتاؤں گا میں تمہارا انتظار کررہا ہوں جلدی آنا۔"

"او کے۔" اس نے کال بند کردی تھی۔

وہ کچھ دیر یونہی کلسمندی سے بستر پر بیٹھی رہی تھی۔ پھر سر جھٹک کر الماری سے اپنا لباس نکال کر واش روم میں گھس گئی۔ وہ تیار ہوکر کمرے سے نکلی تو زبیدہ کوریڈور میں ہی ٹہل رہی تھی۔

"میں کالج جارہی ہوں۔"

"ناشتہ......"

"موڈ نہیں۔"

"آپ نے رات ڈنر بھی نہیں کیا تھا۔"

"میں باہر سے کچھ نہ کچھ کھالوں گی۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔ زبیدہ نے سنجیدگی سے اسے جاتے دیکھا تھا۔

شہرینہ کالج پہنچی تو زین پارکنگ کے اردگرد ہی اس کا انتظار کررہا تھا۔ وہ جیسے ہی گاڑی سے نکلی وہ فوراً قریب آیا۔

"بڑی دیر لگادی تم نے۔" وہ حیران ہوئی۔ زین نے کبھی بھی اس کے لیے اس طرح بے قراری نہ دکھائی تھی۔

"مجھے رات نیند نہیں آرہی تھی تو میں سلیپنگ پلز کھا کر سوگئی تھی سو وقت پر آنکھ ہی نہیں کھل سکی۔"

"دو کلاسز ہوچکی ہیں۔"

"چلو کوئی بات نہیں۔" اس نے وقت دیکھا۔

"میرے ساتھ اس طرف آؤ تم سے کچھ کہنا ہے۔" زین شاہ سنجیدہ تھا۔ اس نے اسے بغور دیکھا لیکن پوچھا کچھ

بھی نہیں، وہ اس کے ساتھ خاموشی سے لان کے ایک تنہا گوشے کی طرف آ گئی۔
"باقی لوگ کدھر ہیں؟" اس نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ یہ ان کی مخصوص جگہ تھی۔
وہ سب اکثر باقی لڑکوں سے ہٹ کر اس جگہ فارغ وقت میں بیٹھا کرتے تھے۔
"کینٹین کی طرف گئے ہیں۔" زین بھی اس کے سامنے قدرے فاصلے پر بیٹھ گیا۔
"کیا بات کرنی ہے تم نے؟" زین شاہ کے سنجیدہ انداز پر وہ پہلے ہی ٹھٹک چکی تھی سو بلا توقف پوچھا۔
"مجھے علم ہوا ہے کہ تمہارا نکاح ہو چکا ہے۔" کچھ پل خاموشی کے بعد اس نے کہا تو شہرینہ کئی پل کچھ بول نہ سکی تھی۔
"تمہیں کس نے کہا؟" اس نے سنجیدہ ہو کر زین شاہ کو دیکھا۔
"جس نے بھی کہا ہو لیکن تم بتاؤ اس خبر میں کس قدر سچائی ہے۔"
"جس نے بھی بتایا ہے بالکل سچ بتایا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تو کئی پل تک زین ساکت رہ گیا تھا۔
"تم اپنا سورس آف انفو بتاؤ تو بہتر ہوگا۔" اس کا خیال تھا کہ صبا یا حوریہ میں سے کسی نے ذکر کیا ہوگا، اس نے ان کو سختی سے کسی سے بھی ذکر کرنے سے منع کیا تھا۔
"مجھے ساریہ نے بتایا تھا۔" وہ حیران ہوئی۔
"ساریہ کو تمہاری کزن فریحہ نے بتایا تھا لیکن میں یقین کرنے پر تیار نہیں تھا تم جس طرح فریحہ سے دور دور رہتی ہو میں سمجھا اس نے شاید خود سے ہی افواہ پھیلا دی ہو۔"
"نہیں...... یہ سچ ہے۔"
"تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔" اس کے لہجے میں ناراضگی و خفگی تھی۔
"میں نے تمہیں ہی نہیں جواد کو بھی نہیں بتایا یہ میری زندگی کا بالکل ذاتی واقعہ تھا میرا دل نہیں کیا کہ ہر کسی کو بتاتی پھرتی۔" اس کے الفاظ ایسے تھے کہ زین شاہ نے از حد دکھ سے اسے دیکھا۔
"میں ہر کسی میں شامل نہیں تھا۔" اس کے لہجے میں شدید احتجاج تھا۔
"بالکل تم میرے بہت اچھے دوست ہو۔" اس نے بھی فوراً مانا۔
"صرف دوست......!" وہ بے یقین سا ہوا۔
"تو تم کیا سمجھے تھے؟" وہ الٹا اسی سے سوال کررہی تھی۔
زین شاہ نے بہت حیرانی سے اسے دیکھا۔
"تم اچھی طرح جانتی ہو میں تمہیں لائک کرتا تھا۔" وہ بہت غصے سے بولا تھا۔ شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا تھا اس کے دل میں ایک پل کو سناٹا ہوا تھا اور دوسرے پل وہ مسکرا دی۔
"لیکن تم نے کبھی اظہار نہیں کیا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔
"کیا فرق پڑتا ہے میں اپنی اور تمہاری تعلیم مکمل ہونے پر اور پھر سیٹل ہونے تک خاموش رہنا چاہتا تھا لیکن تم نے...... تمہاری زندگی میں اتنا بڑا واقعہ ہو گیا اور تم نے بتایا تک نہیں۔"
"تم نے بھی تو کبھی اپنی منگنی کا ذکر نہیں کیا جو ساریہ سے ہو چکی تھی۔" اب کی بار زین ساکت ہوا۔
"میری ساریہ سے باقاعدہ کوئی انگیجمنٹ نہیں ہوئی۔"
"چلو بچپن سے بات تو طے ہے ناں اور وہ تم سے محبت بھی کرتی ہے اور تمہاری فیملی اسے تمہاری مستقبل کی وائف کے طور پر قبول بھی کر چکی ہے تو پھر تم کس بات سے انکار کرتے ہو۔" وہ پُرسکون انداز میں کہہ رہی تھی زین شاہ نے ایک گہرا سانس لیا۔
"بات میری پسند ناپسند کی ہے میں اسے پسند نہیں کرتا میں تمہیں پسند کرتا ہوں اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم بھی مجھے پسند کرتی ہو......"
"ایک منٹ۔" وہ اس قدر یقین سے کہہ رہا تھا کہ شہرینہ نے فوراً اس کی بات کاٹی۔
"تمہارے دل کی کیا کیفیت ہے وہ تم پورے یقین سے کہہ سکتے ہو لیکن میری ذات سے متعلق یہ بات اس قدر یقین سے مت کہو۔"
"تو کیا تم مجھے پسند نہیں کرتیں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ وہ مسکرائی۔
"جس ریفرنس سے تم کہہ رہے ہو اس لحاظ سے تو قطعی نہیں کرتی میں...... بس تمہیں ایز آ فرینڈ لائک کرتی ہوں اس بات پر میں آج بھی قائم ہوں تم ایک بہت ہی اچھے انسان ہو اور اس سے بھی اچھے دوست ہو اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔" اس نے بہت واضح الفاظ میں اسے کلیئر کر دیا تھا۔
"تو پھر تم نے ہمیشہ مجھے اس غلط فہمی میں کیوں رکھا اس قدر اہمیت دیتی رہی ہو۔" وہ کچھ برہمی سے پوچھ رہا تھا۔ وہ مسکرائی۔

"یہ تمہاری بالکل ذاتی نوعیت کی غلط فہمی ہے کہ تم ایسا سمجھ رہے ہو میں نے کبھی تمہیں جواد، حوریہ یا صبا سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔" وہ بولی اور زین شاہ نے ہونٹ دانت تلے دبا لیے تھے۔

"کیا میں نے کبھی تم سے لیٹ نائٹ لمبی لمبی کالز کی ہوں، دوستوں سے چھپ کر تمہیں گفٹس دیئے ہوں، ان کی غیر موجودگی میں تمہیں اہمیت دی ہو، میں نے ہمیشہ سب کے سامنے سب کے ساتھ ایکولی بی ہیو کیا ہے مجھے نہیں پتا کہ تم اس غلط فہمی کا شکار کیوں ہو کہ میں تمہیں لائک کرتی ہوں۔" وہ اب بھی خاموش تھا۔

"میں تمہیں ایز آ فرینڈ بہت لائک کرتی ہوں بحیثیت انسان امپورٹنس دیتی ہوں اب بھی دیتی ہوں اور ہمیشہ دوں گی۔" وہ مطمئن انداز میں کہہ رہی تھی۔ زین شاہ کے دل کے اندر بہت شدت سے کچھ ٹوٹا تھا۔

وہ لب بھینچ گیا تھا۔ وہ ایک عرصہ تک ایک الویژن کا شکار رہا تھا۔ شہرینہ کی پسندیدگی کا اسے مکمل یقین تھا لیکن وہ اب انکار کررہی تھی وہ خود ہی بے یقین ہوگیا تھا۔

"ساریہ ایک بہت اچھی لڑکی ہے، تمہیں لائک بھی کرتی ہے اور خوش قسمتی سے تمہاری فیملی والے بھی اسے تمہارے لیے پسند کرچکے ہیں تو میرا نہیں خیال کہ تمہیں اسے ریجیکٹ کرنے کی کوئی ریزن بنتی ہے آگے تمہاری مرضی۔" زین شاہ بہت سنجیدہ تھا۔ شہرینہ کو اس کی سنجیدگی تکلیف دینے لگی تو وہ اپنا بیگ پکڑ کر کھڑی ہوگئی۔

"ایم سوری میری وجہ سے اگر تمہاری دل آزاری ہوئی ہو تو...... میں حوریہ اور صبا سے مل لوں چلو گے میرے ساتھ۔"

"نہیں تم جاؤ...... میں کچھ دیر یہیں بیٹھوں گا۔" اس نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا کر اسے بغور دیکھا اور پھر وہاں سے چل دی۔ زین شاہ کی نگاہوں نے دور تک اس کے ہر اٹھتے قدم کا پیچھا کیا تھا۔

❖......○......❖

وہ حوریہ اور صبا کو ڈھونڈنے کے بجائے واپس پارکنگ کی طرف آ گئی تھی، ابھی اس کا کسی سے بھی ملنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ پارکنگ سے گاڑی نکال کر وہ کالج سے نکل آئی تھی۔ وہ زین شاہ اور اس کی کسی بھی بات کو نہیں سوچنا چاہتی تھی، اس نے گاڑی میں تیز آواز میں میوزک آن کیا تھا۔ اس نے گاڑی کی

غزل

نئے سال، نئے دور کا استقبال کر
جو کھو گئی وہ ہنسی تلاش کر
جو بچھڑ گئے بھیڑ میں، اپنے نہیں تھے
رونا چھوڑ، اٹھ نئی راہیں تلاش کر
کئی وعدے، سپنے ادھورے رہ گئے
نئے سال میں نئی کوئی امید تلاش کر
اتار پھینک مایوسیوں کا چولا امسال
زندگی سے نئی خوشیاں تلاش کر
بھول کر ہرجائی دسمبر کی وحشت
امسال جینے کے نئے اسباب تلاش کر

فرحین ناز طارق...... چکوال

اسپیڈ تیز کرلی تھی۔ وہ کافی دیر تک یونہی مختلف شاہراہوں پر گاڑی گھماتی رہی تھی اور پھر سب کراس کرکے اس نے گاڑی کا رخ دارالاطفال کی طرف کرلیا تھا۔

"دارالاطفال" واحد جگہ تھی جہاں آ کر وہ پُرسکون ہوجایا کرتی تھی۔ وہ وہاں آئی تو بچے اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔ دارالاطفال کے کیئر ٹیکر نے بتایا تھا کہ وہ لوگ بچوں کو لے کر مری جارہے ہیں شہرینہ بھی جانے کو فوراً راضی ہوگئی تھی۔ کل کا پروگرام طے تھا ایک رات کا اسٹے تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ ان بچوں کے ساتھ یہ سارا وقت گزارے گی۔ وہ سارا پروگرام فائنل کرکے مغرب تک وہاں رکی تھی اور پھر مغرب کے بعد وہ وہاں سے نکل آئی تھی۔

وہ گھر نہیں جانا چاہتی تھی لیکن نجانے کیوں گھر کی طرف اس نے گاڑی ڈال دی تھی زبیدہ اسے خلاف معمول اور خلاف توقع اتنی جلدی گھر دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

"بی بی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔"

"کیوں تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"آپ آج بھی جلدی آ گئی ہیں ناں۔"

"میرا گھر ہے میں جلدی آؤں یا لیٹ تم کون ہوتی ہو چیک اینڈ بیلنس رکھنے والی۔" اس نے اسے بری طرح ڈانٹا اور اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ بیگ ایک طرف رکھ کر وہ بستر پر لیٹ گئی کمرہ لاک تھا وہ بہت جلد گہری نیند میں تھی۔ پتا نہیں وہ کب تک سوئی تھی جب موبائل کی مسلسل بجتی بیپ سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اس نے دیکھا کال والا ہی اجنبی نمبر تھا۔

اس نے اس سے پہلے اگنور کرنا چاہا تھا لیکن پھر نجانے کیوں اس نے کال پک کرلی تھی۔

''ہیلو۔''

''کیسی ہیں محترمہ شہرینہ صاحبہ۔''

''تمہاری توقع سے بھی بہت اچھی۔'' وہ بہت پُرسکون انداز میں بولی تو دوسری طرف موجود شخص قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''بہت خوب۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم اب میری کال پک نہیں کروگی۔''

''تم جیسے بھونکنے والے کتوں کی اصلیت جاننے کے لیے کبھی کبھی خلاف مزاج کام کرنا پڑتا ہے۔''

''شٹ اپ۔'' دوسری طرف وہ چیخا تھا۔ شہرینہ ہنس دی۔

''تم جو کوئی بھی ہو اب ایک دو دن تک ویٹ کرنا اس کے بعد دیکھنا تمہارا کیا انجام ہوتا ہے تب تک کے لیے بائے۔'' اس نے کہہ کر کال کاٹ دی۔ نجانے کون تھا۔ کیوں کالز کررہا تھا۔ گفتگو کے اسٹائل سے کوئی سلجھا ہوا انسان تو بالکل بھی نہ تھا۔ اس نے سر جھٹکا۔ اسے بھوک محسوس ہورہی تھی۔

منہ ہاتھ دھو کر کمرے سے نکلی تو رخ کچن کی طرف تھا لیکن لاؤنج کی طرف سے آتی ہوئی سرگوشی نما آواز سن کر وہ ٹھٹکی تھی۔ وہ کچن میں جانے کے بجائے اس طرف آ گئی تھی۔ وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو حیران ہوئی۔

زبیدہ، بڑے سکون سے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی ٹیلی فون کا ریسیور کان سے لگائے آہستگی سے کسی سے بات کررہی تھی۔ انداز محتاط تھا۔

''یہ کیا ہورہا ہے؟'' وہ ذرا تیز آواز میں بولی تو اپنے ہی دھیان میں مگن زبیدہ فوراً ڈر کر سیدھی ہوئی تھی ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ وہ ایک دم کھڑی ہوگئی تھی اس کا رنگ اڑ گیا تھا یوں جیسے کوئی چور رنگے ہاتھوں چوری کرنے پر پکڑا جاتا ہے۔

''کیا کررہی تھی تم؟'' اس نے تیز اور سخت لہجے میں پوچھا تو وہ اچھی خاصی خوف زدہ ہوگئی۔

''وہ بی بی...... بس اپنے گھر کال کررہی تھی۔'' وہ گھبرا کر بولی۔

''تمہارا تو اپنا موبائل بھی ہوتا ہے وہ کہاں ہے؟''

''وہ جی خراب ہوگیا ہے چوکیدار کو دیا تھا ٹھیک کرادے ایک دو دن میں ٹھیک ہوجائے گا میری اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو گھر کال کی تھی۔'' وہ تیزی سے اور گھبرا کر کہہ رہی تھی۔ شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

رات کے بارہ بج رہے تھے نجانے کیسے والدین تھے جو اس وقت بھی جاگ رہے تھے بہرحال ملازم سمجھ کر وہ اگنور کرگئی تھی۔

''مجھے بہت بھوک محسوس ہورہی ہے کوئی چیز کھانے کو ہے تو لے آؤ۔''

''جی بی بی...... ابھی لائی۔'' وہ جلدی سے ریسیور کریڈل پر ڈال کر وہاں سے چلی گئی۔ شہرینہ ٹیلی فون کے پاس آئی تھی۔ اس نے ٹیلی فون کی سی ایل آئی کو چیک کیا اور لاسٹ کال کو دیکھا۔ موبائل نمبر تھا اسلام آباد کا نمبر نہیں تھا پنڈی کا نمبر بھی نہیں تھا جبکہ زبیدہ کی فیملی پنڈی کے ایک نہایت خستہ حال علاقے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس نے چیک کیا کال دوسری طرف سے آئی تھی ریسیو کال تھی وہ حیران ہوئی۔

اس نے ریسیور کان سے لگا کر آخری نمبر کوری ڈائل کردیا تھا۔

''ہیلو۔'' کچھ توقف کے بعد کال ریسیو ہوگئی تھی وہ خاموش رہی تھی۔ آواز جانی پہچانی سی لگی تھی۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف سے پھر کہا گیا تو شہرینہ الجھی۔

''کیا بات ہے زبیدہ خاموش کیوں ہو اور کال کیوں بند کی تھی۔'' مزید کہا گیا تو شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

وہ آواز نہیں پہچان سکی تھی لیکن اس کے ذہن میں بس ایک نام کلک ہورہا تھا۔

''میں زبیدہ نہیں شہرینہ ہوں۔'' اس نے کہا تو دوسری طرف ایک پل کو خاموشی چھائی اور اسی خاموشی میں شہرینہ نے ہاتھ میں تھامے اپنے موبائل کو آن کرتے اس میں نمبر ڈائل کیا اور ڈائل کرنے پر جو نام سامنے آیا تھا وہ اسے حیران کرگیا تھا۔

''آپ کا مطلوبہ نمبر فی الحال مصروف ہے براہ مہربانی تھوڑی دیر بعد کال کریں، شکریہ۔'' اس نے کال کاٹ دی۔

''ہاں تو شیر افگن صاحب زبیدہ سے کیوں بات کی جارہی تھی وہ بھی آدھی رات کو۔'' اس نے پورے یقین سے کہا تو دوسری طرف ایک گہرا سانس لیا گیا۔ ایک پل کو تو افگن بھی متاثر ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شہرینہ اتنی جلدی اسے نہ پہچان سکے گی۔

''کیوں تمہیں دکھ ہورہا ہے کہ تمہیں آدھی رات کو کال کرنے کے بجائے زبیدہ سے بات کررہا ہوں۔'' جواباً وہ کون

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

سا سیدھا تھا شہرینہ کا دماغ گھوما۔

"ابھی میرا اسٹینڈرڈ اتنا گھٹیا نہیں ہوا کہ میں ایسے ویسے لوگوں سے بات کرتی پھروں جن کا اپنا کوئی اسٹینڈرڈ نہیں۔" دوسری طرف وہ ہنسا تھا۔

"کچھ جلنے کی بو آرہی ہے۔" اس نے کہا تو شہرینہ جل بھن کر رہ گئی تھی۔

"زبیدہ جیسی ملازمہ سے میں جلوں، حد ہے بھئی کیا خام خیالی ہے آپ کی۔" اس نے طنز کیا۔

"تم گھر میں تنہا ہوتی ہو میں نے زبیدہ کو کہہ رکھا تھا کہ جب تک چچا اور خالہ واپس نہیں آجاتے وہ مجھے یہاں کی ساری رپورٹ دیا کرے گی میرا مطلب ہے گھر کے حالات سے آگاہ کرے گی۔" اس کے طنز کے جواب میں شیر افگن نے بڑے ریلیکس موڈ میں کہا۔

"اتنی رات گئے رپورٹ لی جارہی تھی، حد ہے بھئی۔" وہ ہنسی۔

"میں سارا دن سخت بزی رہا تھا ابھی فارغ ہوا تھا تو کال کی تھی۔" وہ مزید بولا تو شہرینہ نے سر جھٹکا۔

"ویسے حیرت ہے آپ کس خوشی میں ہمارے گھر کی رپورٹنگ لے رہے تھے؟"

"یہاں ایک عدد میری وائف رہتی ہے جسے میری پروا تو شاید نہ ہو لیکن میں اس کی طرف سے بے خبر نہیں ہوں بس اس کی خیر خبر لینے کے لیے کال کرلیتا ہوں۔" اس نے کہا تو شہرینہ نے غصے سے ریسیور کو گھورا۔

"وائف......؟ ہونہہ کاغذ کے رشتوں سے حقیقی رشتے نہیں بن جاتے۔" اس نے طنز سے کہا تو دوسری طرف شیر افگن ہنسا۔

"اصل بات ہی کاغذی کارروائی کی ہوتی ہے میری جان......ایک کاغذ کا ٹکڑا جسے تم تسلیم نہیں کرتی وہ ٹکڑا شہرینہ عثمان جیسی بگڑی ہوئی لڑکی کو شیر افگن جیسے وکیل کی بیوی بنادیتا ہے اس کاغذی ٹکڑے کو چیلنج کرسکتی ہو تو کہو مجھے۔" اس نے ہنس کر کہا تو شہرینہ کو لگا کہ اس کا دل جل جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا تھا۔ وہ اس کے سامنے ہوتا تو وہ شاید "میری جان" جیسے الفاظ کہنے پر ہی اس کا منہ نوچ لیتی۔

"چیلنج کی بات مت کریں شیر افگن صاحب چیلنج کرنے پر آجاؤں تو آپ کی یہ نام نہاد وکالت اور آپ کے چچا کی یہ ہائی فائی لیول کی سیاست بھی کسی کام نہ آسکے گی۔ شہرینہ عثمان کو اگنور مت کریں بس اپنی ذات میں اس قدر مضبوط ضرور ہوں کہ آپ دونوں کی ساکھ کے ایوان تک ہلاسکتی ہوں۔"

"چلو تم اپنے تیر آزماؤ میں اپنے تیر آزماتا ہوں، دیکھتے ہیں کون گھائل ہوتا ہے۔" شہرینہ نے لب بھینچ لیے۔

"بات ووٹ کی ہوتی ہے میرے حق میں اکثریت کی رضامندی موجود ہے۔"

"لیکن رشتوں میں بات دل کی ہوتی ہے شیر افگن صاحب چیلنج کرتی ہوں آپ شہرینہ عثمان کا دل جیت کر دکھائیں خود کو آپ کے قدموں میں نہ بٹھادیا تو کہیے گا لیکن سچ بات تو یہ ہے کہ شہرینہ عثمان آپ سے شدید نفرت کرتی ہے۔" نفرت سے کہہ کر اس نے کال بند کردی۔

وہ کال بند کرکے پلٹی تو زبیدہ اڑے رنگ کے ساتھ کھانے کی ٹیبل کے پاس کھڑی تھی۔ اس نے اسے بغور دیکھا۔ لرزتے قدموں سے اس کے پاس سے گزر کر اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھ دی تھی۔

"تم افگن سے بات کررہی تھی تم نے جھوٹ کیوں بولا۔" اس نے سختی سے پوچھا تو اس نے بمشکل تھوک نگلا۔

"وہ صاحب نے منع کیا ہوا تھا۔" وہ ہکلائی۔

"صاحب کی کچھ لگتی، تم تنخواہ صاحب سے لیتی ہو یا ہم سے جو اسے پل پل کی رپورٹ دے رہی ہو۔"

"بی بی ہم تو حکم کے غلام ہیں فائقہ بی بی کا حکم تھا کہ افگن صاحب کو ان کی غیر موجودگی میں یہاں کے سب حالات سے آگاہ رکھوں۔" شہرینہ نے اسے غصے سے دیکھا پھر اسے چھوڑ کر صوفے پر بیٹھ گئی اور ایل سی ڈی آن کرلی۔

زبیدہ نے اسے کن اکھیوں سے دیکھا تھا۔ شہرینہ کا موڈ ویسا ہی تھا۔ وہ ایک پروگرام سیٹ کرکے ٹرے اپنی طرف کھسکا کر کھانا کھانے لگی تھی۔ اس نے زبیدہ سے مزید کوئی بات نہ کی تھی۔ زبیدہ اس کی خاموشی کو غنیمت جان کر وہاں سے کھسک گئی تھی۔

❖......○......❖

اگلے دن اس نے کالج سے آف کیا تھا کوئی دس بجے کے قریب وہ اچھی طرح ڈریس اپ ہوکر نکلی تو زبیدہ چونکی۔

وہ کہیں جارہی تھی چھوٹا سا سفری بیگ بھی ساتھ تھا جس میں ایک دو کپڑوں کے علاوہ اس نے چند ضروری اشیاء رکھی

ہوئی تھی۔اس نے ناشتہ اچھی طرح کیا۔وہ باقی دنوں کی نسبت آج قدرے پُرسکون تھی۔

''آپ کہیں جارہی ہیں۔''

''کیوں؟''اس نے سنجیدگی سے اسے دیکھا تو ڈر گئی۔

''بس ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔''

''جھوٹ تو مت بولو تمہیں اپنے افگن صاحب کو رپورٹ دینی ہوگی کہ شہرینہ عثمان کہاں ہے کب آتی ہے کب جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہیں ناں۔''

''بی بی ہم تو ملازم ہیں جیسا صاحب لوگوں کا حکم ہوگا ویسا ہی کریں گے ناں۔''

''بڑی فرماں بردار ہو۔''وہ طنزیہ مسکرائی وہ بیگ لے کر چل دی اور جاتے جاتے پلٹ کر دیکھا۔زبیدہ اسے پریشان نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''میں کچھ دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ پر جارہی ہوں بتا دینا اپنے افگن صاحب کو۔''وہ کہہ کر باہر نکل گی۔پورچ میں آ کر اس نے اپنی گاڑی نکالی۔

ابھی وہ رستے میں ہی تھی جب اس کے موبائل پر شیر افگن کی کال آنا شروع ہوگئی تھی۔

''ہیلو۔''اس نے ڈرائیونگ کرتے کال پک کی۔

وہ گھر سے نکلتے ہی اس کی کال کی توقع کررہی تھی اور اس کی توقع کے مطابق کال آ گئی تھی یقیناً اس کے گھر سے نکلتے ہی زبیدہ نے افگن کو اس کا پروگرام بتادیا تھا۔

''کہاں ہو؟''

''وہاں تو بالکل نہیں جہاں آپ مجھے دیکھنا چاہتے ہیں۔'' اس نے الٹا ہی جواب دیا۔

''جو پوچھا ہے وہ بتاؤ زبیدہ بتارہی تھی کہ تم دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ پر جارہی ہو۔''

''زبیدہ ہے بڑی ایمان دار، اسے کسی نیوز چینل میں لگوا دیتی ہوں رپورٹنگ بہت اچھی کرلیتی ہے۔''جواباً اس نے پھر الٹا جواب دیا۔

''شہرینہ مجھے یہ بتاؤ آؤٹنگ کے لیے کہاں جارہی ہو تم اور کن دوستوں کے ساتھ ہو۔''جواباً وہ ہنس دی۔

ایک عرصے بعد وہ یوں کھلکھلا کر ہنسی تھی اور دوسری طرف افگن بھی جیسے اس کی ہنسی کے جلترنگ میں کھویا سا گیا تھا۔

''بڑے دعویٰ کرتے ہیں آپ۔'' میرے پل پل کی خبر رکھنا چاہتے ہیں تو خود پتا کریں کہ میں کہاں جارہی ہوں اور کن کے ساتھ ہوں۔''اس نے ہنس کر کہہ کر کال بند کردی تھی۔چند سیکنڈ بعد افگن کی پھر کال آنا شروع ہوگئی تھی۔

''جی افگن صاحب اب فرمایئے اب کیا مسئلہ ہے آپ کو؟''

''مجھے ٹھیک سے بتاؤ تم کہاں جارہی ہو۔''

''جہنم میں جارہی ہوں،آپ بھی ساتھ چلنا پسند فرمائیں گے کیا۔''اس کا انداز پُرسکون تھا۔

''شہری پلیز۔'' دوسری طرف سے اس نے کہا تو شہرینہ اس کا زچ ہوجانے والا انداز محسوس کرکے پُرسکون ہوئی۔

''آپ اپنے سورس آف انفو استعمال کرلیں میں تو نہیں بتاؤں گی میں اپنی زندگی میں کچھ پل اپنی مرضی اور خوشی سے جینا چاہتی ہوں میں جہاں جارہی ہوں اور جن لوگوں کے ساتھ جارہی ہوں ان کا ساتھ مجھے بہت سکون دیتا ہے وہ لوگ میرے لیے راحت وخوشی کا سبب بنتے ہیں ان کے ساتھ گزارا جانے والا ہر پل میرے لیے عطیہ خداوندی ہوتا ہے، میں نے اپنے تیر آزمانا شروع کردیے ہیں......آپ اپنے تیر آزمائیں تب تک کے لیے اللہ حافظ۔''اس نے کہہ کر کال بند کردی تھی۔

دارالاطفال آ گیا تھا اس نے گاڑی اندر جا کر کھڑی کی۔وہ لوگ ریڈی تھے بس اس کا ہی انتظار تھا۔ان لوگوں نے گاڑی ارینج کی تھی سبھی گاڑی میں بیٹھ چکے تھے گاڑی کچھ دیر بعد روانہ ہوئی تو شہرینہ نے مسکرا کر سب کو دیکھا۔وہ واقعی خوش تھی۔

وہ ان بچوں کے ساتھ ہمیشہ آ کر خوش ہوتی تھی اور وہ اچھی طرح خوش رہنا چاہتی تھی اس نے اپنا موبائل نکال کر آف کیا اور بیگ سے کیمرہ نکال کر وہ خوب صورت مناظر اور چہرے کیپچر کرنے لگی تھی۔وہ یہ سفر بھرپور طریقے سے گزارنا چاہتی تھی۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

وہ ایک پل

اُم ایمان قاضی

وہ مجھ سے بے سبب الجھا نہیں تھا
وہ پہلے تو کبھی ایسا نہیں تھا
بہت اعلیٰ تھا اس کا ظرف لیکن
وہ میری ذات کو سمجھا نہیں تھا



شہر سے پچاس‘ پچپن کلو میٹر دور یہ جگہ بالکل ویران تھی‘ مگر دو سال پہلے جب دوسرے شہر جانے والے کچھ مسافروں کو گاڑی کے انجن میں ڈالنے کے لیے پانی درکار ہوا تو پانی ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ یہاں آ نکلے تھے اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے تھے کہ اس قدر ویران اور سنسان جگہ پر خود سے اور ارد گرد سے بے گانہ ایک انسانی وجود موجود تھا۔ ان کو تسلی ہوئی تھی کہ چلو ہوسکتا ہے اس شخص سے تھوڑا سا پانی مل سکے مگر بار بار مخاطب کرنے پر بھی اس شخص کے استغراق میں کوئی خلل نہیں پڑا تھا مگر جب ان افراد میں سے ایک نے باقاعدہ اس شخص کو بازو سے ہلا کر اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا تو اس نے اپنی سرخ آنکھوں سے گھور کر انہیں دیکھا تھا۔

”جاؤ...... جاؤ یہاں سے...... کچھ نہیں ہے تمہارے مطلب کا یہاں‘ کچھ بھی تو نہیں۔ ارے تم بے وقوف لوگ کیا جانو کہ میں تو خود دنیا کی نظروں سے بچ کے اللہ کو منانے آیا ہوں۔ وہ ناراض ہے مجھ سے‘ بہت دنوں سے مانتا ہی نہیں‘ دیکھتا ہی نہیں‘ میں تو خود سائل ہوں‘ بھکاری ہوں کسی کو کیا دوں گا‘ جاؤ جاؤ....“ یہ کہہ کر اس دیوانے شخص نے انہیں ہاتھوں سے دھکیلنا شروع کردیا۔ وہ لوگ بھی حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے واپس ہولیے مگر جس سنسان راستے پر ان کو زندگی کا تصور بھی ناممکن نظر آ رہا تھا وہیں واپسی پر ایک چٹان کی درز سے تھوڑا تھوڑا پانی نکلتا دیکھ کر وہ حیرت سے بُت بن گئے۔

سنگلاخ‘ ویران پہاڑوں کے بیچ سے پانی کہاں سے آ رہا تھا؟ اور انہیں پہلے نظر کیوں نہیں آیا تھا؟ وہ یہ جوابات تو ڈھونڈنے میں ناکام رہے تھے مگر نجانے کیوں ان کا ذہن مڑ مڑ کر بار بار اس پُراسرار شخص کی طرف ضرور جا رہا تھا جو اس ویرانے میں نجانے کب سے تھا اور کیا کر رہا تھا۔ ان کا مسئلہ حل ہوتے ہی گاڑی تو رواں ہوکر چل دی تھی‘ اس بات کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا اور ان پانچ افراد نے اس واقعے کو واپس آ کر اپنے اپنے الفاظ میں بیان کیا تھا نتیجتاً ہر سننے والے شخص نے بھی اپنی سوچ کے مطابق رنگ دیا اور کچھ لوگ تو باقاعدہ اپنی منت‘ مراد لے کر اس پُراسرار شخص کے پاس چل بھی دیئے تھے کہ ہوسکتا ہے ان کے مسئلے کا حل اس شخص کی دعا کا منتظر ہو۔ آہستہ آہستہ لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی اور کچھ ہی عرصے میں وہاں اپنے اپنے مسائل لے کر آنے والوں کا تانتا بندھ گیا اور یہ بات تو طے ہوگئی تھی کہ وہ پُراسرار بابا تھوڑی کو سینے سے لگائے مسلسل ہلتا رہتا اور دعا کرانے والے اپنا مسئلہ بیان کرتے اور دعا کرنے کی منت کرتے رہتے۔ ہر بات دعا کے لیے کہنے پر اس شخص کی حرکت اور گریہ تیز ہوجاتی مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ کبھی کبھی اس وجد اور گریہ کی کیفیت سے باہر آ کر وہ شخص لوگوں کو واپس جانے اور سختی سے اپنے پاس آنے سے منع کرتا اور یہی الفاظ دہراتا کہ وہ تو خود سائل‘ توبہ کا منتظر اور معافی کا دروازہ کھلنے کا نجانے کب سے انتظار کر رہا ہے اور ہر بار وہ جب بھی لوگوں کو دھتکارتا تو اُن لوگوں کی تب تب مرادیں پوری ہوجاتی نتیجتاً اب اس کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ کچھ لوگ خود ہی سرکردہ بن گئے تھے‘ کچھ نے تو باقاعدہ لنگر کا بندوبست کردیا تاکہ دور سے آنے والے لوگ طویل انتظار کے اس دورانیے میں بھوکے نہ رہیں۔ پُراسرار بابا کی گریہ وزاری بڑھ گئی تھی‘ اب وہ پوری وادی میں بھاگ بھاگ کے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر روتا اور معافی مانگتا رہتا۔

❀......❀......❀

”امی......!“ عائشہ نے جھانک کر کمرے میں جائے نماز پر دعا مانگتی ماں کو مخاطب کیا۔ ”میں تھوڑی دیر کے لیے پھوپو کی طرف جا رہی ہوں‘ نیلی آئی تھی تھوڑی دیر پہلے تو اس نے آمنہ کا پیغام دیا ہے اس نے مجھے فوراً بلایا ہے۔“ دروازے میں ہی کھڑی وہ بولی۔

”ٹھیک ہے‘ یہاں آؤ دعا لے کر جاؤ اور اپنی پھوپو کو میرا سلام کہنا۔“ جائے نماز لپیٹ کر انہوں نے نرمی سے کہا تو عائشہ فوراً اندر آ گئی۔ صدیقہ بیگم نے دعائیں پڑھ کر اس پر دم کیا اور خود تسبیح اٹھالی۔ درمیانی باڑھ عبور کرکے ہی تو پھوپو کا گھر تھا‘ عائشہ نے باڑھ کے پاس رک کر سر پر لیا دوپٹہ ایک بار پھر پوری طرح سے نماز کے انداز میں لپیٹا اور اندر آ گئی۔ پھوپو اپنے مخصوص تخت پر قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف نظر آئیں۔ اس کے سلام کا حسب معمول روکھا سا جواب دیا اور عائشہ کے پوچھنے پر کہ آمنہ کہاں ہے ان کے ماتھے پر بل آ گئے تھے۔ انہوں نے منہ سے کوئی جواب دیئے بنا ہی برآمدے میں بنے دوسرے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ عائشہ اتنی جلدی جان چھوٹ جانے پر شکر ادا کرتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی جہاں آمنہ اسے دیکھ کر لپک کر اس کی طرف بڑھی اور لپٹ کر بری طرح رو شروع کردیا‘ عائشہ گھبرا گئی۔

”ارے ارے آمنہ...... کیا ہوا بھئی؟ کیوں رو رہی ہو؟ مجھے بتاؤ پلیز مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔“ اس کی پریشانی بھانپ کر آمنہ سوں سوں کرتی اس سے الگ ہوئی اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔

”سوری تمہیں آتے ہی پریشان کردیا مگر میں کیا کروں‘ کچھ

سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا کروں؟" آمنہ کی آواز بھرائی۔

"اماں اور بھائی نے میرا رشتہ پکا کردیا ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں اسد کو پسند کرتی ہوں اور تائی بھی کتنی بار ابا کے طے کردہ اس رشتے کی تجدید کے لیے یہاں آ چکی ہیں جو تایا مرحوم اپنی زندگی میں پکا کر گئے تھے۔ اماں کا کہنا ہے کہ وہ جیتے جی مجھے جہنم میں نہیں بھیج سکتیں کیونکہ ان کے خیال میں ہر پتلون پہننے والا اور کلین شیو آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اسد بھی انہی لوگوں میں شامل ہے جو مسجد کا رخ صرف عید کے عید کرتا ہے وہ ایسے شخص کے ہاتھ اپنی بیٹی نہیں سونپ سکتیں۔ تائی کو بھی یہ سب وجوہات بتاتے ہوئے انہوں نے اسد کے رشتے سے انکار کردیا ہے' تائی کی یقین دہانیوں کے باوجود کہ وہ اسد کو سمجھائیں گی وہ نماز میں پابندی کرے گا۔ مغربی پہناوا چھوڑ دے گا مگر اماں کہتی ہیں دکھاوے کا دین بھی کیا دین ہے؟' بھائی تبلیغی جماعت کے دورے پر ہیں ان کے آنے پر سادگی سے نکاح کا ارادہ ہے۔ تم میری بہن عائشہ اللہ کے لیے کسی طرح اسد تک یہ بات پہنچادو کہ میرا رشتہ طے ہوگیا ہے۔" اپنی داستانِ غم سناتے ہوئے اس نے عائشہ کے ہاتھ تھامے اور لجاجت سے کہا۔

"مم...... میں کیسے آمنہ' پھوپو کو یا عبدالرحمٰن کو پتا چل گیا تو مجھے گولی ماردیں گے دونوں پھر میں کیسے......!" اعتماد سے بھرپور عائشہ بھی آمنہ کی فرمائش سن کر گھبرا گئی۔

"اسد نے ایک بار نمبر دیا تھا اپنا' تمہارے پاس تو اپنا موبائل ہے ناں' میں تمہیں وہ نمبر دوں گی۔ تم ایک بار یہ پیغام اسے دے دو بس اللہ کی قسم عائشہ' جیسی زندگی میں نے اس گھر میں گزاری ہے ویسی زندگی مزید گزارنے کے تصور سے میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔ میں تنگ آ چکی ہوں یہ فرمودات سن سن کے' شعور آتے ہی کانوں نے صرف جہنم کی آگ کے بھڑکنے اور گناہ گاروں کو اس بھڑکتی آگ کا ایندھن بنائے جانے کا قصے ہی سنے ہیں۔ کیا ہم انسان نہیں؟ ہمارا بھی دل کرتا ہے کبھی اتنی اونچے اونچے قہقہے لگانے کو کہ ساری اندر کی کثافت دھل جائے' سجنے' سنورنے اور دوستیں بنانے کو پھر دوستوں سے اپنے تمام دکھ سکھ بیان کرنے کو۔ میں نے اپنے مذہب کو ویسا ہی دیکھا ہے جیسا اماں نے ہمیشہ سے دکھایا۔ تم یقین کرو عائشہ کبھی کبھی میرا دل کرتا ہے اگر میرا دین مجھے کھل کر سانس لینے کی اجازت بھی نہیں دیتا تو میں......" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ اتنی بغاوت تھی اس کے اندر' جبکہ میں اس کی ادھوری بات کا مفہوم سمجھ کر کانپ گئی تھی۔

"میں پھر توبہ کرتی ہوں اپنے باغیانہ خیالات اور سوچوں پر۔ ان سوالات پر جو میرے اندر اودھم مچا کر سر پٹخ کر مرجاتے ہیں۔ شادی کے بعد ایسی زندگی سے نجات کی امید تھی' اب اپنے خیالات جیسا ایک بندہ ساری عمر میرے اوپر مسلط کرنا چاہتی ہیں' مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"تم غلط سوچتی ہو آمنہ' جتنی نرمی اور گنجائش ہمارے مذہب اسلام میں ہے کسی اور میں شاید ہی ہو اور اللہ تو ستر ماؤں کے جتنا انسان کو چاہنے والا ہے۔ اس کی مہربانی تو حد ہی نہیں ہے' ایک قدم بڑھانے پر دس قدم خود چل کر آنے والا مہربان اللہ' اس سے تم اتنی بدگمان ہو تو شاید اس میں تمہارا اتنا قصور نہیں ہے۔ تمہاری سوچ کو صرف ایک رخ پر چلایا گیا ہے کہ اس کے ننانوے صفاتی ناموں میں سے ایک نام "جبار" میں بھی ہے۔ پھوپو کی باتیں اور سوچ تو شاید عمر بھر نہ بدل سکے مگر تم نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی ہے ناں جو تمہیں شعور دیتی ہے' خود سے صحیح اور غلط سمجھنے کی عقل بھی۔ قرآن پاک کو مع ترجمہ و تفسیر پڑھنے والی لڑکی کی سوچ ایسی تو ہرگز نہیں ہونی چاہیے آمنہ...... بلکہ میں تو کہتی ہوں جب جب پھوپو تمہیں جہنم کی آگ کا حوالہ دیں تم انہیں جنت کے انعامات کا بتاؤ جہاں وہ اللہ کی پکڑ کا ذکر کریں وہاں تم انہیں اس کے رحمٰن اور رحیم ہونے کی دلیل دو۔ مجھ سے زیادہ جانتی ہوگی تم کہ اگر نامحرم تک تمہاری ہنسی کی آواز نہیں پہنچ رہی تو اس حد تک تم ہنس سکتی ہو۔ عورت کے خمیر میں سجنا سنورنا رکھا گیا اس پر کسی جہنم کی دفع لاگو نہیں ہوتی اگر تمہارا بناؤ سنگھار کسی منفی نیت مثلاً غیر مرد کو رجھانے یا اس کی تعریف سمیٹنے کی غرض سے نہیں ہے تو......" عائشہ رسان سے سمجھا رہی تھی مگر آمنہ ویسے ہی ٹھس بیٹھی رہی۔

"تم یہ باتیں کرسکتی ہو عائشہ' کیونکہ تمہیں نہ تو کبھی میرے جیسے حالات کا سامنا کرنا پڑا نہ کبھی زندگی کی معمولی معمولی خوشی کو بھی صرف اسی لیے دل کے اندر مارنا پڑا ہے کہ ان خوشیوں اور میرے بیچ دو رخ حائل تھی۔ قرآن تو کہتا ہے "علم حاصل کرو" وہ بھی مرد' عورت کی کوئی تخصیص کیے بغیر' میٹرک کے بعد جب یہی قرآن پاک کا فرمان اماں کو پڑھ کے سنایا تو پتا ہے انہوں نے کیا کہا' ہاں یہ ٹھیک ہے مگر قرآن تو وہ علم سیکھنے کے لیے کہتا ہے جو حدیث کا ہو' اللہ کے احکامات اور دینی مسائل پر ہو' تو اس کے لیے مدرسے اپنے بھائی کے پاس جا کر پڑھو' کالج' یونیورسٹیوں میں جا کر بے حیائی سیکھنے کے لیے میں تمہیں نہیں بھیج سکتی۔" وہ اپنے ہاتھوں پر نظریں جمائے بولی' جبکہ عائشہ پھوپو کے اعلیٰ فرمودات

پرلاحول پڑھ کررہ گئی۔ اپنی پھوپو کے خیالات سے واقف تھی وہ پھر بھی ہر بار نئے سرے سے افسوس ہوتا تھا' اس نے آمنہ سے اسد کا نمبر لیا اور ابھی اٹھنے کے لیے پر تول رہی تھی کہ اس کی خالہ زاد بہن اسے بلانے چلی آئی۔ خالہ شاید بہت دیر سے ان کے گھر آئی ہوئی تھیں' عرشی اس کی خالہ زاد اور بہت اچھی دوست بھی تھی تو بس تھوڑی دیر ہی انتظار کرسکی' پھر عائشہ کی امی سے پوچھ کر اسے بلانے آ گئی پر عائشہ' آمنہ کے بہت روکنے پر بھی نہیں رکی اور عرشی کے ساتھ گھر واپس آ گئی۔

"حلیہ اور طور طریقے سے لے کر لباس کو ہی دیکھ لو لگ رہی ہیں کسی مسلمان گھرانے کی بچیاں ہیں یہ۔ مردوں کو ہر انداز سے دعوت نظارہ دینے والی' ہونہہ۔ یہی کچھ سیکھ رہی ہیں یہ کالج یونیورسٹی جاکے اور تمہیں آج تک ماں سے گلہ ہے کہ کالج نہیں جانے دیا۔ میں کوئی پاگل ہوں جو عمر بھر کی ریاضت کو اب بڑھاپے میں آ کر خاک میں ملادوں اور مجھے تو اس عائشہ کے ساتھ بھی تمہارا ملنا جلنا کچھ خاص پسند نہیں' اسی کی صحبت سے گناہ کے چھوٹے چھوٹے کیڑے رینگنے لگتے ہیں تمہارے ذہن میں ورنہ پہلے نہ تو تم اتنی زبان درازی کرتی تھی نہ ہی حیل وحجت۔ اپنی زبان میں ہی اسے منع کردو کہ مت آیا کرے یہاں۔" پھوپو آمنہ کو ڈانٹ رہی تھیں۔

درمیانی باڑھ اتنی دور ہرگز نہیں تھی کہ پھوپو کے تحقیرانہ جملے ان دونوں کی سماعتیں نہ سن پاتیں' عائشہ تو جیسے اندر تک جھلس کے رہ گئی تھی۔ امی بتاتی تھیں کہ دادی مرحومہ بھی ایسی ہی تھیں' بے حد انتہا وشدت پسند اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو مسلمان ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتی تھیں۔ کتنا عرصہ تو دادی نے ابا سے بات کرنا ہی چھوڑ دی کہ انہوں نے کسی پڑھی لکھی لڑکی سے شادی ہی کیوں کی جو کہ بے حیائی کا چلتا پھرتا نمونہ ہوتی ہیں مگر امی ابا کے دوست کی بہن تھیں اور انہیں ایک نظر میں ہی بے حد بھا گئی تھیں یوں دادی کی بے پناہ مخالفت کے باوجود بھی ابا امی کو بیاہ لائے تھے۔ ابا پہلے تعلیم اور پھر کام کے سلسلے میں گھر سے باہر ہی رہے تھے سو دادی کے شدت پسند نظریات کا ان پر اثر کم ہی رہا تھا مگر پھوپو پوری طرح سے ان کے رنگ میں رنگ گئی تھیں۔

گھر میں امی کے ہر بات اور کام پر ان کو اعتراض ہوتا حتیٰ کہ امی نماز بھی ادا کرتیں تو دادی کہتیں "نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی" ان کے خیال میں دنیا میں وہی ایک اپنے مذہب کی صحیح پیروکار تھیں۔ امی نے کبھی حجاب یا عبایا نہیں لیا تھا مگر باہر جاتے ہوئے دوپٹہ ضرور لیتی تھیں۔ اسی بات پر تو دادی اور پھوپو نے ان پر زندگی کا دائرہ بہت عرصہ تنگ کیے رکھا' پھر امی کے گورنمنٹ ٹیچر بھرتی ہونے پر گھر میں طوفان ہی آ گیا تھا مگر چونکہ ابا کا مضبوط ووٹ ان کے ساتھ تھا سو دادی اور پھوپو صرف زبانی کلامی گولہ باری تک ہی محدود رہیں پھر دادی نے خوب چھان پھٹک کر اپنے لیے دین دار گھرانہ پھوپو کے لیے پسند کیا تھا مگر پھوپو پر دادی کے خیالات وافکار کی اتنی گہری چھاپ تھی کہ اس سے ان کے خاندان والی محفوظ نہ رہ سکے۔ وہ کسی ایک فرد کو بھی نماز قضا کرتا دیکھ لیتیں اس کی خیر نہیں ہوتی تھی گھر میں۔ انہوں نے اپنا چولہا ہی الگ کرلیا جب سے پتا چلا تھا کہ ان کی دیورانی نماز کی پابند نہیں تھیں اور ان کو ریڈیو پر گانے سننے کا شوق بھی تھا یوں پھوپو کے نزدیک وہ کافر ٹھہری تھیں اسی طرح کا رویہ شوہر کے ساتھ بھی روا رکھا۔ وہ محبت' پیار سے اور طریقے سے اپنے نظریات ان کے سامنے بیان کرتیں اور اپنے عمل سے ہی انہیں اپنے طریقے پر چلانے کی کوشش کرتیں تو شاید اپنے اردگرد لوگوں کو قائل بھی کرسکتیں مگر انہوں نے اپنے نظریات پوری زندگی دوسروں پر ٹھونسنے کی ہی کوشش کی تھی۔ یہی بات ان کے بہت سے اپنوں کو جہاں ان سے دور کرگئی تھی وہاں وہ خود بہت زیادہ شدت پسند ہوتی گئی تھیں۔ نہیں جانتی تھیں کہ مسلسل کوشش کا عمل بھی وہیں کامیاب ہوتا ہے جہاں نرمی اور محبت کے عناصر کو پیش نظر رکھا جائے سنگلاخ سے سنگلاخ اور ویران زمین کو بھی کسان کی محنت' محبت اور نرمی زرخیزی کی طرف مائل کرتی ہے پھر بیابان اور چٹیل زمین کو گلستان بنانے سے نہیں روکا جاسکتا یہ تو جاندار تھے انسان تھے جنہیں انہوں نے کٹھ پتلیوں کی طرح اپنی انگلیوں پر نچانا چاہا تھا اور خود ہی اکیلی رہ گئی تھیں۔ دو بچے ہوجانے کے بعد بھی ان کا یہی وطیرہ تھا اور جب ان کے خاوند ان کے سخت طرز عمل کے باعث ان کو چھوڑ دینے کا سنجیدگی سے سوچ رہے تھے تو وہ ایک حادثے میں ابدی نیند سو گئے تھے۔

پھوپو شادی کے محض چھ سال بعد ہی بیوہ ہوکر واپس بھائی کے در پر آ گئی تھیں' بچوں پر بھی سختی کا وہی عالم تھا کہ نماز نہ پڑھنے پر وہ ان کو ڈنڈوں سے مار کر ان کے ہاتھ سرخ کردیتیں یوں ان کا بیٹا عبدالرحمٰن تو ان کی سوچ کے مطابق ڈھل چکا تھا مگر آمنہ کے اندر بغاوت نے جنم لے لیا تھا اور وہ اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی کبھی بھی محبت اور فرض کے طور پر ادا نہیں کرپائی تھی صرف ماں کی مار کا خوف اسے یہ سب کرنے پر مجبور کرتا تھا۔

دادی گزر گئی تھیں اور اب تین سال پہلے ابا کی وفات نے عائشہ اور امی کو بھی اکیلا کردیا تھا مگر عائشہ کی امی ایک بلند حوصلہ خاتون تھیں' اب ایک ہائی اسکول میں ہیڈ مسٹریس کے عہدے پر فائز تھیں انہوں نے اپنی بیٹی کی تربیت متوازن اصولوں کے تحت کرتے ہوئے اسے حتی الامکان اپنی پھوپو کے سائے سے تو دور رکھا تھا مگر عبدالرحمٰن سے محبت کرنے سے نہ روک پائی تھیں۔

"زہے نصیب...... اپنی خوش نصیبی پر یقین ہی نہیں آرہا کہ آنسہ عائشہ نے خود سے کال کرنے کی زحمت کی ہے مجھ ناچیز کو۔" دوسری طرف سے آتی خوشگوار آواز اس کے اندر سکون کی لہر دوڑا گئی۔ خالہ اور عرشی بہت دیر سے گھر واپس گئی تھیں ان کے جانے کے فوراً بعد ہی اس نے عبدالرحمٰن کو کال کی تھی۔ شکر ہے آج اس کا نمبر اسے آن ملا تھا ورنہ تین دن سے مسلسل کوشش کررہی تھی وہ اسے کال کرنے کی مگر زیادہ تر نمبر آف ہی ملتا تھا۔

"ہونہہ...... بس کرو یہ لفاظی عبدالرحمٰن' پتا بھی ہے کہ انگلیاں گھس گئیں میری نمبر ملا ملا کے اور محترم خود ہی سیل بند کیے بیٹھے ہیں اور شکوہ بھی مجھ سے ہے۔" اس کے خفا لہجے پر عبدالرحمٰن مسکرادیا۔

"ارے بھئی ہماری محبت کوئی ان مادی چیزوں کی محتاج تھوڑی ہے' کام کے سلسلے میں نمبر مسلسل بند رکھنا پڑتا ہے مگر تم جانتی ہو کہ روح اور دل کے سارے سگنلز ہمہ وقت آن رہتے ہیں جن کا رخ بھی آپ کی جانب ہی رہتا ہے۔"

"وتبلیغی دورے پر ہی ہو یا کوئی رومینس کی کلاسز جوائن کرلی ہیں خفیہ طور پر۔" اس کی بات سن کر وہ زور سے ہنس دیا۔ پندرہ دنوں کی تھکاوٹ جیسے ایک پل میں اڑنچھو ہوگئی تھی۔

"محبت تو دل کی سرزمین پر بس اچانک ہی پھوٹ پڑتی ہے بغیر کسی ہوا' پانی اور زرخیز مٹی کے اس کے پودے کا تو بیج بھی اللہ کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے عائشہ...... اس کے لیے کسی قسم کی تربیت یا ایکسٹرا کلاسز کی ضرورت نہیں ہوتی۔" وہ پورے جذب سے بولا۔

"اچھا تو مولوی رومینس' یہ بتائیں کہ آمنہ کا چوری چوری رشتہ پکا کردیا اور مجھے بتایا بھی نہیں ویسے مسئلہ مجھے بتانے کا نہیں ہے۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ آمنہ سے بھی پوچھا ہے یا اپنی ہی مرضی سے کیا ہے ایسا' مجھ سے زیادہ بہتر طریقے سے جانتے ہو ناں عبدالرحمٰن کہ شادی جیسے اہم معاملے میں لڑکی کی مرضی جاننا بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنا لڑکے کی۔" وہ کسی قدر خفگی سے بولی۔

"تم سے آمنہ نے کچھ کہا' کیا اعتراض ہے اسے؟" وہ فوراً ہی سنجیدہ ہوکر بولا۔ عائشہ اس کے اس قدر درست اندازے پر ایک دم چپ ہوگئی۔

"اگر تمہاری تائی اتنی چاہ سے رشتہ مانگ رہی ہیں اور آمنہ کا رجحان بھی ہے وہاں تو میرے خیال میں تمہارے لیے آمنہ کی خوشی زیادہ مقدم ہونی چاہیے اس کی پوری زندگی کا معاملہ ہے یہ عبدالرحمٰن پلیز...... پھوپو تو پرانے خیالات کی مالک ہیں مگر تم تو پڑھے لکھے آج کے نوجوان ہو۔"

"پوری بات سنے اور سمجھے بغیر نتیجہ کبھی بھی اخذ نہیں کیا کرو عائشہ۔" عبدالرحمٰن نے اسے ٹوک دیا۔

"میری ماں ضرور پرانے خیالات کی ہیں' ہمارا دین بھی تو چودہ سو سال پرانا ہے تو تمہارے خیالات میں اسے بھی ترک کردینا چاہیے؟ اسد میں سوائے شکل وصورت کے کوئی اچھائی نہیں ہے۔ جب سے تائی کے ہمارے یہاں چکر لگنے شروع ہوئے ہیں میں نے تب ہی اس کی چھان بین کرائی تھی' کون سی اخلاقی برائی ہے جو اسد میں نہیں...... سگریٹ وہ پیتا ہے' جوا کے کاروبار میں آدھے سے زیادہ کا نہ صرف حصہ دار ہے بلکہ یہ غلط شوق اس کی رگ رگ میں شامل ہے۔ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا' سود پر قرض بڑے فخر سے دیتا ہے' بتاؤ ایسے میں میرے پرانے خیالات کی ماں اگر یہ چاہتی ہے کہ اس کی بیٹی کا ہمسفر پانچ وقت کا نمازی ہو' دولت مند بھلے نہ ہو مگر دو وقت کی روٹی حلال کی کمائی سے اسے کھلائے تو کیا غلط کہتی ہیں۔ ہاں میں جانتا ہوں کہ زندگی کی سختیوں نے میری ماں کی زبان پر تلخی کے کانٹے ضرور اگا دیئے ہیں مگر ان کا لفظہ نظر غلط نہیں ہے۔ ایسے میں میں نے اگر اسد کے رشتہ سے انکار کیا تو کیا غلط ہے؟" اس نے رسان سے پوچھا' عائشہ دم سادھے سن رہی تھی اور دل میں اللہ کا لاکھ شکر ادا کررہی تھی کہ اس نے فی الحال آمنہ کے دیئے نمبر پر اسد سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔

"تم سب کچھ ٹھیک کہہ رہے ہو' اپنی بہن کے اچھے مستقبل کے بارے میں سوچنا تمہارا حق ہے مگر تم اس بات سے انکار نہیں کرسکتے عبدالرحمٰن کہ پھوپو کا رویہ زندگی کے ہر معاملے میں ہی نہایت شدت پسند ہے۔ حتیٰ کہ ان کی اپنی اولاد ان سے باغی ہوگئی ہے' مجھے بتاؤ آمنہ کہ مزید آگے تعلیم حاصل نہ کرنے کے پیچھے تم کیا دلیل دو گے۔ اچھی بھلی ذہین لڑکی کو ایسے ہی گھر بٹھا

کر اس کی سوچوں کو زنگ آلود کردیا ہے ایسے میں تم بھی پھوپو کے ساتھ برابر کے قصوروار ہو عبدالرحمن۔" وہ دکھ سے بولی۔

"یہی خرابی ہے تم میں عائشہ کہ تم تصویر کا ایک رخ دیکھتی ہو ہمیشہ' تمہاری ہی انٹیج فیلو اور کلاس فیلو رہی ہے آمنہ' مجھے بتاؤ کہ تمہاری میٹرک میں اے گریڈ کے ساتھ بورڈ کی پوزیشن بھی تھی جبکہ آمنہ کی میٹرک میں دو سپلیاں آئی تھیں اور اماں اگر اس کی تعلیم کے خلاف ہوگئیں تو اس کے پیچھے بھی کچھ اسباب تھے جو میں اس وقت تمہیں نہیں بتاسکتا۔ آمنہ کا کالج جانے کا مطلب اور مقصد بھی سستی تفریح ہے جس کے کچھ مظاہرے ہم دوران میٹرک دیکھ چکے تھے۔ ہر انسان دنیا میں ایک جیسی فطرت اور کردار لے کر نہیں آتا جو خیالات علم کی ترسیل کے حوالے سے تمہارے ہیں آمنہ نے کبھی اس کا ایک فیصد بھی کبھی نہیں سوچا۔ میں اپنی بہن کی ذات کی کجیاں اور کردار کی کمزوریاں اگر تمہارے سامنے بیان کررہا ہوں تو صرف اس لیے کہ آئندہ کبھی اس کے خیالات کی اندھی وکالت مت کرنا بلکہ جب جب وہ تم سے کچھ کہے اسے اسی وقت ٹوک دینا۔ ہاں یہ میرا تم سے وعدہ ہے کہ اس کا رشتہ یہاں نہیں تو جہاں بھی کروں گا اس کی مرضی کے مطابق کروں گا مگر یہ بات تم بھی ہمیشہ یاد رکھنا کہ بچے تو کبھی کبھار انگاروں سے کھیلنے کی ضد بھی کرتے ہیں اور ماں باپ ان کے رونے سے پسیج کر ان کو انگارے نہیں تھما دیتے۔" بہت کچھ نہ بتاتے ہوئے بھی اس نے عائشہ کو کافی کچھ بتادیا تھا۔ ایک بار واقعی پھوپو نے آمنہ کو بہت مارا تھا' عائشہ کے عبدالرحمن سے پوچھنے پر اس نے گول مول سا جواب دیا تھا کہ آمنہ کے اسکول بیگ میں سے پھوپو کو کوئی قابل اعتراض رسائل اور خطوط وغیرہ ملے تھے وہ بھی کسی لڑکے کی طرف سے۔ پھوپو نے نہ صرف آمنہ کو خوب مارا تھا بلکہ فیصلہ بھی کرلیا تھا کہ آئندہ تعلیم کے نام پر اسے مزید گل کھلانے کو نہیں بھیجیں گی جبکہ آمنہ کتنا عرصہ اس بات سے انکاری رہی تھی کہ وہ رسائل اس کے نہیں تھے وہ کہتی رہی تھی کہ اس کی دوست ایسی تھی تو اس کی صحبت نے اس پر کتنا برا اثر ڈالا ہوگا بعد میں میٹرک کا رزلٹ یہ ساری قلعی کھول گیا تھا کہ واقعی اس قصے میں آمنہ خود ہی قصوروار ہوگی تب ہی تو تعلیمی حالت بھی ایسی ہی تھی اس کی۔ عائشہ کے سوچ سوچ کر سر میں درد ہوگیا کہ اتنے مذہبی گھرانے سے تعلق رکھنے والی آمنہ کیسے بہک گئی اور اس کے ذہن میں یہی آیا تھا کہ پھوپو کے اتنے شدت پسند رویے کے باعث ہی آمنہ باغی ہوکر غلط راستے پر چل پڑی تھی۔

کل ہی وہ جاکر آمنہ کو سمجھانے کا ارادہ رکھتی تھی کہ اسد واقعی میں اچھا لڑکا نہیں ہے اور اس نے اس کا پیغام بھی اسد تک نہیں پہنچایا مزید یہ کہ وہ وہیں شادی کے لیے ہامی بھرلے جہاں عبدالرحمن کہے کیونکہ ہر کوئی زندگی کے معاملات میں پھوپو جیسی سوچ نہیں رکھتا۔ دوسرے ماں باپ اور بڑوں کی رضامندی سے طے کردہ رشتوں میں ہی اللہ کی رضا ہوتی ہے اور زندگی میں سکون بھی شامل حال رہتا ہے یہ فیصلہ کرکے وہ رات کو دیر سے مگر مطمئن ہوکر سوئی تھی۔

❀......❀......❀

"زہے نصیب...... آج تو بڑے بڑے لوگوں نے ہمارے گھر کو رونق بخشی ہے۔ چٹکی کاٹو عرشی' کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔" اسے دیکھ کر اشعر کے دل کی کلی کھل گئی تھی عرشی اپنی جگہ سے اٹھی اور جاکر اشعر کے بازو پر اتنی زور سے چٹکی کاٹی کہ وہ بلبلا کر رہ گیا۔

"ظالم لڑکی اور کوئی کام تو پہلی بار کہنے پر کبھی نہیں کرتی۔" اس کے جھلا کر کہنے پر وہ سب ہنس دیئے۔

"ہاں تو انسان کو دوسرے کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔" عرشی اطمینان سے کہتی واپس عائشہ کے پاس جا بیٹھی۔

"اور تم محترمہ' خود سے توفیق ہوئی نہیں کہ بہن کی ڈیٹ فکس ہوگئی ہے تو خود ہی چلی جاؤں آخر کو سو کام ہوتے ہیں شادی والے گھر میں۔ امی کو ہی آنا پڑا بے مروت لڑکی کو لینے۔" عرشی جس کی شادی کے لیے خالہ آج ہی عائشہ اور امی کو لے کر آئی تھیں' اشعر کو چھوڑ' عائشہ کے لتے لینے لگی۔

"اچھا اب جان چھوڑ دو عائشہ کی اور جاکر کچن میں دیکھو ملازمہ چائے لے کر نہیں آئی ابھی تک۔" خالہ نے عائشہ کی جان بخشی کروائی کہ عائشہ سے انہیں بہت پیار تھا اور اپنے بیٹے کے دل کی خواہش بھی جانتی تھیں' بس عائشہ کے تعلیم مکمل کرتے ہی بہن سے رشتے کی بات کرنے کا پورا ارادہ تھا ان کا' عرشی جھنجھلاتے ہوئے اٹھی۔

"ہونہہ آج تک سنتے ہی آئے ہیں کہ دلہنوں سے کام کرانا شادی سے چھ ماہ پہلے بند کرادیا جاتا ہے۔ یہاں یہ عالم ہے کہ مایوں میں صرف دو دن رہ گئے اور میری امی جیسے ہی میری شکل دیکھیں ہر بھولا بسرا کام انہیں اسی وقت یاد آجاتا ہے۔" خفگی سے عرشی نے ماں کو مخاطب کیا۔

"بدحرام لڑکی' کون سا امی نے کوئی لمبا چوڑا کام کہہ دیا صرف

کچن میں جا کر ایک ہانک ہی لگائی ہے رضیہ کو ویسے کیا ماموں کے گھر والوں کا شادی کے بعد اس سے ہل چلوانے کا ارادہ ہے جو یہ چھ ماہ پہلے سے آرام کرنا چاہ رہی تھی محترمہ۔" وہ اپنی ماں سے مخاطب ہوتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا پھر خود کو خفگی سے گھورتی بہن کو بازو سے پکڑ کر دوبارہ عائشہ کے پاس بٹھا دیا۔

"لو بیٹھو تم اپنی بچھڑی سہیلی جو قسمت سے ہی تمہارے ہاتھ لگتی ہے گپ شپ کرو میں چائے کا کہہ آتا ہوں۔"

"یہ دیکھو ذرا اس لڑکی کے کام ایسے ہی کرتی ہے ہمیشہ۔ ہزار بار سمجھایا ہے کہ ایسے لاڈ نازنخرے ماں باپ اور بہن بھائی ہی اٹھا سکتے ہیں۔ دوسرا گھر صرف سسرال ہوتا ہے بس مگر مجال ہے جو میری سن لے یہ بھی۔" خالہ نے خفگی سے کہا مگر عرشی کے کان پر جوں نہیں رینگی وہ عائشہ کے کان میں گھسی نجانے کیا کھسر پھسر کر رہی تھی یہ جانے بغیر کہ وہ موجود ہوتے ہوئے بھی وہاں پر ذہنی طور پر غیر حاضر تھی یہ خیال اسے ابھی ابھی آیا تھا کہ اسے آج آمنہ کے پاس جانا تھا مگر خالہ ناشتے کے بعد ہی آ گئی تھیں امی اور اسے لینے سو وہ دونوں ماں بیٹی ایک ہفتے کی پیکنگ کر کے یہاں آ گئی تھیں۔

"چشم بدور...... آج کیا سورج مغرب سے نکلا ہے یا میں خواب دیکھ رہا ہوں ویسے یار یہ میں چشم بدور صحیح لفظ ہی یوز کر رہا ہوں۔ دراصل انگلش کے استعمال پر تم چڑتی ہو اور اردو میری ویک ہے ایک دوبار غلط الفاظ کے استعمال پر مار کھانے سے بال بال بچا ہوں۔" وہ اشعر تھا جو عائشہ کو تیار ہوتے دیکھ کر نجانے کیا کیا بول رہا تھا۔

"اب غلط الفاظ سے مراد گالیاں مت سمجھ لینا مگر یوں سمجھ لو کہ جہاں لفظ عیادت بولنا تھا وہاں تعزیت بول دیا اور جہاں خراج تحسین بولنا تھا وہاں خراج عقیدت بول دیا۔ تجھو خون خرابہ ہوتے ہوتے رہ گیا اب تمہارے حسن کے لیے یہ لفظ ذہن میں آیا تو بول تو دیا مگر اب تمہارے تاثرات دیکھ کر دل کو ڈھارس ہوئی کہ صحیح بولا ہے ورنہ یقیناً اس وقت جو سینڈل تمہارے بیوٹی فل پاؤں میں سج رہی ہے وہ تمہارے ہاتھ......"

"اُف اللہ اشعر مجھے پارلر لے کر جانا ہے اور تم یہاں پتا نہیں کون سے قصے چھیڑے کھڑے ہو؟" عرشی بولتی ہوئی اندر آئی اور خشمگین نظروں سے اشعر کو گھورا۔

"چلو چلو...... میں تو بس عاشی سے ایک بہت ضروری بات کر رہا تھا ٹھیک ہے اے حسین خاتون ہماری جو بات ادھوری رہ گئی ہے وہ عنقریب میں پوری کرنے کے لیے آپ کو ضرور خدمت دوں گا۔"

"خدمت نہیں زحمت ڈفر ورنہ یہ حسین خاتون اردو ادب کی اتنی توہین کرنے پر کچھ کر ہی نہ ڈالے۔" عرشی نے اسے بازو سے پکڑ کر دھکیلا عائشہ بے ساختہ ہنسی سائنس کی طالبہ ہونے کے باوجود اردو زبان اور اردو پوئٹری سے اس کا لگاؤ اور شغف دیدنی تھا۔ غلطی سے بھی کسی کے منہ سے انگلش کا کوئی لفظ نکل جاتا پھر اسے عائشہ سے پورا لیکچر سننے کو ملتا تھا یہاں تک تو ٹھیک تھا مگر جب سے اشعر کے دل کی حالت بدلی تھی اور عائشہ کے لیے دل میں الگ سے جذبات بیدار ہوئے تھے وہ اپنی اردو بہتر کرنے کے چکر میں خود چکرا کر رہ گیا تھا ساری زندگی کانونٹ اور انگلش اسکولز اور کالجز میں پڑھا ہوا اشعر اردو میں کچھ خاص اچھا نہ تھا بلکہ اس کی تو رسمی بول چال بھی وہی آدھا تیتر آدھا بٹیر والی تھی۔ ایسے میں اسے بہت مذاق کا نشانہ بننا پڑ رہا تھا اور ایک دوبار تو صورت حال خاصی سنگین بھی ہوگئی تھی۔ عائشہ اشعر کی بوکھلاہٹیں یاد کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے کمرے میں اِدھر اُدھر بکھری چیزیں سمیٹ ہی تھی جب موبائل کی بیل بجی تھی متوجہ ہونے پر اسکرین پر "مولوی" بلنک کرتا نظر آیا۔ یہ نام پہلے پہل عائشہ نے عبدالرحمن کو بتا دیا تھا جب اس نے اپنے ایک مدرسے کی بنیاد رکھی تھی جہاں میٹرک تک تعلیم تو تھی ہی بچوں کو قرآن حدیث کے ساتھ ساتھ دوسرے دینی علوم کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ چھیڑنے کے لیے بلایا جانے والا وہ نام اتنا عائشہ کی زبان پر چڑھا کہ اب وہ کم ہی عبدالرحمن کو اس کے نام سے پکارتی تھی۔

"کہاں تھیں عائشہ بہت دیر سے ٹرائی کر رہا تھا؟" سلام کے بعد اس نے بےتابی سے پوچھا۔

"خالہ کے گھر آئی ہوئی ہوں عرشی کی تاریخ مقرر ہوگئی ہے ناں تو ہال کی سجاوٹ دیکھنے کے لیے کہا تھا خالہ نے۔ موبائل یہیں رہ گیا تھا کمرے میں تم سناؤ کیسے ہو کب واپس آنا ہے؟" وہ اطمینان سے بیڈ پر بیٹھی۔

"آجاؤں گا جلد ہی اور آتے ہی سب سے پہلے آمنہ کے فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد میرا ارادہ تمہارے جملہ حقوق اپنے نام کروانے کا ہے اور اس کے بعد تم نے صرف اور صرف میرا ہو کر رہنا ہے بلکہ دین کی ترویج کے اس سفر میں میرا ساتھ بھی دینا ہے۔"

"اچھا مسٹر رومینٹک آپ سے کس نے کہا کہ میں اپنے جملہ


ڈیسنٹ کشن اینڈ
بیڈ شیٹ ھائوس
مناسب قیمت
کوالٹی کی گارنٹی
ہمارے یہاں بیڈ شیٹ، کشن کور اور پردوں
کی لامحدود ورائٹی دستیاب ہے
دیدہ زیب رنگوں کے امتزاج کے ساتھ
دکان نمبر 26-21 اقبال شاپنگ سینٹر
پاپوش نگر، ناظم آباد نمبر 5 کراچی

حقوق آپ کے نام کرواؤں گی۔"

"میرے دل نے۔" اس کے جواب پر عائشہ کھلکھلائی۔

"ایسے ہی نہیں میں تمہیں مولوی رومینس کہتی عبدالرحمٰن۔"

"ہمارا کام بہت مشکل ہے عائشہ..... میں سوچتا ہوں کہ ہم پر تو زیادہ ذمہ داری ہے، بحیثیت مسلمان ہمیں کائنات کا خوب صورت اور مکمل ترین مذہب دیا گیا ہے اور ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم اس نعمت پر سجدہ شکر بجا لاتے نہ تھکتے مگر ہوتا کیا ہے عائشہ.....“ اس نے تھوڑا توقف کیا۔

"دہری ذمہ داری نبھانا تو ایک طرف، ہمیں تو احساس ہی نہیں ہے کہ ہم مسلمان ہیں، فرائض ادائیگی سے لے کر زندگی کو چھوٹے بڑے سب معاملات میں اسلامی تعلیمات سے نابلد نجانے کس راہ پر چل پڑے ہیں کہ جس کی کوئی منزل ہے نہ راستہ جس علاقے میں میں آج کل ہوں عائشہ، مسلمان تو سب ہیں یہاں مگر باعمل مسلمان آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ بس کیا بتاؤں اب تمہیں فون پر، واپس آ کر ہی تفصیلی بات ہوگی بہت فرسٹریشن میں ہوں تب ہی تمہیں کال کر کے اپنا دل کا بوجھ ہلکا کر لیتا ہوں۔" عبدالرحمٰن نے سنجیدگی سے کہا اور ایک دو باتیں کرنے کے بعد کال کاٹ دی تھی۔

وہ عرشی کی مہندی کا جوائنٹ فنکشن تھا جس کا انتظام گھر کے ہی لان میں تھا، وہ عرشی کے ساتھ بیٹھی مسکراتے ہوئے لڑکے لڑکیوں کو بھنگڑا ڈالتے دیکھ رہی تھی جب اشعر نے آ کر اسے بھی گھسیٹ لیا وہ نہ نہ کرتی رہ گئی مگر اپنے کزنز کے آگے اس کی ایک نہ چلی تھی۔

"اگر جو پھوپو اس وقت مجھے لڈی ڈالتے دیکھ لیں وہ بھی لڑکوں کے ساتھ تو.....“ یہ خیال اسے بے ساختہ جھرجھری لینے پر مجبور کر گیا ویسے بھی وہ تھوڑی دیر میں ہی تھک گئی تھی سو دوبارہ سے عرشی کے پاس آ بیٹھی جو خود ہی اپنی سیلفیاں لے کر اپنے ہونے والے شوہر کو بھیج رہی تھی۔

"کیا ہے یار عاشی، کتنی بورنگ ہوگئی ہو تم، دس منٹ بھی نہیں رہیں ہمارے ساتھ۔ میں نے جان کر اپنا پیئر تمہارے ساتھ بنوایا تھا پرفارمنس میں اور تم ہو کے مجھے چھڑا چھانٹ چھوڑ کے چلی آئیں۔" اشعر بھی دھپ سے اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا جبکہ اس کے چھڑا چھانٹ کہنے پر وہ اور عرشی بے ساختہ ہنس دی تھیں وہ غالباً تنہا کہنا چاہ رہا تھا۔

"یار یہاں آؤ ذرا پانچ چھ شاندار قسم کے فوٹوز بنا دو ہم دونوں کے۔ میری یہ کزن بڑی مشکل سے ہی ہمارے ہاتھ آتی ہے پھر ایک آدھا نشانی کے طور پر دلہن کے ساتھ بھی فوٹو لے لینا۔" مزے سے کہتے ہوئے اس نے فوٹو گرافر کو اشارے سے پاس بلایا۔ عائشہ اٹھنے کے لیے پر تولنے لگی، وہ جانتی تھی کہ خالہ اور ماموں کی فیملی ان لوگوں سے کہیں زیادہ ایڈوانس تھے مگر امی نے خود بھی ایک حد میں رہ کر زندگی گزاری تھی اور عائشہ کے لیے بھی کچھ اصول مقرر تھے فی الوقت عائشہ کے پیش نظر عبدالرحمٰن کی وہ ہدایات تھیں جو اسے خالہ کے گھر قیام کے دوران وہ دو تین بار کر چکا تھا۔

"اپنے رشتہ داروں سے تعلق رکھنے سے میں تمہیں کبھی منع نہیں کروں گا عائشہ مگر یہ بھی یاد رہے کہ مجھے تمہارے خاندان والوں کا بے حجابانہ انداز ہرگز پسند نہیں ہے خصوصاً تقریبات میں تو وہ لوگ بالکل ہی شتر بے مہار ہو جاتے ہیں عورت مرد کی تخصیص کے بغیر بہت بے تکلفانہ سا انداز ہے آپس میں سب کا۔ محرم، نامحرم جیسے الفاظ کس لیے وضع کیے گئے ہیں، ان کو کوئی سروکار نہیں اس سے مگر مجھے یقین ہے کہ تم میرے کہے گئے الفاظ کا پاس رکھو گی۔" وہ کہتے کہتے رکا تھا۔ "میں نے تمہیں کبھی عبایا یا حجاب لینے پر مجبور نہیں کیا کہ ابھی میں ایسا کوئی حق فی الحال نہیں رکھتا مگر درخواست تو کر ہی سکتا ہوں کہ تم نے ایسی کسی بے تکلفی سے کام ہرگز نہیں لینا اور دوپٹہ ایک عورت کے لیے کیسے ڈھال کا کام کرتا ہے یہ بات اگر ہم جان لیں تو میرے خیال میں آدھی سے زیادہ معاشرے کی برائیاں جنم لینے سے پہلے ہی دم توڑ جائیں۔ یہ مت سمجھنا کہ میں اپنے نظریات تم پر ٹھونس رہا ہوں، اسے میری طرف سے ایک مخلصانہ مشورہ سمجھنا جو ایک خیر خواہ ہی اپنوں کو دیتا ہے۔" عبدالرحمٰن کی تازہ ترین گفتگو ذہن میں گونجتے ہی عائشہ نے اپنا ہاتھ اشعر کے ہاتھ سے چھڑوایا اور تیزی سے اٹھ کر ہجوم میں گم ہوگئی تھی۔

اگلے دن بارات کا فنکشن تھا، اس نے بیگ سے آج کی تقریب کے لیے سوٹ نکالا تاکہ اس کے ساتھ کی جیولری اور جوتے وغیرہ میچ کر کے رکھ دے، بعد کی ہڑبونگ سے بچنے کے لیے مگر لباس دیکھ کر کچھ خیال آیا تو اس نے وہ اٹھا کر واپس بیگ میں رکھ دیا۔ بلیک کلر کے سلور نگوں والے پاؤں کو چھوتے لباس کو اس نے دل سے پسند کیا تھا، اب غور کرنے پر اس کی بازو والے سے

پیور نیٹ کے نظر آئے تھے اور دوپٹہ تو تھا ہی نیٹ کا۔

"عورت کا لباس اور انداز ایسا پُروقار ہونا چاہیے کہ اس کی طرف اٹھنے والی آنکھ کا پہلا تاثر چاہے جو بھی ہو آخری تاثر صرف احترام کا ہونا چاہیے۔" کافی عرصے پہلے کہی گئی عبدالرحمٰن کی بات اسے ایک دم ہی یاد آئی تھی پھر اس نے دوسرا لباس نکالا تھا وہ بھی فراک ہی تھی مگر اس کے ساتھ کا دوپٹہ نسبتاً بڑا تھا۔

"کہاں ہو عاشی، رات کے بعد سے پھر تمہیں ہی نہیں کہاں گم ہو رات سے؟" اشعر نے کمرے کا دروازہ کھول کر جھانکا، جیولری باکس میں سے جیولری نکال کر منتخب کرتی عائشہ نے بے ساختہ ایک طویل سانس کی۔

"ایک تو غلط اردو فقرات بولنے سے بہتر ہے کہ تم ٹھیک انگریزی ہی بول لیا کرو، مہربانی کرکے تاکہ اردو کے بانیوں کی روحوں کو تمہاری مہربانی سے ملنے والی تکلیف ختم ہو جائے دوسرا لڑکیوں کے کمرے میں منہ اٹھا کر نہیں آ جاتے، دستک دی جاتی ہے۔" اس نے ٹھک سے جیولری باکس بند کرتے اشعر سے کہا۔

"لیکن کیوں ڈیئر کزن، تم جانتی ہو تم کوئی ان نون پرسن تو ہو نہیں، میری کزن کے ساتھ ساتھ فرینڈ بھی ہو اور فیوچر میں تو ایک بیوٹی فل ریلیشن بننے والا ہے ہمارے درمیان۔" اس کی بات کو غیر سنجیدگی سے لیتا ہوا اشعر باقاعدہ پھیل کر بیٹھ گیا۔

"ویسے تو ممی آنٹی سے بہت پہلے ہی بات کر چکی ہیں مگر میں آج پھر پوچھ رہا ہوں۔"

"وِل یو میری می۔" اشعر نے سینے پر ہاتھ باندھ کر مودبانہ عرض کی۔

"نو......" فوراً جواب حاضر تھا۔

"لیکن کیوں ڈیئر؟ میں جانتا ہوں تم مذاق کر رہی ہو۔" وہ خود اعتمادی کی آخری سیڑھی پر تھا۔

"اس پر بعد میں بحث ہوگی مگر فی الوقت جب تک میں یہاں ہوں اللہ کے لیے اشعر انگریزی اردو دونوں پر رحم کرتے ہوئے صرف ضروری بات ہی کیا کرو، مجھے تو اختلاج قلب ہونے لگتا ہے۔ پندرہ منٹ تمہاری باتیں مجھ سے برداشت نہیں ہو رہیں، عمر بھر کیسے برداشت کر سکتی ہوں۔" وہ بے زاری سے بولی۔

"پر میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کہا عاشی جس سے تمہیں ہارٹ کی کوئی بیماری ہو جانے کا خطرہ ہو۔" کچھ سوچتے ہوئے اشعر کا کہنا اب کے عائشہ کو پوری طرح غصہ دلا گیا۔

"براہ مہربانی اس وقت تم یہاں سے تشریف لے جاؤ اس سے پہلے کہ میں واقعی دل کی مریضہ بن جاؤں۔" عائشہ نے نہ صرف کہا بلکہ باقاعدہ بازو سے پکڑ کر اسے دروازے تک چھوڑ آئی اور دروازہ بند کر دیا۔

"توبہ کیسے کیسے ڈرامے بھرے پڑے ہیں دنیا میں، ول یو میری می...... ہونہہ بے وقوف نہ ہو تو مسخرہ۔" اسے صلواتیں سناتے ہوئے وہ ایک بار پھر جیولری کی طرف متوجہ ہوگئی جبکہ باہر کھڑا اشعر کان کھجاتا سوچتا رہ گیا کہ اس کی کون سی بات عائشہ کو بری لگی تھی۔

❁......❁......❁

پھر خالہ کے بہت روکنے کے باوجود بھی وہ اور امی ویسے والے روز ہی واپس آگئیں تھیں۔

"ڈیئر عاشی، اگر یاد ہو تو میں نے ایک درخواست دائر کی تھی، وہ یاد دلانے اور اس کا حل نکالنے کے لیے میں کال کروں گا۔" آتے ہوئے بھی اشعر نے اردو کے ہاتھ پاؤں توڑ کر عائشہ سے سرگوشی میں کہا تھا اور عائشہ جو اسے ڈانٹنے کا ارادہ رکھتی تھی جب اسے خود کو متاثر کرنے کے لیے اتنا سنجیدہ دیکھا تو بغیر کوئی جواب دیئے صرف مسکرا کر سر ہلا دیا تھا۔ امی تو آج اسکول چلی گئی تھیں کہ ان کی چھٹیاں ختم تھیں جبکہ عائشہ کا آج آرام کر کے کل سے یونی جانے کا ارادہ تھا۔ وہ کچن میں جا کر کچھ پکانے کا سوچ رہی تھی جب اسے عبدالرحمٰن کی کال موصول ہوئی۔

"ممانی کو تو جاتے ہوئے میں نے دیکھا تھا، تم اگر گھر پر ہو تو میں ملنا چاہتا ہوں تم سے۔" عائشہ کے سلام کے جواب میں اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"خیریت تو ہے ناں عبدالرحمٰن؟ میں گھر پر ہی ہوں مگر......" وہ تھوڑی دیر کے لیے رکی۔

"مگر اکیلی ہوں اس وقت، ماسی بھی کام کر کے جا چکی ہیں۔"

"تو......" عبدالرحمٰن نے یک لفظی سوال میں نجانے کیا پوچھنا چاہا تھا۔

"تو عبدالرحمٰن تم خود ہزار بار کے لیکچر میں مجھے بتا چکے ہو کہ دو نامحرموں کو کبھی بھی تنہائی میں نہیں ملنا چاہیے۔"

"تمہیں کم از کم مجھ سے ایسے نہیں کہنا چاہیے، مجھ پر ایسے ہی اعتبار کرنا چاہیے جیسے میں تم پر کرتا ہوں اور ایسی بات کرنے سے پہلے تم یہ بھول گئی کہ میری تربیت کیسے اور کن ہاتھوں میں ہوئی ہے، جس کی تربیت میری ماں جیسے ہاتھوں سے ہوئی ہو، اس سے

زیادہ بھلا ضبطِ نفس کا مفہوم کس کو معلوم ہوگا۔" اسے لگا عبدالرحمٰن کو اس کی بات بری لگی۔

"مگر عبدالرحمٰن! اس میں غصے والی تو کوئی بھی بات نہیں ہے قرآن کی کہی ہوئی ایک بات ہی دہرا رہی ہوں میں کہ مرد اور عورت کے درمیان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے اور اگر وہ دونوں نامحرم ہوں تو پھر وہ چور راستے ڈھونڈ کر ان کو ورغلانے کی کوشش کرتا ہے میں نے بھی......" اور ابھی عائشہ کی بات مکمل نہیں ہو پائی تھی کہ اس نے دوسری طرف عبدالرحمٰن کا رابطہ منقطع ہوتے محسوس کیا۔

"ناراض ہوگیا ہے۔" یہ سوچ ہی اسے پریشان کیے دے رہی تھی اس نے تین چار بار دوبارہ نمبر ملایا مگر ہر بار ہی کاٹ دیا گیا تھا۔ عائشہ نے اسے ٹیکسٹ کیا۔

"میرا وہ مطلب ہرگز نہیں تھا عبدالرحمٰن نہ ہی خدانخواستہ میں تمہاری نیت یا کردار پر شک کر رہی تھی۔ تم نے ہی ایک بار کہا تھا کہ جب گھر میں اکیلی ہوں تمہیں بتادیا کروں تاکہ تم ملنے نہ آؤ۔ یہ بات تم نے کوئی دو ماہ پہلے خود کہی تھی ان حوالہ جات کے ساتھ جو میں نے ابھی تمہیں کہے، بہرحال ابھی کے ابھی مجھ سے ملنے آؤ ورنہ میں خود ہی مدرسے تم سے ملنے پہنچ رہی ہوں۔"

ٹیکسٹ کرنے کے بعد وہ واقعی چادر اٹھا کر مدرسے جانے کو تیار تھی جب اسے عبدالرحمٰن کا جوابی ٹیکسٹ موصول ہوا کہ وہ مت آئے مدرسے وہ خود آرہا ہے تب کہیں جا کر عائشہ نے سکون کی سانس لی اور جب وہ آگیا اور اس نے کہا کہ اسے عائشہ کی بات سے سخت تکلیف ہوئی تھی۔ عائشہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اسے اس قدر دل گرفتہ دیکھ کر اس نے معذرت کی کہ آئندہ وہ ایسی کوئی بات نہیں کرے گی۔

"میں نے تم سے کہا تھا ناں عائشہ کڑے حالات کی سختی اور تلخی میں تم میرے لیے تازہ ہوا کا جھونکا ہو پتا نہیں کیسا تعلق ہے تمہارا اور میرا کہ جب جب زندگی نے مجھے کوئی کڑوا گھونٹ پلایا ہے تمہارے سامنے بیان کرنے سے جان کنی کی وہ کیفیت ختم تو نہیں ہوتی کم ضرور ہوجاتی ہے۔ سانس لینا آسان لگنے لگتا ہے۔" اس کے ایسا کہنے پر عائشہ دہل سی گئی۔

"کیا ہوا ہے عبدالرحمٰن! کیوں پریشان ہو اللہ کے لیے مجھے بتاؤ میں پریشان ہو رہی ہوں؟" بکھرے بکھرے سے عبدالرحمٰن کو دیکھ کر کسی انہونی کا احساس ہو رہا تھا۔

"آمنہ گھر سے چلی گئی ہے عائشہ! اس نے اسد سے جا کر نکاح کرلیا ہے۔ اسد اپنے گھر بھی نہیں ہے وہ دونوں کسی جگہ چھپ گئے ہیں دو دن پاگلوں کی طرح ڈھونڈتا رہا ہوں اسے۔ آج ایک مختصر سا میسج میرے موبائل پر آیا ہے کہ اس نے اپنی مرضی سے نکاح کیا ہے اسے ڈھونڈنے کی کوشش نہ کی جائے۔" سر جھکائے وہ بڑی مشکل سے بول پا رہا تھا۔ عائشہ کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی تھی۔

"اُف میرے اللہ! کیسے اور کیوں گئی وہ بے وقوف لڑکی...... اسے جو بھی مسئلہ تھا تمہیں بتاتی' اب کیا ہوگا؟" عائشہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ "عبدالرحمٰن پھوپو ایسی سختی کرتیں نہ اس کے اندر ایسی بغاوت جنم لیتی۔ انسان تھی وہ جیتی جاگتی' کوئی بے جان شے تو نہیں جسے وہ اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا چاہتی تھیں۔ ہر وقت کی روک ٹوک' ڈانٹ' سختی نے اسے گھر' حالات اور رشتوں تک سے باغی کردیا تھا۔" عائشہ پھٹ پڑی' مگر وہ عبدالرحمٰن تو ہمیشہ کی طرح آج بھی ماں کے خلاف کچھ سننے پر تیار نہیں تھا۔

"ایسے ہٹ دھرم لوگوں کے لیے سختی اور مار کے علاوہ کوئی راستہ ہی نہیں بچتا عائشہ' گر اماں اسے پیار اور آزادی دیتیں تو اس نے جو قدم آج اٹھایا ہے وہ دو سال پہلے ہی اٹھا لیتی' ہٹ دھرمی اور نافرمانی ابا کے خاندان سے اسے جہیز میں ملی تھی۔ اماں کی تربیت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے' انہوں نے تو مجھ پر بھی عمر بھر وہی زندگی کے اصول لاگو کیے جو اس پر' پھر میں کیوں نہ بگڑا' بس یہ میری ماں جیسی پرہیز گار اور نیک عورت کے لیے بہت بڑی آزمائش ہے۔ وہ اس وقت بالکل خاموش ہیں' مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ زندگی کے اس کڑے وقت میں میں انہیں کیسے سہارا دوں' وہ بے غیرت تو ہمارے لیے مر گئی۔" عبدالرحمٰن کی آنکھیں سرخ ہوگئیں' عائشہ کو اس کی بہت سی باتوں سے اختلاف تھا مگر اس وقت وہ جس قسم کے احساسات و جذبات کا شکار تھا اس میں عائشہ کو مناسب نہیں لگا کہ وہ آمنہ کے حق میں کوئی بات کرکے اس کے ذہن کو مزید پراگندہ کرے اور تسلی دینے کے لیے اسے کوئی مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

"ہمارے گھر' محلے کے بہت کم لوگوں کا آنا جانا ہے' فی الحال تو یہ بات ابھی کسی کے علم میں نہیں آئی مگر ایسی باتیں چھپتی تو ہرگز نہیں ہیں۔ بدنامی کا جو سیلاب بند توڑ کر ہمارے گھر کی دہلیز تک آن پہنچا ہے' اسے میں کیسے روکوں' میری ماں مر جائے گی عائشہ۔" عبدالرحمٰن جیسے رو ہی دیا تھا۔

"عبدالرحمٰن...... ایک مشورہ ہے اگر اس پر عمل کرو تو ہوسکتا

ہے تمہاری پریشانی ختم تو نہ ہو مگر اس کی نوعیت ضرور بدل جائے گی۔" عائشہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا' عبدالرحمٰن کچھ بولا نہیں مگر استفہامیہ نظروں سے ضرور اس کی جانب دیکھا پھر اس نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ وہ پھوپو کو کچھ دنوں کے لیے لے کر یہاں سے چلا جائے اور جب واپس آئے تو یہ بات پھیلا دے کہ اس نے اپنی بہن کا سادگی سے نکاح کر کے اسے وہیں سے رخصت کر دیا ہے بے شک اپنے ددھیال کا ذکر کر دے کہ اپنے آبائی گھر میں جا کر بہن کی شادی کی ہے اس نے۔ اس کے بارے میں چونکہ سب جانتے ہیں کہ وہ تبلیغی دوروں پر رہتا ہے تو شرعی طریقے سے سادگی سے بہن کے نکاح کر دینے پر کوئی نہ تو شک کر سکے گا نہ ہی اعتراض۔" عبدالرحمٰن خاموشی سے اس کی پُرجوش انداز میں پیش کی گئی تجویز سنتا رہا اور بغیر کوئی جواب دیئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم سے بس ایک درخواست ہے عائشہ...... یہ بات اماں اور میرے درمیان ہی ہے ابھی مجھ سے رہا ہی نہیں جاتا جب تک تم سے اپنی ہر بات' اپنا ہر مسئلہ بیان نہ کر لوں مگر تم نے یہ بات کسی سے بھی نہیں کرنی' اپنی امی سے بھی نہیں۔"

"ٹھیک ہے عبدالرحمٰن' میں سمجھتی ہوں اس معاملے کی نزاکت کو تم بے فکر رہو' مگر بیٹھو تو سہی میں بھی پاگل ہوں۔ تمہیں چائے کا پوچھا ہی نہیں حالانکہ پتا بھی ہے کہ میرے ہاتھ کی چائے تم کتنے شوق سے پیتے ہو۔" اس نے قصداً اپنا لہجہ ہلکا پھلکا بنایا۔

"نہیں بس چلتا ہوں پھر آؤں گا۔" پژمردہ سا عبدالرحمٰن پھر رکا نہیں تھا۔

"امی...... پھوپو ایسی کیوں ہیں؟ ایب نارمل سی' صرف خود کو مکمل اور عقل کل سمجھنے والی' ان کی اولاد ان کے اس رویے سے بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ آمنہ میں عجیب سی باغی سوچ پنپ رہی ہے' عبدالرحمٰن میں بھی بہت حد تک پھوپو کی سوچ کی جھلک نظر آتی ہے۔ وہ بھی یہی خیالات رکھتا ہے جیسے وہ لوگ کوئی آسمان سے اتاری گئی مخلوق ہیں اور چونکہ ان کی تربیت پھوپو جیسی عظیم خاتون کے ہاتھوں ہوئی ہے تو وہ کوئی گناہ ہی نہیں کر سکتے۔ ان کے خاندان کے سوا باقی ہر کوئی گناہ گار ہے دنیا میں گویا......" عبدالرحمٰن کے جانے سے لے کر اب تک وہ بے حد پریشان اور الجھی ہوئی تھی۔ اپنی امی سے ہر بات شیئر کرنے والی عائشہ نے آمنہ والی بات اور عبدالرحمٰن کا یہاں آنا سب ان سے پوشیدہ رکھا تھا مگر اپنی پریشانی کو ختم نہ کر پارہی تھی سو امی کے پاس چلی آئی تھی۔ وہ اخبار کے مطالعے میں مصروف تھیں' اس کا سوال سن کر انہوں نے اخبار تہہ کر کے ٹیبل پر رکھا' عینک اتار کر اسے بغور دیکھا اور پھر ہاتھ سے پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

"پھوپو کے گھر گئی تھیں یا کوئی نئی بات ہوئی ہے ان کی طرف سے؟" انہوں نے پوچھا عائشہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں کوئی بات نہیں ہوئی نہ ہی میں ان کی طرف گئی تھی بس ویسے ہی خیال آتا ہے کئی بار کہ کوئی تو وجہ ہو گی ان کے ایسے رویے کی جس سے سارا خاندان بلکہ جو لوگ ان سے منسلک رہے یا ہیں سب ہی متاثر ہوئے تو وہ شروع سے ہی ایسی تھیں یا کوئی واقعہ ان کی ایسی سوچ اور ایسے واقعہ کا محرک بنا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں ہوا تھا بیٹا' بس پہلے تمہاری دادی مرحومہ تھیں' کم و بیش انہی کے جیسے خیالات اور سوچ رکھنے والی تمہارے دادا مرحوم قرآن و حدیث کے بہت بڑے عالم گزرے ہیں مگر ویسا فخر اور غرور تو ان صاحب کو اپنے علم پر نہ ہو گا جتنا تمہاری دادی مرحومہ کو تھا میں چونکہ غیر خاندان سے آئی تھی سو معتوب ہی ٹھہری عمر بھر پھر میری سرکاری نوکری نے ان کے مزاج کو سوا نیزے پر پہنچا دیا بس اپنی ماں کے افکار سے بے حد متاثر تمہاری پھوپو اپنی اماں کے جیسے ہی نظریات لے کر تمام عمر رہیں اور دوسروں پر بھی وہ نظریات ٹھونسنے چاہے تھے۔ اپنے خاوند مرحوم کو نماز نہ پڑھنے پر ایسے ایسے طعنے دیتیں کہ الامان الحفیظ سسرال والے بھی تمام عمر ان کی اس روش سے نالاں رہے اور ایک وقت تو ایسا آیا کہ تمہارے پھوپا ان کو طلاق دینے کا قصد کیے بیٹھے تھے جب اجل نے انہیں آ لیا۔ بیوہ ہو کر یہاں آ گئیں' تمہارے ابا تو بہت سمجھاتے تھے انہیں مگر وہ الٹا ان سے ناراض ہوتیں پھر بچوں کو بھی اس نہج سے پروان چڑھایا جیسے خود چاہتی تھیں۔" امی جیسے خلاء میں نظریں جمائے بول رہی تھیں پھر انہوں نے عائشہ کو دیکھا۔

"تم سمجھدار ہو' سب کچھ جانتی ہو پھر بھی عبدالرحمٰن کی طرف تمہارا رجحان میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اب تم اپنی پھوپو کی ایک آدھ کڑوی کسیلی بات سے بھاگ کر میری گود میں آ کر چھپ جاتی ہو' ان کے رویے پر الجھتی ہو' سوال کرتی ہو کیسے عمر بھر گزارا کرو گی عائشہ' وہ بھی ایسی صورت میں جب عبدالرحمٰن بھی کم و بیش ویسی ہی سوچ رکھتا ہے۔ وہ شریف ہے' خوش شکل ہے' معاشی لحاظ سے بھی مضبوط ہے مگر جو آج میری آنکھیں اور میری سوچ مجھے دکھا رہی ہے تم اس کا فہم بھی نہیں رکھتیں' تم کبھی بھی خوش نہیں

رہ پاؤ گی۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

"تمہاری خالہ نے ایک دو بار اشاروں میں مجھ سے اشعر کے حوالے سے بات کی تھی اور اب عرشی کی شادی پر کھل کر رشتہ بھی پیش کر دیا۔ اشعر نے خود کہا ہے تمہارے لیے میں تو اسی وقت ہاں کہہ دیتی مگر تم سے ایک بار پوچھنا ضروری سمجھا' میری خواہش اور رائے یہی ہے کہ تمہیں اشعر کے رشتہ پر حامی بھر لینی چاہیے۔"

"آپ کی سب باتیں ٹھیک ہیں مگر میں کیا کروں کہ اس حوالے سے جب بھی سوچا عبدالرحمن کو ہی سوچا' اب کسی اور کو سوچنا ہی ناممکن ہے میرے لیے۔ شادی تو بہت دور کی بات ہے ابھی......" امی اس کی عبدالرحمن کے حوالے سے سنجیدگی دیکھ کر دنگ رہ گئیں' وہ اسے ایک وقتی پسندیدگی سمجھتی تھیں مگر وہ کچھ اور تھا اور پھر عائشہ نے آہستہ آہستہ امی کو بتایا کہ عبدالرحمن سے اس لگاؤ کی جڑیں بہت گہری اور پرانی تھیں اس کی پہلی کونپل اس کے دل میں جب پھوٹی جب ایک بار اس نے ابا اور پھوپو کو باتیں کرتے سنا تھا اور اس گفتگو میں ابا نے بہن سے عبدالرحمن کو اپنا داماد بنانے کی خواہش ظاہر کی تھی پھر پھوپو کا جواب بھی اسے از بر تھا۔

"میرے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہوگی کہ میری اپنی بھتیجی میری بہو بنے مگر دھیان رہے کہ اس کی تربیت اس کی پڑھی لکھی ماں سے کہنا ایک اسلامی بچی کی طرح شرعی طریقے سے کرے۔ کچی عمر کے اس دور میں مجھے صرف یہی یاد رہا کہ پھوپا کا خوب صورت اور بے نیاز رہنے والا بیٹا بڑا ہو کر میرا دلہا بنے گا۔ اس سوچ نے ایک خواب کو جنم دیا جس نے دل کی سر زمین پر مضبوطی سے اپنے پنجے گاڑ دیئے اور اس سوچ کی تعبیر پانے کو وقت کی آہٹوں کو بے چینی اور بے تابی سے گننے لگا۔"

عائشہ نے اپنی ماں سے کبھی کچھ نہ چھپایا تھا' یہ سب بھی بتا دیا اور ان کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

"تم بہت معصوم ہو عائشہ اور تمہاری بے ریا آنکھوں اور سادہ سوچ نے بہت مہنگے اور الجھے خواب بن لیے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں' مجھے تو نہیں لگتا تمہاری پھوپو اس دہلیز پر تمہارا رشتہ لے کر آئیں گی۔ تمہارے ابا کی وفات پر آخری بار آئی تھیں اور جانتی ہو مجھے کیا کہا تھا۔" وہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتی دکھ سے بولیں۔

"بے پردہ اور بے راہ عورت جس نے اپنی عاقبت تو خراب کی سو کی اپنی بچی کی بھی غلط تربیت کر کے اپنی راہ پر چلا لیا...... بتاؤ جس عورت کے اپنی بھائی اور بھتیجی کے بارے میں ایسے خیالات ہوں' وہ بھلا کیسے تمہیں اپنی بہو کے روپ میں قبول کرے گی۔"

"ان کو چھوڑیں امی......ہم جانتے ہیں کہ وہ نارمل نہیں ہیں' ان کو یہاں لے کر آنا اور شادی کے لیے منانا عبدالرحمن کا کام ہے۔" جواب میں عائشہ کا اطمینان دیدنی تھی' امی طویل سانس لے کر چپ ہو گئیں۔

عبدالرحمن سے اس دن کے بعد رابطہ نہیں ہو سکا تھا اس کا نمبر بھی مسلسل بند تھا اور بہانے سے دوبارہ پھوپو کے گھر کا چکر لگا چکی تھی جو کہ بند تھا۔ اس کا مطلب عبدالرحمن اس کے آئیڈیے پر عمل کرنے کے لیے پھوپو کو لے جا چکا تھا مگر وہ اس کے لیے پریشان تھی۔ امی نے آج عرشی اور اس کے خاوند کو دعوت پر بلا لیا تھا' ساتھ خالہ اور اشعر کو بھی' اشعر اپنی اردو کی دھاک بٹھانے کے لیے بونگیاں مار کر سب کو ہنسا رہا تھا' ایک عائشہ ہی کو کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا وہ بے دلی سے بیٹھی بس چاول پلیٹ میں یہاں سے وہاں کرتی رہی۔

"دیکھیں تو آنٹی......اس بے وفا لڑکی کو ہمارے ہاں آتی ہے تو ہم اپنے دل' گردے' جگر' آنکھیں وغیرہ سب راہوں میں بچھا دیتے ہیں اور یہاں پر جب سے ہم آئے ہیں منہ بنائے بیٹھی ہے جیسے ابھی کے ابھی ہم سب کو گیٹ آؤٹ کرے اور سکون کی سانس لے۔" اشعر کے شکوہ پر امی نے عائشہ کو تنبیہی نظروں سے گھورا پھر بھانجے کی تسلی کرانے لگیں۔

"ارے نہیں بیٹا......ایسی کوئی بات نہیں ہے' مجھ سے زیادہ خوش تھی عائشہ آپ سب کے یہاں آنے پر' اس خوشی میں اس نے مجھے تو کچن سے آزاد کر دیا اور سب کچھ خود تیار کیا ہے۔"

"اچھا آپ نے پہلے بتانا تھا ناں آنٹی' میں عاشی سے خوامخواہ ناراض ہوا بیٹھا تھا۔" اشعر اتنی سی بات میں ہی راضی ہو گیا مگر عائشہ کو بے زاری ہو رہی تھی۔ وہ واقعی چاہتی تھی کہ ان کے جانے کے بعد پھوپو کی طرف کا ایک چکر لگا آئے اس لیے اس نے امی کے اشارے کے باوجود اشعر کے شکوے کی تائید و تردید نہیں کی تھی۔ عرشی نے تب ایک نیا شوشا چھوڑا عرشی کی سسرال کے سب لوگ جو کہ عائشہ اور عرشی دونوں کے ماموں کی فیملی تھی' نے شمالی علاقہ جات جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ خالہ اور اشعر بھی جا رہے تھے' اب عرشی اور اشعر چاہ رہے تھے کہ عائشہ بھی ان کے ساتھ ہی چلے۔

"میں ضرور چلتی عرشی مگر میرے امتحان بالکل سر پر ہیں اور تیاری بھی کچھ خاص نہیں ہے۔ زندگی رہی تو ان شاء اللہ اگلی دفعہ ضرور چلوں گی۔" اس سے پہلے کہ امی عائشہ کے جانے کے حوالے سے حامی بھرتیں، عائشہ نے رسان سے کہا، باقی سب تو اس کی وجہ قابل قبول جان کر چپ ہوگئے تھے مگر اشعر نے خوب احتجاج کیا تھا۔

"یہ کیا بات ہوئی عاشی؟ تین سال سے تمہیں پہلے بتا کر پروگرام سیٹ کیا جاتا ہے مگر تم نے ہر بار کوئی نہ کوئی ایکسکیوز کر کے انکار ہی کیا ہے۔"

"اور کچھ لوگ تو ساتھ جاتے ہی تمہاری وجہ سے ہیں، سوچو ان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی تمہارا انکار سن کے۔" عرشی چونکہ بھائی کی خواہش سے واقف تھی سو اشعر کو دیکھ کر اسے آمادہ کرنے کی کوشش کی۔

"یقین کرو عرشی...... میرا پروگرام تھا پچھلی دفعہ بھی لیکن یاد نہیں کیسے بری طرح بیمار پڑ گئی تھی میں اور اس بار تمہاری شادی پر جو چھٹیاں کی ہیں وہ لیکچرز رہ گئے تھے میرے، صرف ڈیڑھ ماہ رہ گیا ہے امتحان میں مگر میں وعدہ کرتی ہوں کہ امتحانوں کے بعد کوئی اچھا پروگرام رکھ لیں گے مل بیٹھنے کا۔ میں آپ سب کے لیے چائے لاتی ہوں۔" عائشہ اس کے بعد رکی نہیں تھی کچن میں آ کر دم لیا تھا پھر ان کے جانے کے بعد اس نے امی سے کہا تھا کہ پھوپو کے گھر بہت دن سے نہیں گئی نہ ہی آمنہ سے ملاقات ہو پائی ہے۔ کل اور پرسوں بھی اس نے چکر لگایا تھا تو پھوپو کے گھر تالا لگا ہوا تھا۔ وہ پتا تو کر آئے کہ خیریت تو ہے۔ امی نے کوئی تبصرہ کیے بنا صرف سر ہلا دیا تھا، وہ عائشہ کی پھوپو کے گھر سے والہانہ لگاؤ سے واقف تھیں۔

پھوپو کا گھر کھلا دیکھ کر دل میں خدشات اور سکون دونوں جذبات نے ایک دم ہی دھاوا بولا تھا، پتا نہیں آمنہ والے مسئلے کا کیا بنا ہوگا؟ پہلی سوچ ہی ذہن میں یہی آئی تھی۔

"رکو...... کہاں منہ اٹھائے چلی جارہی ہو نہ سلام نہ دعا نہ اجازت۔" اتنے بڑے واقعے کے بعد بھی پھوپو ویسی کی ویسی تھیں، وہ کچن سے نکل رہی تھیں، عائشہ نے آہستہ سے سلام کیا۔

"اپنا حلیہ دیکھو، کہیں سے کسی شریف عورت کا لگ رہا ہے گلے میں دوپٹہ کھلے بال، ایسے فیٹنگ والے کپڑے، گویا درزی نے جسم پر رکھ کر سلائی کی ہو۔ مردوں کو ورغلانے کی صاف صاف دعوت اور پھر گلہ ماں باپ سے ہوتا ہے کہ اتنی سختی کیوں کرتی ہیں۔" عائشہ حسب معمول ایک بار پھر ان کے غصے کی لپیٹ میں تھی، انہوں نے اس کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔

"میں نہائی تھی کچھ دیر قبل پھوپو، بال گیلے تھے تو کھلے رہنے دیئے اور درمیانی دروازے سے آئی تھی اس لیے دوپٹہ میں چلی آئی۔ باہر سے آتی تو چادر لے کر آتی۔" اس کی وضاحت کو انہوں نے اہمیت نہ دیتے ہوئے ہنکارا بھرا اور خود برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھ کر قرآن پاک کی رحل اپنے قریب کرلی۔

"آمنہ سے ملنے آئی ہو تو وہ تو اب اپنے گھر میں ہے، سادگی سے نکاح کردیا اس کا ہم نے۔" اطمینان سے کہہ کر انہوں نے قرآن پاک کھولا، گویا عائشہ کو جانے کا واضح اشارہ کیا ان سے کہیں زیادہ اطمینان عائشہ نے اپنے اندر اترتے محسوس کیا۔

"اچھا پھوپو بہت مبارک ہو آمنہ کی شادی کی، جب آئے مجھے بتایئے گا میں ملوں گی اس سے، چلتی ہوں اب اللہ حافظ۔" کچھ بھی جتائے بغیر اس نے کہا اور دوبارہ سے درمیانی باڑھ عبور کر کے اپنے گھر آ کر امی کو آمنہ کی شادی کا بتایا تو وہ حیران رہ گئیں۔

"کمال کرتی ہیں تمہاری پھوپی، سادگی سے بچی کی رخصتی کی اچھا کیا مگر بندہ کوئی ایک آدھ عزیز رشتہ دار ہی بلا لیتا ہے۔ میں تو خیر کسی کھاتے میں رہی نہیں عمر بھر تم تو ان کے اکلوتے بھائی کی بیٹی تھیں اور آمنہ کی اکلوتی دوست بھی۔"

"چھوڑیں امی آپ کو تو پتا ہے کہ پھوپو اپنی زندگی کے ہر کام میں شریعت کے احکامات کو مدنظر رکھتی ہیں، شکر ہے آمنہ کے فرض سے سبکدوش ہوگئیں وہ۔" عائشہ نے کہا تو امی استہزائیہ سی ہنسی ہنس کر بولیں۔

"ہاں ہر کام شریعت کے احکامات کو مدنظر رکھ کر کیا مگر حقوق العباد کی بھی اللہ کے نزدیک اتنی ہی اہمیت ہے جتنی حقوق اللہ کی، یہ بات پڑھنا بھول گئیں یا شاید برتنا۔ ان کو تو آج تک اتنی بڑی اور اہم بات نہیں پتا یا شاید جان کر انجان بنی رہیں کہ دل توڑنا اللہ کو کس قدر ناپسند ہے اور وہ یہ کام برسوں سے کرتی آرہی ہیں۔"

"چھوڑیں آپ یہ سب، میں کرلیتی ہوں باقی کام۔ آپ کمرے میں چلیں میں چائے لے کر آتی ہوں پھر دونوں مل کر خوب باتیں کریں گے۔" عائشہ نے ان کا دھیان دوسری طرف لگانے کے لیے ان کے ہاتھ سے کپڑا لیا جس سے وہ دھلے ہوئے برتن صاف کر رہی تھیں۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو عبدالرحمٰن...... اپنی عمر بھر کی کمائی کو اٹھا کر میں ایک ایسی لڑکی کے حوالے کردوں جس کی تربیت ہرگز ایسی نہیں ہوئی جیسی میں تمہاری بیوی کے حوالے سے چاہتی ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ میرے بھائی کی بیٹی ہے میرا اپنا خون ہے مگر کون سا ایسا عمل ہے جو تمہیں متاثر کرگیا جس سے تمہیں لگتا ہے کہ وہ اس گھر کی بہو بننے کے قابل ہے۔ تم مانو یا نہ مانو آمنہ کی اخلاقی تربیت میں اس لڑکی کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ سارا دن گھسی رہتی تھی وہ اس کے ساتھ اب نتیجہ بھگت لیا ناں صحبت کا' وہ تو تمہیں ہی خیال آ گیا اس بدنامی کو روکنے کا جو گھر کی دہلیز پر کھڑی دستک دے رہی تھی ورنہ میرا تو عمر بھر کا غرور خاک میں مل جاتا۔''

''اماں...... میری پیاری اماں' آپ کی سب باتیں بالکل ٹھیک ہیں مگر عائشہ ویسی ہرگز نہیں ہے جیسا آپ اسے سمجھتی ہیں۔ مامی نے جیسی اس کی تربیت کی ہے وہ ویسے ہی ڈھل گئی ہے اب جب آپ کے گھر آجائے گی' آپ اسے اپنے مزاج کے مطابق ڈھال لیجیے گا۔ باہر سے جتنی بھی چھان پھٹک کرلڑکی لائیں گے وہ اگر ہمارے معیار پر پوری نہ اتری تو سوچیں کیا کریں گے۔ عائشہ بس ذرا تھوڑی سی آزاد خیال ہے اور اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ میں اور آپ اسے جیسا طرز زندگی دیں گے وہ اسی کے مطابق زندگی بسر کرے گی' یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔'' پھوپو قائل ہوئی تھیں یا نہیں تاہم ماتھے پر بل ڈال کر چپ ضرور بیٹھی رہی تھیں پھر کچھ دیر خاموش بیٹھنے کے بعد انہوں نے بیٹے کو خود امید بھری نظروں سے تکتے پایا تو گویا ہوئیں۔

''اگرچہ مجھے اس رشتے پر کئی قباحتیں ہیں لیکن میں پھر بھی مان سکتی ہوں مگر کچھ شرائط ہیں' جن پر عائشہ کو عمل کرنا ہوگا۔'' پھر انہوں نے عبدالرحمٰن کی زندگی کی بنیاد ہی اپنی طرز کی کچھ خواہشات پر رکھی تھی' جنہیں ان کے بیٹے نے بلا عذر مان لیا تھا' عائشہ سے منوانا اب اس کا کام تھا۔

❁......❁......❁

پتا نہیں کتنے برسوں بعد انہوں نے بھائی کے گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تھا' بھائی کی وفات پر ہی آخری بار آئی تھیں۔ ان کے مانتے ہی عبدالرحمٰن نے فون کرکے عائشہ کو خوش خبری سنائی تھی' وہ وہاں ویسے ہی بیٹھی تھیں جیسے رشتہ لینے کے لیے آنے والی ماؤں کا رویہ ہوتا ہے' اپنی ذات اور اعمال پر تفاخر پہلے سے بڑھ کر دوگنا ہوچکا تھا۔ عائشہ کی امی ان کی خاطر مدارت کرتے ہوئے بس ان کے فرمودات سنے گئیں پھر آدھا گھنٹہ بیٹھنے کے بعد آخرکار جاتے ہوئے وہ رشتے کا عندیہ بھی یہ احسان جتاتے ہوئے دے گئی تھیں کہ اگرچہ اعلیٰ حسب نسب کی کئی دیندار بچیوں کے رشتے عبدالرحمٰن کے لیے آچکے ہیں مگر وہ یہاں تک آئی ہیں تو ان کے پیش نظر صرف ایک بات ہے کہ عائشہ ان کے مرحوم بھائی کی آخری نشانی ہے۔ دوسرے وہ چاہتی ہیں وہ اسے اپنے ساتھ رکھ کر اپنی بہو بنا کر اس کی اس نہج پر تربیت کریں کہ عائشہ کی عاقبت سنور جائے۔

''اچھا خیال ہے آپ کا' اپنی طرف سے تو عاقبت سنوارنے کا خیال ہر مسلمان کو ہی ہوتا ہے جیسے ہی وہ شعور سنبھالتا ہے مگر یہ تو اس کریم ذات پر ہے کہ وہ کس کو اپنی رحمت کی چھاؤں میں پناہ دیتا ہے۔ بخشنے پر آئے تو گناہ گار سے گناہ گار بندے پر بھی رحمت کی بارش کردے اور خدانخواستہ پکڑنے پر آئے تو چھوٹی سی غلطی پر ہی ولیوں کی عمر بھر کی ریاضت واپس منہ پر ماردے۔ ہم تو بس کوشش کرتے ہیں۔'' امی کی سنجیدگی سے کہی گئی بات پر وہ ٹھٹک گئیں۔

''واہ بی بی واہ...... یہ بھی خوب کہی تم نے' صرف رحمت کی آس پر بخشش کی امید رکھنا ہی تم جیسے دنیا داروں نے اپنا وطیرہ بنالیا ہے بھلا ساری زندگی گناہوں پر گناہ کرنے والے اور عمر بھر رب کی رضا حاصل کرنے کی کوشش میں سجدوں پر سجدہ کرنے والے بھی برابر ہوسکتے ہیں؟ فرائض میں کوتاہی نہ برتو' رب کو منانے کی کوشش میں لگے رہو اسی کی اطاعت اس طریقے سے کرو کہ زندگی کا ہر چھوٹا بڑا فیصلہ اسی کی مرضی اور تعلیمات کے مطابق پھر اس کی رحمت کی امید رکھو تو ہی بات بنتی ہے۔ یہ نہیں کہ جان کر گناہ پر گناہ کیے جاؤ یہ سوچ کہ وہ رحیم ہے تو رحم کرکے معاف کردے گا۔ یہ فرق ہے تمہارے اور میرے نظریے میں' اپنے نظریات بدلو بی بی' ورنہ بخشش نہیں ملنے والی یہ میں بتارہی ہوں۔'' ایک زوردار تقریر جھاڑ کر وہ چادر اوڑھ کر درمیانی دیوار جو کہ ایک باڑھ پر مشتمل تھی' باڑھ کی کٹنگ کرکے دروازہ بنا ہوا تھا کو عبور کرگئیں' کچن میں کھڑی عائشہ پھوپو کو جاتے دیکھ کر لپک کر امی کے پاس آئی تھی۔

''اللہ کے لیے عائشہ...... ایک بار پھر سوچ جو بیٹا' آدھے گھنٹے کی اس بات چیت میں انہوں نے ہزار بار جتایا کہ اللہ کی جنت کی حق دار صرف وہی ہیں' ہم سب گناہ گار ہیں' بس' تمہیں بھی وہ سو احسان کرکے صرف اس لیے بہو بنانا چاہتی ہیں کہ تم ان کے

مرحوم بھائی کی بیٹی ہو۔ دوسرا وہ نہیں چاہتیں کہ میرے ساتھ رہ کر تم جہنم کا ایندھن بنو اُف عائشہ...... بچے تو بسا اوقات نادانی میں آگ کی چمک دمک سے متاثر ہو کر انگارے کی طرف بھی ہاتھ بڑھا بیٹھتے ہیں روتے ہیں ضد کرتے ہیں ایڑیاں تک رگڑتے ہیں مگر ماں باپ صرف اس کی خوشنودی کے لیے آگ نہیں پکڑا دیتے۔ میں نے بھی فیصلہ کرلیا ہے میں اشعر کے رشتے کے لیے آج ہی ہاں کررہی ہوں بعد میں ایسی ایب نارمل خاتون کے رویے سے تنگ آکر روز تمہیں روتے دیکھوں اس سے بہتر ہے کہ تم ایک دفعہ ہی اپنی محبت پر رولو۔" امی تو بھری بیٹھی تھیں سو پھٹ پڑیں۔ عائشہ پہلے تو کچھ دیر ان کا ایسا شدید ردعمل دیکھتی رہی پھر انہیں تھام کر بستر پر بٹھایا اور خود بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

"عبدالرحمن کے لیے میرے احساسات کیا ہیں یہ میں آپ کو بتا چکی ہوں امی اس کی جگہ میں کبھی بھی کسی کو نہیں دے سکتی۔ آپ کو ڈر ہے کہ میں پھوپو کے رویے سے کبھی بھی خوش نہیں رہ پاؤں گی۔ مجھے آپ یہ بتائیں کہ میں عبدالرحمن کو بھول کر اشعر کے ساتھ کیسے خوش رہ سکتی ہوں۔ آپ بے شک پھوپو کو انکار کردیں مگر پھر آپ یہ بھول جائیں کہ میں کسی اور کے لیے ہاں کروں گی۔" اس کی سنجیدگی دیکھنے لائق تھی پھر امی نے کچھ دیر اسے بغور دیکھتے رہنے کے بعد طویل سانس لیتے ہوئے کچھ کہے بغیر ہاتھ چھڑائے یہ ایک قسم کی ان کی ناراضی کا اظہار تھا مگر عائشہ جانتی تھی کہ وہ انہیں منا ہی لے گی۔

❁......❁......❁

"کیا کمی تھی عائشہ مجھ میں یا میری محبت میں جس شخص کے لیے تم نے ہامی بھری ہے اس سے بھی تمہارا خون کا رشتہ اتنا ہی مضبوط ہے جتنا میرا بلکہ دیکھا جائے تو مالی لحاظ سے تو کیا ہر لحاظ سے میں اس سے بڑھ کر ہی ہوں۔ تمہاری بے رخی ناراضی کو میں ایک کزن کی نوک جھونک سمجھتا رہا اور ہمیشہ تصور میں تمہیں ہی اس حوالے سے دیکھا سوچا۔ کل ہی ہم ٹور سے واپس آئے اور آج مما بتارہی ہیں کہ عائشہ کی پسند سے اس کا رشتہ اس کے کزن سے ہوگیا ہے ایسا کیسے کرسکتی ہو تم؟" مضطرب سی وہ آواز اشعر کی تھی جس کی کال اسے ابھی ابھی موصول ہوئی تھی ابھی کل ہی تو پھوپو آکر اسے انگوٹھی پہنا گئی تھیں اور کہا تھا کہ اگلے ماہ سادگی سے نکاح اور ولیمہ کریں گی امی اس پر بھی متذبذب تھیں مگر ہر بار کی طرح اس بار بھی انہیں عائشہ کی ماننی پڑی تھی۔ اشعر دوسری طرف سے ہیلو ہیلو کررہا تھا وہ خیالات سے دامن چھڑا کر حال میں آئی۔

"تم نے ٹھیک سنا اشعر...... مگر میرا رشتہ ہوجانے کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم سے میرا خون کا رشتہ نہیں ہے یا تم کسی لحاظ سے کم تر یا وہ کسی حوالے سے برتر ہے۔ بس یوں سمجھو کہ رشتوں سے بڑھ کر یہ احساسات ہوتے ہیں جو رشتوں کو مضبوط اور کمزور بناتے ہیں۔ جس طرح تم نے اپنی شریک حیات کے طور پر مجھے سوچا میری سوچوں پر بھی عبدالرحمن قابض رہا۔ بچپن سے ہی اور جب میں نے سنا کہ ابا بھی یہی چاہتے ہیں تو لاشعور نے اس بات کا اذن شعور کو ایسے بخشا کہ اس کے لیے جو احساسات دل میں پیدا ہوئے پھر میں ان سے منہ ہی نہ موڑ سکی۔ بخدا میرا مقصد تمہارا دل دکھانا ہرگز نہیں تھا تم بہت اچھے ہو اور یقین کرو تمہارے لیے بھی کوئی اچھی لڑکی دنیا میں بھیجی گئی ہوگی۔"

"وہ اچھی لڑکی تم کیوں نہیں ہوسکتیں عاشی؟" اس کی بے بسی اسے آزردہ کرنے لگی جانتی تھی جب دل کی مرضی چلنے لگے تو بعض اپنوں کی خواہشات کو بھی دل کی مرضی کے تابع کرنا پڑتا ہے جیسے کہ امی اس کے اس رشتے سے خوش نہیں تھیں مگر عائشہ کے دل کے آگے ان کی ایک نہ چلی تھی۔

"میں بہت جلد چکر لگاؤں گی اشعر...... پھر عرشی اور میں تمہارے لیے لڑکی ڈھونڈنے کی مہم پر نکلیں گے اور دیکھنا ایسی لڑکی تلاش کرکے دیں گے کہ تم اپنی ان باتوں کو بے وقوفانہ سمجھ کر ان پر ہنسا کرو گے۔ میری خوشیوں کے لیے دعا کرنا اشعر اپنوں کی خلوص دل سے نکلی دعائیں انسان کی زندگی کی وہ روشن شمعیں ہوتی ہیں جو اس کی راہوں میں اندھیرا نہیں ہونے دیتیں۔" موبائل بند کرکے نجانے کیوں وہ کتنی دیر اشعر کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔

❁......❁......❁

اگلے دن خالہ اور ماموں کی ساری فیملی امی کو مبارک باد دینے آئی تھی صرف اشعر نہیں آیا تھا۔ امی کے پوچھنے پر عرشی نے پھیکے لہجے میں کہا تھا کہ وہ ضروری کام کے سلسلے میں گیا تھا مگر جلد ہی اسے مبارک باد دینے آئے گا امی نے تو خالہ اور ممانی سے شادی کی خریداری میں مدد کو کہا تھا وہ دونوں تیار ہوگئی تھیں اور اس خریداری مہم کا آغاز اگلے دن سے ہی شروع کردیا تھا عائشہ یونیورسٹی اور امی اسکول چلی جاتیں۔ واپسی پر امی کو خالہ اور ممانی لینے آتیں اور پھر وہ مغرب کے وقت خوب لدی پھندی واپس

آتی تھیں۔ عائشہ کو عبدالرحمٰن کے ملنے کا اذن کیا ملا تھا کہ اسے مزید کسی چیز سے سروکار ہی نہ تھا۔ امی لاکھ منتیں کرتی رہ جاتیں کہ وہ ساتھ چلے نئے فیشن کے مطابق چیزیں دیکھے، خریدے مگر اس نے امی کے گلے میں بانہیں ڈال کر بڑے لاڈ سے کہا تھا۔

"بچپن سے لے کر اب تک میری ساری خریداری آپ کرتی آئی ہیں اور وہ مجھے دل وجان سے پسند ہوتی ہے اب بھی میں وہی عائشہ ہوں جس کو اپنی امی کی پسند اور انتخاب پر پورا بھروسہ ہے۔"

"ہاں بس زندگی کے سب سے بڑے معاملے اور انتخاب میں ہی ماں کو الگ کردیا مگر اللہ سے تمہاری خوشیوں اور اچھے نصیب کی دعائیں ہیں۔" دل میں آئی ایک سوچ کو جھٹکتے انہوں نے اس کے اچھے نصیب کی دعا کی تھی، معمول کے مطابق امی اپنے اسکول کے لیے اور عائشہ یونیورسٹی کے لیے نکل گئی تھیں، آج اس کا یونیورسٹی کا آخری دن تھا کچھ کتابیں لائبریری سے ایشو کرانی تھیں، ایک دو اسٹوڈنٹس سے دو تین لیکچرز کے نوٹس لینے تھے اس قسم کے کئی کام تھے جو اسے آج یونیورسٹی میں نپٹانے تھے۔

پندرہ دن بعد سے امتحان شروع تھے تو اب وہ یکسوئی سے گھر بیٹھ کر تیاری کرنا چاہتی تھی قریباً تین بجے وہ گھر واپس آئی تھی۔ فریج میں سالن دیکھ کر بے اختیار امی پر پیار آیا تھا اپنی بے تحاشا مصروفیات کے باوجود وہ سالن پکا کر جاتیں۔ آٹا بھی فریج میں گوندھا ہوا رکھا تھا، ہاں گھر کی صفائی ستھرائی عائشہ خود کیا کرتی تھی جب تک آٹا نکال کر سلیب پر رکھا اتنی دیر میں اس نے سالن گرم کرنے کے ساتھ ساتھ سلاد بھی بنالیا تھا عموماً اس ٹائم وہ دونوں اکٹھے کھانا کھالیتی تھیں پھر چائے پینے کے دوران دونوں اپنی دن بھر کی روداد ایک دوسرے کو سناتیں۔ عصر کی نماز ادا کرکے عائشہ تو اپنی کتابیں لے کر بیٹھ جاتی امی تھوڑی دیر آرام کرنے لیٹ جاتی تھیں۔

آج کل امی تقریباً مغرب کے بعد ہی لوٹ رہی تھیں، اسکول سے واپسی پر خالہ اور ممانی کے ساتھ خریداری مہم زوروں پر تھی، آج بس زیور فائنل کرنے جانا تھا۔ کھانا کھاتے اس کی چائے بھی تیار ہوگئی تھی، مگ میں چائے انڈیل کر اس نے لگے ہاتھوں برتن کھنگال لیے اور کل کے لیے کچن کی تفصیلی صفائی کا پروگرام بنائی چائے لے کر اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ چائے پی کر اس نے نماز ادا کی پھر امی کو کال کرنے پر پتا چلا کہ وہ لوگ ابھی تک مارکیٹ میں ہیں، غنودگی کی ہلکی سی لہر محسوس کرتے ہی اس نے کمرہ لاک کیا اور بستر پر ڈھے گئی۔ پتا نہیں کتنی دیر گزری تھی اسے سوئے ہوئے کہ بجلی کڑکنے کی آواز سے وہ دہل کر اٹھ بیٹھی، کمرے میں گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا، کھڑکی کے شیشے سے آسمانی بجلی کی چمک اور بادلوں کی گرج عجیب سا ماحول بنا رہی تھی۔ عائشہ نے درود پاک پڑھتے ہوئے لائٹ جلائی اسے بجلی کی چمک اور بادلوں کی گرج ہمیشہ بے حد خوف زدہ کرتی تھی۔ ٹائم دیکھنے پر پتا چلا کہ ابھی تو سات بھی نہیں بجے تھے مطلب مغرب کی نماز کا وقت تھا ابھی، نماز کی ادائیگی کے بعد اسے امی کا خیال آیا، کال کرنے پر پتا چلا کہ وہ خالہ کے گھر ہیں اور بارش رکنے کا انتظار کررہی ہیں۔ امی کو پتا تھا کہ وہ ڈرتی ہے ایسے موسم سے سو انہوں نے مشورہ دیا تھا کہ وہ پھوپو کے گھر جاسکتی ہے۔ پھوپو کے ذکر پر ایک دم اسے عبدالرحمٰن یاد آیا تھا، پتا نہیں کہاں مصروف تھا کہ تین دن سے اس سے بات ہی نہ ہوپائی تھی۔ پھوپو کے پاس جانے سے بہتر ہے کہ عبدالرحمٰن سے بات کرلی جائے اس نے سوچا۔

بارش اسی تسلسل سے برس رہی تھی، دوسری ہی بیل پر کال ریسیو کرلی گئی، عائشہ نے مختصر ساری صورت حال بتا کر کہا کہ وہ ابھی کچھ دیر اس سے بات کرتا رہے تاکہ ایسے موسم میں وہ اکیلی نہ رہے یہ خوف رفع ہوجائے۔

"بات......" عبدالرحمٰن نے کچھ لمحے سوچا۔ "تم فون بند کرو میں خود آرہا ہوں، ایک سرپرائز دینا چاہ رہا تھا کچھ دنوں سے مصروفیت نے موقع ہی نہیں دیا ویسے بھی کزن کے لحاظ سے یہ آخری ملاقات ہو شاید اس کے بعد تو باضابطہ آپ کو اپنے نام کرالیں گے پھر ہی مل سکیں گے۔"

"مم...... مگر عبدالرحمٰن...... میں اکیلی ہوں اور موسم بھی ٹھیک نہیں ہے تو ایسے میں مناسب نہیں لگتا۔ امی آجائیں پھر آجانا، وہ کون سا منع کرتی ہیں ملنے سے۔" عائشہ نے گھبرا کر کہا۔

"تم نے جب سے انگوٹھی پہنی ہے ناں عائشہ میرے نام کی، تم پر غصہ بھی نہیں آتا ورنہ تم مجھے بھی جانتی ہو اور میری فطرت سے بھی واقف ہو۔ سب سے بڑھ کر میری ماں کی تربیت ہی ایسی تھی کہ اٹھتے بیٹھتے انہوں نے اپنے نفس کو پچھاڑنے اور اس پر قابو پانے کے اتنے اسباق گھول کر پلادیئے کہ میں مر تو سکتا ہوں مگر اپنی ماں کے فخر کو خاک میں ملانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"ٹھیک کہا تم نے عبدالرحمٰن...... مجھے خدانخواستہ تمہاری

ابن صفی کا نیا رخ

شائع ہو گئی ہے



معروف صحافی، کالم نگار، مصنف، مفسر
مشتاق احمد قریشی کا ایک اور شاہکار
جاسوسی ادب کے سب سے بڑے نام

ابن صفی

کا وہ رخ جس سے ان کے قارئین نا آشنا ہیں

کسی پریشانی اور زحمت سے بچنے کے لیے
آج سے اپنی کاپی آنچل ادارے سے بک کرالیں۔

0300-8264242

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نیت اور کردار پر کوئی شک نہیں اور یقین مانو تو میں تمہارے کردار کی ہی اسیر ہو کر یہاں تک آئی ہوں لیکن ایک بات تو طے ہے ناں کہ ابلیس مردود کا ابد تک اللہ کے بندوں کو بہکانے کا وعدہ ہے اور میں نے خود پڑھا تھا ایک بار کہیں الفاظ اور ان کی ترتیب شاید ٹھیک نہ ہو مگر مفہوم یہی تھا کہ انسان کتنا ہی نیک اور پارسا کیوں نہ ہو اس کا دل چٹیل میدان میں اڑنے والے ایک ٹوٹے پتے کی مانند ہے جسے نفس کی ہوا کبھی شر کی طرف اڑا لے جاتی ہے تو کبھی خیر طرف۔ خیر تم آ جاؤ میں تمہارے سرپرائز کی منتظر ہوں۔“ عائشہ نے کہہ کر کال ڈراپ کردی اس نے کھڑکی کھول کر برستی بارش کا جائزہ لیا گرج چمک تو ماند پڑ گئی تھی مگر بارش اسی تواتر سے برس رہی تھی دوپٹہ سر پر اوڑھ کر وہ کمرے سے باہر آ گئی برآمدے میں ایک لمحے رک کر تڑاتڑ برستی بارش کو دیکھا پھر تیزی سے چھوٹا سا صحن عبور کر کے کچن میں آ گئی۔ چائے پکنے تک اس نے کیبنٹس کھنگال کر نمکو اور بسکٹ بھی برآمد کر لیے اور کل کے لیے گھر کی خریداری میں مزید اور چیزیں بھی شامل کرلیں۔ مہمانوں کے لیے خاطر مدارت کا سامان ختم ہو چکا تھا امی یقیناً اس کی شادی کی خریداری میں کچن کا سامان لینا نظر انداز کر گئی تھیں۔

بھیگا ہوا عبدالرحمٰن کچھ دیر بعد کچن کے دروازے میں کھڑا تھا۔

”اوہ تم لگتا ہے درمیان سے آئے ہو باڑھ پھلانگ کر میں دروازے پر دستک کا انتظار کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی اتنی دور جا کے تو میں بھیگ جاؤں گی تم نے میرا کام آسان کر دیا۔“ عبدالرحمٰن کے سلام کے جواب میں وہ مسکرا کر بولی کیونکہ بیرونی دروازہ تھوڑا دور اور باہر کی طرف تھا۔

”اچھا عبدالرحمٰن...... اب ٹرالی کو تیزی سے بارش سے بچا کے اندر لے چلو میں چائے لے کر آتی ہوں۔“ اس نے چائے کی ٹرے اٹھاتے ہوئے کہا پھر دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے عائشہ کے کمرے میں آ گئے تھے۔

”آمنہ کا کچھ پتا چلا۔“ چائے پینے کے دوران عائشہ نے پوچھا تو خوشگوار موڈ میں بیٹھے عبدالرحمٰن کے تاثرات ایک دم پتھریلے ہو گئے۔

”نہیں اور نہ ہی میں اس وقت مزید یہ ذکر سننا چاہتا ہوں تم ذرا یہ دیکھو۔“ اس نے سنجیدگی سے کہہ کر جیب سے ایک ڈبیہ نکالی۔

”کیا ہے؟“ عائشہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

”اسی سرپرائز کے لیے تو کسی ایسے دن کے انتظار میں تھا بہت دن پہلے لے کر رکھی ہوئی تھی۔ روز نکال کر دیکھتا تھا اور سوچتا تھا کہ کب اسے تمہارے ہاتھوں کی زینت بناؤں گا لاؤ ہاتھ......“ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

”پھوپو نے پہنا تو دی تھی عبدالرحمٰن مگر میں سچ کہتی ہوں کہ تم بھی پورے مسٹر مولوی رومینس ہو۔“ عائشہ نے مسکرا کر ہاتھ آگے بڑھایا عبدالرحمٰن نے بڑے پیار سے سفید نگ والی انگوٹھی اسے پہنا دی تھی۔

”او کے مولوی رومینس...... اب تمہیں جانا چاہیے بارش کا زور ٹوٹ چکا ہے امی نکل چکی ہوں گی۔ میں بھی اب ذرا کتابوں کا درشن کروں آج کا دن ضائع ہو گیا میرا۔“ اسے بغور خود کو دیکھتے پا کر وہ کھڑی ہوتے ہوئے بولی عبدالرحمٰن بھی سر ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ دروازے تک دونوں ساتھ آئے تھے جب اچانک لائٹ چلی گئی تھی اسی دم بادل کے زور سے گرجنے پر بے ساختہ عائشہ نے عبدالرحمٰن کے بازو کو گرفت میں لیا تھا۔

”ذرا رک جاؤ عبدالرحمٰن میں ایمرجنسی لائٹ جلالوں۔“ اس کی کپکپاتی آواز پر جذبات کے ایک منہ زور ریلے نے عبدالرحمٰن پر اپنا غلبہ پایا تھا نجانے کیا ہوا اس نے عائشہ کے نرم و نازک وجود کو خود میں سمیٹ لیا تھا اس کی بے خودی اور عجیب سی کیفیت کو عائشہ نے اندھیرے میں بھی محسوس کر لیا تھا اور اپنا آپ چھڑانے کی کوشش کی تھی مگر ناکامی پر اس کے منہ سے سرگوشی کے انداز میں نکلا تھا۔

”عبدالرحمٰن......“ بادل ایک بار پھر زور و شور سے گرج رہے تھے۔

❁......❁......❁

کتنی دیر وہ اپنے خون آلود ہاتھوں کو دیکھ دیکھ کر روتا رہا تھا زخمی ہاتھوں کو پھر شیشے کی میز پر مارتا مگر ہر بار کی تکلیف پر بھی وہ تکلیف دل اور ضمیر کی اس تکلیف پر حاوی نہ ہو پا رہی تھی جو اسے لمحہ لمحہ مارے دے رہی تھی۔ فخر و زعم کا وہ بت اس کے سامنے پاش پاش ہوا پڑا تھا جس کی نمو اس کی ماں کے ہاتھوں ہوئی تھی اور جس کی آبیاری ان ماں بیٹے نے عمر بھر کی تھی یہ بات بھول کر کہ تکبر صرف اس پاک ذات کی چادر ہے اور اسی پر جچتی ہے جس ہستی کو دیکھ کر وہ جیتا تھا جس کے سامنے ہر قسم کا دکھ بیان کر کے وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا تھا۔

آج اس معصوم پھول جیسی کلی کو اسی زعم میں اس نے مسل دیا تھا جس پل اس پر چھایا نفس کا خمار چھٹا وہ پورے قد سے نیچے

آن گری تھی اسے دیکھے' سنبھالے بغیر وہ برستی بارش میں وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔

''اے میرے اللہ میں کس کس سے معافی مانگوں گا' مجھے تو اس نے کئی لوگوں کو ٹھکرا کر اپنا راہبر جانا تھا۔ میں ہی اس نازک سی لڑکی کے لیے راہزن بن گیا' ہر اس پل اس نے مجھے خبردار کرنا چاہا' نفس نامی بلا سے بچانا چاہا جو ہر لمحہ انسان کے ایک غافل پل کو چور راستہ بنا کر اسے پچھاڑ ڈالتی ہے۔'' اس نے ایک بار پھر اپنے زخمی ہاتھوں کو زور سے ٹوٹے شیشے پر مارا اور زار و قطار رونے لگا۔ ایک گناہ اسے پاگل کرنے کا' دوسرا جرم یہاں آ کر چھپ کر بیٹھ جانے کا۔

''میں جاؤں گا' مجھے ہی اسے سمیٹنا ہے' اس کے پاؤں پڑ کر معافی مانگوں گا۔ میں...... میں آج ہی اس سے نکاح کروں گا' ایسے اسے زندہ درگور نہیں ہونے دوں گا۔'' خود فراموشی کے اس عالم میں شعور نے ایک نئی راہ سجائی تو وہ تیز تیز قدموں سے جانے پہچانے راستوں کو طے کرنے لگا' پوری زندگی میں ایک بھی نماز نہ قضا کرنے والا عبدالرحمٰن عمر بھر کی ریاضت کو قضا کر آیا تھا۔ گھڑی پر ٹائم دیکھنے پر پتا چلا کہ وہ خونی سیاہ رات اختتام پذیر ہونے کو تھی۔

رات کو وہ عشاء کی نماز پڑھ کر نکلا تھا اور اب فجر کی اذانوں کی گونج ہر سو ایک عجیب سحر طاری کر رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے اس فجر سے خوف آیا' اس بلاوے سے خوف آیا' اللہ کی پکڑ سے خوف آیا۔ دل تیز تیز دھڑک کر کسی انہونی کا پتا دے رہا تھا۔ ایمبولینس کے تیز سائرن اس کی ساری توانائی نچوڑ کر لے گیا' وہ سانس روکے وہیں رک گیا۔

''میرا گناہ تو سنگسار کیے جانے سے بھی بڑا ہے' مجھے ہزار بار تیری سزا قبول ہے میرے مالک...... مگر برے وقت کی جو آہٹ میں سن رہا ہوں' وہ صرف اندیشہ ہو سچ نہ ہو۔ خطائیں بخشنے والے میری خطا کو درگزر کردے۔'' زبان پر کچھ کہنے کی تاب نہیں تھی مگر دل تھا کہ معافی کے سجدے پر سجدے کر رہا تھا۔ تھوڑا آگے آنے پر اپنے محلے میں اسی ستمگر کے گھر کے آگے رکی ایمبولینس اس میں سے ڈیڈ باڈی نکالتا ہسپتال کا عملہ عائشہ کے ننھیال کے نڈھال سے مرد' دروازے میں بین کرتی مامی' اسے لگا کسی نے اس کی گردن کے گرد پھندا ڈال کر کسنا شروع کر دیا ہو۔

''اللہ معاف کرے ایسی ناگہانی سے' جوان جہان بچی تھی بے چاری' اچانک ہی بلڈ پریشر ہائی ہوا اور دماغ کی شریان پھٹ گئی۔''

''بس جی قیامت کی نشانیاں ہیں یہ سب' پہلے موت عمر رسیدگی اور بیماری پر ہوتی تھی اب تو زندگی سستی ہے' موت ہے کہ نہ جوان دیکھ رہی ہے نہ بچہ' سنا ہے بچی کی شادی طے تھی اگلے ماہ۔''

''شریف عوت ہے ملک صاحب کی بیوہ...... عمر بھر دنیا کے جھمیلوں سے بچا کر رکھا بچی کو' اب آخری عمر میں جب اس کی خوشیاں دیکھنے کا وقت آیا داغ مفارقت دے گئی ماں کو۔ واہ میرے مالک' کیا کیا مصلحت کے راز تو نے پوشیدہ رکھے ہیں ہر کام کے پیچھے۔'' محلے کے لوگ جمع تھے ہر زبان اپنی ہی بات الاپ رہی تھی اس نے اپنے گلے کے گرد سے وہ نادیدہ پھندہ ہٹانا چاہا پھر نجانے کیا ہوا کہ اس کے قدم واپسی کی طرف مڑنے لگے۔ ہوا کو زیادہ سے زیادہ اپنے اندر لینے کی کوشش میں اس نے مدد طلب نظروں سے آسمان کی طرف دیکھا' گھٹن شدید سے شدید تر ہو رہی تھی۔

''مولوی رومینس...... تمہیں اب گھر جانا چاہیے' جتنے بھی پارسا صحیح عبدالرحمٰن ہو تو نامحرم ناں میرے لیے...... چادر تو لیتی ہوں عبدالرحمٰن عبایا اور حجاب کی ابھی عادت نہیں ہے مجھے مگر تمہاری محبت میں یہ بھی کر گزروں گی۔'' اس خوب صورت آواز نے اس کے گرد شکنجہ کسنا شروع کیا جو اسے کبھی نہیں سنائی دینے والی تھی' یہ سوچ کر وہ آخری دموں پر آ گیا کہ اب وہ من موہنی صورت منوں مٹی تلے چلی جائے گی۔ تیز تیز دوڑتا وہ ٹھوکر کھا کر گرا اور ہوش و حواس سے عاری ہو گیا۔

توازن ہی کائنات کا اصول ہے' توازن ہی میں زندگی کا حسن ہے۔ اسی سے چیزوں میں ترتیب آتی ہے' اسی سے زندگی میں حسن ہے' انتہا پسندی اور شدت ہر چیز کو برباد کرتی ہے' رویوں' جذبوں' چیزوں کو اور کبھی کبھی زندگی کو بھی۔ عبدالرحمٰن آج بھی اس ایک پل کی غفلت کی معافی کی تلاش میں قریہ قریہ بھٹک رہا تھا۔

کوئی بتلاؤ کہ

راشدہ رفعت

مجھے تو نہیں ہے، مگر یہی سچ ہے
میں تیرے واسطے عمریں گزار سکتا ہوں
یہی نہیں کہ تجھے جیتنے کی خواہش میں
میں تیرے واسطے خود کو بھی ہار سکتا ہوں



کچھ عرصہ پہلے اس نے ایک کہاوت پڑھی تھی جس کا مفہوم تھا' جب بچہ پیدا ہوتا ہے اسی وقت ماں پیدا ہوجاتی ہے آسان سی بات ذرا مشکل سے اس کی سمجھ میں آئی لیکن جب مفہوم سمجھ آ گیا تو بے ساختہ مسکراہٹ بھی ہونٹوں پر رینگ گئی چند مہینوں کی بات تھی وہ خود بھی ماں کے درجے پر فائز ہوجاتی۔ فی الحال وہ ماں بننے کے مفہوم سے ناآشنا تھی' احمد کو جب اس نے یہ کہاوت سنائی تو اس نے ہنستے نیا نکتہ نکالا۔

''لو یہ کیا بات ہوئی بھئی جس وقت ماں پیدا ہوتی ہے اسی وقت باپ کا رشتہ بھی تو جنم لیتا ہے۔'' وہ شوہر کی بات سن کر مسکرادی اور اس دن کے بعد احمد نے تو جیسے اس کی چھیڑ ہی بنالی تھی۔

''ہاں بھئی بیوی ہم دونوں کی ازسرنو پیدائش میں اب کتنا وقت رہ گیا۔'' وہ کبھی ہنس دیتی اور کبھی ان کو گھور کر رہ جاتی لیکن جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا اس کا دل انجانے خدشوں سے لرزتا رہتا۔ گھر میں کوئی بڑا بزرگ موجود نہ تھا' احمد اس کے خالہ زاد تھے۔ ایمان اور احمد کی شادی سے کچھ عرصہ پہلے ہی خالہ کا انتقال ہوگیا تھا' دو خالہ زاد بہنیں بیرون ملک رہائش پذیر تھیں خود ایمان کی امی' بابا راہی عدم سدھار چکے تھے۔ بہن بھائی شادی شدہ تھے اور اپنی اپنی زندگیوں میں مگن۔ احمد کی جاب کی وجہ سے وہ اپنے آبائی شہر سے بھی دور تھی ورنہ ہوسکتا تھا بچے کی پیدائش سے کچھ عرصے پہلے کوئی بہن ہی اس کے پاس آجاتی۔ بہت دنوں کے لیے اتنی دور آنا کسی کے لیے ممکن نہ تھا' ہاں ٹیلی فون پر سب ہی اسے حوصلہ دیتے رہتے پھر بھی ذہن الٹی سیدھی سوچوں کی زد میں گھرا رہتا۔ شروع شروع میں جب وہ احمد سے اپنے خدشات شیئر کرتی تو وہ پوری توجہ سے اس کی اوٹ پٹانگ باتیں سنتا اور پھر بہت محبت سے اسے تسلی دیتا۔

''دراصل ماں بننے کا تمہارا پہلا تجربہ ہے ناں اسی لیے اتنا گھبرا رہی ہو بلکہ شاید پہلی بار ہر عورت ہی اتنا ہی نروس ہوتی ہوگی لیکن تم ایسی ویسی سوچوں کو ذہن میں آنے سے پہلے ہی جھٹک دیا کرو۔ اللہ کرم کرے گا' ان شاء اللہ سارے مرحلے بخیر وخوبی نمٹ جائیں گے۔''

کئی دنوں تک تو اسی نوعیت کے تسلی دلاسوں کا سیشن چلتا رہا لیکن پھر احمد اس کے اوٹ پٹانگ سوالوں سے زچ ہونے لگے۔ رات کو وہ بات شروع ہی کرتی تو احمد اس کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں دیکھ کر سمجھ جاتے کہ وہ کیا کہنے والی ہے' آفس سے لائی فائل کو سائیڈ پر رکھ کر وہ بیوی کی طرف متوجہ ہوتے۔

''یہ ہی پوچھنا چاہ رہی ہو کہ اگر دوران ڈلیوری تم انتقال فرما گئیں تو میں کیا کروں گا؟'' وہ جانے کیسے اس کے دل کی بات پاجاتے اور ایمان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے۔

''بیوی میں ہر جمعرات کو تمہاری قبر پر فاتحہ پڑھنے آیا کروں گا پکا پرامس۔'' وہ پھر سے فائل اٹھا کر کھول لیتے' ایمان خفگی سے انہیں گھورنے لگتی۔

''اچھا بابا ہر جمعرات کے بجائے میں روز رات کو قبرستان کا چکر لگالیا کروں گا' آج کل وزن ویسے بھی بڑھ رہا ہے اس بہانے واک بھی ہوجائے گی بلکہ اکیلے جاتے ہوئے تو بور ہوجاؤں گا اگر نئی دلہن مانی تو اسے بھی کمپنی کے لیے ساتھ لے جایا کروں گا۔'' وہ سنجیدگی سے مخاطب ہوتے۔

''تو آپ دوسری شادی بھی کریں گے؟'' صدمے کے مارے ایمان کی آواز گھٹ کر رہ گئی۔

''مجبوری ہے یار تم نے مرنے کا پکا پروگرام جو بنالیا ہے۔'' وہ شرارتی انداز میں مسکرا کر کہتے' ایمان ناراض ہوکر منہ پھلالیتی۔

آخر بمشکل وقت بھی کٹ ہی گیا اور ایک روشن صبح جب اس نے گل گوتھنے سے ریان کو جنم دیا تو ساری پریشانیاں اور واہمے جیسے بھاپ بن کر اڑ گئے۔ لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی کہ مشکل وقت بیت گیا اصل مشکل مرحلہ تو ریان کو سنبھالنے کا تھا' اللہ جانے وہ اتنا کیوں روتا تھا سامنے والی فہمیدہ خالہ جب اسے ریان کو سنبھالنے کی کوشش میں ہلکان ہوتے دیکھتیں تو ہنس پڑتیں۔

''بچہ پیدا کرنا آسان ہے بیٹا اور پالنا بہت مشکل۔''

''کوئی ایسی ویسی مشکل خالہ...... میری تو مت ماردی ہے اس منے میاں نے۔'' وہ خالہ کی بات کی تائید کرتے ہوئے بولی۔

''گھٹی وغیرہ تو دے رہی ہو ناں اسے؟'' فہمیدہ خالہ

نے پوچھا۔
''نہیں خالہ...... ڈاکٹر نے ایسی چیزوں سے سختی سے منع کیا ہے۔'' اس نے سادگی سے بتایا۔
''اے لو ڈاکٹروں نے منع کیا اور تم مان گئیں' یہ ڈاکٹر لوگ اپنے آپ کو بہت افلاطون چیز سمجھتے ہیں' اسی لیے تو بچہ بے چارہ بلک بلک کے روتا ہے۔ پیٹ میں درد ہوتا ہوگا بے چارے کے' خیر تمہارا بھی کوئی قصور نہیں کوئی بڑا بوڑھا سر پر ہو تو کچھ بتائے سمجھائے۔ میں گھر جا کر اپنے پوتے کے ہاتھ خالی شیشی بھیجتی ہوں احمد کو نام بتا کر منگوا لینا۔ ہمارا تو بچوں کا گھر ہے ایسی سو طرح کی چیزیں ہر وقت موجود ہوتی ہیں۔'' فہمیدہ خالہ نے کہا اور اپنے کہے کے مطابق جاتے کے ساتھ ہی پوتے کے ہاتھ گھٹی کی خالی شیشی بھجوا دی۔ ایمان نے بھی اسی وقت احمد کو فون کر کے تاکید کر دی کہ آفس سے واپسی پر گھٹی لیتے آئیں' احمد لے بھی آئے لیکن اس رات ریان معمول سے بھی زیادہ رویا تھا۔
''تم مانو نہ مانو یہ اسی گھٹی کا فتور ہے۔'' احمد بیوی پر خفا ہوئے۔
''آخر فہمیدہ خالہ بھی تو اپنے پوتے پوتیوں کو یہ ہی گھٹی دیتی ہیں اور ماشاء اللہ کیسے صحت مند بچے ہیں۔ اب ریان کو راس نہیں آئی تو بے چاری فہمیدہ خالہ کا کیا قصور انہوں نے تو نیک نیتی سے ہی مشورہ دیا تھا۔'' ایمان نے فہمیدہ خالہ کی سائیڈ لی' احمد بھی چپ ہوگئے۔
ایمان کی بات غلط نہ تھی لیکن ایک فہمیدہ خالہ پر کیا موقوف آئندہ آنے والے دنوں میں ہر کس و ناکس نے اسے ناتجربہ کار جانتے ہوئے ''نیک نیتی'' کے مشوروں کی بھرمار کر دی۔ اسے سمجھ نہ آتا کس کا مشورہ مانے اور کس کا نہ مانے کس کی بات پر یقین کرے اور کس کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دے۔
ریان دس دن کا ہی ہوا تھا کہ احمد کی دور پرے کی پھوپی بیٹے کی مبارک باد دینے ان کے ہاں تشریف لائیں۔
''ناک نقشہ تو بالکل باپ پر گیا ہے۔'' پھوپی ریان کو لے کر اس کے نقوش کا تفصیلی معائنہ کر رہی تھیں' ایمان موقع غنیمت جان کر واش روم میں گھس گئی یہ چھٹانک بھر کا بچہ اتنا مصروف رکھتا تھا کہ اسے ڈھنگ سے ہاتھ' منہ دھونے کی فرصت بھی میسر نہ آتی تھی۔ اب بھی اس نے دانت برش کرنے کا سوچا' واش روم کا دروازہ کھلا ہی تھا پھوپی نے جب اسے دانت برش کرتے دیکھا تو اپنی کراری آواز میں ٹوکا۔
''اے دلہن باؤلی تو نہیں ہوگئی' بچہ ابھی دس دن کا بھی نہیں ہوا اور تم دانت مانجھنے کھڑی ہوگئیں۔ بچہ جننے کے بعد عورت کا جوڑ جوڑ اپنی جگہ سے ہل جاتا ہے' یہ برش رگڑو گی تو بتیسی ہاتھ میں آجائے گی۔'' انہوں نے کیا خوفناک منظر کشی کی' ایمان نے بھی فوراً کلی کر لی تھی۔
''سوا مہینے تک تو دلہن ہر طرح کا پرہیز ہوتا ہے' اگر دانت صاف ہی کرنے ہیں تو یہ مواپیسٹ یا کوئی دانتوں کا منجن انگلی پر لگا کر ہولے ہولے دانت صاف کر لیا کرو مگر یہ ٹوتھ پیسٹ برش پر لگا کر نہیں رگڑنا۔'' انہیں ایمان کی فرماں برداری پسند آئی تھی اس لیے اس بار نرم لہجے میں سمجھایا تھا' ایمان اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

''ہائے اللہ باجی...... یہ آپ کیا کر رہی ہیں۔'' وہ اس روز ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی بالوں کی چوٹی بنا رہی تھی جب صغریٰ (ملازمہ) نے ایک دم اسے ٹوکا۔
''نظر نہیں آرہا بال بنا رہی ہوں۔'' اس نے صغریٰ کو گھورا۔
''نہ باجی جی' سوا مہینے تک شیشہ نہیں دیکھتے' چہرے پر چھائیاں پڑ جاتی ہیں۔'' اس نے بہت مدبرانہ انداز میں سمجھایا۔
''آئینہ نہ دیکھوں تو کنگھا چوٹی احمد سے کرواؤں کیا......؟'' وہ جھنجلائی تو صغریٰ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
''احمد بھائی جان سے کیوں جی' میں ہوں ناں' ذرا کاموں سے فارغ ہو جاؤں پھر آپ کے سر میں تیل لگا کر چوٹی بنا دوں گی۔ آپ نے تو جی نہ کسی مالش والی کو لگایا نہ سر میں تیل لگاتی ہیں ایسے تو دماغ بھی خشک ہو جائے گا۔''
''اچھا ٹھیک ہے اب کھڑے کھڑے باتیں نہ بناؤ' کام نمٹاؤ پھر لگا دینا سر میں تیل۔'' اس نے صغریٰ کا مشورہ مان لیا تھا شاید وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی اسے یاد تھا جب اس کے میکے میں بھابی کے ہاں پہلا بچہ ہوا تھا تو پڑوس کی ماسی جنتے بھابی کی مالش کرنے بلا ناغہ آتی تھی۔ کتنی دیر تک وہ

بھابی کے مالش کرکے ان کا جسم دباتی تھی اور سوا مہینے تک بھابی کا سر بھی تیل سے چپڑا ہی رہتا۔

''میرے جسم میں اسی لیے تو درد نہیں رہنے لگا کہ میں نے کسی مالش والی کا بندوبست ہی نہیں کیا۔ چلو یہ صغریٰ ہے ناں اسی کو اضافی پیسے دے کر تیل' مالش کروالیا کروں گی۔''

ایمان نے دل میں فیصلہ کیا تھا پھر صغریٰ کی اگلی بات یاد آئی تو ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں چہرے کا بغور جائزہ لیا۔ جھائیاں تو نہ نظر آئیں لیکن کم خوابی کی وجہ سے آنکھوں کے گرد حلقے نمایاں تھے۔

''توبہ ہے میں کس کی باتوں کو سیریس لے رہی ہوں۔'' ایمان نے دل ہی دل میں خود کو ڈپٹا۔

تین چار دن بعد کی بات تھی وہ ریان کو سلا کر نہانے کے لیے واش روم میں گھسی ہی تھی کہ پڑوس سے حنا باجی ملنے چلی آئیں۔ صغریٰ انہیں ایمان کے بیڈ روم میں ہی لے آئی' حنا باجی کافی ہنس مکھ خاتون تھیں۔ ایمان کی ان سے اچھی گپ شپ تھی ان کے سیل فون کی چنگھاڑتی ہوئی رنگ ٹون سے ریان ڈر کر جاگ گیا اور حلق پھاڑ کر رونے لگا۔ حنا باجی اسے بے بی کاٹ سے نکال کر چپ کروانے کی کوشش کرنے لگیں' ایمان جلدی سے نہا کر باہر نکلی تھی۔

''لائیں باجی اسے فیڈ کروا دوں ایسے چپ نہیں ہوگا۔'' اس نے ان کی گود سے ریان کو لینا چاہا۔

''ارے پہلے ذرا بال تو تھوڑے سے خشک ہو لینے دو' گیلے بالوں کے ساتھ فیڈ نہیں کرواتے۔'' حنا باجی نے ریان کو تو اسے دے دیا مگر ساتھ ہی فیڈ کروانے سے بھی منع کردیا۔

''اتنا رو رہا ہے باجی......'' وہ بے چارگی سے گویا ہوئی۔

''اچھا چلو اللہ کا نام لے کر پلادو لیکن آئندہ احتیاط کرنا' ایسے بچے کو ٹھنڈ لگ جاتی ہے چندا۔'' انہوں نے پیار سے سمجھایا' ایمان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ریان کچی نیند سے جاگا تھا' دودھ پی کر پھر سے سوگیا' ایمان نے احتیاط سے اسے بی بی کاٹ میں لٹایا پھر پیاس محسوس ہوئی تو سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ میں سے گلاس میں پانی انڈیلا پھر غٹاغٹ پی گئی تھی۔

''اتنا پانی......اس طرح تو تم اپنے فیگر کا ستیاناس کرلو گی ایمان۔'' حنا باجی نے انتہائی پُرتفکر لہجے میں اسے مخاطب کیا' وہ ہکا بکا سا ہو کر ان کی شکل دیکھنے لگی۔

''ڈلیوری کے بعد مہینہ' دو مہینے تک پانی بہت کم پینا چاہیے ورنہ پیٹ بڑھ جاتا ہے۔'' حنا باجی نے اس کی

کچھ خوشیوں کے پل آئے
کچھ غم سنگ آئے
کچھ نئے راستے ملے
اس سال بھی
یقین کے موتی پروئے
خوابوں کے نگر گئے
دسمبر آیا تو......
بیتے پل یاد آئے

شفقت شاہین......کھوکھر بالا

''نیا سال''

جانیں جاں
یہ بھیگا اداس سا دسمبر
الوداع کہہ رہا ہے
نئے سال کی نوید دے رہا ہے
ٹھنڈی میٹھی ہواؤں میں
بھیگی یہ جنوری
نئے سال کے آنے پر
تمہیں بلا رہی ہے
کہ لوٹ آؤ ہم مل کہ
یہ دعا کریں
کہ اے خدائے برگ وگل
اس نئے سال کی دہلیز پر
ہماری مسکراہٹیں' ہماری محبتیں سچی ہوں
نفرتوں کا کوئی بھی کانٹا
نہ دل میں کہیں موجود ہو
بس چاہتوں سے بھرپور
زندگی ہو
کہ لوٹ آؤ
تمہیں یہ نیا سال بلا رہا ہے

نوشین انجم......حاجی شاہ

حیرت بھانپ کر بتایا۔

''لیکن مجھے تو فیڈ کروا کر بہت پیاس لگتی ہے۔'' وہ بے چارگی سے گویا ہوئی۔

''وہ تو ہر کسی کو لگتی ہے بھئی مگر اپنی اسمارٹنس کے لیے یہ قربانی تو دینی پڑتی ہے۔ مرد خود جتنا مرضی موٹا ہو جائے بیوی اسے سلم اسمارٹ ہی اچھی لگتی ہے۔'' وہ مسکرا کر بولیں' ایمان ان کے کہنے پر خاموش رہی تھی لیکن احمد سے اس نے ضرور پوچھا۔

''آپ کو موٹی عورتیں کیسی لگتی ہیں احمد......؟''

''ہائیں یہ کیا سوال ہوا' موٹی عورتیں موٹی ہی لگتی ہیں بھئی۔'' اخبار پڑھتے ہوئے انہوں نے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

''افوہ...... میں یہ پوچھ رہی ہوں آپ کو موٹی عورتیں اچھی لگتی ہیں یا اسمارٹ؟'' اس نے سوال کی وضاحت کی' احمد نے ذرا غور سے اسے دیکھا' جانے اس کے دماغ میں کیا تھا۔

''مجھے اسمارٹ عورتیں اچھی لگتی ہیں بالکل تمہارے جیسی۔'' اپنی دانست میں انہوں نے اس کی تشفی کروائی تھی' ایمان چپ ہوگئی۔ اس دن سے اس نے حنا باجی کا مشورہ مانتے ہوئے دن میں پانی بہت کم پینا شروع کردیا نتیجہ بلڈ پریشر لو ہونے کی صورت میں نکلا تھا' شکر ہے احمد اس روز گھر پر تھے شدید چکروں کی وجہ سے اس کی حالت غیر ہوتے دیکھی تو فوراً اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔

''پریشانی کی کوئی بات نہیں احمد صاحب...... ایک تو آپ کی مسز پہلے ہی دھان پان سی ہیں' فرسٹ بے بی ہے' بی پی لو ہو رہا ہے۔ آپ اپنی ڈائٹ پر توجہ دیں' دودھ لیں' فروٹ کھائیں اور زیادہ سے زیادہ پانی پئیں۔'' ڈاکٹر نے پہلے احمد کی پریشانی دیکھ کر اسے تسلی دی تھی اور پھر ایمان کو مخاطب کیا۔

''زیادہ سے زیادہ پانی؟'' اس نے حیران ہو کر ڈاکٹر کو دیکھا اور اس کی حیرانی ڈاکٹر سے چھپی نہ رہ پائی۔

''آپ دن میں کتنے گلاس پانی پیتی ہیں مسز احمد؟'' ڈاکٹر نے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''ڈیڑھ یا دو گلاس......'' ڈاکٹر کی نگاہوں سے خائف ہوتے ہوئے اس نے اٹک اٹک کر بتایا۔

''او مائی گاڈ......! ڈیڑھ سے دو گلاس' بی بی اپنے اور اپنے بچے پر رحم کریں۔ دودھ پلانے والی ماؤں کو زیادہ سے زیادہ پانی پینا چاہیے۔ جوسز اور دودھ بھی جتنا زیادہ پی سکتی ہیں پئیں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے آج کل کی پڑھی لکھی بچیاں اتنا سینس نہیں رکھتیں۔'' ڈاکٹر نے ناراضگی سے کافی ڈانٹ ڈپٹ کی تھی' ڈاکٹر کی ڈانٹ تو اس نے خاموشی سے سن لی لیکن گھر آ کر جب احمد اس کی کم عقلی پر خفا ہوئے تو وہ روہانسی ہوگئی۔

''میں کیا کروں احمد...... مجھے حنا باجی نے کہا تھا کہ زیادہ پانی پینے سے پیٹ بڑھ جاتا ہے' میرا پہلا تجربہ ہے ناں اس لیے ہر کسی کی باتوں پر یقین کرلیتی ہوں جس کو دیکھو مجھے مشورہ دینے بیٹھ جاتا ہے۔ سمجھ نہیں آتا کس کی بات سنوں' کس کی نہ سنوں شاید میں ہر کسی کو شکل سے بے وقوف لگتی ہوں جیسے مجھے کسی بات کا نہیں پتا اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے واقعی کچھ نہیں پتا۔ جب سے ریان ہوا ہے میں تو عجیب کنفیوژن میں مبتلا ہوں۔'' وہ بے چارگی سے بولی' احمد اس کی کیفیت سمجھ سکتے تھے' ذرا سا مسکرائے۔

''اچھا ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں' یہ صرف تمہارے ساتھ ہی نہیں ہو رہا۔ ہماری قوم کی عادت ہے' ہر معاملے میں دوسروں کو مفت مشورہ دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لوگوں کے خلوص اور نیک نیتی پر شبہ نہیں کرنا چاہیے لیکن بات اسی کی مانو جو آپ کے دل کو لگے۔'' احمد نے اسے رسانیت سے سمجھایا تھا اور اس بار بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

وقت گزرتے کب دیر لگتی ہے' ریان کے دو سال بعد حریم اور حریم کے تین سال بعد انوشے اس کی گود میں آ گئی تھی اب وہ خود تجربہ کار ماں کے عہدے پر فائز ہو چکی تھی۔ چھوٹا بچہ سنبھالنا قطعاً مسئلہ نہ لگتا تھا بلکہ اب وہ بچوں کی پرورش کے متعلق دوسروں کو مشورہ دینے کی اہل بھی ہو چکی تھی۔ پڑوس میں احمد کے کولیگ کی فیملی آ کر آباد ہوئی تھی بلکہ احمد نے ہی ذیشان کو یہ اپارٹمنٹ کرائے پر لینے میں مدد کی تھی' ذیشان جاب کی وجہ سے اپنی بیوی کے ساتھ یہیں رہتا تھا فیملی آزاد کشمیر میں بستی تھی۔ کچھ دن ہوئے علینہ اور ذیشان کے ہاں بچی کی پیدائش ہوئی تھی۔ علینہ کی بھابی تین چار دن اس کے پاس رک کر واپس چلی گئی تھی اب علینہ اکیلے بچی کو سنبھالنے میں ہلکان رہتی

تھی۔ ایمان کو کچھ ہی عرصے میں علینہ سے عجیب سی انسیت ہوگئی تھی کچھ احمد کی ہدایت تھی کہ وہ ذیشان کی بیگم کی خبر گیری کرتی رہے سو گھر کے کاموں سے فراغت پاکر وہ اکثر علینہ کے پاس چلی جاتی۔ اس روز بھی وہ علینہ کی طرف گئی تو اس کی بیٹی کا رو رو کر برا حال تھا اور علینہ اسے سنبھالنے کے چکر میں ہلکان تھی۔

''ایسے کیوں رو رہی ہے منی' خیر تو ہے؟'' اس نے بچی کو اپنی گود میں لے کر ہولے ہولے تھپکنا شروع کیا۔

''پتا نہیں ایمان بھابی...... دو دن سے ایسے ہی بلک بلک کر رو رہی ہے کل شام کو چائلڈ اسپیشلسٹ کے پاس لے کر گئے تھے اس نے پیٹ کے درد کے ڈراپس دیئے ہیں۔ چار چار گھنٹے کے وقفے سے دے رہی ہوں لیکن کوئی فرق نہیں پڑ رہا۔ آج ذیشان سے کہا ہے کہ دوسرے ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لے لیں۔'' علینہ روہانسی ہوکر بتا رہی تھی۔

''تم ہی کھانے پینے میں بداحتیاطی کر رہی ہوگی جو بچی کے پیٹ میں درد ہے ورنہ کیا وجہ ہوسکتی ہے۔'' ایمان نے اندازہ لگایا۔

''میں کیوں بداحتیاطی کرنے لگی' سادہ روٹی سالن ہی کھاتی ہوں۔'' علینہ نے سادگی سے بتایا۔

''روٹی سالن' اف اللہ...... تم تین وقت روٹی لیتی ہو۔'' اس نے علینہ کو گھورا' علینہ نے پریشان سی ہوکر اثبات میں گردن ہلائی۔

''بے وقوف لڑکی...... ابھی زیادہ تر نرم غذا لو' اتنی چھوٹی بچی ہے۔ تمہاری اور تم تین وقت روٹی کھا رہی ہو' دوپہر کو بھی حلوہ لیا کرو۔ کبھی نرم سی کھچڑی پکالیا کرو بلکہ میری مانو تو خوب دیسی گھی ڈال کر سوجی کا حلوہ بنالیا کرو۔ تمہاری کمزوری بھی دور ہوگی اور منی کا......''

''حلوہ وہ بھی دیسی گھی والا' میرے تو حلق سے ہی نہیں اترے گا۔'' علینہ نے بے بسی سے اس کی بات کاٹی۔

''بس پھر تم اپنی زبان کے چٹخارے پورے کرلو' بچی کے پیٹ میں اسی لیے تو اینٹھن ہوتی ہے۔ میری مانو تو سوا مہینے تک دن میں ایک چپاتی سے زیادہ مت کھاؤ' بھلے حلوہ یا کھچڑی سے پیٹ بھرے نہ بھرے۔ میری بات آزما کر دیکھ لو پھر کسی ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔'' اس نے وثوق بھرے لہجے میں کہتے ہوئے منی واپس علینہ کے سپرد کی۔ بچی رو رو کر اتنا ہلکان ہوچکی تھی کہ بغیر دودھ پیے ہی تھپکیوں سے سوگئی۔

''اور یہ تم نے منی کے سر کے ساتھ کیا کردیا' سر کی صحیح شیپ ہی نہیں بن رہی۔ شروع کے دو' ڈھائی مہینے ہوتے ہیں سر صحیح طور پر بٹھانے کے۔ اسے ہرگز کروٹ کے بل مت سلایا کرو بلکہ سوتے وقت سر کے نیچے کوئی گتہ یا سخت چیز رکھ دیا کرو۔'' اس نے علینہ کو ایک اور مشورہ سے نوازا تھا۔

''لیکن ڈاکٹرز تو کہتے ہیں کہ بچے کو کروٹ کے بل سلانے سے سانس آسانی سے آتا ہے۔'' علینہ نے اختلاف کرنے کی معمولی سی کوشش کی۔

''ارے ڈاکٹرز کی تو عادت ہوتی ہے ایسے شوشے چھوڑنے کی ان کی اپنی ماؤں نے کیا' ان کے سر کی صحیح شیپ کے لیے جتن نہ کیے ہوں گے۔ بچے کا سر پیچھے سے لمبوترا ہو تو کتنا عجیب لگتا ہے بچہ' میرے بچوں کو دیکھو' ریان اور حریم کی بار تو مجھے زیادہ محنت نہ کرنی پڑی تھی لیکن یہ انوشے......''

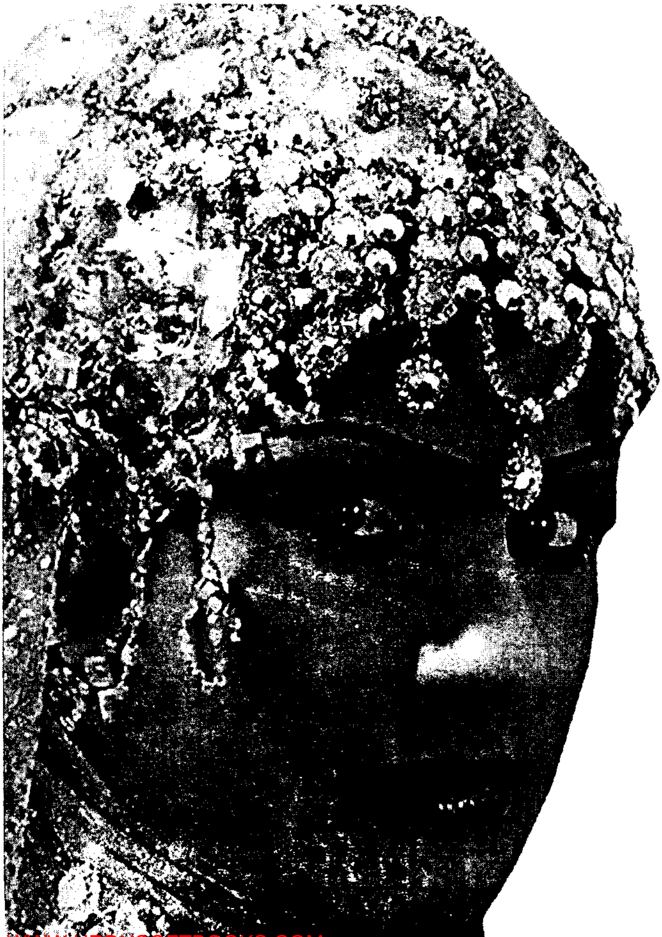
''ہائیں یہ انوشے کہاں چلی گئی......؟'' انوشے کا ذکر آنے کے ساتھ ہی اسے ڈھائی سالہ بیٹی کا خیال آیا جو اس کی انگلی پکڑ کر ساتھ آئی تھی اور اب جانے کہاں چلی گئی تھی۔

''او محترمہ پہنچ گئی تمہارے واش روم میں' نل چلانے کی کوشش میں مصروف ہوگی۔'' ایمان بیٹی کی آواز کا سراغ پاکر فوراً واش روم کی طرف لپکی اور پیچھے علینہ حیران پریشان ہوکر اپنی بچی کے سر کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔

آؤ پھول چنیں

صدف ریحان کیلانی

بعد مدت انہیں دیکھ کر یوں لگا
جیسے بے تاب دل کو قرار آ گیا
آرزوؤں کے گل مسکرانے لگے
جیسے گلشن میں جانِ بہار آ گیا



WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

"میں نے اسکول سے ریزائن کردیا ہے۔" چہرہ پونچھتی وہ لاؤنج میں آئی' گیلا تولیہ بے پروائی سے صوفے کی بیک پر ڈالا اور نہایت عام سے انداز میں اس نے حاضرین کو مطلع کیا' جبکہ ادھر اچھا خاصا اثر ہوا تھا۔ ہادیہ جو ابھی یونیورسٹی سے لوٹی تھی جوتے اتارتے اس کے ہاتھ وہیں تھم گئے' بغور اس نے بڑی بہن کے نکھرے' ستھرے' دھلے دھلائے شفاف چہرے کو دیکھا پھر یوں سر ہلایا گویا کہہ رہی ہو "یہ نہیں سدھرنے والیں۔"

دوسری طرف امی بھی اسکرین پر چلتے گرما گرم سیاسی اکھاڑے سے نظر ہٹا کر اسے دیکھنے پر مجبور ہوگئیں۔

"ہیں...... کیا ہوا...... کیوں دے آئیں ریزائن؟" وہ دونوں تو ابھی بول ہی نہ پائی تھیں کہ ببلو کا فیڈر ہلاتی بوکھلائی ہوئی علینہ کچن سے نکلی۔

"بس دے آئی۔" وہ دونوں پاؤں اوپر کیے صوفے پر چڑھا کر بیٹھ گئی' ایک ناگوار نظر اسکرین پر ڈالی اور اگلی للچائی ہوئی امی کے ہاتھ میں دبے ریموٹ پر۔

"مگر پھر بھی ہوا کیا؟" علینہ نے فلور کشن پر ایڑیاں رگڑ کر روتے ببلو کے منہ سے فیڈر لگایا اور خود پاس ہی ٹک گئی۔

"بس دل اکتا گیا تھا میرا۔" وہ خود کو حد درجہ پُرسکون ظاہر کررہی تھی اور اس میں یہ دریائی صفت تو بچپن سے ہی تھی اندر جو بھی اکھاڑ پچھاڑ مچی ہو مگر سطح پر ہل چل نہ آنے دیتی۔

"یہ تو اچھی بات نہیں ہے' پچھلے اسکول میں بھی تم نے بمشکل تین ماہ لگائے' وہاں تو چلو بچے زیادہ تھے تمہارے ذمہ پھر وہ توقیر کے دوست بھی تھے تو اچھا کیا چھوڑ دیا مگر یہاں تو بہت مطمئن تھیں تم' اچھا سلسلہ چل پڑا تھا نہ زیادہ مشقت نہ زیادہ بچوں کی چیخ پکار پھر میڈم بھی اتنی ڈیسنٹ سی ہیں دونوں۔ اسکول کا ماحول بھی اس قدر بہترین' پے بھی ٹھیک ٹھاک مل رہی تھیں تو پھر کیا وجہ بنی' کیا لڑائی ہوگئی کسی سے؟"

"کسی سے لڑائی نہیں ہوئی میری' سب ہی بہت اچھے ہیں بس ایک میں ہی بری ہوں اور بے فکر رہو تمہارے میاں سے خرچہ نہیں مانگوں گی۔ حد ہوگئی ایک بات کے پیچھے ہی پڑجاتی ہو۔" علینہ کی مسلسل جرح اسے ناچاہتے ہوئے بھی بولنے پر اکسا گئی۔ تڑخ کر کہتی واک آؤٹ کرگئی' امی نے گھور کر اسے جاتے دیکھا' ہادیہ اسی انداز سے سر ہلا رہی تھی جبکہ بے چاری علینہ کا رنگ سفید پڑ گیا کئی لمحے تو اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔ ببلو کے منہ سے فیڈر نکل گیا تھا وہ پھر سے ایڑیاں رگڑ رہا تھا' اس نے خود کو سنبھالا۔

"دیکھ رہی ہیں پھوپو اسے' میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا جو اسے اتنا برا لگا۔ آپ کو پتا ہے ناں توقیر تو پہلے بھی اس کی جاب کے حق میں نہیں تھے اس کی ضد کو دیکھتے ہوئے کتنی دقتوں سے منایا تھا میں نے انہیں۔ وہ تو اس کی پہلی جاب چھوڑنے پر ہی سیخ پا ہوئے تھے کہ جب اتنا حوصلہ ہے ہی نہیں تو پھر نکلتی کیوں ہے گھر سے' تب ان کی اپنے دوست سے بھی اچھی خاصی ان بن ہوئی۔ اچھا بھلا آدمی تھا وہ' پر اسے ہی شوخا لگا تھا۔ اللہ جانے آج کیا مسئلہ بنا ہے وہاں' مجھے تو فکر ہے کہیں لڑ ہی نہ پڑی ہو کسی سے' غصہ بھی اتنا آتا ہے اسے۔" علینہ حقیقتاً پریشان ہوگئی تھی' سر تو امی نے بھی پکڑ لیا تھا۔

یہ نہیں تھا کہ وہ اب ایسی ہوگئی تھی وہ تو شروع سے ہی ایسی تھی' ہمیشہ سے صاف گو' سیدھی بات کرنے والی' کسی سے بھی اور کسی مقام پر بھی گھبرانا اس کی فطرت ہی نہ تھی۔ خلاف مزاج بات ہو یا رویہ اس سے برداشت ہی نہ ہوتا۔ پہلے تو سب اس کی ان اداؤں کو غیر معمولی ذہانت پر محمول کرتے اور بلاشبہ ذہین تو وہ تھی۔ اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک اچھے گریڈز لیتی رہی تھی۔ نصابی سرگرمیوں کے علاوہ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی ہر بار ٹاپ آف دی لسٹ ٹھہرتی' اسے نئے نئے میدان سر کرنے کا شوق تھا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب عمل کا سوچا تو پہلی بار توقیر بھائی کے خلاف کھڑے ہوگئے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا' جاب کرکے تم دنیا کو یہ بتانا چاہتی ہو کہ بھائی تمہارے سر پر ہاتھ نہیں رکھتے۔" کبھی ٹیڑھی آنکھ سے نہ دیکھنے والے بھائی کے ایسے سخت الفاظ سیدھا دل میں ترازو ہوگئے' وہ حساس بھی خوب ہورہی تھی ان دنوں۔ ابھی صرف دو ماہ ہی تو ہوئے تھے کہ جان سے پیارے بابا نے چپکے سے آنکھیں موند لی تھیں۔ اس کی تو دنیا ہی اندھیر ہوگئی تھی جیسے گھنیری چھاؤں جیسے بابا دل کو ویران کرگئے تھے۔ اس کی ذات کو خوبیاں بخشنے والے بابا کی کمی جب اندر سے خالی کرنے لگی تو وحشتوں سے گھبرا کر اس نے مصروفیت ڈھونڈنا چاہی تھی۔ بابا نے تو کبھی کسی معاملے میں روک ٹوک نہ کی تھی' اولاد کی ہر من چاہی خوشی وہ کہیں سے بھی ڈھونڈ لاتے تھے اور اسے تو کبھی کمی نہیں ہونے دی تھی انہوں نے۔ وہ ان کی لاڈلی عنابیہ تھی' کیا بابا زندہ ہوتے تو اسے یوں روکتے۔ تب بھائی کا رویہ ازحد دکھی کر گیا جبکہ غلط تو وہ بھی نہ تھے' وہ اس سے نہ صرف عمر میں بڑے

تھے بلکہ تجربہ بھی رکھتے تھے۔ جانتے تھے یہ دنیا ہے اور دنیا وہ آری ہے جو دو اطراف دندانے رکھتی ہے، وہ تو ابھی ناواقف تھی اور ناتجربہ کار بھی۔ وہ اسے کڑی دھوپ سے بچانا چاہتے تھے مگر وہ پہلے کسی مقام پر پیچھے ہٹی تھی جو اَب ہٹ جاتی پھر اس کی ضد دیکھتے ہوئے دقتوں سے اجازت دی۔

جب اس نے پہلی جاب چھوڑی تب انہوں نے خوب لتے لیے پندرہ دن کے سکون کے بعد عنابیہ پھر نئی مہم پر نکل کھڑی ہوئی تھی اور تب بھی علینہ نے جیسے انہیں منایا وہی جانتی تھی سو اس کا اتنا فکر مند ہونا بنتا تھا یعنی اب پھر گھر میں ایک نئی معرکہ آرائی ہوگی، وہ بچے کو لیے وہاں سے چلی گئی۔

"آج کوئی کھانے پانی کو بھی پوچھے گا کہ بھوکا مارنے کا ارادہ ہے۔" وہ کمرے سے نکلی امی کی تیغ صفت نظریں اٹھیں۔

"تم نے تو پڑھ لکھ کر گنوادیا عنابیہ...... افسوس ہے مجھے اپنی تربیت پر، تمہارا تو مزاج ہی ساتویں آسمان پر چلا گیا ہے۔ ذرا بھی جو سمجھ داری رہی ہو تمہارے اندر، علینہ بڑی ہے تم سے، اس سے بات کرتے ہوئے ادب لحاظ ملحوظ رکھا کرو۔ تمہیں تو اپنے شوق سے فرصت نہیں، ہادیہ کو اپنی پڑھائی سے، پیچھے وہی سارا گھر سنبھالتی ہے اور تم دونوں کی بوڑھی ماں کو بھی۔ یہ موئی نوکری کا شوق تمہارا اپنا تھا ورنہ ہم تو تھے ہی نہیں اس حق میں، تمہارے سر پر بھوت سوار تھا اپنی صلاحیتیں آزمانے کا، خیر سے آزمالیں ہیں بہت۔ میرا خیال ہے اب خوب تسلی ہوگئی ہوگی تمہاری، اب اطمینان سے گھر بیٹھو اور گھر داری سیکھو، میں تو دن رات اللہ سے دعا کرتی ہوں کوئی اچھا گھرانہ ملے اور ٹھکانے لگاؤں تمہیں۔"

ایک تو ان کی ہر بات کی تان بھی تمام ماؤں کی طرح اسی ایک پوائنٹ پر آ کر ٹوٹتی تھی، خود چاہے ہزار مصیبتیں جھیل چکی ہوں مگر پھر بھی کتنا شوق ہوتا ہے ناں ماؤں کو بیٹی کو جلد از جلد ٹھکانے لگانے کا۔ وہ پاؤں پٹخ کر مڑی اور جانے لگی۔

"اب کہاں چلیں؟" امی نے ڈپٹ کر پوچھا۔

"اسکول...... تاکہ ریزائن واپس لے سکوں۔" زمانے بھر کا بھولپن اس کے چہرے پر سمٹ آیا تھا اور امی کو فوری طور پر ایسی کوئی چیز ہاتھ نہ لگی جو کھینچ کر اسے مار سکیں، ہادیہ بے اختیار ہنس دی۔

❁......❁......❁

سارا صحن رنگ رنگ کے کپڑوں سے اٹا پڑا تھا، بدلتے موسم کو دیکھتے ہوئے علینہ نے سب کے گرم کپڑے نکال کر دھو ڈالے تھے، صبح سے مسلسل ہوتی مشین کی گھرر گھرر میں نیند کیا خاک آنی تھی۔ وہ کمرے سے نکلی تو امی نے اپنا ناشتا بنانے کے ساتھ ساتھ کچن صاف کرنے کا آرڈر دے ڈالا، مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق وہ کچن سمیٹ کر مختصر سا ناشتا لیے صحن میں چلی آئی۔ جہاں پھیلی نرم گرم سی دھوپ نہایت سکون آمیز تھی، ایک تار سے کپڑے ہٹا کر اس نے دھوپ کا راستہ مزید کھولا اور چارپائی بچھا کر بیٹھ گئی۔

"ارے یہ تو بہت ہی اچھا کام کیا تم نے، ببلو کو بھی اپنے پاس بٹھالو اور ہاں اسے بھی کچھ کھلا دینا، صبح سے ایک فیڈر ہی پیا ہے بس۔" علینہ نے جو دیکھا تو لپک جھپک بچے کو اس کے حوالے کر گئی ایک نئے حکم نامے کے ساتھ چونکہ اس کی ببلو سے ہیلو ہائے بہت کم رہتی تھی سو وہ اس سے اتنا مانوس نہیں تھا اس کی شکل دیکھتے ہی پہلے تو اس نے ایک دلدوز چیخ ماری پھر جو بھاں بھاں شروع کی تو اسے بھی بوکھلا کر رکھ دیا، پھر تو کیا اور کہاں کا ناشتا۔

"توبہ ہے علینہ...... میری تو بہت فکر رہتی ہے تمہیں اپنے بچے کی تربیت تو ہو نہیں سکی تم سے۔ ایسا چالاک بچہ او ہو ارے بھائی چپ بھی کر جاؤ اب۔" اسے بہلانے کی کوشش میں ناکام ہو کر وہ بری طرح چڑی، کلاس میں سو پچاس بچے اس کی ایک للکار سے سہم جاتے تھے اور یہ اپنے ہی گھر کا بالشت بھر کا بچہ اس سے قابو نہیں ہو رہا تھا۔ یہ تو بے حد انسلٹنگ تھا، اب کیا کرتی اس کی ماں پر ہی غصہ نکلنا تھا جس سے ایک وقت کبھی اس کی خوب دوستی ہوا کرتی تھی تب عنابیہ کو اس کی معصومیت اٹریکٹ کرتی تھی اور علینہ کو اس کا شار پر ہونا انسپائر کرتا۔ جب توقیر بھائی کی شادی کا وقت آیا تو یہ اس کا ہی مشورہ تھا کہ علینہ ہی میری بھابی بنے گی توقیر جو پہلے ہی سب معاملات امی پر چھوڑے ہوئے تھا بنا چوں چرا اس فیصلے پر سر جھکا گئے اور خیر دوستی تو ان کے درمیان اب بھی تھی اس روز وہ خراب موڈ کے باعث اس سے سخت لہجے میں بات کر گئی تھی مگر پھر معافی بھی مانگ لی تھی۔ وہ ایسی ہی تھی دھوپ چھاؤں جیسی اور علینہ اس کی بات پر ہنس رہی تھی۔

"چھ ماہ کے بچے کی تربیت اُف...... یہ تو سچ ہے مجھ سے نہ ہوسکے گا۔ میں بھلا ایسی لائق فائق کہاں، ہاں تم میں اتنے گٹس ہیں تم کر سکتی ہو بھئی۔ آج ہی سے یہ کام شروع کرو، دعائیں دوں گی تمہیں۔" اور اس کا جی چاہ رہا تھا آنکھیں میچے پورا منہ

کھولے روتے اس فتنے کے گول گپوں جیسے گالوں پر دو دو لگا دے مگر مشکل یہ تھی ہاتھ اٹھنے سے قاصر تھا۔ وہ روتا ہوا بھی اتنا کیوٹ لگ رہا تھا کہ وہ بے اختیار اسے چومے گئی‘ علینہ مسکرا کر اپنے کام کی طرف متوجہ رہی۔

”لاؤ اسے مجھے دو‘ میں سنبھال لیتی ہوں۔ تم کچن میں جا کر ہانڈی چڑھا دو۔“ ببلو کے لیے سیری لیک بنا کر امی ادھر ہی چلی آئیں۔

”کیا......“ ان کی بات پر وہ ایسے اچھلی گویا چارپائی کے بان میں کرنٹ دوڑ گیا ہو۔

”ہانڈی چڑھانے کا کہا ہے‘ ہل چلانے کا تو نہیں کہہ دیا میں نے جو ایسے حواس باختہ ہوگئی ہو۔“ انہیں سخت ناگوار گزرا اس کا ردِعمل‘ وہ ان سے زیادہ چڑیں۔

”والدہ محترمہ ویسے آپ یہ اچھا سلوک نہیں کر رہیں میرے ساتھ‘ میں نے جاب چھوڑ کر کوئی سزا تو منتخب نہیں کر لی اپنے لیے۔ حد ہوتی ہے ظلم کی بھی‘ اس دن سے بہانے بہانے کچن میں ہی بھیجے جا رہی ہیں آپ‘ میں آپ کی بیٹی ہوں یا ماسی سمجھ رکھا ہے‘ کچھ تو خیال کریں۔ صبح برتن دھلوائے کچن صاف کروایا‘ ناشتا بھی میں نے اپنا خود بنایا‘ اب ہانڈی بھی پکا کر دوں‘ واہ بھی پھر آپ ارشاد فرمائیں گی چاول بھی پکالو پھر رات کا کھانا‘ برتنوں کی دھلائی آخر چاہتی کیا ہیں مجھ سے؟“

”صرف تمہارا بھلا چاہتی ہوں اگر آج کچھ سلیقہ آجائے گا تو کل کو وہ تمہارے ہی کام آئے گا۔ چلو اب زیادہ باتیں نہ بناؤ‘ ہانڈی پکاؤ جا کر۔“ اس کی دل سوز تقریر کے جواب میں ان کا انداز ناک سے مکھی اڑانے والا تھا‘ وہ ناچار اٹھی۔ ”اور ہاں سنو‘ آٹا بھی گوندھ ڈالو لگے ہاتھوں‘ تھوڑے سے چاول بھی بھگو دینا۔“

”پھر پتا ہے ناں ہادیہ کا‘ صرف روٹی کا سن کر ناک بھوؤں چڑھاتی ہے وہ‘ ایک تو میری اولاد کے نخرے۔ توبہ ہے بھئی‘ کس کو دیکھوں میں اور کس کو چھوڑوں۔“ امی جی جان اپنے پوتے کو کھلانے میں مشغول تھیں‘ بت بنی کھڑی بیٹی کو دیکھا ہی نہ تھا انہوں نے۔ علینہ سے ہنسی روکنا دوبھر ہو رہا تھا‘ دوپٹہ منہ پر رکھے بڑی مشکل سے حلق سے ابلتے قہقہوں کو روکے ہوئے تھی وہ‘ اگر جو عنابیہ کی نظر پڑ جاتی تو پھر کوئی شک نہ تھا کہ توپوں کا رخ اس کی طرف ہو جاتا۔

❁......❁......❁

نور مال میں زبردست سیل میلہ چل رہا تھا آج کل‘ ہر چیز بہترین و روایتی اور بارعایت قیمت میں باآسانی دستیاب تھیں۔ ہادیہ روز آ کر اپنی کلاس میٹس کی شاپنگ کے چٹخارے دار قصے سنائی‘ کچھ تو اس کی باتیں‘ دوسرا ارشین نے بھی کئی بار کال کر کے اکسایا تو اس کا بھی دل مچل گیا۔ اب اسکول سے تو کوئی ایسی قابل ذکر سیلری ملتی نہ تھی‘ جو وہ جمع جوڑ رکھتی‘ گنتی کے چند نوٹ ہوتے تھے جو یونہی ہر ماہ اللے تللوں میں خرچ ہو جاتے‘ بس بھی کی توقیر بھائی اور امی کی دی ہوئی پاکٹ منی پرس جھاڑنے کے بعد نکلی‘ اس میں تو ڈھنگ کے دو سوٹ بھی نہیں آئیں گے۔ تانے بانے جوڑتی وہ امی کے پاس جا پہنچی‘ مدعا ان کے گوش گزار کیا۔

”ارے وہ جو اتنا ٹھونس ٹھونس کر کپڑے بھرے پڑے ہیں الماری میں‘ پہلے انہیں تو کسی طرف لگا دو۔ گھر کا گھر بھرا پڑا ہے ہر چیز سے‘ بس تم آج کل کی لڑکیوں کو فضول شوق رہتے ہیں یوں بھی اس ماہ تو کوئی فرمائش نہ کرنا‘ خرچے منہ کو چڑھے چلے آ رہے ہیں۔ ابھی پرسوں ہی آپا فضیلت اپنے بیٹے‘ بیٹی کی شادی کا کارڈ دے گئی ہیں‘ وہاں بھی دینا دلانا ہے پھر سفیر نے تو اس بار پہلے ہی معذرت کر لی ہے کہ وہ پیسے نہیں بھیج سکے گا۔ کوئی کورس کر رہا ہے جس کی فیس جمع کروادی ہے‘ باہر کے کام‘ باہر کی پڑھائیاں کوئی آسان کام تھوڑی ہی ہے۔“ انہوں نے تو پوری کتھا سنا ڈالی۔

”ویسے امی اب ایسے بھی حالات نہیں جیسے برا نقشہ آپ نے کھینچ ڈالا ہے۔ بابا کی پنشن سے پورے مہینے کا راشن آجاتا ہے‘ باقی اوپر کا خرچا آپ توقیر بھائی کی جیب سے نکلوا لیتی ہیں‘ سفیر بھائی الگ ڈرافٹ بھیجتے ہیں اور وہ صرف اس ماہ ہی نہیں بھیجیں گے ناں۔ پہلے جو اتنے مہینوں سے آ رہے ہیں ان کی تو آپ کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دیتیں۔ اتنی کنجوسی بھی اچھی نہیں ہوتی پلیز اس میں سے ہی کچھ دے دیں۔“ ان کی گھوریوں کی پروا نہ کرتے وہ منتوں پر اتر آئی۔

”بہت زیادہ بولنے لگی ہو تم‘ خبردار ان پیسوں کا نام بھی لیا ہو تو۔ تمہارے باپ کی سب جمع پونجی سفیر کو دی تھی اس وعدے کے ساتھ کہ وہ تم دونوں کی شادی کا خرچ اٹھائے گا۔ اب تمہارا باپ تو ہے نہیں ساری ذمہ داری میرے ہی سر ہے اور میں جانتی ہوں میں نے یہ فرض کیسے نبھانا ہے۔ آج سے ہی کچھ بچا کر رکھوں گی تو ہی کل اچھے طریقے سے سرخرو ہو سکوں گی۔ اب تو

دن رات ایک ہی دعا ہے میری کہ اللہ میری آنکھیں بند ہونے سے پہلے تم دونوں کے سکھ دکھا دے۔" وہ تو جذباتی ہی ہوگئی تھیں' عنابیہ بے اختیار ان سے لپٹ گئی۔

"اوہ میری پیاری ماں جان یو آر سو سویٹ' لو یو سو مچ۔ سچ میں آپ بہت اچھی ہیں' آپ کتنا پیار کرتی ہیں ہم سے۔ آپ سی سمجھ دار' سلیقہ شعار ماں اس روئے زمین پر اور کوئی نہ ہوگی' آپ وہ سب سیونگ میرے اور ہادیہ کے لیے کر رہی ہیں ناں؟"

"ہاں تو کیا۔" امی نے آنکھیں پونچھتے جھٹ سے سر ہلایا۔

"پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں' جب وہ سب ہمارے لیے ہی ہیں تو پھر اس میں کیا قباحت ہے۔ وہ ہم کل خرچ کریں یا آج' کیا فرق پڑتا ہے پلیز پیاری امی اس میں سے ہی چند ہزار دے دیں ناں۔ میں آپ کے لیے بھی اچھا سا سوٹ میچنگ جوتے اور بیگ لے آؤں گی پلیز...... پلیز امی انکار مت کریں' دے دیں ناں صرف پانچ ہزار۔" وہ ان سے زیادہ جذباتی ہوکر بازوؤں کا گھیرا تنگ کرتی چلی گئی' انہوں نے یک دم پرے دھکیلا۔

"ہٹو ہٹو...... پرے ہٹو بے کار کی ضد مت کرو۔ جب میں نے ایک بار کہہ دیا تو فضول کی گردان سے میرا سر نہ کھاؤ اب اور جاؤ کسی کام سے لگو۔ دھیان ہے گا تمہارا' میں نے قیمے کا پیکٹ نکال کر رکھا تھا' مٹر بھی چھیل دی ہیں' جاؤ میری جان ہانڈی چڑھا دو جا کر۔ علینہ کی طبیعت خراب ہے اس کی ماں کا فون آیا تھا' ہوسکتا ہے وہ بیٹی کی خبر لینے آئے' تم ذرا ایک نظر گھر کی صفائی پر بھی ڈال لینا۔ میں بلو کو دیکھوں کہیں تنگ ہی نہ کر رہا ہو ماں کو کل سے بخار میں تپ رہی ہے اور یہ لو مجھے تو دھیان ہی نہیں رہا' چکن بھی ہوگی فریج میں علینہ کے لیے یخنی بھی بنانا ہوگی۔ ساتھ میں نرم سی کھچڑی بھی تیار کردینا۔" وہ تو حسب عادت آرڈر پاس کرتیں بے اعتنائی سے اٹھ کر چل دیں' پیچھے وہ کلس رہی تھی۔

"واہ یہ اچھا انداز اپنا لیا ہے امی نے' اپنی دفعہ تو چاہتی ہیں میں ان کا ہر حکم مانوں اور میری ایک التجا پر غور کرنے کی بھی فرصت نہیں' صفا چٹ انکار ہے' مجھے تو جیسے باورچن بنانے کا پکا ارادہ کرلیا ہے انہوں نے اور یہ علینہ کو تو دیکھو اب ہر روز ایک نیا بہانہ۔ دو دن پہلے بلو صاحب کی طبیعت ناساز تھی تو محترمہ سے کوئی کام نہ ہوسکا اور آج خیر سے خود بیمار پڑ گئی ہیں۔ واہ بھئی واہ پتا ہے ناں کہ مفت کی نوکرانی ہاتھ لگ گئی ہے اب اسے صبح سے شام کچن نام کی کونڈی میں ڈال کر جتنا دل چاہے کوٹو' اُف...... میرا ہی دماغ خراب ہوا تھا اس روز جو خود اپنے ساتھ دشمنی مول لے لی۔ وہاں کی چخ چخ سننا کہیں بہتر تھا' یہاں کے منٹ منٹ کے حکم ناموں سے۔ بچت اسی میں ہے عنابیہ بی بی کہ اپنے لیے جلد ہی کوئی راستہ ڈھونڈ نکالو ورنہ تو یہ ساس بہو مل بھگت سے تمہیں شیف بنا کر ہی چھوڑیں گی۔" اور اپنے اس خیال پر عمل کرنے میں اس نے ایک پل کی بھی دیر نہ کی تھی' کچن پر سات سلام بھیج کر کمرے کی جانب لپکی' دھاڑ سے دروازہ بند کرنے کے بعد سیل فون کان سے لگائے وہ ارشین سے اپنی دکھی داستان کہہ رہی تھی۔

❁......❁......❁

عمارت باہر سے تو بے حد اچھا تاثر دے رہی تھی' بظاہر دیکھ کر تو لگ رہا تھا کام بہت اعلیٰ ہے' اب اندر کیا صورت حال ہے یہ تو واسطہ پڑنے پر ہی خبر ہوتی۔ سرمئی رنگ کے بڑے سے گیٹ کے داخلی دروازے سے جو کہ کھلا وا ہی تھا وہ بلا روک ٹوک اندر آ گئی۔ چھوٹا سا سرسبز لان تازگی کا احساس دے رہا تھا۔ رنگ برنگے پھول والے گملے روش پر ترتیب وار دور تک رکھے تھے۔ گیٹ کے بائیں طرف ایک کیبن بنا ہوا تھا' جہاں ایک عورت بیٹھی اپنی تھرتھراتی' بھونڈی آواز میں کوئی لوک گیت گنگناتی پورے انہماک سے اون سلائیوں میں الجھی ہوئی تھی۔ وہ صاحبہ تو اس قدر مستغرق تھیں اپنے ہی سروں میں کہ کوئی تیسری بار پکارنے بلکہ للکارنے پر متوجہ ہوئیں۔

"جی' کیا بات ہے' کس سے ملنا ہے؟" اون سلائیاں قریب پڑے کارٹن میں پھینک کر وہ فٹ مستعد ہوئی۔

"پرنسل صاحب کا آفس کہاں ہے اور کیا وہ ہیں سیٹ پر؟"

"آؤ جی میرے ساتھ۔" اس کے استفسار پر وہ دائیں جانب کی بغلی گلی میں مڑ گئی' ایک کمرے کے باہر ٹھہرنے کا اشارہ کرتی خود غڑاپ سے اندر غائب ہوئی۔ عنابیہ گردن اِدھر اُدھر گھماتی جائزہ لینے لگی' جہاں وہ کھڑی تھی سامنے ہی لکھا تھا "آفس" اس سے پچھا آگے مزید کمرے تھے اور ان کے باہر کیا لکھا ہے ابھی وہ غور کر ہی رہی تھی کہ ان صاحبہ کی واپسی ہوئی۔

"جائیں جی اندر' صارم صاحب ہیں جو بات کرنی ہے ان سے کرلیں ویسے بات کیا کرنی ہے آپ کو' کیا کسی بچے کی

شکایت لے کر آئی ہیں یا ٹیچر کی یا پھر بچہ داخل کرانا ہے۔" کیا سمجھ دار خاتون تھیں عین آفس کے سامنے لاکر محترمہ کو پوچھ گچھ کا خیال آیا تھا' عنابیہ نے کڑے تیوروں سے گھورتے انگلی سے ڈورناک کیا۔

"یس کم ان۔" اندر سے بارعب آواز آئی تھی' اس نے بھاری پردہ ہٹایا' قیمتی مردانہ کلون کی دلفریب مہک سیدھی نتھنوں میں گھسی۔ ویل ڈیکوریٹڈ آفس روم' سامنے ہی ٹیبل کرسی کی عقبی دیوار پر پیارے قائد کا خوب صورت پورٹریٹ آویزاں تھا۔ بائیں جانب فرش سے چھت تک بنی الماری مختلف شیلڈز' ٹرافیز اور مزید کئی چیزوں سے بھری پڑی تھی۔ ساتھ ہی بک ریک سے کتاب اٹھائے خوش رو' خوش پوش حضرت یقیناً پرنسل صاحب ہی تھے۔

"تشریف رکھیے۔" اس کے سلام کے جواب میں سر ہلانے کے ساتھ شائستگی سے کہا گیا اور وہ بغور انہیں دیکھتی سوچ رہی تھی بقول ارشین کے یہاں تو ایک سنجیدہ' بردبار اور بزرگ شخصیت کو ہونا چاہیے تھا جبکہ یہ تو...... خیر ڈیسنٹ تو یہ بھی لگ رہے ہیں تو لازم ہے کہ ادارے کا انتظام وانصرام بھی اچھا ہوگا مگر اسکول میں داخل ہوتے ہی جو بات کھٹکی تھی یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ نوک زبان تک نہ آتی۔

"سر اگر مائنڈ نہ کریں تو ایک بات پوچھ سکتی ہوں گو کہ میں نے یہاں کے متعلق اچھا ہی سنا ہے لیکن مجھے بہت عجیب سا لگا۔ اچھا یہ بتائیں آپ یہ اسکول کب سے اون کر رہے ہیں۔" اس نے اجازت چاہی مگر ملنے سے بھی پہلے شروع ہوگئی اور جاب کے لیے انٹرویو اسے دینا تھا الٹا وہ لینے بیٹھ گئی' وہ ڈیسنٹ حضرت سوچ میں پڑ گئے۔

"اوں...... پتا نہیں' کافی سال تو ہو ہی گئے ہیں۔"

"آپ کا اسکول اس علاقے کے چند ایک اچھے اسکولز میں شمار ہوتا ہے' مجھے تو یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ کتنی بے پروائی برتی جاتی ہے اب دیکھیں ناں یہ تو آپ بھی خوب اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ ہمارے ملکی حالات کیسے جا رہے ہیں آج کل بلکہ آج کل کیا ہم تو بہت عرصے سے عالم افراتفری میں گھرے ہیں۔ ہر وقت روزانہ کہیں نہ کہیں سے کوئی بری خبر ضرور ملتی ہے مگر حیرت تو یہ ہے کہ پھر بھی ہم لوگ نصیحت نہیں پکڑتے آپ یہاں کے اونر ہیں اور کتنی قیمتی جانیں آپ کی بلڈنگ میں آپ کی ذمہ داری پر ہیں مگر حالت تو یہ ہے کہ گیٹ پر کوئی سیکیورٹی نہیں۔ چوپٹ کھلا ہوا تھا گیٹ' کیا آپ ایک گارڈ افورڈ نہیں کر سکتے جبکہ یہاں آنے والا ہر بچہ آپ کو ایک معقول اماؤنٹ دے رہا ہے پھر بھی سر......!" کہیں بھی کسی بدنظمی کو دیکھ کر بے قابو ہونا تو جیسے گھٹی میں شامل تھا' کچھ بھی سوچے سمجھے بنا وہ بے دھڑک بولے گئی حالانکہ گھر سے ایک عظیم معرکہ آرائی کے بعد وہ اسی جذبے سے نکلی تھی کہ اب واپسی کسی بھی کامیابی کے ساتھ ہوگی اس سے پہلے جہاں سے ہوکر آئی تھی وہاں بھی اس کی یہ عجلت پسندی ہی آڑے آ گئی تھی ورنہ ارشین کی دی گئی رپورٹ کے مطابق تو وہاں تین چار ٹیچرز کی اشد ضرورت تھی۔ وہ خود کو کول رکھتی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ فتح کا جھنڈا لہراتی نکلتی۔

بس...... حد تو یہ ہے کہ اب یہاں آ کر بھی پہلے ہی قدم پر دھچکا' ان موصوف نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا' اسکائی بلیو کلر کے دلکش ڈریس میں سلیقے سے لیے گئے دوپٹے کے ہالے میں مقید اس کے سادہ سے چہرے پر بے پروائی واعتماد سے بھری دو آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"دیکھیے مس...... ہمارے ادارے کے تمام انتظامات بہترین ہیں اور جیسا کہ آپ نے خود کہا کہ یہ علاقے کے اچھے اداروں میں شمار ہوتا ہے تو سیکیورٹی کا بھی پورا انتظام ہے ہمارے پاس' باہر سی سی ٹی وی کیمرہ بھی لگا ہے وہ اسکرین دیکھ سکتی ہیں۔ ہوسکتا ہے گیٹ بھولے سے کھلا رہ گیا ہو اور سیکیورٹی گارڈ اسکول کے اندر ہو کسی وجہ سے' خیر میں چیک کر لیتا ہوں۔"

"آپ کی وہ میڈ صاحبہ بھی "میڈ" ہی ہیں' انہیں تو جلدی سنائی بھی نہیں دیتا۔ ان کے کانوں کی صفائی بھی کروالیں اور انہیں ٹرینڈ کریں کہ ہر آنے والے سے گیٹ پر ہی ضروری معلومات لے' یہ نہیں کہ آفس تک لاکر سب پوچھیں۔" اس نے اگلا اعتراض کیا۔

"اوکے' جی اور کچھ......" زیرلب نامحسوس سی مسکراہٹ لیے تابعداری سے فرمایا گیا اور اس کے خیال میں جتنا کچھ کہہ دیا تھا وہی کافی تھا۔

"سر مجھے خبر ملی ہے کہ یہاں سائنس ٹیچر کی ضرورت ہے اسی سلسلے میں حاضر ہوئی تھی میں۔"

"ویل' آپ نے ٹھیک سنا ہے' آپ کی سی وی وغیرہ۔" عنابیہ نے شولڈر بیگ سے فائل نکال کر ان کے سامنے رکھی۔

"ہوں' اس سے پہلے کہیں جاب کی ہے آپ نے۔" فائل اچھی طرح دیکھنے کے بعد ٹیبل پر رکھ دی۔

"جی سر......" اس نے سر ہلایا۔

"کتنا عرصہ اور کہاں اور جاب کیوں چھوڑی؟" لو جی آخری سوال نے تو ہک دک کردیا' یہ کیا پوچھ لیا بھئی ایسا بھی قابل ذکر نہ تھا اور جھوٹ وہ بولتی نہ تھی پھر جو پوچھا گیا تھا بتانا تو تھا ہی۔

"ویسے تو سر کسی کی برائی کرنا اچھی بات نہیں ہوتی لیکن اب آپ نے پوچھا ہے تو بتائے دیتی ہوں۔ دراصل وہاں کا ماحول میرے مزاج سے میل نہیں کھاتا تھا' اسکول کی آڑ میں صرف اور صرف کاروبار کررہے تھے وہ لوگ' بددیانتی کیسی بھی ہو اور کہیں بھی ہو میں برداشت نہیں کرسکتی۔" اور کرسی پر جھولتی شخصیت نے پوری آنکھیں کھول کر اس شاہانہ مزاج رکھنے والی لڑکی کو دیکھا پھر گویا متاثر ہو کر سر ہلادیا۔

"آپ یوں کیجیے کل صبح دس بجے فون کرکے انٹرویو کا ٹائم پوچھ لیں۔" ایک کارڈ اس کی طرف بڑھادیا۔ "اینڈ بیسٹ آف لک۔"

"تھینک یو سر۔" کارڈ اور فائل سنبھال کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ تب ہی ایک اور موصوف عجلت بھرے انداز میں کمرے میں داخل ہوئے وہ توجہ دیئے بنا باہر نکل گئی' آنے والا سامنے نگاہ پڑتے ہی طنزیہ گویا ہوا۔

"بہت خوب جناب...... بہت شوق ہے آپ کو میری سیٹ پر جھولنے کا۔"

"مائے ڈیئر اسجد وقار صاحب اول تو یہ سیٹ آپ کی نہیں' یہ تو میرے پیارے عزیز از جان ماموں جان کی ہے جو بوجہ علالت آج کل اپنے فرائض منصبی ادا کرنے سے قاصر ہیں اور انہوں نے آپ پر اعتماد کرتے ہوئے کچھ وقت کے لیے اس ادارے کو آپ کی تحویل میں دے دیا ہے اور ساتھ ہی آپ کی مکمل کارکردگی کا جائزہ لیتے رہنے کا ذمہ مجھ ناچیز کے سر ڈال دی اور جب آپ اس سیٹ کی حرمت کا پاس نہ کرتے ہوئے سستی اور کاہلی کا اعلیٰ نمونہ بنے دن کے بارہ بجے تشریف کا ٹوکرا اٹھائے آئیں گے تو میں یہاں جھولے لوں یا کودوں' آپ کو اس سے مطلب اور یوں بھی یہ چیئر ہے ہی بہت مزے کی۔ ماں کی گود کی یاد آجاتی ہے قسم سے۔" اسے چڑاتے ہوئے ایک چکر اس کے گرد لگایا۔

"میرا تو بھی کبھی تمہیں چھٹی کا دودھ یاد کروانے کو دل چاہتا ہے اور خیر سے محترمہ کون تھیں؟" وہ جانے کس بات پر تپ کر آیا تھا۔

"تمہارے اسٹاف میں قابل قدر اضافہ۔" صارم نے مزے سے بتایا۔

"ہیں' کیا مطلب؟" اسجد کی آنکھیں پھیلیں۔

"ابھی ایک دو روز پہلے تم خود ہی تو رونا رو رہے تھے کہ مسز حمید کے اچانک چلے جانے سے بہت پریشانی ہوگئی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو جو اُن جیسی محنتی اور سمجھ دار ٹیچر مل جائے تو بس یہ وہی ہیں' سمجھو غیبی فرشتہ۔"

"مگر وہ مسئلہ تو حمید انکل نے حل کردیا ہے' میں تمہیں بتانا بھول گیا ان کا بھانجا ہے ایف ایس سی کے بعد فری ہے آج کل' دو تین ماہ تک ہمارا ساتھ دے گا پھر دیکھیں گے۔"

"انکل حمید کے بھانجے کو دفع کرو' یہ لڑکی کل فون کرے گی انٹرویو کا ٹائم دو' پرسوں بلاؤ اپائنٹ کرو' دیٹس اٹ۔" وہ ٹیبل پر ہاتھ مارتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"اللہ اللہ...... اسکول میرا فیصلے تمہارے' یہ تو وہی ہوا مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ کمال ہے بھئی' بائے دا وے کب سے جانتے ہو اسے؟ مجھ سے تو کبھی ذکر نہیں کیا۔" اسجد کی آنکھوں میں اترتی تشخیص پر صارم دوبارہ بیٹھ گیا۔

"دماغ تو ٹھکانے پر ہے' میں ذکر کہاں سے کرتا میں نے تو خود آج پہلی بار دیکھا ہے۔"

"اور پہلی بار دیکھنا ہی کام کر گیا۔" ایک آنکھ دباتے اس نے جملہ کسا۔

"بکواس بند کر بے ہودہ انسان' ایک تو تیرا بھلا چاہ رہا ہوں اوپر سے باتیں بنا رہا ہے۔ نالائق قسم کا اسٹاف بھرتی کرے بیٹھا ہے' چند آدمی' اسکول کا حلیہ ہی بگاڑ ڈالا ہے تم نے تو۔ بے حد محنت سے نام ومقام بنایا ہے ماموں جان نے مگر اسے تم ایک دن ڈبو دو گے' کوالیفائڈ لڑکی ہے یہ پھر ذمہ داری کا احساس نظر آیا ہے مجھے اس میں' اسی لیے فورس کررہا ہوں' تم ہی فائدے میں رہو گے ورنہ میری طرف سے جاؤ بھاڑ میں۔" صارم کا بس نہ چلا کچھ اٹھا کر دے مارتا۔

"ذمہ داری تک تو ٹھیک ہے' بٹ کوالیفائڈ...... تجھے پتا ہے کوالیفائڈ لڑکیاں نخرے کتنے کرتی ہیں پھر سیلری کتنی مانگتی ہیں اور یہ لڑکی تو بہت نخریلی لگ رہی تھی۔ تو کسی دفتر میں کام کرے جاکر' یہاں کیا کرنے آگئی تو چھوڑ پرے یار۔ حمید انکل کا بھانجا ہی ٹھیک ہے' ابھی بلوالیتا ہوں اسے تو ایک بار اس سے مل لے انکل نے خود کہا ہے دینے دلانے کی فکر نہ کرنا بس بچہ

مصروف رہے۔'' اور صارم نے یوں دیکھا جیسے کاٹے گا نہیں نہ ہی بھونے گا بس کچا ہی چبا جائے گا۔

''تو جتنا کمینہ باہر سے نظر آتا ہے اس سے کہیں زیادہ اندر سے ہے یہ چھاپے کٹنیوں والی حرکتیں چھوڑ دے۔ تیرے اندر تو کسی سیاستدان کی روح حلول کر گئی ہے بالکل وہی کوالیٹیز ہیں تیری یہاں سے وہاں سے ادھر سے ادھر سے نوچ کھسوٹ کے لوٹ مار کے کاٹ کٹوتی سے جیسے تیسے مال بنانے کا خبط ہے بس۔ یہ جو آٹھ دس دس جماعت پاس اسٹاف بھرتی کرنے کے چکر میں ہوناں تو سب سمجھتا ہوں میں اس کے پیچھے کیا کوشش کارفرما ہے۔ تمہاری نظر اب صرف آمدن پر ہے معیار چاہے رہے نہ رہے کچھ اللہ کا خوف کرو باپ کو ہی دیمک بن کر چمٹ گئے ہو۔ وہ بے چارے بیماری کے ہاتھوں تنگ آ کر گھر کیا بیٹھے تم نے تو لوٹ مچادی ان تک سب کھاتے پورے جاتے ہیں میں جو یہ ہفتے میں تین دن آ کر میتھس کی کلاس لے لیتا ہوں تم مجھے اس کی کاغذی سیلری ادا کرتے ہو یہ اور بات ہے کہ وہ ہر بار میری جیب کے بجائے تمہاری جیب میں ہی چلی جاتی ہے۔ تمہاری سب حرکات پر میں اگر چپ رہا تو صرف تقاضائے دوستی کے ہاتھوں مگر اب حد ہوگئی بہت ہوگئی مروت میرا خیال ہے مجھے اب کچھ سوچ لینا چاہیے۔'' وہ تو پھٹے ہی اکھاڑنے پر آ گیا تھا اسجد نے لپک کر دروازہ بند کیا۔

''میں تو تجھے اپنا دوست سمجھتا تھا پر تو تو آستین کا سانپ نکلا بھائی...... اللہ کا واسطہ منہ بند کرلے دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ تُو جو کہے گا وہی ہوگا یہ لڑکی ڈن ہوگئی حمید انکل کا بھانجا دفع ہوگیا اور کوئی حکم۔'' وہ تو پیروں کو چھونے پر ہی اتر آیا تھا صارم نے رخ پھیر لیا۔

''اچھا ناں اب غصہ تھوک بھی دے کہتا ہے تو ڈسٹ بن ادھر لا دوں۔ دیکھ جیسا تُو کہے گا ویسا ہی ہوگا دوستوں میں کیا تیری میری۔ میں تو ایویں بکواس کر جاتا ہوں یہ اسکول مجھ سے زیادہ تیرا ہے بلکہ تیرا ہی ہے۔ چل اب مان بھی جاناں اور بتا کیا پیے گا۔'' اسجد گھوم کر سامنے آیا چہرے پر چاپلوسانہ مسکان سجی تھی اسے خفا کرنے کا مطلب تھا اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنا اور ایسی بے وقوفی وہ ہرگز نہیں کرسکتا تھا۔

''فی الحال تو تیرا خون پینے کو جی چاہ رہا ہے اور ہاں یہ گیٹ کیوں کھلا ہوا ہے آج۔ وہ گیٹ کیپر کہاں گیا ایک ہفتے سے میں نے بھی نہیں دیکھا اسے۔'' صارم کو یک لخت یاد آیا تو پوچھا۔

''چھٹی کردی کم بخت سیلری بڑھانے کا کہہ رہا تھا اتنے نخرے تو میں اپنی معشوقاؤں کے نہیں اٹھاتا جتنے اس نے کرنے شروع کردیئے تھے۔ پتا نہیں ڈیڈ نے کیسے سب کو قابو کر رکھا تھا یہاں تو ہر ایک کی کوشش ہے کہ جوتوں سمیت میرے سر پر چڑھ جائے۔'' اس کے اپنے دکھ تھے۔

''شاباش بس تم سب کی چھٹی کرتے رہنا پھر وہ دن دور نہیں جب تمہاری چھٹی کے سو فیصد امکان بن جائیں گے کچھ خبر ہے کہ حکومتی سطح پر کتنی سختی ہوچکی ہے۔ اسکولز کی سیکیورٹی کے معاملے میں اگر تم اسے سیکیور نہیں کرسکتے تو پھر بند کردو ورنہ تمہاری اس حماقت کی کہیں رپورٹ ہوگئی تو سونے کی مرغی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ فی الفور واپس بلاؤ اسے اور یاد رہے آج سے اس سیٹ کا حق دار صرف میں ہوں تم جیسا گدھا پاجی احمق اس چیئر کے قطعاً لائق نہیں۔ ماموں کی محنت کو میں یوں برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا ان کے ساتھ تو وہ ہوا ہے کہ ایک انڈا وہ بھی گندہ آئندہ جتنا ٹائم میں یہاں آؤں گا یہ کرسی صرف میری ہوگی آیا کچھ عقل شریف میں۔'' ماتھے پر اچھی طرح سے انگلی بجائی تھی لگتا تھا ضرب سر سے پاؤں تک گئی ہے اسجد دانت کچکچا کر رہ گیا وہ جاچکا تھا اور پیچھے وہ تا دیر غائبانہ لتے لیتا رہا۔

❁......❁......❁

''اور سناؤ کیسا جا رہا ہے نیا تجربہ۔'' ہادیہ نے چائے کا مگ اس کے سامنے رکھا اور خود بھی قریب ہی ٹک گئی۔

''ہوں ٹھیک۔'' وہ پیپر چیک کررہی تھی۔

''اس کا مطلب ہے دل لگ گیا ہے تمہارا۔''

''ہوں۔'' ابھی بھی سر نہ اٹھایا بند ہونٹوں سے آواز نکالی امی اپنے کمرے سے اسی طرف آ رہی تھیں۔

''یہ بھی پوچھ لو کتنے دن کے لیے؟'' اس کا سر ایک جھٹکے سے اوپر اٹھا اب وہ کچن کی جانب منہ کیے کہہ رہی تھیں۔

''علینہ بچے...... کیا پکار ہی ہو؟'' اور ''علینہ بچے'' جھٹ دروازے تک آ ئی۔

''جو آپ کہیں پھوپو بتادیں وہی پکالیتی ہوں۔''

''کچھ بھی پکالو بیٹا بس دھیان رکھنا نرم غذا ہو آج کل طبیعت ویسے ہی سست سی ہے میری پتا ہے ناں تمہیں۔''

''دال چاول پکالوں پھوپو؟''

''چلو ٹھیک ہے پودینے کی چٹنی ضرور بنانا اور دال مونگ کی

پکالو سبز مرچ کے ساتھ سرخ مت ڈالنا اور یہ ہمارا شہزادہ کہاں ہے؟ مغرب سے پہلے پہلے اٹھا دیا کرو اسے اور لے آؤ میرے پاس میرا بھی جی بہلے۔''

''جی پھوپو ابھی لائی۔'' ادھر تابعداری کی انتہا تھی عنابیہ اپنی مصروفیت بھول بھال ''ساس بہو'' کا رس بھرا مکالمہ سن رہی تھی۔ امی ادھر ہی آ بیٹھیں ایک ناگوار نظر اسکرین پر ڈالی جہاں مشہور زمانہ سوپ چل رہا تھا۔ ساس للکارتی ہوئی بہو پھنکارتی ہوئی ان کے درمیان سینڈوچ بنا ایک بے چارہ کھسیاتا ہوا مرد پتا نہیں ہمارے چینلز کو کیا ہو گیا ہے۔ ناظرین کا دھیان بٹاتے ہوئے خود ہی اس مقام تک آ گئے ہیں جہاں سے بھی ہم ناک تک بھرے بیٹھے تھے وہی ایک سے گھسے پٹے موضوع وہی چلتر بازیاں ناچاقیاں بدمزاجیاں آخر کیا سکھانا چاہ رہے ہیں ہم اپنی نسلوں کو۔

''ہادیہ ریموٹ کہاں ہے ہٹاؤ پرے انہیں بہو بیٹیوں والے گھرانوں میں ایسے ڈرامے چلیں گے تو کیا بنے گا ہمارے معاشرے کا توبہ توبہ دفع بھی کرو اب۔'' امی چڑ کر بولیں انتہائی زہر لگتے تھے انہیں ایسے چینل ان سے بہتر انہیں وہ ٹاک شوز لگتے جہاں ہمارے معاشرے کے بڑے اداکاروں کا فن تو کم از کم اپنے عروج پر نظر آتا تھا۔

عنابیہ نے جھٹ ریموٹ گھٹنے کے نیچے کھسکالیا ہادیہ اِدھر اُدھر جھاتیاں مار رہی تھیں پھر ہار کر کندھے اچکاتی بیٹھ گئی۔

''ارے ٹی وی کے بٹن سے ہی پرے کردو ان نامراد شکلوں کو۔'' امی کو غصہ آ رہا تھا۔

''ہادیہ پلیز ہاتھ مت لگانا اب ہی تو ٹوئسٹ آیا ہے اسٹوری میں دیکھنے تو دو کیا ہوتا ہے۔'' عنابیہ نے پیش بندی کی۔

''ہادیہ تمہیں سنائی نہیں دے رہا۔'' امی نے گھرکا۔

''ہادیہ بدل بھی دے تو کیا اصل چابی تو میرے پاس ہے میں پھر لگالوں گی اینڈ مائے ڈیئر مدر...... وہ شکلیں بھی کوئی ایسی بامراد نہیں جنہیں آپ بصد شوق دیکھتی ہیں۔ نرا جھوٹ کا پلندہ ہیں وہ زمانے بھر کے فراڈ صیاد لوگ۔''

''یہ لیں پھوپو...... چائے۔'' تبھی علینہ نے پیالی ان کے آگے دھری۔

''ارے جیتی رہ میری بچی خوش رہو اللہ سدا سہاگن رکھے۔'' اس کی کسی بھی بات کو در خوراعتنا نہ جانتے ہوئے بہو پر یوں نچھاور ہوئیں کہ وہ اندر تک سڑ کر سوا ہو گئی علینہ نہال ہوتی کچن کو ہولی۔

''امی...... آپ بھی کبھی بالکل بھی اچھی امی نہیں لگتی مجھے بہو کو دیکھتے ہی آپ کی آنکھیں جگمگا اٹھتی ہیں اور مجھے تو دیکھنا بھی آپ کو گوارہ نہیں آخر ایسا کیا جرم کر دیا ہے کہ یوں خفا ہوگئی ہیں۔ اپنی بہو سے تو پیار ہے آپ کو اب صرف وہی پیاری لگتی ہے میں تو جیسے......''

''ہادیہ اس سے کہو چپ کر جائے میرے سر میں پہلے ہی بڑا درد ہے۔''

''میرا خیال ہے میں یہاں سے چلی ہی جاؤں تاکہ آپ ماں بیٹی ڈائریکٹ ایک دوسرے سے نبٹ لیں مجھے تو ابویں گیند سمجھ لیا ہے دونوں نے۔'' ہادیہ نے بچت اسی میں جانی کہ وہاں سے کھسک لے۔

''سر میں درد تو ہوگا ہی سویٹ والدہ ماجدہ جب ہر وقت فضول کی باتیں سنیں گی کبھی کبھار ہلکی پھلکی تفریح بھی جائز کرلیں خود پر آپ کی بہو کچھ نہیں سیکھے گی ادھر سے وہ پہلے ہی مارے سبق پڑھ کر آئی ہے اور رہ گئیں ہم آپ کی جگر گوشیاں تو ہم کتنی انوسنٹ ہیں یہ تو آپ جانتی ہیں۔ ہم تو آج تک آپ کو سکھا یا نہیں سیکھ سکے تو ان بے چاروں کی تو اوقات ہی کیا۔'' اس کا انداز شرارتی تھا والدہ ماجدہ ان سنی کیے چائے کی پیالی میں گم تھیں۔

''امی...... آپ اچھا نہیں کر رہی ہیں میرے ساتھ۔'' وہ سب پیپرز ہٹاتی ان تک آئی اور دھڑ لے سے گود میں گھس گئی۔

''ارے ارے لڑکی باؤلی ہوگئی ہو کیا خدانخواستہ ابھی چائے گر جاتی تو۔'' انہوں نے بمشکل کپ پرے کیا۔

''تو کیا میرا منہ جل جاتا اور آپ خوش ہو جاتیں۔''

''در فٹے منہ الٹی ہی بکواس کروگی ہمیشہ نہ اچھی بات کرنا نہ سمجھ داری سے کام کرنا۔ تم نے تو ستا کر رکھ دیا ہے مجھے۔'' امی نے اک چپت رسید کی وہ ہنس کر آنکھیں موند گئی۔

''آہا کتنا سکون ہے یہاں جی چاہ رہا ہے سو جاؤں اُف تھک گئی ہے میری آنکھیں۔ امی مجھے لگتا ہے میری آنکھوں کو نظر لگ گئی ہے کل ٹیچر فریدہ تعریف کر رہی تھیں کچھ پڑھ کر پھونک دیں ناں۔'' اور امی کو فکر لگ گئی فوراً آواز لگائی۔

''ہادیہ سات مرچیں لے کر آنا گن کر۔'' اور وہ دونوں کچن کی کھڑکی سے لگی کھڑی مسکرا رہی تھیں۔

''یہ عنابیہ بھی ناں بہت بڑا ڈرامہ ہے۔'' دونوں کا مشترکہ

خیال تھا۔

❁......❁......❁

"مس عنابیہ شفیع اور سنائیں کیسا چل رہا ہے سب' کوئی مسئلہ تو نہیں۔" وہ کلاس لے کر نکلی تھی کہ صارم سے سامنا ہوگیا' وہ پوچھ کر رکا نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے سب اور مسئلے کہاں نہیں ہوتے سر......" وہ بھی پیچھے ہی چل دی تھی۔

"آں ہاں' جو بھی مسئلہ ہو آپ مجھ سے شیئر کرسکتی ہیں۔"

"آپ ہی سے شیئر کروں گی کیونکہ انہیں حل کرنا آپ ہی کی ذمہ داری بنتی ہے۔" اور صارم کے قدم پل بھر کو رکے تھے' مڑ کر دیکھا اس کے سادہ اور ملیح چہرے پر وہی مخصوص اعتماد لودے رہا تھا' وہ سر ہلا کر چل دیا۔

"میں آفس میں ہی ہوں' وہیں بات ہوگی۔"

"جی بہتر۔" وہ اسٹاف روم کی جانب مڑ گئی' کچھ دیر بعد وہ اس کے روبرو بیٹھی تھی۔

"جی مس شفیع......اب کہیے۔"

"سر جو کلاسز میرے حوالے کی گئی ہیں' میں ان پر بات کرنا چاہوں گی' کچھ ایسے ایشوز ہیں جنہیں آپ کے سامنے پوائنٹ آؤٹ کرنا بہت ضروری ہے میرے لیے۔"

"یس شیور۔" وہ ہمہ تن گوش ہوا' انگلیاں تیزی سے کی بورڈ پر چل رہی تھیں۔

"سر کیا میں جان سکتی ہوں کہ مجھ سے پہلے ففتھ اور سکس گریڈز کو سائنس کون پڑھا رہا تھا۔" اس نے پوچھا۔

"مڈل اینڈ ہائی کلاسز کے لیے مسز حمید تھیں جو بہت محنت سے اپنے فرائض ادا کرتی رہیں ان کا بے حد تعاون رہا ہمارے ساتھ' اے ون رزلٹ لاتی تھیں وہ اور پرائمری لیول تک مس نزہت کریم ہیں جواب بھی پڑھا رہی ہیں۔ آپ کے آنے کے بعد آپ کے انداز کو دیکھتے ہوئے میں نے بہتر جانا کہ ففتھ گریڈ بھی آپ کے حوالے کردیا جائے۔" صارم نے انگلیاں روک کر مفصل جواب سے نوازا۔

"اٹس مائے پلیژر سر' یہ یقیناً آپ کے اعتماد کا اظہار ہے اور میری پوری کوشش ہوگی کہ یہ اعتماد برقرار رہے۔ ہائی گریڈز تک تو بات ٹھیک ہے' بٹ ففتھ اینڈ سکس گریڈز سو لٹ ٹارگٹ فار می۔"

"اینڈ آئی ہوپ کہ آپ اسے اچیو کریں گی' اسی بھروسے پر تو یہ ذمہ داری آپ کو سونپی ہے۔ جب بھی کسی ادارے میں کوئی نیا ورکر آتا ہے تو اسے مشکل کو آسان کرکے ہی خود کو اہل ثابت کرنا پڑتا ہے۔ یہ ایک طرح سے اس کی ٹریننگ بھی ہوتی ہے اور اس کی صلاحیتوں کو نکھارنے کا ٹوٹکہ بھی۔"

"آپ کی بات سو فیصد درست ہے سر اور جیسا کہ میں نے پہلے ہی کہا کہ میری پوری کوشش ہوگی کہ میں اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھاؤں' باقی سر کچھ بچوں کا معاملہ مجھے پیچیدہ لگ رہا ہے یا تو ان بچوں پر کلاس میں توجہ نہیں دی جاتی رہی یا پھر وہ بچے ہی کچھ زیادہ ڈھیٹ واقع ہوئے ہیں کیونکہ قابل افسوس بات تو یہ ہے ہی کہ ان کی رائٹنگ تو قابل توجہ ہے ہی نہیں بلکہ انہیں تو ٹھیک سے ریڈنگ بھی کرنا نہیں آرہی۔ سیکنڈ ٹرم میں اب کچھ ہی عرصہ ہے' اگر ایسے میں یہ بچے رزلٹ ٹھیک نہ دے سکے تو سر ان کا ذمہ دار آپ مجھے ہرگز نہیں ٹھہرا سکتے۔" اس نے سبھاؤ سے معاملہ آگے رکھا۔

"میں تو آپ کو ہی ذمہ دار ٹھہراؤں گا کیونکہ اب یہ بچے آپ کے حوالے ہیں' آپ اپنی کارکردگی کو مزید بہتر بنائیں مجھے اے ون رزلٹ چاہیے۔" صارم نے کورا جواب دیا۔

"ٹھیک ہے سر' میں تو چاہ رہی ہوں' میں شفاف کام کروں لیکن اگر میری کارکردگی بھی یہاں کام نہ آسکی تو پھر میں بھی اسی طرح سے رزلٹ دے دوں گی جیسا کہ ان کی پہلی ٹیچر آپ کو دیتی رہی ہیں۔" لگی لپٹی تو وہ بھی نہیں رکھتی تھی صاف بات کی۔

"مطلب......!" اس نے ایک بھنویں اچکا کر پوچھا۔

"مطلب بالکل واضح ہے سر' ابھی کل ہی میں نے سب بچوں کی فرسٹ ٹرم رزلٹ شیٹس چیک کی ہیں اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی ہوں کہ ماشاء اللہ تمام کے تمام بچے اے پلس رزلٹ ہولڈرز ہیں اور کوئی شک نہیں کہ سیکنڈ ٹرم میں بھی ان کو یہی رزلٹ دیا جاتا جبکہ چند بچوں کی صورت حال اس سے قطعاً مختلف ہے یہ متعلقہ ٹیسٹ فائل ہے سر ان بچوں کی۔ میں نے اس پر مارکنگ نہیں کی آپ اسے خود چیک کریں۔" عنابیہ نے اٹھ کر سارے کاغذات صارم کے آگے ٹیبل پر رکھے۔

"آپ نے تو مجھے پریشان کردیا ہے مس شفیع...... ایسا کیسے ہوسکتا ہے مجھے تو یہی رپورٹ مل رہی ہے کہ تمام بچے ٹھیک جارہے ہیں۔" وہ حد درجے الجھن کا شکار ہوا۔

"ایسا بھی ہوتا ہے سر' یہ کوئی انوکھی بات نہیں' ہر جگہ ہر ادارے میں ہر طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ آپ کا ایٹی

ٹیوڈ دیکھتے ہوئے مجھے گمان گزرا تھا کہ یہاں کی سچوئشن قدرے بہتر ہوگی بٹ آئی ایم سوری ٹو سے سر ایسا نہیں ہے۔ یہاں بھی کچھ معاملات غفلت کا شکار ہیں اور مجھے پورا یقین ہے سر یہ وہ بچے ہیں جن کے والدین بوجہ مصروفیات ان پر توجہ نہیں دے پاتے اور اسی چیز کا نقصان ان بچوں کو اسکول میں بھی ہو رہا ہے اور یہ ان معصوموں کے ساتھ کھلم کھلا زیادتی ہے...... آپ کو اس پر ضرور توجہ دینا ہوگی۔ میں تو اپنے حصے کا کام کروں گی ہی لیکن سر اس کے ساتھ آپ کو یہ کرنا ہوگا کہ ایک ارجنٹ میٹنگ ان بچوں کے والدین کو کال کریں کیونکہ اب یہ مسئلہ ہم صرف اکیلے حل نہیں کرسکتے ان کا شامل ہونا اور ساتھ دینا اتنا ہی لازمی ہے اینڈ تھینک یو سر آپ کا بہت سا قیمتی وقت لیا' میری کلاس کا ٹائم ہو رہا ہے۔" اس نے جانے کے لیے پر تولے اسے پوری توجہ سے دیکھتے صارم کو جیسے ہوش آیا۔

"اوکے مس شفیع اور مجھے بہت اچھا لگا' آپ نے جس طرح اس مسئلے کو میرے سامنے رکھا میں بہت جلد ان والدین کو میٹنگ کال کرتا ہوں' ان شاء اللہ جلد ہی بہتری نظر آئے گی اور یہ ٹیسٹ تو میں ابھی چیک کرلیتا ہوں اور خود بھی کلاس کا وزٹ کرکے ان بچوں سے بھی بات کرتا ہوں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے سر' یہ اور بھی اچھا ہوگا کیونکہ میں نے دیکھا ہے بچوں پر آپ کا بہت رعب ہے وہ آپ کی بات کو ضرور سمجھیں گے۔"

"ارے نہیں بھئی میں تو اس بات کا قائل ہی نہیں ہوں' میں نے تو کبھی بچوں پر سختی نہیں کی۔ ہمیشہ ان سے نرمی برتی ہے' آپ کو یہ غلط فہمی کیونکر ہوئی۔" وہ فوراً اپنی صفائی دینے لگا عنابیہ مسکرادی۔

"بے شک سر' آپ سختی نہیں کرتے مگر آپ کا بی ہیویئر ایسا ہوتا ہے کہ بچے ایک حد میں رہتے ہیں وہ آپ کا احترام کرتے ہیں فوراً آپ کی بات کو اوبے کرتے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے سر' ہماری ایک ٹیچر بھی ایسی ہی ہوا کرتی تھیں' وہ کبھی ڈانٹتی نہیں تھیں مگر ان کی شخصیت ہی ایسی سحر انگیز تھی کہ تمام اسٹوڈنٹس ان کی آنکھ کے اشارے پر چلتے تھے اور سر یہ جادو آپ کو بھی آتا ہے مجھے چند دن ہوئے ہیں اسکول جوائن کیے لیکن میں نے تو نوٹ کیا ہے سر' کچھ بچے تو ایسے ہیں جن کے سامنے آپ کا نام ہی لیا جائے تو وہ تیر کی طرح سیدھے ہوجاتے ہیں۔" اور صارم نے اس وقت تو کندھے اچکا دیئے تھے مگر اس کے جانے کے بعد وہ تادیر اس کے لفظوں کے حصار سے باہر نہ آسکا۔ اب ایسا بھی نہیں تھا کہ کسی لڑکی نے پہلی بار اس کی تعریف کی تھی' وہ ایک دلکش پرسنالٹی کا مالک تھا اور اکثر ہی تعریف وصول کرلیا کرتا تھا مگر ہاں' یہ ضرور پہلی بار ہوا تھا کہ عنابیہ شفیع نے اسے سراہا تھا اور اس دن سے لے کر آج تک جب بھی وہ اس لڑکی کو دیکھتا تو خیال آتا۔ اسے اپائنٹ کرکے اسکول کے حق میں ایک اچھا فیصلہ کیا تھا اور آج تو گویا اس خیال پر مہر لگ گئی تھی' وہ یقیناً ایک سمجھدار لڑکی ہے اور اس کی مسکراہٹ کتنی پیاری ہے' خود سے باتیں کرتے صارم کو اندر سے آواز آئی تھی اس نے ٹھٹک کر ارد گرد دیکھا پھر کمرے میں چکراتی اس کی خوشبو کو محسوس کرتے لیپ ٹاپ کو سامنے گھسیٹ لیا مگر انگلیاں حرکت کرنے سے انکاری ہوگئیں' اسکرین پر بھی اس کا چہرہ جگمگانے لگا تھا۔

"یہ کیا حرکت ہے' سمجھدار بنو۔" اس نے بوکھلا کر دل کو ڈپٹا لیکن بھلا ایسے معاملات میں پہلے کسی کا دل سیانا بنا ہے جو اس کا بن جاتا' وہ مسلسل اسے اپنی منشاء کے عکس دکھا رہا تھا۔ صارم نے جھنجھلا کر سر ٹیبل پر رکھ دیا یہ بالکل ہار ماننے والوں کی ادا تھی۔

* * *

"دیکھیے مسز دلاور...... آپ سے کہہ چکی ہوں کہ میں اس معاملے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتی' یہ ڈیپارٹمنٹ سر امجد صاحب کا ہے اور جب وہ آپ سے حتمی بات کرکے جاچکے ہیں تو پھر میں کیا کروں۔" عنابیہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"آپ کلاس انچارج ہیں حمزہ کی' آپ ہی تو مدد کرسکتی ہیں اب میں اپنی کیا کیا پریشانیاں کھول کر بتاؤں' میرے شوہر یو اے ای میں ہوتے ہیں۔ بہت اچھی جاب تھی ان کی' اللہ جانے کس حاسد رشتہ دار کی نظر کھا گئی' میاں کی اچانک سے جاب چلی گئی۔ مانو مصیبت میں ہی آگئے ہم تو' اب ہاتھ اتنا تنگ ہے' گھر کے باقی خرچے پورے نہیں ہو پا رہے' میں بچوں کی فیس کہاں سے لاؤں۔" جدید تراش خراش کے ملبوس کو قیمتی خوشبوؤں سے مہکائے ان نفیس سی خاتون نے اپنے مہنگے پاؤچ سے امپورٹڈ ٹشو نکال کر غیر محسوس بھیگ جانے والی آنکھیں صاف کیں۔

"اوہ' یہ تو سچ میں بہت برا ہوا آپ کے ساتھ' آپ کے شوہر واپس آگئے پھر۔"

"ارے نہیں وہ تو واپس آنا چاہ رہے تھے لیکن میں نے

ہی منع کر دیا' چھپ کر رہ رہے ہیں بے چارے۔ وہ خود وہاں اتنی پریشانی میں ہیں' کیا کریں۔'' ان کی پلکوں پر مزید آنسو آ ٹھہرے تھے' عنابیہ پوری آنکھیں کھولے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''آپ کے شوہر وہاں چھپ کر مطلب غیر قانونی طور پر رہ رہے ہیں' اُف اور آپ نے خود انہیں وہاں روک دیا' آپ کو بہتر علم ہے مسز دلاور وہاں کے قوانین کس قدر سخت ہیں۔''

''ہاں سب پتا ہے لیکن کیا کروں میں اپنی جگہ مجبور ہوں' ان کے یہاں آنے میں بھی تو آسانی نہیں ہے ناں' کون سا انہیں یہاں اتنی اچھی جاب مل جائے گی اور پھر سارے خاندان میں کیسی جگ ہنسائی ہوگی ہماری۔ ارے ایسے اللہ مارے ہیں سب کے سب ان حالات میں کیا خاک ساتھ دیں گے۔ نری باتیں ہی بنائیں گے جی جلانے کو۔'' انہیں تو جیسے اور کوئی فکر ہی نہیں تھی' اسے تو غصہ ہی آ گیا' کیسی ظالم عورت تھی' شوہر پردیس میں بدحال دھکے کھا رہا تھا اور اسے یہاں سارے خاندان میں صرف اپنے ناک بچانے کی پڑی تھی۔ یا اللہ کیسے کیسے لوگ بھرے پڑے ہیں اس دنیا میں اور ایسی بیمار ذہنیت کے لوگ نہ ہی کسی ہمدردی کے لائق تھے اور نہ ہی ان پر ترس کھانا چاہیے وہ تو کورا سا جواب دے ہی دیتی مگر شاید ان کی قسمت اچھی تھی جو صارم آ گیا اور اس کے استفسار پر عنابیہ تو کیا بتاتی ان خاتون نے خود ہی سارا دکھڑا کہہ سنایا پھر اس نے انہیں تو بھرپور تسلی دے کر بھیج دیا اور اس سے کہنے لگا۔

''آپ یوں کیجیے' چالیس پرسنٹ ڈسکاؤنٹ کے ساتھ واؤچر بنوا دیں اور جب تک ان کے شوہر کو جاب نہیں مل جاتی تب تک یہ رعایت برقرار رہے گی۔''

''مگر سر...... ایسے تو......'' اس نے آبجیکشن اٹھانا چاہا تھا کہ صارم نے وہیں ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

''دیکھیں مس شفیع...... ندا اور حمزہ بریلینٹ بچے ہیں' ایسے بچے ادارے کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ میں ہرگز یہ پسند نہیں کروں گا کہ چند پیسوں کی وجہ سے ان بچوں کے اسٹڈیز متاثر ہوں' میں نے ان بچوں کی والدہ کو نہیں دیکھا میں نے صرف اپنے سرمائے کو دیکھا ہے اینڈ آئی ایم شیور کہ اب آپ کے ذہن میں کوئی ابہام نہیں ہوگا۔''

''یس سر...... شیورڈ۔'' وہ مطمئن ہو کر مسکرا دی' وہ تو صرف اس وجہ سے متاثر تھی کہ جس طرح اسجد اسے سختی سے منع کر گیا تھا ان سے کسی بھی طرح کی رعایت برتنے سے تو شاید اس کا بھی ویسا ہی روکھا رویہ ہوتا مگر اس کے لفظوں نے تو ہلکا پھلکا کر دیا تھا' وہ اس سے مزید متاثر ہوئی تھی۔

''جیسا آپ بہتر سمجھیں سر...... میں ابھی واؤچر بنوا دیتی ہوں۔'' وہ باہر کی طرف بڑھی تھی کہ بے اختیار وہ پکار بیٹھا۔

''عنابیہ......'' اور ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اس کے نام سے پکارا ہو وہ تو ٹھٹک کر رکی ہی تھی وہ خود بھی گڑبڑا گیا۔

''وہ...... وہ ایسا ہے کہ زینت سے کہیں اچھی سی چائے لے آئے۔'' وہ کھڑی تھی اب کچھ تو کہنا ہی تھا اور اس کے نکلتے ہی جھنجلا کر ماتھے پر ہاتھ مارا۔

''دھت تیرے کی' ویسے تو ساری دنیا کے آگے زبان چلتی ہے تیری' ایک اس لڑکی کے سامنے ہی کیوں بل کھانے لگتی ہے حد ہے یار......'' وہ اپنے آپ سے ہی شاکی ہوا' اب کرتا بھی کیا ہمہ وقت سلیقے سے لیے گئے دوپٹے کے ہالے میں مقید اس کا چہرہ لگتا ہی اتنا دلنشیں تھا کہ آنکھ اٹھتے ہی زبان گنگ ہو جاتی' تب بولتا تو بس دل اور دل بے چارے کی فی الحال وہ خود ہی سن سکتا تھا اور خوب سن رہا تھا۔

❁......❁......❁

''ابے بھائی تُو کیوں ہاتھ دھو کر بلکہ نہا کر میرے پیچھے پڑ گیا ہے تُو چاہتا کیا ہے آخر میرے ہی ادارے میں میری عزت دو کوڑی کی کر دی اور وہ لڑکی کچھ زیادہ ہی ایفیشنٹ بنتی ہے۔ جب میں نے اسے منع کر دیا تھا پھر اس نے تجھے اس معاملے میں کیوں گھسیٹا۔ تم نے حلیہ دیکھا تھا مسز دلاور کا' اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو کم از کم ایک کلو سونا چڑھا رکھا تھا۔ بارہ ہزار کا جوڑا' تین ہزار کا جوتا اور ڈھائی ہزار کا پاؤچ پکڑ رکھا تھا ہاتھ میں اور آئی تھیں ہماری ہمدردی سمیٹنے۔ اللہ کا خوف نہیں آیا اس عورت کو' سو طرح کے خرچے ہوتے ہیں ہمارے بھی' یہ اتنا اسٹاف رضاکارانہ کام کرنے ہرگز نہیں آتا پھر ادارے کی مینٹیننس۔ لوگوں کو صرف اپنی مشکلات نظر آتی ہیں دوسروں کا پرابلم کوئی سمجھنا نہیں چاہتا' تم نے بھی اٹھا کر اٹھتے ہی فورٹی پرسنٹ کی چھوٹ دے دی۔ اوہ بھیا تم آفس میں بیٹھے تھے یا اپنے ابا کے سپر اسٹور پر' حد ہوتی ہے کسی بات کی' طریقہ ہوتا ہے کسی کام کا تمہیں انگلی پکڑائی تھی تم تو پورا ہاتھ ہی کھانے لگے' ہو کس دھیان میں۔''

اسجد آتے ہی کسی غبارے کی طرح پھٹا تھا' صارم نے گھور کر دیکھا اور پھر سے میگزین کے اوراق پلٹنے لگا۔

"تم سے بات کر رہا ہوں ان دیواروں سے نہیں۔" اسجد نے میگزین جھپٹ کر دور اچھال دیا بس چلتا تو یقیناً اسے بھی اٹھا کر پھینک دیتا مگر کیا کرتا کہ وہ ڈیڈ کا سرچڑھا بھانجا تھا اور اپنی بے شمار صلاحیتوں کی وجہ سے ان کی گڈ بک میں سرفہرست۔ مسئلہ تو یہ رہا تھا کہ وہ خود بھی اس کے متاثرین میں سے تھا جب ڈیڈ نے اپنی ذمہ داری اس کے ناتواں شانوں پر ڈالی تب وہ خود ہی درخواست گزار ہوا تھا کہ صارم کو اس کا ہیلپر مقرر کیا جائے (آخر اپنی خوبیاں بھی تو معلوم ہی تھیں اسے) اب یہ وقت تھا کہ وہی صارم اس کے لیے وہ ہڈی بن چکا تھا جسے نہ نگلے بنتی اور نہ اگلے۔ بچپن سے ہی دونوں کی خوب گاڑھی چھنتی رہی تھی' ایک محلہ' ایک ہی اسکول پھر یونیورسٹی' لڑائیاں' پنگے بازیاں سب ساتھ چلتی رہیں۔ اب یہ تعلق مزید مضبوط یوں ہوگیا تھا کہ اسجد کی بڑی آپا صارم کی بڑی بھابی بن گئیں' جن کی درگت وہ ہمیشہ ہی بناتے وہ بے چاری اکثر ان کے درمیان پل کا کام انجام دیتیں' اب جہاں دوستی ہے وہاں لڑائی نہ ہو ایسا تو ہو نہیں سکتا' اب بھی وہ چائے لے آئیں تو اسجد کو بے تھتے بیل کی سی حالت میں پایا۔

"کیا ہوا؟ تمہارا اتھوبڑا کیوں ٹماٹر بنا ہوا ہے وہ بھی ڈھائی پاؤ کا۔" ان کا سارا دن کچن میں گزرتا سو مثالیں بھی ویسے ہی سوجھتی تھیں وہ کرنٹ کھا کر ان کی طرف پلٹا۔

"آپا...... آپا سمجھالیں اپنے اس رشتے دار کو' بہت سر چڑھنے لگا ہے یہ میرے۔"

"ہیں' یہ کیا بدتمیزی ہے ایسے بات کرتے ہیں' ہوا کیا ہے آرام سے بیٹھ کر بتاؤ۔" اور وہ تو پہلے ہی کوئی کاندھا ڈھونڈ رہا تھا' جو شروع ہوا تو پھر نہ کوما لگایا نہ فل اسٹاپ۔ صارم ہینڈ فری کانوں میں لگائے' راحت فتح علی کی آواز انجوائے کرتا رہا۔ بھابی اس کی طرف منہ کیے کچھ کہہ رہی تھیں کہ نظر جیب سے نکل کر کان تک سفر کرتی تار پر پڑی بس پھر صارم نے انہیں صرف اٹھتے دیکھا تھا' ایک زوردار دھموکا گھٹنے پر پڑا اور یہ منظر تو جیسے اسجد کو تراوٹ بخش گیا۔

"ایک سے کام نہیں بنے گا ایک اور لگائیں اسے' بڑا بنا پھرتا ہے پرنسپل صاحب۔" اس نے آخری لفظ خصوصاً کھینچ کر ادا کیے۔

"اوئے ہوئے بڑا دھواں اٹھ رہا ہے' ہاں ہوں میں تجھے کوئی تکلیف۔" گھٹنا سہلاتے تگڑی گھوری سے نوازا۔

"اینڈ فار یور کائنڈ انفارمیشن' اسکول کے کسی بھی مسئلے کو حل نکالنے کا اختیار مجھے ماموں جی نے دے رکھا ہے اس کے لیے انہوں نے مجھے تم جیسے چوزے سے مشورے کا بھی پابند نہیں کیا۔ سو جو میں نے سمجھا وہ کیا اس کے لیے تمہیں شور مچانے کی قطعاً ضرورت نہیں اور دوسری بات میں اتفاقاً آفس چلا گیا تھا' عنایہ نے مجھے اس معاملے میں انوالو نہیں کیا اور نہ ہی تم اس سے کسی قسم کی باز پرس کرو گے اور تیسری بات تمہاری بے پروائیوں کے طفیل اسکول کے بہت سے معاملات توجہ طلب ہیں جن کا اب میں از خود نوٹس لے رہا ہوں اور ان شاءاللہ بہت جلد تمہاری کارگزاری اور اپنی کارکردگی کی رپورٹ ماموں کے حضور پیش کروں گا اور چوتھی اور خاص بات تم مس زدلاور کی پرابلم کی بجائے ان کے حلیے پر غور کرتے رہے اور ہر چیز کی پرفیکٹ پرائز کا کیا خوب اندازہ ہے جناب کا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خواتین کی شاپنگ کا یقیناً وسیع تجربہ ہے آپ کو اور بھابی...... اب آپ اس سے پوچھیں کس کو کرواتا ہے یہ اتنی شاپنگ؟"

"ہیں' واقعی...... اسجد کے بچے کتنے گھنے میسنے نکلے تم تو' اس سے تو مجھے بھی لگ رہا ہے کہیں پارٹ ٹائم کسی بوتیک پر تو نہیں بیٹھنے لگے۔ غضب خدا کا ماں کے لیے تو کبھی پراندہ نہیں خریدا تم نے' تین بہنیں خدمتیں کر کر کے آدھی ہوگئیں انہیں تو کبھی ایک ڈوپٹہ لے کر دینے کی توفیق نہیں ہوئی۔ ہیں بتاؤ نا ذرا' تو اب کس کو......" اس کے ساتھ تو وہ ہوئی تھی کہ آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا تھا' اب بھلا کون بچاتا کشتی کے پتوار تو اپنے ہاتھوں پھینک بیٹھا تھا۔ آپا کا سیاپا شروع ہو چکا تھا وہ پورے کیل کانٹوں سے لیس چڑھ دوڑیں' صارم ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے مزے سے ایک پاؤں ہلاتا رہا۔

لگ رہا تھا ہر سو بہار اتر آئی ہے' بے شمار تازہ رنگ برنگے پھول اور اس سے بڑھ کر خوش نما پیرہن میں ہشاش بشاش چہروں والے لوگ جن میں ایک وہی ہر طرف سے بے نیاز و بے زار صورت لیے ہوئے تھی۔ توقیر بھائی کی کولیگ کی شادی تھی' وہ اپنی فیملی کے ساتھ اسے بھی زبردستی لے آئے تھے اس کا موڈ تو ہرگز نہیں تھا جو یہاں آنے کے بعد مزید خراب یوں ہوا کہ علینہ ببلو کو اس کے حوالے کر کے میاں کے ساتھ دلہن کو سلامی دینے چل دی۔ ماں کو جاتا دیکھ کر ببلو صاحب نے غل غپاڑہ مچا ڈالا' بہترا چمکارنے پچکارنے پر بھی اپنے راگ بند

کرنے پر قائل نہ ہوا اُسے غصے کے ساتھ یہ بھی سمجھ میں آیا کہ وہ دونوں اسے اتنے اصرار سے کیوں لے کر آئے تھے۔ بچے کی آیا گیری جو کروانا تھی خود وہ مزے سے ہاتھ جھلاتے گھومتے پھر رہے تھے اسے کام سے لگا دیا تھا۔ وہ اس چھٹکو کو اٹھائے اِدھر سے اُدھر ٹہل رہی تھی‘ کسی طرح تو بہلے۔

خوش گپیوں میں مگن مجمع میں ایک وہی نالاں وخفاں تھی‘ کئی گردنیں مڑ مڑ کر دیکھ رہی تھیں‘ اس نے بھی دیکھا تھا اور اگلی بات کرنا بھول گیا‘ رائل بلو اینڈ وائٹ امتزاج کی لمبی سی تاروں بھری فراک پر وائٹ ہی حجاب سے سر ڈھکے از حد پیاری لیکن ضبط سے لال پڑتی صورت لیے وہ عنابیہ شفیع تھی۔ ایک پل کو تو آنکھیں پوری کی پوری کھل گئیں کہیں نظر کا دھوکہ تو نہیں ہو لیکن یقیناً ”وہ“ وہی تھی مگر اس کے شانے سے لگا وہ بلکتا ہوا نونہال...... یا اللہ...... دل نے گویا فضا میں تیرتے کبوتر کی طرح پلٹا کھایا تھا۔

دلہا میاں نہ صرف پڑوسی بلکہ بچپن کے یار بھی تھے پھر ان تمام دوستوں میں سب سے پہلے سہرا باندھنے کا اعزاز ان کے سر گیا تھا‘ وہ سارے کے سارے جی جان سے اس کی خوشیوں میں شریک ہونے آئے تھے وہ تو خوب ہنس رہا تھا مگر اب یک لخت ”بت“ کیوں بن گیا ہے۔ اسجد نے یہی معاملہ بھانپنے کے لیے اس کی نظروں کا تعاقب کیا اور صورت حال سمجھ میں آتے ہی زور سے اس کے پیر پر پیر دے مارا وہ بھی فوراً سنبھلا اب وہ اتنے لوگوں میں گھرے کھڑے تھے اگر سب اس طرف متوجہ ہو جاتے تو...... اور چند لمحوں بعد سب سے ایکسکیوز کرتا اسجد اُدھر چل دیا‘ صارم کا دھیان اِدھر ہی تھا‘ اسجد اس سے حال احوال پوچھ رہا تھا وہ اکتائی ہوئی بچے کو کبھی ایک سے دوسرے اور کبھی دوسرے سے پہلے شانے پر لیتی اور وہ تو جیسے مکمل آزمانے پر تلا ہوا تھا مگر بھلا ہو اسجد کا جس کی جیب سے برآمد ہوتے چھوہاروں کے پیکٹ نے آخر کار اسے بہلا ہی لیا۔ عنابیہ حد درجے ممنون نظر آرہی تھی‘ بچے کو اب ٹیبل پر بٹھا دیا تھا‘ وہ ایک ہاتھ سے دوسرا بازو دبائی اسجد سے ہمکلام تھی ادھر وہ مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہا تھا اور ادھر وہ کلس رہا تھا مگر آخر کب تک‘ وہ بھی بہانے سے اٹھ گیا جب تک وہ ان تک پہنچا دوسری طرف سے علینہ اور توقیر بھی آچکے تھے۔ ببلو نے ماں کو دیکھتے ہی سب کچھ پرے پھینکا اور ہمک کر اس کی گود میں چڑھ گیا اور اسے دیکھ کر عنابیہ کے چہرے پر خوشگوار حیرت اُمڈ آئی تھی اور یہ یقیناً اس کی نظر کا دھوکا نہیں تھا وہ ان کا تعارف کروا رہی تھی۔

”بھائی یہ اسجد صاحب ہیں اور یہ ہیں صارم ولید صاحب‘ ہمارے اسکول کے اونر۔“ کچھ عرصہ تو ہوا تھا اسے اسکول آتے ہوئے اور اس عرصہ میں اس نے صارم کو ہی اس سیٹ پر دیکھا تھا اور تمام معاملات نپٹاتے ہوئے بھی پھر اس کی عادت تھی ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھتی کسی سے فالتو گپیں لگانا مشغلہ نہیں تھا سو وہ حقیقت حال سے واقف نہ ہو پائی تھی اور اس کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے اسجد کو بھی یہی وقت ملا تھا گلا کھنکھارتے ہوئے گویا ہوا۔

”ہم دونوں نالائق تو کچھ عرصہ سے ادارے کی ذمہ داریاں سنبھال رہے ہیں‘ ان فیکٹ ادارے کے اونر میرے والد صاحب ہیں جو علیل ہونے کے باعث کچھ عرصہ سے بیڈ ریسٹ پر تھے مگر اب اللہ کے کرم سے بہت بہتر ہیں اور عین ممکن ہے کچھ عرصے تک وہ دوبارہ اپنی سیٹ پر واپس آجائیں کیونکہ ایک تو میں نے اس وجہ سے اپنا سمسٹر فریز کر دیا تھا اور دوسرے صارم صاحب بھی اپنی جاب کو مکمل ٹائم نہیں دے پا رہے اور یہ زیادہ مشکل میں یوں ہیں کہ ان کی جاب اپنے والد صاحب کی فرم میں ہی ہے اور ان کی صلاحیتیں متاثر ہونے کی وجہ سے آج کل وہ ان سے خاصے برگشتہ ہوئے پھر رہے ہیں۔“ اسجد اور اسے چڑانے کا کوئی موقع جانے دے یہ تو ہو نہیں سکتا تھا‘ صارم کا بس نہ چلا کہ اس کی گردن مروڑ دیتا۔ برگشتہ تو اصل میں ماموں ہوئے پھر رہے تھے اس کی ناقص کارگزاریوں کی بناء پر اور اسی لیے انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ جلد ہی خود اپنی ذمہ داری کو سنبھالیں گے۔

”تمہیں تو میں دیکھ لوں گا۔“ صارم نے دانت کچکچاتے اسے دھمکی آمیز نظروں سے دیکھا مگر بظاہر چہرے پر مسکراہٹ تھی‘ عنابیہ کی خوشگواریت رنگ بدل گئی تھی یہ ایک بالکل نئی خبر تھی اس کے لیے۔ پھر تو توقیر بھائی ان سے یوں گھل مل گئے جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ اسجد تو باتوں کا دھنی تھا ہی‘ صارم کا انداز گفتگو بھی سامنے والے کو حصار میں لے لیتا تھا‘ وہ جو اب تک اس سے خائف تھے تو اب یقیناً مطمئن ہو چکے تھے وہ اچھے لوگوں کے ساتھ کام کر رہی ہے‘ یہ تسلی کافی تھی اور واپسی پر وہ اس سے لڑ رہا تھا۔

”میری عزت تو برداشت ہی نہیں ہوتی تجھ سے تو میری خوبیاں مان کیوں نہیں لیتا‘ سڑ سڑ کے مر جائے گا کسی دن تو

دوست کے روپ میں دشمن ہے میرا۔ پہچان لیا ہے میں نے تجھے' پیدائشی کمینہ ہے تُو' یہ ساری تفصیل آج ہی بتانی ضروری تھی گیا۔ پتا نہیں عنابیہ نے کیا سوچا ہوگا میرے بارے میں۔"

"اوہ' بہت فکر ہو رہی ہے ویسے پوچھ سکتا ہوں حالات تو ٹھیک ہیں تمہارے' اسے دیکھتے ہی حواس کھو بیٹھے تھے۔" ڈھٹائی سے دانت نکوستے اسجد نے آنکھیں گھمائیں وہ سر جھٹک کر مسکرا اٹھا۔

اب کیا بتاتا کہ اس کی گود میں ایک کیوٹ سے بچے کو دیکھ کر ایک پل کے لیے وسوسے نے دل میں سر اٹھایا تھا ایک دم' اس سے جب بھی بات ہوئی کسی نہ کسی کام کے متعلق۔ اس کے متعلق تو کچھ جانتا ہی نہ تھا وہ اور نہ ہی کبھی پوچھنے کی ہمت کر سکا۔ ہر بار بس سوچ کر رہ جاتا' وہ سامنے آتی تو اور کچھ یاد ہی کہاں رہتا تھا اور آج اتفاقاً اس کی فیملی سے مل کر بہت اچھا لگا تھا اور اس کے چہرے کا وہ خوش کن تاثر تو دل پر نقش ہو گیا تھا گویا وہ کار ڈرائیو کرتا اپنے ہی دھیان میں مسکرائے جا رہا تھا۔

"چچ...... چچ...... یہ تو گیا کام سے۔" متاسف سا اسجد دائیں بائیں گردن ہلاتا سوچ رہا تھا۔

❁......❁......❁

"عنابیہ...... جلدی سے آؤ' تمہارا فیورٹ سوپ ریپیٹ ٹیلی کاسٹ ہو رہا ہے' آج تو امی بھی خالہ کی طرف گئی ہوئی ہیں۔ تم مزے سے تمام اقساط دیکھ سکتی ہو۔" ہادیہ نے دروازے سے جھانک کر اطلاع دی اور اتنی اہم خبر پر اس نے کوئی خاص رسپانس نہیں دیا تھا' آہستگی سے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا اور فقط اچھا کہہ دیا۔ ہادیہ جو اس کے بیڈ سے چھلانگ لگا کر اتر بھاگنے کی منتظر تھی ایسے پھسپھسے انداز پر ٹھٹک گئی۔

"کیا ہوا' خیر تو ہے طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟"

"ہوں' ٹھیک ہے تم چلو میں آتی ہوں۔" وہ کسلمندی سے ٹیسٹ پیپر سمیٹنے لگی جو بہت دیر سے اس کی توجہ کے طالب تھے اور مجال ہے اس نے کسی ایک کو بھی دیکھا ہو' جی نہیں چاہ رہا تھا اور یہ کوئی آج کی بات نہیں ایسا تو چند دنوں سے ہو رہا تھا۔ اسکول میں بھی حد درجہ بےزاریت ہونے لگی تھی حالانکہ وقار صاحب کا رویہ تمام اسٹاف کے ساتھ بےحد مشفقانہ تھا اور اسے تو وہ خاص طور پر مطمئن تھے۔ صارم انہیں تمام رپورٹ دیتا تھا تو اس کی کارکردگی کے بارے میں بھی یقیناً انہیں خوب آگاہ کر رکھا تھا آج کل وہ دونوں ہی غائب تھے۔ اسجد تو اپنی اسٹڈیز پھر سے شروع کر چکا تھا اور صارم جاب میں بزی تھا۔

"مجھے امید ہے آپ اسی طرح محنت اور لگن سے اپنا کام کرتی رہیں گی اور آپ کی کلاس کا تھرڈ ٹرم کا رزلٹ گزشتہ سے بھی شاندار ہوگا۔" صارم نے جانے سے پہلے اس سے کہا تھا اور اس نے مسکرا کر یقین دہانی بھی کروائی تھی اور دو چار دن تک تو معاملہ بالکل فٹ چلتا رہا لیکن پھر اچانک سے جانے کیا ہوا' وہ اسکول جاتی تو حد درجے اجنبیت محسوس ہوتی۔ بددلی سے کلاس لیتی باہر نکلتی تو خالی کوریڈور عجیب سا لگتا اب کوئی نہیں پوچھتا تھا۔ "جی مس شفیع کوئی مسئلہ تو نہیں۔"

آفس روم میں جاتی تو لگتا اس کے کلون کی مہک اب بھی کہیں آس پاس چکرا رہی ہے' وہ سر جھکائے وقار صاحب سے بات کرتی رہتی۔ اس سیٹ کی طرف نگاہ اٹھانے کی ہمت نہ پڑتی' اب وہ نظر نہیں آتا تھا تو الجھن سی ہوتی۔ فارغ وقت میں تمام ٹیچرز خوش گپیوں میں مگن ہوتیں وہ کوئی کتاب کھول لیتی' کسی سے بولنا اچھا ہی نہ لگتا اور یہ دل ایسی نادانیاں کیوں کر رہا تھا وہ سمجھ کر بھی سمجھنا نہیں چاہ رہی تھی۔ اب بھی چاروناچار کمرے سے نکلی۔

"عنابیہ کھانا لے آؤں۔" اسکول سے واپسی پر اس نے کھانا نہیں کھایا تھا' سارے گھر کی فکر کرنے والی علینہ کو یقینی طور پر اس کی بھی فکر تھی' اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"نہیں۔" یک لفظی جواب دیا' نظریں اسکرین پر تھیں' مگر دھیان کہیں اور اڑانیں بھر رہا تھا۔ اس کی عدم دلچسپی کو علینہ نے بغور محسوس کیا۔

"کیا بات ہے؟ آج اسکول میں ایسا کیا کھا لیا تھا جو ابھی تک بھوک نہیں لگی۔ صبح بھی تم صرف ایک سلائس اور ایک کپ چائے پی کر گئی تھیں۔"

"میں کچھ نہیں کھاتی اسکول میں اور میں نے کہا ناں بھوک نہیں ہے مجھے۔ ہاں اگر چائے پکاؤ گی تو ایک کپ میرے لیے بھی۔" اس نے دونوں پاؤں اوپر کر لیے' گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر تھوڑی ٹکائی آنکھیں بےحد بوجھل ہو رہی تھیں گویا کئی راتوں سے نیند پوری نہ لے رہی ہو' اسے یوں سکڑتے دیکھ کر علینہ کی فکرمندی میں مزید اضافہ ہوا۔

"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری' بہت سست لگ رہی ہو' کہیں بخار تو نہیں ہو گیا؟"

"ٹھیک ہوں بھئی کچھ نہیں ہوا مجھے۔" وہ بےزار ہوئی۔

"اسکول میں تو سب ٹھیک چل رہا ہے ناں' کوئی مسئلہ تو نہیں؟" علینہ کی عادت تھی' سوال پر سوال کیے جاتی اور اس کے اس سوال نے تو جلتی پر تیل کا کام کیا۔ کوئی بے حد یاد آیا تھا' گھور کر اسے دیکھا وہ بے چاری بوکھلا سی گئی۔

"اچھا بھئی اگر اسکول میں بھی کوئی مسئلہ ہے تو چھوڑ دینا' دفع کرو اور مجھے پتا ہے تم پھر میرے میاں سے خرچہ بھی نہیں مانگو گی۔ اس شہر میں اسکول کوئی کم تھوڑا پڑ گئے ہیں' یہ نہیں تو اور سہی...... اور نہیں تو اور سہی لیکن پلیز تم اس طرح کی شکل بنا کر مت بیٹھو پریشانی ہونے لگی ہے مجھے۔ کھانا نہیں کھانا تو مت کھاؤ میں ابھی تمہارے لیے اچھی سی چائے اور مزیدار سینڈوچ لے کر آتی ہوں' وہ کھا لینا ٹھیک ہے۔" وہ جلدی جلدی بولتی گود میں کھیلتے ببلو کو کارپٹ پر بٹھا کر چلی گئی۔ ہادیہ بھی اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھ رہی تھی اور عنابیہ کو اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا۔

"جب اس طرح کا رویہ برتو گی تو سب سوال تو پوچھیں گے ہی' یہ کیا بے وقوفی ہے کہ اندر کی تحریر چہرے پر بھی نمایاں ہونے لگی ہے۔ کس کس کو کیا کیا وضاحتیں دوں گی اپنی بے نام الجھنوں کی' سنبھالو اپنے آپ کو۔" وہ خود کو گھرک رہی تھی پھر ہادیہ پر چڑھ دوڑی۔

"کیا گھور گھور کر دیکھ رہی ہو مجھے' جاؤ علینہ سے کہو چائے ابھی رہنے دو کھانا گرم کرے بھوک لگ رہی ہے مجھے۔" ہادیہ گڑبڑا کر جھٹ حکم کی تعمیل کے لیے اٹھی۔ وہ ببلو کی طرف متوجہ ہوگئی جو کرولنگ کرتا اس کے پاس آ گیا تھا اور اب صوفے کو پکڑ کر کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا تھا جھک کر اسے چومتے ہوئے دوپٹے سے آنکھیں بھی رگڑ ڈالیں' دو موتی وہیں کہیں گم ہو گئے تھے۔

❁......❁......❁

بے حد امپورٹنٹ ڈیل تھی اور اس کے کیریئر کے لیے خاص اہمیت کی حامل کیونکہ بابا جان نے وارننگ جاری کی تھی کہ اس بار اکیلے خود کو ثابت کرو تاکہ میں بھی دیکھوں کہ تم میری فرم کے قابل بھی ہو یا نہیں اور ہر بار ہوتا یہ تھا کہ اس کے حصے کے کتنے ہی کام عازم بھائی سنبھال لیتے تھے وہ جب چاہے منہ اٹھائے آفس چلا آتا' کوئی پوچھ گچھ کوئی پڑتال نہیں کی جاتی تھی۔ چھوٹا اور لاڈلہ ہونے کے کئی فائدے حاصل تھے اسے' مگر اس بار تو انہوں نے بھی صاف ہری جھنڈی دکھا دی سو اب جو کرنا تھا خود ہی کرنا تھا۔ اپنا آپ منوانا آسان نہیں ہوتا۔ محنت کے شیشے چلا کر ہی خوش بختی کی نہر نکالی جاتی ہے۔ تقدیر سے پہلے تدبیر کا پتا کھیلنا پڑتا ہے جو چل جائے تو کتاب زیست کے ہر باب کا عنوان بدل جاتا ہے' اس نے بھی جان لڑا دی تھی پھر کیسے نہ کامیابی مقدر ٹھہرتی جب بابا نے گلے لگا کر شانہ تھپکا تو سمجھو ساری محنت وصول ہوگئی تھی وہ بے پناہ مطمئن و مسرور تھا اور آج تو کچھ زیادہ ہی۔ اپنے فیورٹ سانگ کی دھن پر گنگناتے ہوئے بڑے اہتمام سے تیار ہو رہا تھا۔

بلیک ڈریس پینٹ کے ساتھ گرے اور پنک مائیکرو چیک شرٹ پر میچنگ ٹائی لگائے' سلیقے سے بال جمائے' خود کو خوشبوؤں میں بساتے' چمکتے جوتوں میں پیر پھنساتے دھیان کے آسمان پر ایک ہی طائر خیال پرواز کرتا رہا وہ متانت بھرا لب و لہجہ وہ سادہ پُر تمکنت روپ' وہ دلنشیں پُر اعتماد چہرہ جو ایام گزشتہ کی ہر گھڑی میں اس کے ساتھ ساتھ رہا۔ وہ انگلیوں پر سارے دن شمار کر سکتا تھا جو اسے بن دیکھے بیت گئے تھے۔

ماموں کی کال آئی تھی' ان کی صحت یابی کی خوشی میں تمام ٹیچرز ایک چھوٹی سی ٹی پارٹی دے رہے تھے' اسے بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی اور خاص تاکید بھی کہ وقت نکال کر ضرور پہنچے اور وقت نہ بھی ہوتا وہ پھر بھی شامل ہوتا کہ اب دل مضطرب کو سنبھالنا مشکل ہونے لگا تھا۔ وہ سج سنور کر ناشتے کی ٹیبل پر پہنچا تو اماں اور بھابی نے بے اختیار بلائیں لے ڈالیں' بھابی کو تو کھانسی ہی لگ گئی۔ انہیں سب خبر تھی' اتنی خاص تیاری کے پیچھے کون سا جذبہ کارفرما ہے' اسجد کے طفیل وہ اس کا حال دل جان چکی تھیں اور وہ تو خود بے حد بے تاب تھیں اس سے ملنے کے لیے' جس نے ان کے پیارے سے دیور کا دل موہ لیا تھا ان کی مسلسل کھوں کھوں پر وہ انہیں گھورتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

اسکول میں خوب چہل پہل تھی' ماموں جی نے کھلی بانہوں سے استقبال کیا۔

"اوہو آج تو بڑے جچ رہے ہو۔" اسجد نے سر تا پیر جائزہ لیتے سراہا۔

"میں ہمیشہ ہی جچ رہا ہوتا ہوں ماشاء اللہ سے۔" اس نے نخوت سے گردن اکڑاتے کالر سے نادیدہ گرد جھاڑی۔

"اوئے ہوئے خوش فہمیاں تو دیکھو جناب کی۔"

"اسے خوش فہمی نہیں خود آگاہی کہا جاتا ہے۔" اسجد نے مسکرا کر سر ہلا دیا ماموں بہت فخر کے ساتھ اس کی حالیہ کامیابی کے بارے میں سب کو بتا رہے تھے' سب مبارکباد دینے لگے

اور تمام اسٹاف موجود تھا جسے دیکھنے کی چاہ میں وہ کشاں کشاں کھنچا چلا آیا تھا' اس رخ روشن کا تو اب تک دیدار نہ ہوا تھا اور مارے بے چینی و بے قراری کے ماموں سے اس کے متعلق استفسار کر ہی لیا۔

''عنابیہ بیٹی...... ہاں اسے کوئی ضروری کام تھا' تمہارے آنے سے کوئی پانچ منٹ پہلے ہی گئی ہے ویسے بہت لائق بچی ہے۔ بہت مطمئن ہوں میں اس کے کام سے' بچے بھی حد درجے مانوس ہوگئے ہیں اس سے۔'' ماموں کہہ رہے تھے اور اس کی حالت یوں تھی گویا اب چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

فرشتے رزق بانٹ گئے تھے' پرندے چہچہا چہچہا کر اب چپ چاپ آب و دانہ کی فکر میں غلطاں تھے۔ کھلی کھڑکی سے قطار در قطار اترتی سورج کی کرنیں اتنی جمع ہوگئیں کہ سارا کمرا روشن ہوگیا۔ ہر چیز اجلی اور روشن نظر آ رہی تھی۔ ہادیہ اسے جگانے کی کوشش میں ناکام ہوکر یونیورسٹی سدھار چکی تھی' اب اس بے چاری کو کون بتاتا کہ سوتے کو تو کوئی جگا لے لیکن جو جاگنا ہی نہ چاہے اسے کوئی کیسے جگائے۔ علینہ الگ دو بار جھانک کر جا چکی تھی اس انتظار میں کہ اس نے بستر شاہی چھوڑ دیا ہو تو وہ ناشتا لے آئے مگر کہاں جی آج تو اس کا منہ ہی چادر سے باہر نہ نکلا تھا۔ کسلمندی سے آنکھیں موندے پڑی تھی اور جانے کب تک خواب غفلت میں پڑی رہتی کہ امی کی آواز نے اسے جھٹکے سے چادر پرے پھینک کر اٹھنے پر مجبور کردیا جو کہہ رہی تھیں۔

''عنابیہ...... فون ہے تمہارے لیے' یہ لو بات کرو۔'' وہ کارڈ لیس لیے سر پر کھڑی تھیں' اس نے ان کے ہاتھ میں تھمے آلے کو یوں دیکھا گویا پہلی بار دیکھا ہو۔

''بات کرو۔'' وہ تو یہی سمجھیں ابھی تک نیند میں ہے' کارڈ لیس اس کی طرف بڑھاتے دوبارہ کہا۔ چاروناچار تھام لیا' دوسری جانب وقار صاحب تھے جو مسلسل غیر حاضری کی وجہ دریافت کر رہے تھے۔

اسے زمانے بھر کا گھسا پٹا بیماری کا تراشتے بہت عجیب سا تو لگا مگر کیا کیا جاتا کہ بعض اوقات اپنا بھرم رکھنے کے لیے جھوٹ کا ہی سہارا لینا پڑتا ہے۔

''اپنا بہت سا خیال رکھیں اور جلدی سے صحت یاب ہوکر اسکول آئیں' بچوں کا بہت حرج ہو رہا ہے۔ آپ کو علم ہے ناں فائنل ٹرم میں کتنا کم ٹائم رہ گیا ہے۔'' وہ کہہ رہے تھے' اس نے جھٹ یوں سر ہلایا جیسے وہ دیکھ رہے ہوں' منہ سے مرا مرا ''جی'' نکلا انہوں نے مزید تاکید کے بعد کال ڈراپ کردی امی نے کارڈ لیس ہاتھ سے لے لیا۔

''تنگ پڑ گئی ہو تو سیدھے سیدھے بتا دینا تھا انہیں' بہانے کس لیے بنا رہی ہو' میں تو خوش ہوگئی تھی شکر کیا تمہارے سر سے بھوت اترا۔''

''نہیں امی وہ دراصل......'' اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر انہوں نے سنا ہی نہیں۔

''چلو اب جو بھی ہے چھوڑو پرے' تم نے تو ایک دردسری مول لے رکھی ہے۔ اسکول میں جان کھپا کر آتی ہو تو گھر میں بھی کاپیاں کتابیں لیے بیٹھی رہتی ہو۔ اس فکر میں لگ کر اپنی طرف تو دھیان ہی نہیں رہا تمہارا' حالت تو دیکھو کیا کرلی ہے۔ سچ میں بیمار دکھنے لگی ہو' رنگ کیسا کملا گیا ہے' آنکھیں اندر کو دھنس گئی ہیں۔ ارے آج کل کی لڑکیاں تو اتنا کچھ لیپا پوتی کیے رکھتی ہیں' ایسا سنور کر رہتی ہیں مگر تمہیں تو ایک ہی شوق ہے' بس اور اس بار تو بہت دن ہوگئے ضرور تمہارا شوق پورا ہوگیا ہوگا۔ اب جان چھڑاؤ اپنی' گھر میں رہو' اپنا خیال رکھو۔ آصفہ خالہ کی بہو کی بہن بہت دنوں سے آنے کا کہہ رہی ہیں' میں انہیں بلاؤں تو تب ناں جب......''

''کک...... کون آصفہ خالہ......'' وہ بڑے تحمل سے سن رہی تھی مگر اس بات پر بوکھلا کر سر اٹھایا۔

''اے لو' اب تم آصفہ خالہ کو بھی بھول گئیں' ارے بھئی میری آصفہ خالہ تمہاری صفی نانی وہ جو ملیر میں رہتی ہیں اور جن کے......'' امی تفصیل گوش گزار کر رہی تھیں اور اسے ان کے بائیو ڈیٹا سے کوئی سروکار نہیں تھا' حلق میں اٹکتا کانٹا نگل کر پوچھا۔

''مم...... مگر وہ آنا کیوں چاہ رہی ہیں۔''

''ارے وہ کہاں آنا چاہ رہی ہیں' ان سے اب کہاں ہوتا ہے اتنا سفر۔ جوڑوں کا درد لے کر بیٹھ گیا انہیں تو ورنہ دو چار مہینوں بعد آکر مل ہی جایا کرتی تھیں۔ تمہارے ابا کے بعد مجھے بھی ایسے جھمیلے چمٹے کہ کہیں نکلنے کے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔ توقیر کی اپنی مصروفیات ہیں' سفیر یہاں ہے نہیں' اب کسے کہوں کہ مجھے وہاں تک لے جائے۔ پرسوں آیا تھا ان کا فون تو بتا رہی تھیں کہ......'' اور یک لخت ہی امی کی نظر اس کے رنگ اڑے چہرے پر پڑ گئی وہ یوں سہمی بیٹھی تھی جیسے وہ اسے کسی

رشتے دار کی نہیں بلکہ کسی بھوت کی آمد کی اطلاع دے رہی ہوں' انہیں اس پر غصہ تو کیا آتا بے اختیار ہی پیار آ گیا۔ اپنی جان و منفرد سا مزاج رکھنے والی بیٹی انہیں پیاری بھی تو بہت تھی' اس میں تو جان اٹکی رہتی تھی ان کی جتنا چاہتی تھیں کہ وہ ذرا سی سمجھ دار ہو جائے اتنا ہی وہ انہیں فکر مند کیے رکھتی تھی وہ مسکرا کر بات ہی پلٹ گئیں۔

''اچھا چلو تم اٹھ کر منہ ہاتھ دھو لو' کب تک پوستیوں کی طرح پڑی رہو گی' علینہ کئی بار دیکھ گئی ہے تمہیں۔ اب تم ناشتا کرو تو وہ کچن سمیٹے پھر اور بڑے کام ہوتے ہیں اسے' بچہ الگ تنگ کرتا ہے اس کا۔ کیا کیا کرے وہ بے چاری' تمہارا تو گھر میں رہنا اور نہ رہنا ایک سا ہی ہے۔ کسی کام کو تو ہاتھ لگانا نہیں ہوتا' میں تو سوچ رہی ہوں ہادیہ کی پڑھائی مکمل ہوتے ہی کچن کی آدھی ذمہ داری اس کے سر پر ڈال دوں گی۔ اسے تو میں نے گھر سے پھر نکلنے نہیں دینا' توبہ میری۔ تمہیں ڈھیل دینے کا نتیجہ دیکھ لیا ہے میں نے۔'' وہ یونہی بولتیں دروازہ پار کر گئیں۔ اسے غصہ کے ساتھ رونا بھی آ رہا تھا مگر کس بات پر؟ اسے خود علم نہیں تھا ہاں بس رونا آ رہا تھا۔ گو کہ امی نے بتایا نہیں تھا مگر اب وہ ایسی بھی بے وقوف نہیں تھی کہ ان کی باتوں کا لب لباب نہ جان پاتی' اسے اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی' خالہ کی بہو کی بہن کے تذکرے کے پیچھے ضرور کوئی کہانی چھپی تھی اور اگر سچ میں کوئی قصہ نکل آیا تو......

''اُف نہیں......'' اس کا پہلے سے الجھا دل مزید گرہوں میں الجھ گیا اور یہ الجھن ہی تو تھی جو وہ اس روز رفعت کریم سے بھڑ پڑی تھی۔

کلر ڈے منایا جا رہا تھا' وقار صاحب نے تمام تر تیاری کا ذمہ ان دونوں کے شانوں پر ڈال دیا' اب اس کے نزدیک تو کلر ڈے منانا ایسا کوئی ضروری بھی نہ تھا' اس کے علاوہ اور بہت سے ایسے خاص دن ہوتے ہیں جن کی اہمیت مستقبل کے معماروں پر واضح کرنا نہایت ضروری ہے اور جن پر ہم توجہ نہیں دیتے مگر خیر جہاں ہم نے اور بہت سی خرافات اپنائی ہیں وہاں یہ بھی سہی۔ جیسے تیسے کر کے وہ یہ ذمہ داری نبھا ہی لیتی لیکن جب ایک لیچر سے گانے پر رفعت نے ننھے ننھے بچے بچیوں کو واہیات سے اسٹیپ بتائے تو اس سے رہا نہ گیا۔

''بچے ہمارے پاس علم کے علاوہ اچھی اقدار سیکھنے آتے ہیں' بری روایات نہیں۔ ہمیں صرف انہیں لکھنا پڑھنا ہی نہیں سکھانا ہوتا' ان کی اخلاقی تربیت بھی ہمارے ذمہ ہیں۔ ہم نے انہیں اچھائی برائی کی تمیز سمجھانی ہے نہ کہ ہم ہی اس فرق کو مٹا دیں' یہ بالکل ٹھیک نہیں۔'' بس اس بات پر اختلاف اتنا بڑھا کہ وہ کامن روم سے اٹھ آئی' وقار صاحب تک بھی تمام قصہ پہنچا انہوں نے دونوں کو بلا بھیجا' توجہ سے ساری کتھا سننے کے بعد انہوں نے اس کے موقف کو درست قرار دیا۔ شاباشی سے الگ نوازا' اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ خوش اور مطمئن ہو جاتی مگر بس وہی بے نام کی الجھن' اس نے ذمہ داری سے تو معذرت کی۔ تین دن کی چھٹی الگ لے آئی' سوچ لیا تھا بس اب نہیں جانا اور اسی سوچ پر کاربند رہتے ہوئے آج پانچواں دن چڑھ آیا تھا۔

لیکن وقار صاحب کی کال نے سوچ کا رخ پھیر دیا' اب اس سارے سلسلے میں ان معصوم بچوں کا کیا قصور' جن کے چند دنوں میں منتھلی ٹیسٹ شروع تھے اور اس کی مسلسل غیر حاضری یقیناً ان کی اسٹڈی کو متاثر کر رہی تھی۔

فرض پر غرض کو فوقیت دینا کسی بھی طرح جائز نہیں اور کیا وہ اتنی ہی کمزور ہو گئی ہے کہ ایک ذرا سے مٹھی بھر کے لوتھڑے کے ہاتھوں مغلوب ہو کر خیانت کی مرتکب ہونے لگے گی۔ جس منزل کا کوئی نشاں نہ ہو اس راستے کی طرف بھی دیکھنے سے کیا حاصل؟ خود کو مزید بھٹکنے سے بچانے کے لیے ضروری تھا اپنے آپ کو مصروف رکھا جائے۔ وہ ایک فیصلہ کر کے اٹھی' ابھی اسے فریش ہونا تھا پھر مزے دار سا ناشتا' اس کے بعد کمرے کی تفصیلی صفائی اور ہاں پورے ہفتے کے لیے کپڑے بھی پریس کر کے ہینگ کرنا تھے' بھئی کل سے وہ اسکول جا رہی تھی۔

❁......❁......❁

اسجد بہت دن بعد آیا تھا' بے شمار قصے تھے اس کی زبان پر' ابھی ایک پورا نہ ہوتا کہ وہ کسی دوسری رام کہانی کی ٹانگ پکڑ لیتا۔

یہ ہوا......وہ کیا ہوا......اس نے کہا......اس نے وہ کہا......

وہ بول رہا تھا اور وہ مٹھی پر تھوڑی رکھے بڑے دھیان سے (بظاہر) سن رہا تھا لبوں پر خفیف سی مسکان بھی سجی تھی۔ اسجد نے گھور کر دیکھا اور تڑخ کر پوچھا۔

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟''

''کس میں......؟'' وہ بری طرح چونکا۔

''اچھا دوست ہے تُو بھائی...... میں تجھے بتا رہا ہوں اس کمینے نے بھری محفل میں میری ٹوپی گھما دی اور تُو ہنس رہا ہے۔''

"اوہ...... اچھا تمہاری ٹوپی گھمادی، مگر کس کمینے نے؟" وہ جلدی سے ہمدردی جتانے کے چکر میں کہہ تو گیا پھر جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ کیا کہہ گیا ہے کیونکہ اسجد کے تیور یک لخت ہی رنگ بدل گئے تھے، ماتھے پر پڑتے بل آنکھوں کی بڑھتی خشونت وہ پھنکارتا گویا ہوا۔

"میں تم سے بات کررہا ہوں ان دیواروں سے تو نہیں، اپنا جلتا کلیجہ ٹھنڈا کرنے آیا تھا تیرے پاس۔ دوست ہی دوست کا دکھ بٹاتے ہیں پر تجھے میرے کسی دکھ کی اب کیا سمجھ آئے گی تُو تو اب خود کسی غم میں ڈوبا ہوا لگ رہا ہے، ہوا کیا ہے تیرے ساتھ، سب ٹھیک تو ہے؟" وہ اپنا سیاپا بھول کر اس کے لیے فکر مند ہوا۔

"ہوں، سب ٹھیک ہے کچھ نہیں ہوا، تم چھوڑو ساری باتیں، یہ بتاؤ کیا پیو گے؟" صارم خود کو سنبھال چکا تھا، اپنے آپ کو ریلیکس ظاہر کرتے استفسار کیا۔

"ماشاء اللہ بہت جلدی خیال آگیا آپ کو آداب میزبانی نبھانے کا۔ میرے جانے کے بعد فون کرکے پوچھ لیتے، اب بھی کیا ضرورت تھی۔ بول بول کر حلق خشک ہوگیا، فی الحال تو غصہ ہی پی لیا ہے میں نے۔ میں نے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں ناں، تُو بھی اب کوئی ہینگی پینگی مت مارنا بلکہ چل شروع ہوجا اور الف سے بے تک ساری کہانی کہہ ڈال۔ میں پورے غور سے سنوں گا، سچ بتانا کہیں جھاڑ تو نہیں پڑ گئی اس سے؟"

"کس سے؟" صارم حیران ہوا۔

"اسی سے جس سے حال دل کہا ہوگا۔" اسجد نے بھرپور شرارت سے آنکھیں مٹکائیں، جبکہ اس کی آنکھیں ماتھے پر جا ٹکیں۔

"بکومت، خوامخواہ کے قیافے لگانا عادت ہے تمہاری، ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"تو پھر کیسا ہے میرے بھائی...... تمہارا یہ بوتھا پہلے تو کبھی اس رنگ میں نہیں دیکھا میں نے۔ یہ بکھرے بال، یہ اجڑے حال، یہ منتشر حواس، یہ رونے والی داستان پر ہنسنا اور ہنسنے والی کہانی پر رونا۔ یہ دن رات کسی کے خیال میں کھوئے رہنا یقیناً یہ سب اچھی علامات نہیں ہیں۔ تم بتانا نہ چاہو تو الگ بات ہے وگرنہ تمہاری حالت چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے، اس صدی کا رانجھا، ماہی وال، فرہاد، چنیسر، جنوں میں ہی ہوں۔ تم سارے زمانے سے چھپ سکتے ہو مجھ سے نہیں، میں تو تمہاری نبض دیکھ کر بتا سکتا ہوں، تمہیں کتنے ڈگری کا بخار الفت ہے اور ہاں ڈیڈی بتا رہے تھے اسکول میں کلرڈے تھا اس روز، میں تو اتنا مصروف تھا کہ جا ہی نہیں سکا، تم تو ضرور گئے ہوگے، ہے ناں؟"

"ہاں ماموں نے کال کی تھی، گیا تھا میں۔" جتنا اس کا انداز کریدتا ہوا تھا اس سے کہیں زیادہ سرسری جواب آیا تھا۔

"اچھا، تو پھر ملے تھے اس سے، کوئی بات کی۔" وہ پُرشوق لہجے میں پوچھتا بے اختیار آگے کو کھسک آیا۔

"نہیں۔" صارم کے ایک لفظ نے خاصا بدمزا کیا، واپسی پیچھے کو جاتی بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"ایک بات تو تمہیں ماننا پڑے گی یار...... تم دوسروں کی نظر میں چاہے جتنے بھی ذہین، فطین، لائق فائق، قابل، عامل، کامل بن جاؤ لیکن میرے جیسا بااعتماد کبھی بھی نہیں بن سکتا۔ مجھے دیکھو میں کبھی نہیں گھبرایا اس معاملے میں، جو اچھی لگتی ہے بے دھڑک اس کی تعریف اس کے منہ پر کردیتا ہوں بلکہ ہمیشہ ایک کی چار لگا کر بتاتا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ شروع سے ہی حلقہ صنف نازک میں خاصا مقبول رہا ہوں۔ لڑکیاں بے تاب رہتی ہیں مجھ سے بات کرنے کے لیے اور تیری تو کبھی اسکول میں بھی جرأت نہیں ہوتی تھی کسی لڑکی سے بات کرنے کی۔ کالج، یونیورسٹی میں بھی تیرا یہی حال رہا، بنے پھرتے رہے انیس سو ساٹھ کے ہیرو، اب دیکھ لو ایسا بیبا بچہ بننے کا کیا فائدہ ہوا تمہیں، ایک لڑکی سے دو لفظ نہیں کہہ سکتے تم اب تک، حد ہوگئی یار، یہی میرے جیسے ہوتے تو......"

"استغفار...... شکر ہے میں تم جیسا نہیں، تم جسے بااعتماد ہونا کہہ رہے ہو ناں اسے اعلیٰ درجے کا چھچھورپن کہتے ہیں میری لغت میں۔" وہ خاصا جل کر بولا۔ اسجد کی حرکتوں سے ہمیشہ ہی نالاں رہا تھا وہ اس معاملے میں جس قدر محتاط اور سنجیدہ مزاج اس کا تھا اس قدر اسجد بے فکر اور غیر سنجیدہ رہا کرتا۔ ہر دوسری لڑکی سے اس کی دوستی ہوجاتی جبکہ صارم کبھی بھی سلام دعا سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرتا۔ اس نے ایک حد فاصل اپنے گرد کھینچ رکھی تھی جسے کبھی کسی کو پار کرنے نہ دیا، اسجد طنزاً ہنس رہا تھا۔

"کہاں ہے وہ تمہاری مقدس لغت، میرے ہاتھ لگے تو چولہے میں ڈال دوں۔ کاش کے تھوڑا سا چھچھورپن تمہارے اندر بھی ہوتا تو آج راول ثانی نہ بنے ہوتے شیم آن یو۔" وہ اسے چڑا رہا تھا اور وہ چڑ بھی گیا بے اختیار کشن اٹھا کر اس کے

چہرے کا نشانہ لیا۔

ایک تو وہ پہلے ہی دل جلا ہو رہا تھا' اس روز بھی خوب تیاری کے ساتھ وہاں پہنچا تھا' خیال تھا بس آج تو حال دل کہہ ہی دوں گا لیکن عجیب اتفاق تھا وہ جب بھی اس سے ملنے کے خوش کن تصورات لیے گیا وہ منظر سے ہی غائب ملی' اس کی تو ہر بار دل کی دل میں رہ جاتی ہے۔ عجب ہے یہ آزار محبت بھی پھر خاص طور پر وہ نومولود محبت جو ابھی صرف احتیاط کے لبادے میں لپٹی آس کے ہنڈولے میں ہلکورے لیتی ہو۔ جسے راحت فزا ہونے کے لیے احساس الفت کی فقط چند بوندیں ہی کافی ہوں مگر جب نہ الفت ملے نہ دید کی طلب پوری ہوتی ہو تو پھر دل بے کل و بے قرار کو سوجھے بھی کیا سوائے اس کے خیال میں ڈوبے رہنے کے۔ وہ تو آج کل پورے کا پورا بجھے دیے کی طرح دھواں چھوڑ رہا تھا' ہر پل جھنجھلایا ہوا رہتا۔ اچھی بات بھی اچھی نہ لگتی تو پھر جو بات ہو ہی جلتی پر تیل ڈالنے والی تو وہ کیسے خود پر ضبط رکھتا۔ ثمر بھابی جوس لیے آئیں تو وہ بچوں کی طرح بھڑ رہے تھے۔

''ہائیں...... ہائیں...... یہ کیا ہو رہا تھا' تم لوگوں نے تو حشر کر دیا لاؤنج کا۔ چلو اٹھو جلدی سے' سمیٹو یہ سب۔'' انہوں نے دونوں کو گھر کا۔

''ارے واہ' میں کیوں سمیٹوں۔ آپ کے گھر کا تو اچھا اصول ہے' گھر آئے مہمان کی کوئی عزت ہی نہیں۔ دیکھیں یہ اپنے رشتے دار کو پتا نہیں کہاں کہاں کا غصہ نکال رہا ہے مجھ پر۔ اب اگر اسے کسی نے گھاس نہیں ڈالی تو بھلا اس میں ہمارا کیا قصور۔ آپ یہ جوس مجھے پلانے کے بجائے اس کے سر پر انڈیل دیں کچھ تو مزاج سرد ہوں موصوف کے' جلتے توے کی طرح تپ رہا ہے بے چارہ۔'' اسجد نے منہ پھلائے کر کہا' بھابی نے صارم کو دیکھا' جو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے بال سنوارتا یقیناً خود پر قابو پانے کی سعی کر رہا تھا۔ اسجد کو کچھ کہنا تو پرے دیکھا بھی نہیں تھا اس نے اور اسے گم صم تو وہ بھی کئی دن سے دیکھ رہی تھیں۔ اس کے انداز میں وہ پہلے سی تازگی نظر نہیں آتی تھی' وہ تو سمجھ رہی تھیں کہ آفس کی ذمہ داری سنبھالنا پڑ رہی ہے تو اسی لیے بچہ بردبار ہوتا جا رہا ہے لیکن یہاں تو مسئلہ شاید کچھ اور ہی تھا' وہ فکر مندی ہوتیں پاس ہی ٹک گئیں۔

''کیا ہوا صارم...... اتنے برہم کیوں ہو رہے ہو' کیا بات ہے؟ سب ٹھیک تو ہے ناں۔''

''سب ٹھیک ہے بھابی' کچھ نہیں ہوا' اس کی تو پرانی عادت ہے فضول کہانیاں گھڑنے کی۔ آپ کس کی باتوں میں آ کر پریشان ہو رہی ہیں۔'' اسجد پر ایک کڑی نگاہ ڈالتا وہ اٹھ کھڑا ہوا اور قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتیں وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے کمرے کی جانب چل دیا' انہوں نے اسجد کو دیکھا اس نے شانے اچکا کر جوس کا گلاس اٹھا لیا۔

❀......❀......❀

اور اسی رات جب وہ سونا چاہ رہا تھا اور سو نہیں پا رہا تھا کہ ثمر بھابی دروازے پر دستک دیتیں اندر چلی آئیں' وہ انہیں دیکھ کر جلدی سے اٹھ بیٹھا وہ اس کے اور اپنے لیے گرما گرم کافی بنا کر لائی تھیں۔

''اوہ جیتیں پیاری بھابی......'' وہ بے اختیار ممنون ہوا۔

''مجھے اندازہ تھا تم ابھی جاگ رہے ہو گے' تمہارے بھائی صاحب تو گھر پر ہو کر بھی گھر نہیں ہوتے' ان کا سیل فون ہی ان کی جان نہیں چھوڑ رہا میں نے سوچا کافی تمہارے ساتھ انجوائے کرتی ہوں۔''

''مائے پلیوژ' سچ پوچھیں تو میرا دل بھی چاہ رہا تھا' ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ جا کر اچھی سی چائے پکاؤں۔ نیند تو آ نہیں رہی۔'' اس نے مسکرا کر مگ اٹھا لیا۔

''نیند کیوں نہیں آ رہی تھی جناب کو' بے خوابی ویسے کوئی اچھی علامتوں میں شمار نہیں ہوتی۔ اس کے سرے عموماً ایک ہی مرض سے جا کر ملتے ہیں اور وہ مرض پتا ہے کون سا ہوتا ہے۔'' بھابی کے چہرے پر شرارتی مسکان کھیل رہی تھی' بغور اسے دیکھتے پوچھنے لگیں۔

''سوری...... مجھے علم نہیں۔ میرا تعلق بوعلی سینا کے خاندان سے بالکل بھی نہیں۔'' وہ سمجھ رہا تھا ان کا انداز مگر تجاہل عارفانہ سے کام لیا' وہ ہنس دیں۔

''اچھا' پھر تعلق تو میرا بھی تمہارے ہی خاندان سے ہے لیکن اتنا علم ہے مجھے۔ اس علامت کے سرے جا کر مرض عشق سے ملتے ہیں اور آج کل تم پکے عاشق نظر آتے ہو۔ پتا ہے تمہیں اگر نہیں یقین تو ابھی اٹھ کر آئینہ دیکھ لو۔ آج تو اماں جان بھی لڑ رہی تھیں بابا کے ساتھ کہ تمہیں آفس کی ذمہ داریاں سونپ کر اچھا نہیں کیا انہوں نے' تم تو ان کے پاس بیٹھنا بھی بھولتے جا رہے ہو۔ صبح ناشتے کی ٹیبل پر کھڑے کھڑے شکل دکھاتے ہو اور پھر سارا دن کے لیے غائب۔ رات گئے آتے ہو تو بس اپنے بیڈ روم کے ہو جاتے ہو' وہ ٹھیک ٹھاک فکر مند ہیں

تمہاری طرف سے اور انہوں نے تو بابا سے یہ کہا کہ اس سے پہلے کہ بچہ بالکل ہی گھر سے بے پروا ہوجائے اس کی شادی کردینی چاہیے اور وہ تو بہت جلد پورے خاندان کی لڑکیوں کی فائل بھی ترتیب دینے والی ہیں تاکہ پھر باہم مشاورت سے تمہارے لیے ایک بہترین انتخاب کیا جاسکے۔" وہ مزے سے بولتی چلی جارہی تھیں' ان کی اس بات نے حلق میں جاتے مزیدار کافی کے گھونٹ کو یک دم ہی کڑوا کردیا' بوکھلا کر انہیں دیکھا' گھبرا کر مگ رکھا اور لڑکھڑاتے لہجے میں بولا۔

"مگر آپ اماں جان کو سمجھائیں' میرا مطلب ہے کہ آپ کو پتا ہے ناں کہ وہ...... دیکھیں پلیز یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے' میں خود اماں جان کو بتانا چاہ رہا تھا مگر اس سے پہلے ایک بار عنابیہ سے بات ہوجاتی تو......"

"اور وہ تم سے ہو نہیں رہی' تم نے تو سچ میں حیران کردیا ہے صارم...... بھلا آج کل کہاں ہوتے ہیں ایسے لڑکے۔ ایک لڑکی سے تم بات نہیں کرسکے اب تک' لڑکیوں کی مشرقیت کا تو سنا تھا لڑکوں میں پہلی بار دیکھ رہی ہوں اس صدی کا عجوبہ ہی ہو تم تو۔ امجد بچپن سے تمہارے ساتھ ہے' اس سے بھی کچھ نہیں سیکھا تم نے۔ دوستوں سے زیادہ تو سہیلیاں ہیں اس کی اور سب کے سامنے کیسے فراٹے سے چلتی ہے اس کی زبان۔" بھابی تو اسے ٹھیک ٹھاک شرمندہ کرنے لگیں۔ وہ جھنجھلاتا انہیں اپنی آپ بیتی سنانے لگا اور بمشکل انہیں یقین دلا پایا کہ اس کا کوئی قصور نہیں بس کچھ اتفاقات ہی ایسے ہوتے رہے ہیں کہ وہ اس سے چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کہہ پایا۔

"تو چلو پھر تم رہنے ہی دو کچھ مت کہو' ویسے تو میں نے اماں جان سے ذکر کردیا ہے عنابیہ کا' وہ تو سنتے ہی بے چین ہوگئی ہیں اسے دیکھنے کے لیے اور اپنی فائل میں سب سے پہلے اس کا نام درج کرنے پر راضی ہیں۔"

"سچ بھابی...... اوہ یو آر گریٹ' اور پلیز اماں جان سے کہیں یہی ایک نام کافی ہے اس سے آگے کچھ نہیں۔ وہ اتنی اچھی ہے کہ اسے دیکھیں گی تو دل سے پسند کرنے لگیں گی۔" وہ بے حد خوش ہوتا اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوا۔

"اگر ایسی بات ہے تو پھر جلد ہی اسے دیکھنا پڑے گا۔" بھابی اس کی بے تابیوں پر مسکرادیں' اتنے دنوں سے کبوتر جیسا گم صم صارم طوطے کی طرح ٹائیں ٹائیں کررہا تھا۔ دل کھول کر سب کہہ لینے کے بعد اس رات وہ بہت اچھی نیند سویا' مزے مزے کے خواب پلکوں پر اترتے تھے جن میں وہ ہم قدم تھی۔

❁......❁......❁

ان لمحوں میں ایک عجب سا سکوت چھایا تھا جس پر کبھی سکھ چین کی شاخوں میں چھپے بیٹھے کوّے اپنی بے سری آوازوں سے ضرب لگاتے تو طبیعت کی بے زاری کچھ اور بڑھنے لگتی۔ وہ چند روز پہلے گئی تھی مارکیٹ تو وصی شاہ اور بشیر بدر کے دو چار شعری مجموعے بھی اٹھا لائی تھی یونہی دل بہلائے رکھنے کو' اب اکثر فارغ اوقات میں اندر ایک حشر سا برپا ہونے لگا تھا اس حشر سے نبٹنے کے لیے کوئی ایک کتاب پکڑ لیتی مگر آج تو سارا انہماک ہادیہ کی بچی نے تتر بتر کردیا تھا۔

کھڑکیوں' دروازوں کے پردے گرائے پورا کمرہ اندھیر میں کرڈالا' یونیورسٹی سے واپسی پر وہ دو ڈھائی گھنٹے کی نیند ضرور لیتی تھی اور وہ جو کبھی خود بھی اس کی طرح مدہوش پڑجایا کرتی تھی اب پلکیں جھپک جھپک کر اسے رشک سے دیکھا کرتی مگر اس وقت اسے دیکھنے کی بجائے وہ کتاب لیے باہر آگئی۔ سحر انگیز لفظوں میں کھوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اس نے چمکتی دھوپ میں بے وقت توقیر بھائی کو آتے دیکھا خوب لدے پھندے ہوئے۔

"کہاں ہیں سب؟" وہ اس کے پاس رکے' چہرے پر انوکھی سی تمتماہٹ تھی۔

"سب اندر ہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا گاڑی میں کچھ چیزیں ہیں وہ نکال لاؤ میری گڑیا۔" وہ بہت پیار اور عجلت سے کہتے اندر چلے گئے۔ کتنے تھیلے تو انہوں نے خود اٹھائے ہوئے تھے' بقایا جب وہ لیے کچن تک پہنچی تو علینہ بھی ادھر ہی تھی جسے وہ تاکید کررہے تھے۔

"سب چیک کرلو اگر اور کچھ چاہیے تو ابھی بتادو اور دھیان رہے کسی بھی طرح کی کمی نہیں رہنی چاہیے۔"

"نہیں سب ٹھیک ہی ہے اور فکر نہ کریں کوئی کمی نہیں رہے گی ان شاء اللہ۔" علینہ نے تسلی دی۔

"اوکے' تم یہ سب سنبھالو' میں امی کے پاس ہوں۔"

"لگتا ہے توقیر بھائی کے مہمان آرہے ہیں۔" کاؤنٹر پر شاپر رکھتے اس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"ہوں' بالکل ٹھیک سمجھی ہو تم' مہمان اور وہ بھی بہت خاص۔" علینہ پراسرار سا مسکرائی تھی وہ پھلوں میں سے موٹا تازہ مالٹا چن کر نکالتے ہوئے بولیں۔

"میری ہیلپ کی ضرورت ہوتو بتادینا۔"

"ہیلپ کی ضرورت تو ہے' تم ذرا جلدی سے ڈرائنگ روم دیکھ آؤ۔ صبح میں نے صفائی تو کی تھی لیکن ایک بار پھر جھاڑ پونچھ ہوجائے تو اچھی بات ہے۔"

"لو میں نے تو مروتاً کہا تھا تم تو سچ ہی سمجھ بیٹھیں۔" اس کے ہونٹوں پر شرارتی سی مسکان پھیلی تھی جو علینہ کو بالکل بری نہ لگی کتنے دن بعد تو اس کے چہرے پر یہ مسکراہٹ دیکھی تھی ورنہ تو جیسا وہ مفکرانہ انداز اپنائے رکھنے لگی تھی۔ وہ ٹھیک ٹھاک تشویش میں مبتلا کیے رکھتا تھا' وہ بچپن کی سکھیاں تھیں اور ان میں بھی وہی عادات تھیں جو اکثر دیرینہ دوستی میں پائی جاتی ہیں۔ کوئی بھی بات ایک دوجے سے شیئر کیے بنا نہ رہا جاتا تھا لیکن یہ کچھ عرصہ پہلے کی بات تھی' اب تو وہ دن خواب ہوئے وہ اس کی سنتا تو بھول ہی گئی تھی بلکہ اپنے دل کی بھی کبھی نہیں بتاتی تھی اور وہ تھوڑی نہیں بہت زیادہ بدل گئی ہے۔ علینہ کے دل کو پکا یقین تھا بے اختیار ہی جی چاہا اس کی شرارت کا جواب بھرپور شرارت سے دے' اسے بتائے آنے والے مہمان کس "چاہ" میں کھنچے چلے آرہے ہیں لیکن پھر اس کے پل پل بدلتے موڈ کا سوچ کر چپ رہنا ہی بھلا جانا جبکہ وہ اس کے یوں گم صم ہونے کو کچھ اور سمجھی۔

"اوہو بھئی' میں تو مذاق کررہی تھی' تم تو سنجیدہ ہی ہوگئیں اچھا بابا کردیتی ہوں صفائی۔ کیا یاد کروگی تم بھی۔" شاہانہ انداز سے کہتی مالٹے کی پھانک منہ میں رکھے وہ باہر کو چل دی۔ علینہ مسکراتی ہوئی کاؤنٹر پر پھیلی چیزیں سمیٹنے لگی اس کا رخ تو ادھر ہی تھا کہ توقیر بھائی کی آواز نے روک لیا جو اس کے سر پر چپت لگاتے کہہ رہے تھے۔

"جاؤ امی کی بات سنو۔" (اوہو آج تو بڑے موڈ میں ہیں' لگتا ہے باس کی دعوت کررہے ہیں' ضرور پروموشن کا چانس ہوگا) وہ سوچتی تابعداری سے سر ہلا کر ادھر کو مڑ گئی اور امی کو دیکھتے ہی ایک لحظہ کو تو پریشان ہی ہوگئی وہ پلو سے آنکھیں رگڑ رہی تھیں۔

"خیریت تو ہے امی کیا ہوا' آپ رو رہی ہیں؟" بے حد گھبراتی وہ ان کے پیروں کے پاس آ بیٹھی' انہوں نے سر اٹھایا تو مسکرا رہی تھیں۔ لبوں پر پرسکون سی مسکراہٹ آنکھوں میں پانی اور اس پانی میں ہلکورے لیتی بے تحاشہ ممتا۔ بے شک وہ اب کچھ عرصہ سے یہی دعا کرتی تھیں کہ ان کی بگڑی لاڈو اپنے گھر کی ہوجائے۔ جس طرح وہ کبھی کبھار انہیں زچ کردیتی تھی بس وہ سوچتیں اچھا سا کوئی گھرانہ ملے تو میں اس کا بوجھ تو سر سے اتاروں اور ان لمحوں میں ان کا دل ایک بھرا ہوا پیالہ بن گیا تھا جب وہ بہت چھوٹی سی ان کے ہاتھوں میں آئی تھی اور اب تک کی اس عمر کا ہر سال ان کی آنکھوں کے سامنے آنے لگا۔ کیا یہ اتنا ہی آسان ہوگا ان کے لیے اتنے نازوں سے بیٹی کو پالنا پھر کسی اور کے حوالے کردینا' یقیناً یہ بہت مشکل ہوتا ہے ہر ماں کے لیے اور ابھی تو صرف مہمان آرہے تھے اور ان کی حالت یہ ہورہی تھی کہ جی چاہ رہا تھا اسے خود میں چھپالیں۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں میں اس کا من موہنا سا چہرہ لے کر پیشانی پر محبت بھرا بوسہ دیا اور وہ اس بنا اطلاع کی شفقت پر حیران ہوئی تھی اس کے اور ان کے تعلقات جس نہج پر رہتے تھے اس میں یہ نوبت شاذ ہی آتی تھی سو اس کا بحر حیرت میں غوطہ لگانا بنتا تھا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" ان کے ہاتھ تھامتے بے اختیار پوچھا تو وہ ہنس دیں۔

"بالکل میری چندا...... طبیعت بالکل ٹھیک ہے' باقی سب بھی ٹھیک ہے۔ ہاں البتہ میری شہزادی خوش نہیں لگ رہی' ویسے تو میری گڑیا پر ہر رنگ ہی اچھا لگتا ہے جو بھی رنگ پہن لے لگتا ہے اسی کے لیے بنا ہے لیکن وہ جو پچھلے دنوں سوٹ لے کر آئی ہو ناں وہ ٹی پنک کلر میں' وہ تو تم نے ابھی تک پہن کر دکھایا ہی نہیں' جاؤ ابھی وہی سوٹ نکالو اور فٹافٹ خوب پیاری سی تیار ہوکر آؤ۔ جاؤ میری جان۔" اور اس کا ماتھا ٹھنکا دل کی رفتار بے ربط ہوئی' بے وقت ایسی فرمائش۔

"کک...... کیوں امی...... وہ سوٹ تو آپ کو بتایا تھا کہ ارشین کی منگنی پر پہننے کے لیے لائی ہوں۔"

"ارے تب بھی پہن لینا' اس میں تو ابھی بڑے دن پڑے ہیں' ابھی تو اٹھو اور سنو گھر میں کچھ مہمان آرہے ہیں پہلی بار ملنا ہے انہوں نے ہم سے تو ذرا حلیہ تو ڈھنگ کا ہونا چاہیے ناں اور اب دیکھو مزید کوئی سوال مت کرنا مجھ سے۔ ٹائم کم ہے' بہت سے کام پڑے ہیں' میں بھی جلدی سے فریش ہوجاؤں اور یہ ہادیہ ابھی تک سورہی ہے' اُف اللہ! ایک تو اس لڑکی کی نیندیں ہی پوری نہیں ہوتیں۔ بس پڑھنا اور سونا دو ہی کام ہیں اسے' تو اٹھ جاؤ عنابیہ بچے' اسے بھیجو میرے پاس۔" انہوں نے اٹھ کر الماری سے اپنا ایک سوٹ نکالا اور واش روم میں بند ہوگئیں یقیناً یہ اس کے سوالوں سے بچنے کی شعوری کوشش تھی' اس کا دل بند

ہونے لگا وہ کتنی دیر ہل نہ سکی۔

"مہمان...... کون سے مہمان...... کیسے مہمان...... اور یوں اچانک سے اوہ کہیں یہ وہی صفی نانی کی بہو کی بہن تو نہیں۔ اُف میرے اللہ...... نہیں۔" اس کے لیے تو ایسا کوئی تصور ہی سوہانِ روح تھا جبکہ یہاں تو حقیقت منہ پھاڑے چلی آ رہی تھی' اسے کسی مہمان سے کوئی سروکار نہیں تھا' اس کی بلا سے کوئی آئے کوئی جائے۔ ایک پل کو تو جی میں آئی اٹھے اور دوڑتی ہوئی کہیں بہت دور نکل جائے' جہاں کوئی اس کے پیچھے نہ آ سکے یا پھر اپنے کمرے میں ہی بند ہو جائے اور ہزاروں دستکوں پر بھی دروازہ نہ کھولے لیکن پھر توقیر بھائی کا جوش و خروش' امی کی مسکراہٹیں' ان کے چہرے سے چھلکتی طمانیت' کیا وہ ایسا کچھ کر پائے گی اس نے خود سے سوال کیا اور اگر پوچھا گیا وہ ایسا کیوں کر رہی ہے تو وہ کیا جواب دے گی۔ کیا جواز پیش کرے گی' اوہ نہیں...... وہ ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتی' ہاں لیکن وہ ایک برف کا بُت ضرور بن گئی تھی۔ اسے کچھ دھیان نہیں تھا' وہ کسی طرف دھیان دینا بھی نہیں چاہ رہی تھی' اس کے اندر لہریں سر پٹخ رہی تھیں۔ بہت مشکل سے امی کی ہدایت پر عمل کرتے وہ مہمانوں کے سامنے آئی تھی اور اس جانکنی کے عالم سے وہ خود کو چند منٹ سے زیادہ نہ گزار سکی' وہ اٹھ آئی تھی پھر جو کمرے میں بند ہوئی تو سارے بند بھی ٹوٹ گئے۔

"اُف یہ دن بھی آنا تھا' یا اللہ میں نے کچھ زیادہ کی چاہ تو نہیں کی تھی بس ایک خواب' ایک خواہش' وہ گلشن دل میں کھلا پھلا آرزوئے پھول تو کیا اب وہ سب نوچ ڈالوں' لیکن کن ہاتھوں' کس دل سے' میں ٹوٹ جاؤں گی۔ مرجاؤں گی۔" اس نے تکیے میں منہ چھپالیا' جو لحظہ بہ لحظہ بھیگتا ہی رہا۔

❁......❁......❁

یہ چاند کتنا خوب صورت لگتا ہے ناں' جب مکمل ہو جاتا ہے اس سے پھوٹتی چاندنی آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے۔ روحوں کو مسحور کرتی ہے' ہر ذات کو اپنے حصار میں قید کر لیتی ہے' چکور اپنے قفس میں تڑپ تڑپ جاتا ہے۔ سمندر کی موجیں مچل مچل جاتی ہیں' اسے چھونے' پانے کو اور آسمان کی گود میں سویا چاند سب سے بے پروا مدہوش پڑا رہتا ہے' آج تو اس کا دل بھی سمندر ہو رہا تھا۔ چکور کی طرح سینے کی دیواروں سے سر ٹکرا رہا تھا۔ جانے کتنے لمحے گزرے ایک ہی جگہ کھڑے' شیشم کی ٹہنیاں جھوم جھوم کر پتے اس پر سے وار رہی تھیں' ہوا اپنی مستیوں میں ڈوبی بار بار آ ٹکراتی' فضا میں خوش گوار سی خنکی بھری تھی۔

آج کا دن اس کی زندگی کا بے قرار ترین دن تھا' ایسا اضطراب تو تب بھی کبھی محسوس نہ ہوا جب کسی امتحان کے نتیجے کا انتظار ہوتا اور شاید اس نے اب تک ایسا کوئی امتحان پہلے دیا بھی نہیں تھا' ثمر بھابی نے کہا تھا۔

"تم اب اس سے کچھ مت کہو' ہو سکتا ہے قدرت اسی بات پر راضی ہو کہ تم نے اس تک پرا پروے سے اپنی بات پہنچائی اور ایک لڑکی کے لیے اس سے بڑھ کر اور مان کیا ہو گا کہ اسے اتنا معتبر کر دیا جائے۔ تمہارا یہ عمل اس کے دل میں تمہاری عزت اور احترام کو گراں قدر کر دے گا۔" اور ان کا مشورہ دل کو لگا تھا' سوچ لیا ہاں یہ ٹھیک ہے۔

اسے اپنے جذبوں کی صداقت پر پورا یقین تھا جو مہک اس کے روم روم کو مہکائے ہوئے تھی' گمان ہی نہیں ایمان تھا وہ خوشبو اس تک بھی گئی ہو گی اس روز کی اس کے چہرے کی وہ خوشی بھلائے نہیں بھولتی تھی اور پھر ایسے کئی لمحات جب وہ نظر چرائے بات کرتی وہ اس کی جانب دیکھتی نہیں تھی اپنے ہاتھوں کو تکتی رہتی یا پھر دائیں بائیں۔ صارم کو اس کی یہی ادائیں تو لے ڈوبی تھیں' وہ جو پہلے خود اعتماد سے بات کیا کرتی اس نے اب ایسے محتاط و گریزاں انداز اپنا لیے اور کیوں؟ یہی خیال تو اسے گدگدانے لگا تھا' کتنے ہی حسین گمان قافلوں کی صورت دل کی زمین پر اتر آتے۔ وہ محبت جو کچھ عرصہ سے ایک ضدی بچے کی طرح اس کے دامن سے لپٹی اٹکھیلیاں کر رہی تھی یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اس محبت کی قلقاریاں اس نے نہ سنی ہوں' وہ خود دانستہ اسے دیکھا کرتا' ایک بار نہیں بار بار' تب اس کی آنکھوں کی جگمگاہٹ' رخساروں پر پھیلتی شفق اپنے اندر تک جانے لگتی۔ اس کی آتی جاتی سانسیں بھی ایک ہی ورد کیا کرتیں' عنابیہ...... عنابیہ...... اور جب اماں جان تک اس کے دل کی خبر پہنچی تو انہوں نے ذرا دیر نہ کی تھی۔ اپنے لاڈلے کے لیے چاند سی دلہن لانے کا ہر ماں کی طرح انہیں بھی بڑا ارمان تھا' عنابیہ انہیں پسند آئی تھی لیکن......

"صورت شکل تو اللہ سوہنے کی بنائی ہوئی ہے اس میں تو کوئی کمی نہیں ماشاء اللہ ہیرے کی کنی سا دمکتا ہے اس بچی کا حسن۔ والدہ بھی نہایت سلجھی ہوئی خاتون ہیں' سارا گھرانہ ہی بہت نفیس ہے لیکن......" ان کے لیکن نے اس کی سانس اٹکا دی۔

"لیکن سچ کہوں تو مجھے مزاج کی اکھڑ اور سنجیدہ لگی ہے وہ۔"

بہو ہنستی کھلکھلاتی ہوئی چاہیے وہ ہنسے گی تو سارا گھر جگمگائے گا اور اگر وہی روتی صورت ہوئی تو...... اب ثمر کو ہی دیکھ لو کیسے گھل مل کر رہتی ہے ہم میں، میری تو خواہش تھی دوسری بہو بھی ایسے ہی گنوں والی ہو۔"

"اگر گھر کے سارے افراد ایک ہی مزاج کے ہوں تو جلد ہی ایک دوسرے سے اکتا جاتے ہیں، درخت کا صرف تنا ہی نہیں ہوتا اس کی شاخیں بھی ہوتی ہیں، پتے بھی ہوتے ہیں، پھول لگتے ہیں، پھل بنتا ہے، یہی ہوتا ہے خاندان۔ تاریں ہمیشہ نگیٹو اور پازیٹو باہم ملا کر نظام چلایا جاتا ہے اگر دونوں تاریں صرف گرم ہوں یا دونوں ٹھنڈی تو فیوز اڑ جایا کرتا ہے یہ مت بھولیں آپ۔" بابا جان نے بھرپور دلیل کے ساتھ ان کی بات کو ہنسی میں اڑا دیا۔

"تو ہمارا صارم بھی کون سا چارلی چپلن کا جانشین ہے اماں جان اور جب عنابیہ اسے پسند ہے زندگی اس نے گزارنی ہے تو پھر ٹھیک ہے۔" یہ عازم بھائی کی رائے تھی، اماں جان چپ سی ہوگئیں اور بھابی تو جب سے آئی تھیں ایسی ہی چپ تھیں، وہ چائے کے برتن سمیٹ کر کچن میں گئیں تو وہ ان کے پیچھے ہی چلا آیا۔

"آپ نے کچھ نہیں کہا اب تک، کیا اپنی متوقع دیورانی سے مل کر آپ کو کوئی خوشی نہیں ہوئی، کیسی لگی وہ آپ کو آپ نے بتایا ہی نہیں۔" وہ سخت بے تاب تھا وہاں کا سب احوال جاننے کے لیے، وہ چاہ رہا تھا وہ ایک ایک بات بتائیں۔ توقیر اور علینہ سے تو وہ ایک بار مل چکا تھا، عنابیہ کی امی، ہادیہ وہ کیسی ہیں پھر وہ کیسی لگ رہی تھیں۔

"ہوں، اچھی ہے بلکہ بے حد نائس ہے۔ خوشی ہوئی تمہاری پسند دیکھ کر لیکن......"

"اُف...... یہاں بھی لیکن...... کیا لیکن......" وہ بے چین سا کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا، بھابی نے نل کھول کر فوم بھگویا اب وہ سنک میں رکھے برتن دھونے لگیں۔

"لیکن تم نے کہا تھا اس کی مسکراہٹ بہت دلنشیں ہے اور میں تو اسی اشتیاق میں کشاں کشاں کھنچی چلی گئی تھی اور حد ہے وہ ایک بار بھی نہیں مسکرائی بلکہ اس نے تو سر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں ہماری طرف، مجھے تو اس کے رخسار بھیگے بھیگے سے لگ رہے تھے اور آنکھیں گلابی۔ اب دیکھو اسے علم تو ہوگا کہ ہم لوگ کون ہیں اور ان کے ہاں کس غرض سے گئے ہیں لیکن میں تو حیران رہ گئی اس کے رو بہ رو وہ تو زیادہ سے زیادہ تین یا چار منٹ ہی ٹھہری ہمارے پاس پھر اٹھ کر یوں بھاگی جیسے ڈر ہو ہم اسے پکڑ کر باندھ ہی نہ لیں، اس کی فیملی کا رویہ تو بہت حوصلہ افزا تھا سب نے اتنی عزت دی۔ اچھا خاصا اہتمام کر رکھا تھا، سب ہی کچھ بہت اچھا تھا وہاں، ہمیں تو عنابیہ نے ہی الجھا دیا۔ میں نے تمہیں روکا تھا کہ تم اس سے کچھ مت کہو لیکن اب میرا خیال ہے صارم...... تم اس سے ایک بار خود ضرور بات کرلو، پوچھ لو اس کی رائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی فیملی اس کے ساتھ کوئی زبردستی کردے۔ ہوسکتا ہے وہ کہیں اور...... تم سمجھ رہے ہو ناں میری بات۔" بھابی جھجک کر رکیں۔

اور اس کے تو جیسے سب ارمانوں پر اوس پڑ گئی تھی، وہ تو اب تک خوش گمانیوں میں گھرا تھا اسے ایک پل کو بھی کسی خدشے نے نہیں ستایا تھا، کوئی واہمہ لاحق نہیں ہوا تھا تو خود پر یقین تھا اسے اپنے جذبوں پر مکمل بھروسہ تھا۔ محبت کی رتھ پر سوار وہ تو بہت دور نکل آیا تھا، تو کیا اسے خواب جزیرے سے واپسی کا سفر کرنا ہوگا اور کیا یہ ممکن ہوسکے گا؟ وسوسوں کا ایک کوہ گراں تھا جو اس کے سامنے تن کر آ کھڑا ہوا تھا، ہر ہر خیال نوکیلے پتھروں کی طرح روح میں گھستا جارہا تھا۔ اس کے اندر الاؤ دہک رہا تھا وہ اپنے آپ میں نہیں رہا تھا، جانے کن قدموں سے چلتا ٹیرس تک آیا اور تب سے وہیں کھڑا تھا۔ چپ، گم صم، ساکت، منجمد رات اپنے سفر پر تھی۔ چاند نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

"یہ بھی دیوانہ لگتا ہے، لو جی ایک اور اضافہ۔" اس نے مسکرا کر سوچا اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

اس نے بے حد خوب صورت پوشاک اوڑھ رکھی تھی، لگتا تھا سارے جگنو اکٹھے کر کے اس پر ٹاک دیئے گئے ہوں، وہ دوپٹہ پلو میں چن چن کر پھول اکٹھے کررہی تھی۔ ہر طرف پھول ہی پھول کھلے تھے، سرخ، زرد، عنابی، کاسنی، گلابی...... یوں لگ رہا تھا قوس قزح اتر آئی ہو۔ بہار نے اپنے دامن میں بھرے سارے رنگ یہیں اچھال دیے ہوں، ایسے خوشنما پھول اور ان سے اٹھتی بھینی بھینی مہک کے روح تک معطر ہوگئی۔ وہ اس سے سخت خفا تھا نپے تلے قدم اٹھاتا اس تک آیا اور ڈپٹ کر پوچھا۔

"کیوں توڑ رہی ہو پھول؟" اس نے گھنیری پلکیں اٹھائیں، گلوں کے سب عکس اس کی آنکھوں نے چرا لیے تھے وہ ایک ادا سے مسکراتی بے نیازی سے گویا ہوئی۔

"میرے دل نے کہا ہے اس لیے۔" چند لمحے مبہوت سا دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا' مزاج کی تمام برہمی جاتی رہی اس کے جواب نے محظوظ کیا تھا' وہ سب خفگی بھول کر مسکرا دیا۔

"بہت خوب...... بھلا اور کیا کیا کہتا ہے تمہارا دل۔"

"اور بھی بہت کچھ کہتا ہے لیکن آپ کو کیوں بتاؤں؟" وہ اٹھلاتی اگلی کیاری کی جانب بڑھ گئی۔

"اچھا چلو سب نہ بتاؤ' یہ تو بتادو کہ میرے بارے میں کیا کہتا ہے' کیا مجھ سے محبت کرتا ہے۔" لپک کر ہمقدم ہوتے بے دھڑک پوچھ لیا' اس نے پلو میں اکٹھے کیے پھولوں سے مٹھی بھر لی۔ ایک عجیب سی نرمی اور ٹھنڈک ہتھیلی میں اتری تھی۔

"اوں...... پوچھ کر بتاؤں گی۔" اس ست رنگی پیرہن والی کا لہجہ شوخی و شرارت سے بھرپور تھا۔ آنکھیں ستاروں سی چمک رہی تھیں اور ان سے نکلتی روشنی سارے منظر کا حسن بڑھا رہی تھی۔

"کب پوچھو گی ابھی پوچھ کر بتاؤ فوراً......" جھنجھلاتے ہوئے حکم دیا' جواباً وہ کھلکھلائی سارے پھول اس پر نچھاور کرتی بھاگ کھڑی ہوئی وہ اس کے پیچھے تھا اور قریب تھا کہ اسے تھام لیتا کہ کسی نے اسے بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"صارم...... صارم بیٹا......" اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں' اماں جان اس پر جھکی ہوئی تھیں' انہوں نے پیار سے اس کے بال سہلائے۔

"صدقے جاؤں کتنا تھک گیا ہے میرا بچہ' کتنے دن بھی تو ہوگئے جاگتے ہوئے اٹھو میری جان گھر چلے جاؤ' سکون سے نیند پوری کرلو جاکر' یہاں کیسے بے آرام سے سو رہے ہو۔"

"میں نے تو اسے کہا تھا گھر چلا جائے لیکن یہ مانا ہی نہیں۔" تکیے کے سہارے نیم دراز وقار صاحب بولے' تین دن پہلے اچانک ان کی طبیعت خراب ہوگئی تھی' فوراً ہاسپٹلائز کرنا پڑا تب سے سخت پریشانی میں کچھ ہوش ہی نہیں تھا۔ وہ تو آج ان کی صحت قدرے بہتر نظر آئی تو اس نے اسجد کو زبردستی گھر بھیج دیا' وہ اسے بھی کہتے رہے کہ وہ بھی جاکر آرام کرلے لیکن وہ مان کر نہ دیا۔ باتیں کرتے ہوئے وہ سوگئے تھے اس کی بھی میگزین پڑھتے ہوئے کب آنکھ لگی پتا ہی نہ چلا اور مسلسل تین راتوں کے جاگنے کے بعد یہ ذرا سی نیند کیسی مہربان تھی جو اسے ایسی حسین سرسبز وادی میں لے گئی تھی جہاں وہ من چاہے منظر دیکھ رہا تھا۔ کئی لمحے تو اس گل و گلزار فسوں خیز وادی کے سحر سے نکل ہی نہ سکا۔ آنکھیں تو جاگ گئی تھیں مگر دل اب بھی وہیں بھٹک رہا تھا' سینے سے ایک ہوک سی اٹھی' کاش یہ سب حقیقت میں ہوتا۔

"اب میں اور اماں جان ہیں ڈیڈی کے پاس' تم اطمینان سے گھر جاسکتے ہو۔" ٹفن باکس ٹیبل پر رکھتے ثمر بھابی نے کہا' وہ ماتھے پر بکھرے بال انگلیوں سے سمیٹتا سیدھا ہو بیٹھا۔

"اسجد آجائے پھر چلا جاؤں گا' اور کھانے میں کیا لے کر آئے ہیں آپ لوگ' سچ میں بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

"تمہارا فیورٹ چکن منچورین ہے ود بوائلڈ رائس۔"

"واہ اٹینڈنٹ کے لیے اتنا اہتمام اور پیشنٹ کو تین دن سے تم لوگ ایک ہی طرح کے پتلے سے بدذائقہ سوپ پر ٹرخا رہے ہو' اٹس ناٹ فیئر بیٹا جان۔" ثمر کی بات پر وقار صاحب جلدی سے بولے تو وہ سب مسکرا دیئے۔

"کیا کریں مجبوری ہے' آپ کے لیے یہی سوپ بتایا ہے ڈاکٹر نے' اب اس میں ہم کہیں سے بھی قصوروار نہیں۔ غلطی تو آپ کی اپنی ہے' نہ کرتے بدپرہیزیاں تو نہ یوں ہسپتال کے بستر پر لیٹنا پڑتا۔" ثمر نے ترنت جواب دیا' وہ ان کے لیے پیالے میں سوپ نکال رہی تھیں وہ بے اختیار ٹوک گئے۔

"میرے لیے مت ڈالو جی نہیں چاہ رہا میرا' کچھ دیر پہلے ہی جوس پلایا ہے صارم نے۔"

"اس آدھے گلاس جوس کو پیے پورے دو گھنٹے گزر چکے ہیں ماموں جان...... یہ سوپ تو اب ڈل چکا' آپ کو پینا ہی پڑے گا' لائیے بھابی مجھے دیں۔" وہ بھی ان کا بھانجا تھا انہیں پلا کر ہی دم لیا اور اس کا کھانا لگ چکا تھا کہ سیل پر کال آنے لگی' فون اسکول سے تھا یہ بتانے کے لیے کہ وہ لوگ وقار صاحب کی عیادت کے لیے ہسپتال آرہے ہیں۔

"کیا عنایہ بھی آرہی ہے؟" یک لخت شدت سے جی چاہا کہ پوچھ لے لیکن زبان ہل نہ سکی۔ ابھی کچھ دیر پہلے کا خواب پھر سے ذہن کی اسکرین پر روشن ہوگیا۔

"کیا وہ آئے گی......؟" اس نے خود سے پوچھا۔

وہ کتنے عرصے بعد اسے دیکھے گا' آخری بار تب دیکھا تھا جب...... وہ یاد کرنے لگا اور وہ تو ماموں کی فکر میں لگ کر بھول ہی گیا تھا کہ وہ رات کیسی اذیت میں کٹی تھی' کیسا درد سینے میں اٹھ رہا تھا وہ ساری سوچیں تو خاردار کی طرح دل سے لپٹی پڑی تھیں اس نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا بھوک ہی مرگئی تھی۔

"کیا ہوا' کھانا کیوں نہیں کھا رہے۔" اماں نے پوچھا' وہ

نفی میں سر ہلاتا کمرے سے نکل گیا‘ اسے گھٹن محسوس ہونے لگی تھی ایک بار تو جی میں آئی گھر چلا جائے نہ اسے دیکھے گا نہ درد بڑھے گا‘ مگر پھر سوچ لیا اب اس درد سے نجات تب ہی ملے گی جب اس سے بات ہوگی اور وہ آج ہی ہوگی۔

❁......❁......❁

وہ دھک سے رہ گئی تھی۔

”اوہ...... یہ...... یہ چہرے تو...... حالانکہ ایک آدھ نظر ڈالی تھی ان پر لیکن وہ حافظے میں کسی بری یاد کی طرح محفوظ ہوگئے تھے۔ یہی تو وہ چہرے تھے جو خوب صورت ہونے کے باوجود اسے انتہائی برے لگے تھی۔

”افوہ...... مگر یہ یہاں کہاں؟ وہ حد درجہ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی ہوا ٹھی تھی‘ وہ تو تمام اسٹاف کے ساتھ وقار صاحب کی عیادت کے لیے آ گئی تھی کہ انہیں سامنے پاکر ہونق سی دیکھے گئی جبکہ ثمر اتنے ہی تپاک سے اس کی طرف بڑھی۔ پیار سے ساتھ لگا کر گال تھپتھپائے‘ ہاتھ پکڑ کر اماں جان کے پاس لا بٹھایا‘ انہوں نے بھی کھلی بانہوں سے استقبال کیا‘ پیشانی چومی‘ خیر خیریت دریافت کی وہ بس سر ہلائے گئی‘ بولنے کی تو سکت ہی نہ بچی تھی۔

”یااللہ کیا ہے یہ سب؟“ مارے گھبراہٹ کے دل بری طرح دھڑک رہا تھا‘ بے چین سی انگلیاں چٹخاتی رہی۔

سب نے وقار صاحب کی مزاج پرسی کی‘ پھولوں اور دعاؤں سے نوازا‘ کچھ دیر ٹھہر کر وہ سب واپسی کے لیے تیار تھے وہ بھی جلدی سے اٹھی۔

”تم کہیں نہیں جارہیں‘ بیٹھو ہمارے پاس‘ بہت سی باتیں کرنا ہیں تم سے۔“ ثمر نے اپنائیت سے کہتے پھر بٹھالیا‘ وہ بوکھلا کر اٹھنے لگی تو وہ وقار صاحب سے بولیں۔

”دیکھیں ڈیڈی‘ یہ تو میری مان ہی نہیں رہی آپ ہی کہیں ناں اس سے۔“

”ڈیڈی......“ حیرت کا یہ دوسرا جھٹکا تھا اور پہلے سے کہیں زیادہ شدید‘ وہ پوری کی پوری ہل گئی۔ آنکھوں کے ساتھ منہ بھی کھل گیا‘ یہ تو گمان سے بھی پرے کا کوئی قصہ تھا‘ وقار صاحب کہہ رہے تھے۔

”کیا بات ہے عنابیہ بیٹا کچھ پریشان ہو؟ ارے بھئی گھبراؤ مت‘ ہم سب تمہارے اپنے ہی ہیں‘ بیٹھ جاؤ۔“ اور وہ یوں بیٹھی گویا خود کار مشین ہو۔ ”دیٹس لائک آ گڈ گرل‘ بھئی عنابیہ تو بہت ہی لائق اور محنتی بچی ہے۔ اسے اتنا ٹائم نہیں ہوا ہمارے ساتھ لیکن یقین جانیں آپا میں اس کی اپنے کام سے لگن اور دیانت داری سے شدید متاثر ہوں۔“ وقار صاحب اپنی بہن سے مخاطب تھے اور اس نے اپنی تمام زندگی میں خود کو اتنا بدحواس اور بزدل کبھی محسوس نہیں کیا تھا‘ جتنا ان لمحوں میں خود سے ہی شرمندگی ہورہی تھی۔ دوسری طرف دل کی حالت عجیب تھی تو کیا جو وہ سمجھ رہی تھی بالکل ویسا ہی تھا اس کے لیے آنے والا پرپوزل صارم کا تھا۔ اوہ میرے اللہ...... کیا ہوجاتا اگر اس روز ہادیہ کی بات سن لیتی کس قدر ایکسائٹڈ تھی وہ‘ جب اسے بتانے آئی تھی۔

”جانتی ہو‘ مہمان کون تھے؟“

”نہیں‘ اور مجھے جاننے کی ضرورت بھی نہیں۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں کسی مہمان میں۔“ وہ سخت بے زار تھی‘ مارے رنج کے گلا رندھا ہوا تھا۔

”ارے سنو تو‘ اتنے مزے کی بات ہے‘ پتا ہے یہ لوگ......“

”پلیز‘ خاموش ہوجاؤ‘ کچھ مت کہنا‘ کچھ مت بتاؤ مجھے تمہیں بابا کی قسم اور ہاں جا کر کہہ دو امی سے ابھی کچھ وقت کے لیے بخش دیں میری جان۔ چھوڑ دیں مجھے‘ مت فکر میں گھلیں میری‘ مجھے کوئی نہیں کرنی شادی وادی۔“ وہ حلق کے بل چلائی تھی‘ ہادیہ تو ہادیہ اس طرف آتی علینہ بھی اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

وہ سب تو خوش تھے ہینڈسم اینڈ ڈیسنٹ سا صارم ولید سب ہی کو اچھا لگا تھا‘ پڑھا لکھا‘ خوبرو‘ اچھے اوصاف رکھنے والا۔ ایک باعزت خاندان کا چشم و چراغ‘ وہ ہر لحاظ سے پرفیکٹ تھا اس کی اور عنابیہ کی جوڑی بلاشبہ چاند سورج کی جوڑی ہوتی اور پھر جس طرح اس کی فیملی پیام لے کر آئی تھی جس محبت اور مان سے وہ اسے مانگ رہے تھے یقیناً اس کی خوش نصیبی تھی اور ایک وہ تھی کہ...... علینہ کو سخت دکھ ہوا‘ پتا نہیں اس لڑکی کو کب عقل آئے گی‘ کب سدھرے گی یہ۔

”کیا کہتی ہے عنابیہ......؟“ امی بے چین سی پوچھ رہی تھیں‘ آج تو ان کے چہرے پر بھی الوہی سا سکون سایہ کیے ہوئے تھا۔ علینہ کی ہمت نہ ہوئی ان کا اطمینان لوٹنے کی‘ زبردستی کی مسکان کھینچ کر ہونٹوں پر سجائی۔

”بے وقوف ہے‘ رو رہی ہے کہتی ہے امی سے دور نہیں

جاؤں گی۔ میں نے تو کہا کون سا دور جانا ہے اسی شہر میں رہو گی ہمارے قریب۔ چاہے روز مل لیا کرنا مگر آپ کو تو پتا ہے ناں پھوپو...... ایسے موقعوں پر لڑکیوں کی کیا حالت ہوتی ہے۔ میں خود اتنا روئی تھی امی سے لپٹ لپٹ کر منتیں کی تھیں کہ خود سے دور مت کریں مجھے' وہ بھی ایسی ہی کنڈیشن سے گزر رہی ہے۔ ابھی اس سے کچھ بھی کہنا بے کار ہے' آپ بھی کوئی بات مت کیجیے گا' دو چار دن گزریں گے اس کا دل و ذہن اس حقیقت کو قبول کرنے پر آمادہ ہوگا تو خود ہی نارمل ہوجائے گی' ٹھیک ہے ناں پھوپو۔'' ان کے ہاتھ تھامے وہ بولی تھی' امی کو اپنی پیاری بیٹی پر ڈھیروں پیار آیا' انہوں نے سر ہلا دیا۔ وہ اس سے پوری طرح متفق تھیں' یہی وجہ تھی کہ پھر کسی نے یہ موضوع نہ چھیڑا وہ سب اسے وقت دے رہے تھے اور اب وہ خیالوں میں اپنا ماتھا پیٹ رہی تھی۔

کاش...... کاش وہ ایک بار ہی سہی پوری بات تو سن لیتی تو ایسی اذیت میں تو نہ کٹتے اتنے دن۔ اُف...... وہ کسی سے نظر نہیں ملا پا رہی تھی' سر جھکا ہوا تھا' عارض سرخ ہو رہے تھے' لرزتی ہوئی پلکیں اور اماں جان اسے دیکھتی سوچ رہی تھیں۔

''ارے میں یونہی غلط فہمی کا شکار ہوئی' ایسے موقعوں پر بچیاں گھبرا ہی جایا کرتی ہیں۔ یہ تو اتنی سادہ' خاموش طبع اور شرمیلی سی لڑکی ہے' اللہ نظر بد سے بچائے۔'' انہوں نے فرط محبت سے ایک بار پھر اسے گلے لگا کر چوم لیا۔

''اوئے ہوئے' یہاں تو بڑے لاڈ ہو رہے ہیں' لو بھئی آپا...... آپ کی تو ویلیو ڈاؤن ہونے کے دن آ گئے' محبت تقسیم ہوجائے گی اب تو۔'' اندر آتے اسجد نے شرارت سے کہتے ثمر کو چڑایا' اماں جان جلدی سے بولیں۔

''محبت تو ہوتی ہی تقسیم ہونے کے لیے ہے میرے بچے' اسے جتنا بانٹو یہ اتنا ہی بڑھتی ہے۔ ایک ماں کے دل میں ساری اولاد کے لیے پیار ہوتا ہے' ثمر کی اپنی جگہ ہے۔ یہ میرے گھر کی بڑی بہو ہے' اس کی ویلیو تو ہرگز بھی کم نہیں ہوسکتی اور آنے والی کی اپنی جگہ ہوگی' وہ اپنے حصے کی محبتیں خود لے لے گی ہم سے' میں تو خوش نصیب ہوں جسے اتنی پیاری بیٹیاں مل گئیں۔''

''واہ جی اور یہ دوسری بیٹی اچھی ملی ہے آپ کو' آپ اپنے لاڈلے کو ہی بھول گئیں' کچھ خبر بھی ہے کہاں ہے وہ' اتنی دیر سے کال کر رہا ہوں اور وہ گدھا ہے کہ پک ہی نہیں کر رہا' پریشان ہو کر بھاگا آیا ہوں۔''

''ارے ہاں' کہاں گیا یہ صارم...... کافی دیر پہلے کمرے سے نکلا تھا' ابھی تک واپس نہیں آیا۔'' اور اس کے ذکر پر عنابیہ کی دھڑکنیں زیر وزبر ہوگئیں' اس کی نظریں تو کب سے اسے ڈھونڈ رہی تھیں جس کے نام کی بے پایاں خوشی ملی تھی اسی کا دیدار اب تک نہ ہوا تھا۔ کتنے جتن سے وہ خود کو روکتی رہی تھی نہ اسے دیکھوں گی نہ خود پر سے اختیار کھوؤں گی۔ کچھ خواہشیں بہت ضدی ہوتی ہیں' روتی ہیں' کرلاتی ہیں' ایڑیاں رگڑ رگڑ کر سینے میں شگاف ڈال دیتی ہیں۔ صارم ولید بھی تو ایک ایسی ہی خود سر خواہش بنتا جا رہا تھا لیکن وہ اپنی ذات کا وقار اور اعتماد بھی کسی صورت نہیں کھونا چاہتی تھی تب ہی تو خود کو یہ سمجھا کر پیچھے ہٹانے لگی کہ من چاہی خوشیاں ہر کسی کا نصیب نہیں بنتیں۔ جو مقدر میں نہ ہو اس کے لیے کیا واویلا کرنا پھر مقدر تو انار کی طرح ہوتا ہے' چھیلنے سے پہلے تک بالکل اندازہ نہیں ہو پاتا کہ دانہ میٹھا ہے یا ترش اور وہ یقیناً خوش بختوں میں سے تھی اس کے حصے میں میٹھا پھل آیا تھا۔ ثمر نے صارم کو کال کی' وہ یہیں تھا ہسپتال کے باغیچے میں۔

''میں دیکھ کر آتی ہوں کیا کر رہا ہے وہاں۔'' وہ اٹھیں پھر رک کر اسے دیکھا۔

''عنابیہ آجاؤ تم بھی میرے ساتھ۔'' اور وہ ان کے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔ سرسبز گھاس پر پاؤں پسارے نیم کے گھنے پیڑ کے تنے سے وہ ٹیک لگائے بیٹھا تھا' اپنے ہی کسی دھیان میں مگن۔

''صارم...... خیریت تو ہے ایسے کیوں بیٹھے ہو یہاں؟'' ثمر نے شانہ ہلایا۔

''کچھ نہیں بس ویسے ہی' بڑی پُرسکون سی جگہ ہے' ہسپتال کے اندر تو میڈیسنز کی بُو نے دماغ سُن کر دیا تھا۔ یہاں تازہ ہوا ہے کچھ دیر سانس لے کر بہت اچھا لگا' ماموں کی طبیعت اب قدرے بہتر ہے' میں ڈاکٹر سے بات کرتا ہوں' اب انہیں گھر لے جاتے ہیں وہاں زیادہ بہتر فیل کریں گے وہ۔'' کپڑوں سے گھاس کے خشک تنکے جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوا' وہ چند قدم پیچھے ہی رک گئی تھی۔ ہمیشہ نک سک سے درست نظر آنے والے صارم ولید کا حلیہ اس وقت یکسر الٹ تھا' ٹراؤزر کے ساتھ سمپل ٹی شرٹ پہنے' بکھرے بال' چہرے پر تھکان اور بڑھی ہوئی شیو میں بھی وہ خاصا ڈیشنگ لگ رہا تھا' بلکہ اسے تو ہمیشہ سے بڑھ کر اچھا لگا۔ یہ پیارا سا شخص اس کا تھا' یہ احساس ہی کیسا جاں افزا

تھا' روم روم میں سرشاری سی بھر گئی تھی یہ اس کی نظروں کا ارتکاز ہی تھا جو صارم نے اُدھر دیکھا۔ سیاہ اسٹالر کے ہالے میں دلنشین سا چہرہ' چمکتی آنکھیں' باہم بھینچے گلابی ہونٹ اس کے دیکھتے ہی گڑبڑا کر کہہ گئی۔

"السلام علیکم سر!" لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی' صارم کا سر بھی میکانکی انداز سے ہلا ان دونوں کو دیکھتے ثمر مسکرا دیں۔

"عنابیہ تو واپس جارہی تھی' میں نے ہی اسے روک لیا۔ بھئی یہ تو بڑی کم گو ہے' ہم سے تو اس نے کوئی بات ہی نہیں کی ہوسکتا ہے تم سے ہی کچھ بول لے بلکہ ایسا کرنا صارم تم اسے ڈراپ بھی کرآنا۔" اور وہ چپ کھڑا تھا' اندر کلبلاتے سوالوں کا ہجوم لفظوں کا روپ دھارنے کو تڑپ اٹھا' دھکم پیل شروع ہوگئی تھی اتنا غل مچ گیا کہ باہر آواز اس شور میں دب گئی۔

"اوہو' میرا اسیل فون شاید اندر ہی رہ گیا' کہیں عازم کی کال نہ آجائے۔ میں دیکھ کر آتی ہوں ابھی۔" ثمر کو اچانک یاد آیا واپس پلٹ گئیں۔ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ گم صم کھڑے تھے' صارم اس سے روٹھا ہوا تھا ایک نظر کے بعد رخ پھیر لیا' عنابیہ کے جذبات چہرے سے مترشح تھے' فطری حیاء نے اپنے حصار میں لے لیا تھا وہ اس سے نظر چرائے کھڑی تھی' کئی لمحے خاموشی کی نذر ہوگئے۔ وہی ہمت مجتمع کرتی آگے بڑھی' اُدھر اس کے سوال حلق تک آن پہنچے تھے۔

"آپ......" دونوں ایک ہی ساعت میں آمنے سامنے ہوئے' آنکھیں چار ہوئیں اس کے لبوں میں مسکان دبی تھی' صارم نے لب بھینچ لیے۔

"کیا کہہ رہے تھے آپ؟" وہ مقابل آن کھڑی ہوئی' صارم کو اس کے چہرے پر رقصاں مسکان نے حیران کیا' اسے اذیتوں کی بھٹی میں جھونک کر کس قدر خوش تھی یہ لڑکی۔ اسی کے طفیل وہ ایک ان دیکھی آگ میں جل رہا تھا اور اس کے تو ہونٹ ہی نہیں آنکھیں بھی ہنس رہی تھیں' وہ چڑ کر بولا۔

"کہنا تو بہت کچھ چاہتا تھا لیکن ہر بار جانے کیوں کہہ نہیں پایا' پھر آپ نے ہی کبھی موقع نہیں آنے دیا اور جب خود کچھ نہ کہہ سکا تو اپنے دل کا ترجمان بنا کر اپنی فیملی کو آپ کی طرف بھیج دیا لیکن......" وہ سانس لینے کو رکا۔

"اب صرف ایک سوال پوچھنا چاہوں گا' ول یو میری می۔" آج تک یہ سوال کسی نے اتنے اکھڑ لہجے میں چہرے پر ایسی خشونت لیے یوں رعب جما کر نہیں پوچھا ہوگا۔ عنابیہ کو ہنسی آ گئی' بے ساختہ دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے' وہ تیکھے چتون لیے گھور رہا تھا' بمشکل ہنسی کنٹرول کی۔

"آپ اتنے خفا کیوں ہیں؟" جواب کے بجائے نہایت معصومیت سے استفسار کیا۔

"اور آپ اتنی خوش کیوں ہیں؟" یہی تو اصل جلن ہورہی تھی' کلستے ہوئے پوچھ ہی لیا وہ سر جھکا گئی۔

"آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں تھا' میں سمجھی تھی کہ وہ مہمان......" اور پھر جھجکتے ہوئے رک رک کر اس نے سب کہہ ڈالا اس کے لفظ تھے کہ امرت دھارا جو قطرہ قطرہ سماعتوں میں اترتے اور رس گھولتے گئے۔ اتنے دنوں سے جلتا کلستا دل ٹھنڈی پھوار میں بھیگ گیا تھا' ایک گہرا سانس لیتے اندر کی ساری کثافت کو باہر نکالتے کھل کر مسکرا دیا' اس کی باتوں میں سب وضاحتیں بھی تھیں اور اقرار بھی۔

"بہت تنگ کیا ہے تم نے۔" وہ ایک ہی پل میں سب تکلیف اور فاصلے پاٹ گیا۔

"میں نے......؟" مارے حیرت کے گردن اوپر اٹھ گئی' سامنے والے کی آنکھوں میں محبتوں کا ایک جہان آباد تھا۔ سارے ان کہے جذبے اب پٹر پٹر بول رہے تھے۔

"کمی تو آپ نے بھی کوئی نہیں رکھی۔" جی میں تو آئی تھی کہہ دے مگر حیاء نے لبوں پر قفل ڈال دیئے' گھبرا کر پلکوں کی چلمن گرالی۔

"آؤ عنابیہ پھول چنیں۔" صارم نہایت نرمی و محبت سے اس کا ہاتھ تھامتا کیاری کی طرف لے گیا' وہ اسے اپنا خواب سنا رہا تھا اور ہنستے ہوئے اس کے سنگ پھول چنتی عنابیہ کے لبوں پر ایک ہی دعا تھا۔

"یارب...... یہ بہار سدا قائم رکھنا۔"

جنوری کی پہلی دھند

حیاء بخاری

کسی کے آنے کا میں انتظار کرتی ہوں
اسی کی یاد میں دل بے قرار کرتی ہوں
وہ آئے گا اسے آنا ہے یہ حقیقت ہے
میں جس کا شام و سحر انتظار کرتی ہوں



دسمبر جانے کی تیاریاں کر رہا تھا‘ اس دفعہ سرما ابھی تک بارش سے محروم رہا تھا۔ دھند بھی اتنی نہیں پڑی تھی‘ سردی پھر بھی شدت اختیار کرگئی تھی۔ بھکر کی ریت بارش نہ ہونے کی وجہ سے عجیب بھربھری سی زمین سے اوپر ابھرنے لگی تھی۔ ذرا سا پیر دھرنے پر اڑنے لگتی‘ کپڑے جوتے سب ریت سے اٹ جاتے‘ دانت عجیب سا کچکچا جاتے۔ اسے اس موسم سے شدید چڑ تھی‘ خشک اور اجاڑ موسم...... اور یہ قسمت کی ستم ظریفی ہی تھی کہ یہ موسم اس کی زندگی اور دل دونوں پر ہی ایک ساتھ چھایا تھا۔

شام گزری اور رات پیر جمانے لگی‘ چندا میاں بھی آج کل ناراض ہی تھے۔ کبھی کبھار ہی کالی بدلیوں کی اوٹ سے پل بھر کے لیے جھانکتے اور فوراً منہ چھپالیتے‘ انہیں بھی شاید اس گرد آلود منظر سے چڑ تھی۔ سب گھر والے جلدی سونے کے عادی تھے اور اس کی آنکھوں سے تو جیسے نیند بھی خفا تھی‘ نہ جانے کتنی دیر وہ سیدھی لیٹی نیند کا انتظار کرتی رہی پھر تھک کے چادر لپیٹتی باہر نکل آئی۔ آج دھند نہیں تھی‘ موسم صاف تھا‘ سو ہر منظر واضح تھا۔ وہ کچے صاف صحن کو عبور کرتی پچھلی ٹوٹی ہوئی دیوار سے باہر نکل آئی‘ سامنے مالٹوں کا باغ تھا۔

”شیر دل......“ اس نے دھیرے سے آواز دی اور کچھ دیر انتظار کیا۔ مکمل سناٹے پر وہ چند قدم اور آگے بڑھی‘ مالٹوں کے درخت پر لگے پیلے بلب عجیب سی وحشت بھری روشنی بکھیر رہے تھے۔

”شیر دل......“ اس دفعہ اس نے ذرا اونچی آواز میں پکارا۔ دھپ کی آواز آئی‘ جیسے کوئی اونچی جگہ سے نیچے کودا ہو پھر ہلکی آواز میں بھونکتا ہوا ایک کتا بھاگتا ہوا آیا اور اس کے قدموں سے لپٹ گیا۔ وہ اداسی سے مسکرائی اور وہیں قدرے اونچی پر بیٹھ گئی۔ نظر دور چمکتے ستاروں پر گڑی رہ گئی۔ کچھ دیر بعد کتا اٹھ کر اس کے اور قریب آ کے بیٹھ گیا گویا یوں اس کی خاموشی اسے نہیں بھارہی تھی‘ وہ اس کی پیٹھ سہلانے لگی۔

”شیر دل...... یہ سب کہتے ہیں میں اسے بھول جاؤں۔ چاچا رحمت کے بیٹے سے ویاہ کرلوں...... پر تم بتاؤ‘ میں یہ سب کرسکتی ہوں بھلا؟“ وہ نم لہجے میں اس سے یوں پوچھ رہی تھی جیسے وہ نہ صرف اس کی بات سمجھ سکتا بلکہ جواب بھی دے سکتا ہے۔

”بتاؤ نہ شیر دل......“ اس نے ذرا سا کتے کو جھنجھوڑا‘ وہ ہلکے سے اوں اوں کرتا خاموش ہوگیا۔

”اور فاران...... سب کہتے ہیں وہ فریبی تھا‘ آوارہ پنچھی تھا‘ تبھی اڑان بھر گیا۔ تم تو جانتے ہو شیر دل وہ ایسا نہیں تھا۔“ شیر دل نے یوں سر جھکایا جیسے وہ اس فکر پر اداس ہوگیا ہو۔

”میرا دل بھی نہیں مانتا۔ وہ تو بچپن سے میرے ہمدم تھا‘ مجھ سے دھوکا کیسے کرسکتا ہے؟ اس باغ میں کتنے ہی درخت ہم دونوں نے مل کر لگائے تھے۔ وہ یہ سب کیسے بھول سکتا ہے؟ اس نے میرے ساتھ کتنی بار گھر کے کاموں میں مدد کی۔ میں نے کتنی بار اس کے ساتھ مل کر گندم اور چاولوں کی فصل چنی۔ وہ یہ سب کس طرح نظر انداز کرسکتا ہے۔ اس نے میرے ساتھ مل کر اوپلے بنائے‘ گھاٹ پر میرے ساتھ کپڑے دھلوائے‘ سبزی کاٹ کردی‘ صحن میں چوپا (گیلی مٹی کا لیپ) لگوایا۔ وہ مجھے اجڈ گنوار کہہ کر کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ میں نہیں مانتی شیر دل‘ میرا دل نہیں مانتا۔“ رات بھیگنے لگی تھی‘ اس کے گال بھی بھیگنے لگے تھے۔

”اوں......اوں......“ شیر دل بھی شاید رونے لگا تھا۔

❁......❁......❁

”مبارک ہو پتر...... اللہ نے بیٹا دیا ہے۔“ فرحان بلوچ جو بے چینی سے اِدھر اُدھر کمرے میں ٹہل رہے تھے‘ دائی ماں کی بات سن کر ایک دم رک گئے تھے۔

پھر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی‘ دائی اماں خوش خبری سناتی واپس مڑ گئیں۔ وہ بھی باہر نکل آئے‘ سامنے والے کمرے سے ان کی بیوی میراں چادر میں لپٹا ننھا وجود سنبھالے ان کی طرف آئیں تو انہوں نے تیزی سے بچے کو اپنی پناہوں میں لے لیا‘ گول مٹول سفید وجود آنکھیں سکون سے موندے کسی دیس کا شہزادہ لگ رہا تھا۔

”اللہ نے بالآخر ملکہ کو صبر کا اجر دے دیا۔“ میراں نے مسکراتے ہوئے آسمان کی طرف نگاہ کی‘ جیسے اس پاک ذات کا شکر ادا کررہی ہو۔

”وہ بڑا رحیم ہے۔“ فرحان کی آنکھیں بھیگنے لگیں‘ اس نے بچے کو سینے میں چھپالیا۔

”بھاجائی کیسی ہے؟“

”کمزوری بہت ہے‘ باقی تو اللہ نے کرم کیا‘ میں اس کے لیے ذرا جائے بنا بنا دوں پھر بچے کو نہلاتی ہوں آپ تب تک اسے سنبھالیں۔“ وہ ہدایت دے کر جانے لگیں کہ دائی ماں کی

چیخ سن کر پریشان ہوگئیں۔

"یااللہ خیر......!" فرحان بلوچ کا دل ہول اٹھا۔

"میراں جلدی آ......" ملکہ کی حالت خراب تھی' رنگت زرد پڑ چکی تھی' آنکھیں اور منہ بار بار کھل جاتا' جھٹکا سا کھاتی اور پھر ساکت ہوجاتی۔

"اسے کیا ہوا؟" میراں کے ہاتھ پیر پھولنے لگے۔

"وے ملکہ' ہوش کر......" وہ ملکہ کے گال تھپتھپانے لگی تبھی فرحان بھی دستک دیتے اندر چلے آئے' ملکہ نے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں۔

"بھاجائی......!" فرحان نے دھیرے سے آواز دی۔

"بھا......" وہ بمشکل بول پائی۔

"میں ابھی ہسپتال جانے کا بندوبست کرتا ہوں۔" اس نے بچہ دائی کو تھمایا۔

"نہ بھانہ......" ملکہ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں منع کیا۔ "مجھے لگتا ہے میرا آخری وقت آ گیا ویسے بھی اس کے باپ کے بعد میری زندگی میں بچا ہی کیا تھا۔" وہ اٹک اٹک کر بات مکمل کررہی تھی' میراں رونے لگی۔

"ایسا نہ کہو بھاجائی......! یہ بچہ ہے اب آپ کی زندگی' اسے کون دیکھے گا؟"

"آپ اور میراں ہیں نہ اس بچے کے ولی وارث' اللہ کے بعد میں نے اسے آپ کے سپرد کیا۔ اس کا...... خیال...... رکھیے...... گا......" اور اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ میراں' ملکہ سے لپٹ کر بلکنے لگی اور فرحان نے بچے کو واپس لے کر دوبارہ اپنی مضبوط پناہوں میں جگہ دے دی تھی۔

❁......❁......❁

فاران ان کی زندگی میں بہت ہی خوش بخت ثابت ہوا تھا' فرحان بلوچ پنجاب کے ایک زمین دار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے' بھکر شہر سے کچھ فاصلے پر ان کی زمینیں اور باغات تھے۔ بھائی کی موت کے بعد گھر اور زمینوں کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر آ گئی تو انہوں نے زمینوں پہ گھر بنالیا۔ فاران کی پیدائش کے بعد اللہ نے ان کی محنت کا خوب صلہ دیا اور ان کی فصل اور زمینوں میں دن بہ دن اضافہ ہوتا گیا۔ فاران کی پیدائش کے دو سال بعد اللہ پاک نے ان کو اولاد کی نعمت سے بھی نواز دیا جس کے لیے آٹھ سال سے وہ ترس رہے تھے۔

"یہ سب فاران کا نصیب ہے' بھلی لوکے دیکھ لو کوئی زیادتی نہ ہوجائے' تجھ سے کبھی سگی اولاد کے لیے فاران کے حق میں۔" ننھے نرم و ملائم وجود کے ساتھ کھیلتے فاران کو دیکھ کر انہوں نے جیسے بیوی کو ہدایت کی تھی اور وہ رو دی تھیں۔

"فاران میری سگی اولاد ہی ہے' فرق ہی کردیا آپ نے تو۔" اور پھر فرحان کو ان کو مناتے جان پر بن آئی تھی۔

اور یہ حقیقت تھی کہ میراں نے فاران کو سگی ماں سے بڑھ کر ہی پالا...... چاہا تھا...... اس کا ایک ایک لمحہ فاران کے اردگرد ہی گزرتا تھا۔ فاران کی ذات ہی اس کا محور بن گئی تھی۔

ستارہ کی پیدائش نے ان کی زندگی کے سبھی رنگ مکمل کردیئے تھے۔ خوشیاں ان کے در کی داسی بن گئی تھیں۔ دن گزرتے چلے گئے' تارہ اور فاران ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزم بنتے گئے اور وہ دونوں فرحان اور میراں کے لیے' ان دونوں نے اپنے بچوں پر دولت' وقت اور دعا بے تحاشہ لٹائے تھے۔ خوش قسمتی ان کے در کی باندی تھی اور وہ سب اللہ کی پاک ذات کے مشکور رہتے تھے۔

❁......❁......❁

"کیا کررہے ہو بچوں؟" فرحان کسی کام سے صبح سے شہر گئے ہوئے تھے۔ گھر واپسی آئے تو بچوں کو تلاشتے زمین کے نسبتاً خاص ٹکڑے کی طرف چلے آئے' ان کی توقع کے عین مطابق وہ ان کی تیار کردہ زمین پر چھیڑ چھاڑ کرنے میں مصروف تھے' فرحان کا اس زمین پر مالٹوں کا باغ لگانے کا ارادہ تھا۔

"بابا...... میں اور فاری مالٹے کے بیج بو رہے ہیں۔" ستارہ نے مٹی سے بھرے ہاتھ جھاڑتے ہوئے باپ سے لپٹتے ہوئے بتایا۔

"ارے واہ' مطلب تم دونوں نے میرے باغ کی بنیاد رکھ ہی دی۔" وہ اسے اٹھاتے ہوئے خوشی سے بولے۔

"اور بابا سارے پودے میں نے اور تارہ نے مل کر لگائے ہیں' ایک ایک بیج خود دبایا ہے زمین میں۔" سات سالہ فاران فخر سے بتاتے ہوئے بولا۔

"میرا لال......" فرحان نے اسے خود سے لگالیا۔

"بابا...... اب یہ کب بڑے ہوں گے۔" ستارہ نے شوق سے پوچھا۔

"ابھی تو کافی وقت لگے گا۔" وہ مسکرائے۔

"مطلب ابھی ہم مالٹے نہیں کھاسکیں گے۔" وہ اداس ہوئی۔

''ابھی تو اتنے کھائے ہیں تم نے۔'' فاران نے آنکھیں دکھائیں فرحان ہنس دیئے۔

''جب تک یہ مالٹے نہیں اُگیں گے' ہم بازار سے لے کر آیا کریں گے ناں۔'' بابا نے تارہ کو تسلی دی۔

''اچھا اب تم دونوں چلو گھر' ماں کھانے پر انتظار کررہی ہوگی۔'' بابا نے فاران کا ہاتھ تھامتے ہوئے محبت سے کہا' وہ سر ہلا کر چل دیا۔ اگلے کئی مہینے ان دونوں کے اپنے پودوں کی دیکھ بھال کرتے اور پودوں کے نکلنے کا انتظار کرتے گزرے تھے۔

❀......❀......❀

''اٹھ جا تارہ...... دیکھ کتنا دن چڑھ آیا ہے۔'' دن واقعی کافی تیز تھا' سورج کافی اوپر چڑھ آیا تھا اور وہ ابھی تک بے فکر چارپائی پر پڑی تھی۔ فاران نے سامنے تادیر چادر تان لی تھی تبھی دھوپ ابھی تک اسے تنگ کرنے میں ناکام ٹھہری تھی مگر اب دھوپ اس پر پڑ رہی تھی لیکن اسے پرواہی نہ تھی۔

''چاچی ماں...... نہ کریں اسے تنگ' سونے دیں۔'' فاران اندر بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا' میراں کی تیز آواز پر تیزی سے باہر آیا۔

''تم اور تمہارے بابا...... دونوں بگاڑ دو اسے اچھی طرح' آگے دوسرے گھر جائے گی تو طعنہ ماں کو ہی ملے گا۔'' میراں کو غصہ آ گیا۔

''طعنہ دے کر تو دیکھیں' ہاتھ پیر نہ توڑ دوں گا ان کے اور کس میں اتنی ہمت کہ تارہ کو اس گھر سے دور لے کر جائیں۔'' وہ ایک مرتبہ پھر تارہ پر چادر کا سایہ بنانے لگا۔

''تو جیسے ساری عمر اسے اس گھر میں رہنا پڑے گا۔'' میراں نے ماتھا پیٹ لیا۔

''توبہ اماں......'' ستارہ تیز آوازوں سے تنگ آ کر اٹھتے ہوئے بولی۔

''اگلے گھر والے تو نہ جانے کب نصیب میں لکھے ہیں' تم نے ابھی سے جینا مشکل کردیا ہے پھر ان کے قصے سنا سنا کے۔'' وہ منہ بناتے ہوئے کھلے لمبے بالوں کا جوڑا بنارہی تھی۔ فاران اپنے چوڑے وجود کا سایہ کیے اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

''اگر ایسا ہوتا ہے اگلا گھر تو دیکھ لینا' شادی کی رات ہی بھاگ جانا ہے میں نے۔'' فاران نے قہقہہ لگایا۔

''استغفار کر لڑکی...... جو منہ میں آتا ہے بک دیتی ہے۔'' میراں کا تو دل دہل گیا۔

''مذاق کررہی ہے اماں......'' فاران نے مسکراتے ہوئے ان کو ساتھ لگاتے ہوئے تسلی دی۔

''سمجھا اسے' لڑکیاں ایسی بات بھول کر بھی منہ سے نہیں نکالتیں' بدنامی کی چٹ لگ جاتی ہے ماتھے پر۔''

''توبہ اماں......بس کردیں۔'' ستارہ نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے۔

''اچھا آجا' ناشتا نکال دوں تیرے لیے۔'' اماں کو اس پر ترس آ ہی گیا اور وہ جو کچھ کہنے ہی والی تھی۔ فاران کے ہاتھ تھامنے پر اس کی طرف دیکھ کے رہ گئی' اس نے آنکھوں سے اسے مزید کچھ نہ کہنے کا اشارہ کیا تھا اور وہ خاموش ہوگئی تھی۔ فاران کی بات بھلا کب ٹالتی تھی وہ۔

❀......❀......❀

فاران آج کل کالج سے چھٹیوں پر گھر آیا ہوا تھا' ستارہ سارا دن اسے گھیرے رکھتی۔

''شہر لاہور کیسا ہے...... بھکر کی طرح ہے یا اس سے بھی زیادہ خوب صورت؟'' سوال پر سوال' فاران مسکرائے جاتا۔

''بھکر ابھی اتنا خوب صورت کہاں' لاہور تو لاہور ہے پر بھکر بھی کم نہیں۔'' وہ بھی پوری تسلی سے جواب دیتا' اس کا وقت بھی بھلا کب ستارہ کے بغیر کٹتا تھا۔

''وہاں کے لڑکے لڑکیاں تو تمہیں دیکھ کے جل اٹھتے ہوں گے ناں۔'' وہ معصومیت سے پوچھتی اور وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیتا۔

''بالکل بھی نہیں...... ہاں اگر تم میرے ساتھ ہوتیں تو ضرور جل جاتے۔'' وہ اس کے کان میں شرارت سے سرگوشی کرتا اور وہ حیا سے لال ہوجاتی۔

''میں نہیں اتنی سونیٹری...... پھر تمہارے ساتھ میں جا کیسے سکتی ہوں' بابا نے صاف کہہ دیا ہے۔ بارہویں کرنے کے بعد باقی پڑھنا ہے تو پرائیوٹ گھر میں۔'' وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔

''ایسا کہا بابا نے' میں بات کروں گا ان سے۔'' فاران ناراض ہونے لگا۔

''اُدھر کیا ہے؟'' اچانک ہی ستارہ ایک طرف لپکی' فاران بھی بات بھول کر اس کے پیچھے آیا تھا ان کے ہی لگائے گئے مالٹے کے درخت کی جڑوں میں ایک زخمی کتا پڑا بلبلا رہا تھا۔

''اف میرے اللہ۔'' فاران تیزی سے اس پر جھکا تھا' اسے کسی شرارتی بچے نے پتھر مارا تھا جو اس کی پسلی میں لگا تھا' تبھی

وہ درد سے نڈھال تھا' خون بھی کافی نکل رہا تھا۔

"تارہ جاؤ بھاگ کر پٹی کا سامان لے آؤ۔" اس نے نل کی طرف جاتے ہوئے ستارہ کو ہدایت کی' وہ گھر کی طرف لپکی۔

اس کے واپس آنے تک وہ پانی سے اس کا زخم اچھی طرح صاف کرچکا تھا' کتا تھوڑی دیر بعد ذرا سا غرالیتا لیکن حرکت کرنے کی ہمت نہ تھی اس میں۔ فاران ستارہ سے سامان لے کر اس کی پٹی کرنے لگا۔

"نیم گرم دودھ بھی لے آؤ اس کے لیے۔" وہ سر ہلاتی واپس دوڑی' واپس آئی تو فاران اس کی پٹی مکمل کرچکا تھا اس نے دودھ سے بھرا کٹورا اس کے سامنے رکھ دیا۔ بھوکے کتے نے فوراً زبان مارنی شروع کردی' چند منٹوں میں وہ سارا دودھ ختم کرچکا تھا۔

"کچھ دیر میں یہ اچھا ہوجائے گا۔" فاران نے کہا تو تارہ نے سر ہلادیا۔

"اگر یہ واپس چلا گیا تو بچے پھر زخمی نہ کردیں اسے۔" وہ پریشان ہوئی۔

"اس گھر کے کھانے پر منہ لگا ہے اس کا' ہے تو مشکل کہ اب یہ چھوڑ کے جائے۔" وہ ہاتھ دھونے لگا۔

"سچی۔" ستارہ چہک اٹھی۔

"اگر واقعی نہ گیا تو کیا نام رکھو گی اس کا۔" فاران نے پوچھا۔

"ہمم...... وہ سوچنے لگی۔ "شیر دل!" جھٹ سے نام پکارا۔ فاران سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھا اور دوزانو ہوکر کتے کے سامنے بیٹھ گیا۔

"شیر دل!" اس نے کتے کی پیٹھ سہلائی۔

"کہیں جانا مت' شام کو پھر پٹی کردوں گا' کمزور بھی ہو زیادہ چلے تو تھک جاؤ گے۔" وہ اٹھ کر آگے بڑھا تو تارہ ہمقدم تھی' کتا اب مسلسل اونگھنے لگا تھا۔

"کیا سچ میں وہ نہیں جائے گا؟" ستارہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"شام ہونے والی ہے ناں' خود آکے دیکھ لینا۔" وہ اس کا ہاتھ تھامتا مسکرا کر بولا' وہ سر ہلاگئی تھی۔

اور پھر واقعی شام کو وہ دودھ لے کر باہر آئے تو شیر دل لنگڑاتا ہوا ان کے پاس آگیا تھا' ستارہ اس کے قدموں میں لوٹنے پر خوشی سے ہنستی چلی گئی۔

❁......❁......❁

"ضروری بات کرنا تھی آپ سے۔" میراں نے ساگ کے ساتھ مکھن کا پیڑہ روٹی پر رکھ کر ان کے سامنے رکھتے ہوئے جیسے اجازت چاہی۔

"سو باتاں کر بھلی لوکے' کس نے منع کیا ہے؟" فرحان نے بسم اللہ پڑھتے کھانا شروع کرتے ہوئے کہا۔

"رحمت آیا تھا آج اپنی گھر والی کے ساتھ۔"

"مسات (خالہ کا بیٹا) رحمت؟" فرحان نے پوچھا۔

"ہاں' اپنی تارہ کے لیے آئے تھے۔"

"تو نے منع نہیں کیا' ابھی دھی کی عمر ہی کیا ہے؟" فرحان کو برا لگا۔

"اس کی عمر کی ساری بچیاں دو دو بچوں کی ماں بن چکی ہیں۔ مجھے تو ہر وقت اس کی فکر لگی رہتی ہے' مر مر کے تو رشتہ آیا ہے ورنہ آپ کی انہی باتوں کی وجہ سے کوئی بات کرتا ہے بھلا۔"

"تجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" فرحان رغبت سے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔

"ماں ہوں اس کی' کیوں ضرورت نہیں مجھے۔" میراں چڑنے لگیں۔

"او نیک بختے...... ابھی کم عمر ہے ہماری ستارہ پھر دیکھ نہ فاران اور ستارہ ایک ساتھ بڑے ہورہے ہیں۔ دعا کر رب سے کہ گھر میں ہی بات بن جائے اور ہماری دھی رانی کو باہر نہ جانا پڑے۔" بات کرتے ہوئے ان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"یہ تو ہر روز دعا کرتی ہوں پر فاران شہر میں پڑھ رہا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ وہ ستارہ کے لیے کچھ ایسا سوچے۔"

"وہم ہے تیرا' ایک دوجے کے بغیر ایک پل تو رہ نہیں سکتے۔" فرحان نے اس کے خوف کو ہوا میں اڑایا۔

"وہ تو بچپن کا ساتھ ہے' اوپر سے ہے بھی تو اتنی سادہ' وہ شہری لڑکیاں تو بن سنور کے رہتی ہیں۔ کیا پتا کب کوئی فاران کے دل پر قبضہ جمالے۔" اندر آتی ستارہ کا دل بری طرح ڈوبا تھا۔

"خیر تو دل سے وہم نکال دے' جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔" فرحان نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

"تو کیا رحمت علی کو منع کردوں؟" انہوں نے پھر پوچھا۔

"ہاں بھئی تو اتنی دیر سے اور کیا سمجھا رہا ہوں تجھے' ٹال دے اسے فی الحال کہ ابھی ہمارا ارادہ نہیں۔" وہ ہاتھ دھونے کے لیے

اٹھے، ستارہ بوجھل دل لیے دروازے سے ہٹ گئی۔

❀……❀……❀

"اتنے زیادہ برتن……" کل سے نجانے کیوں وہ فاران سے کترانے لگی تھی، اس کے سامنے آنے سے ہچکچا رہی تھی۔ فاران کل صبح سے اس سے بات کرنے کو ترس گیا تھا، آج تک ایسا نہیں ہوا تھا۔

"ہاں……تو؟" بددل سا جواب آیا، وہ کھرے (برتن یا کپڑے دھونے کی چھوٹی سی پکی جگہ صحن میں جس میں نل بھی لگا ہوتا ہے) برتن بکھیرے دھونے سے زیادہ ان بے چاروں کو پٹخ رہی تھی۔

"لیکن اتنے زیادہ برتن، کیا تین دن سے جمع کرتی رہی ہو۔" وہ شرارت سے اسے تنگ کررہا تھا۔

"روز ہی اتنے ہی ہوتے ہیں، تم نے آج دیکھے ہیں۔" اس کا موڈ کچھ زیادہ ہی خراب تھا۔

"تو مجھے کہہ دیا کرو، میں مدد کردیا کروں گا۔" وہ پیڑھی رکھتا، آستین چڑھاتا واقعی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ستارہ نانا کرتی رہ گئی اور وہ اس قدر مہارت سے برتن مانجھنے لگا جیسے واقعی اس کام میں ماہر ہو۔

"چھوڑو نہ فاری……" تارہ اس کے ہاتھ سے پتیلا کھینچتے ہوئے چلائی۔

"ہاتھ کالے ہوجائیں گے تیرے۔" وہ پریشان ہواٹھی۔

"تو تجھے کیا پروا؟" وہ بھلا اب کہاں رکنے والا تھا، مشین کی طرح ایک کے بعد ایک برتن مانجھنے لگا۔

"یہ تک نہیں پتا ہوتا بندے کو شہزادی ناراض کیوں ہے، سزا کیوں دے رہی ہے۔" آخر وہ اس کے نروٹھے رویے کی طرف آہی گیا۔

"میں بھلا تجھ سے ناراض ہوسکتی ہوں، چھوڑ اسے۔" وہ فوراً پہلے جیسی ہوگئی، فاران مسکرادیا۔

"اچھا آج تو دھونے دے، مزا آتا ہے مجھے تیرے ساتھ کام کرکے۔" وہ پھر سے نل کھول کے برتن دھونے لگا۔

"ہاں اس دن جو میرے ساتھ مل کر اوپلے بنوائے تھے، ساری بستی کی عورتوں نے کتنا مذاق بنایا ہے میرا کہ "پے" (شوہر) کو شادی سے پہلے ہتھے کیا ہوا ہے۔" اس نے تیزی سے ہاتھ منہ پر رکھ کے خود کو مزید کچھ کہنے سے روکا تھا، چہرہ شرم سے لال ہوگیا تھا۔

"بول نہ، پوری بات تو ختم کر۔" فاران شریر ہوا۔

"اٹھ جا یہاں سے، قسم سے اماں نے دیکھ لیا تو حشر کردے گی میرا۔" وہ بات بدل کر منت پر اتر آئی۔

"آج میں بابا سے پیسے لے کر گیس کا بندوبست کرتا ہوں، سلنڈر ڈلوا کے جاؤں گا۔ کم از کم کالے برتنوں سے تو جان چھوٹے تمہاری۔" وہ ہاتھ دھوتے ہوئے اٹھتے ہوئے بولا۔

"اب اندر جاکر گلیسرین اور لیموں کا عرق ملا کے رکھا ہے کمرے میں فوراً لگا لو تاکہ صبح تک کالک لکیروں سے نکل جائے۔" ستارہ نے ہدایت کی۔

"اچھا بابا، تیرا بس چلے تو لڑکی بنادے مجھے، نرم اور کومل سی۔" وہ چڑا، ستارہ قہقہہ لگا کے ہنس پڑی۔

❀……❀……❀

شام تک واقعی وہ شہر سے گیس سے بھرے تین سلنڈر لے آیا تھا، اماں ٹوکتی رہ گئیں، مگر بابا نے اس کے اقدام کو خوب سراہا۔

"چاچی اماں…… پیسہ اس لیے تو کماتا ہے بندہ کہ گھر والوں کو سہولت دے سکے، کیوں بابا؟" اس نے اماں کو قائل کرتے ہوئے چاچا سے تائید چاہی۔

"ماشاء اللہ…… کتنی پیاری سوچ ہے میرے بچے کی۔" انہوں نے خوش ہوکر بیٹے کا ماتھا چوما۔

اماں، بابا دونوں ہی اس سے خوش تھے، وہ ان کو باتیں کرتا چھوڑ کر باہر کھیتوں کی طرف نکل آیا جہاں ستارہ، شیر دل کے سامنے روٹی ڈال رہی تھی اس کے انداز سے سستی عیاں تھی۔

"تارے……" اس کی پکار پر وہ بری طرح چونکی۔

"کیا سوچ رہی ہو، وہ بھی اس قدر گہرائی سے۔" وہ پیٹھ پر ہاتھ باندھے درخت سے ٹیک لگائے اسے تکے جارہا تھا، وہ اداسی سے نظریں جھکا گئی۔

"اچھا ہاتھ ادھر لا۔" وہ دھیرے سے چلتا اس کی طرف آیا۔ ستارہ نے ذرا سا جھجکتے ہوئے ہاتھ اس کی طرف بڑھادیا، فاران نے ست رنگی کانچ کی باریک چوڑیاں اس کے ہاتھ میں پہنادیں۔

"مجھے بھی تیرے ہاتھ ایسے ہی گورے اور صاف ستھرے پسند ہیں، آئندہ میں تجھے یہ کالے برتن مانجھتا نہ دیکھوں۔" شہادت کی انگلی سے اسے وارن کرتا وہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر گیا۔

''اب یہ بتاؤ' ناراض کیوں تھیں مجھ سے؟'' وہ جو چوڑیوں سے کھیلنے میں مگن تھی' چونک گئی تو کیا وہ اسے اس قدر جاننے لگا تھا۔

''ناراض نہیں تھی تو......؟''

''خوف زدہ ہوگئی تھی' اداس ہوگئی تھی۔''

''لیکن کیوں......کوئی وجہ تو ہوگی۔''

''تم جا جو رہے ہو۔'' اس نے بات بنائی۔

''میں ہر دفعہ ہی جاتا ہوں' تم تو الٹا میری ترقی کے لیے دعا گو رہتی ہو۔'' فاران نے کہا۔

''ہاں مگر اس دفعہ پتا نہیں کیوں......'' اس کی آواز بھرانے لگی تھی۔ وہ کچھ دیر اسے یونہی سینے پر بازو جمائے دیکھتا رہا پھر دو قدم قریب آیا۔

''جب بھی دل کرے پکار لینا' میں آجاؤں گا لیکن کبھی رونا مت تارہ......تمہارے آنسو میری زندگی مشکل کردیتے ہیں۔'' اس نے اس کے آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں پر چن لیے تھے' وہ خود کو روک نہ سکی۔ منہ پر ہاتھ رکھے بلکتی وہاں سے بھاگ گئی' فاران کچھ دیر اسے تلاشتا رہا پھر جھکا اور شیر دل سے کہنے لگا۔

''میرے بعد اس کا خیال رکھنا شیر دل......'' شیر دل نے زبان نکالتے سر گرا دیا تھا۔

❀......❀......❀

''اماں......'' وہ ماں کو ڈھونڈتی چھت پر آئی تو اماں دھلی گندم چٹائیوں پر دھوپ میں پھیلا رہی تھیں۔ اس نے اماں کے پاس آکر انہیں پکارا۔

''کیا ہوگیا' کیوں باؤلوں کی طرح پکارتی پھر رہی ہے؟'' اماں نے ہاتھ سے گندم کے دانے بکھیرتے ہوئے پوچھا۔

''اماں...... یہ رحمت چاچا اور مائی سکینہ روز روز کیوں آجاتے ہیں۔'' وہ ان کے قریب بیٹھ کر مدد کرتے ہوئے بولی۔

''لو بھلا یہ کوئی نئی بات ہے' پہلے بھی آتے تھے۔'' اماں حیران ہوئی۔

''آتے تھے' مگر سالوں بعد۔'' وہ گیلی گندم نکالنے لگی۔

''اب تو روز روز آجاتے ہیں' اوپر سے میوے بتاشے لے کر۔'' وہ منہ بنا کر بولی تو اماں ہنس دیں۔

''اب کسی تمے (لالچ) میں آتے ہیں ناں۔''

''کیا لالچ اماں؟'' وہ جان بوجھ کر انجان بنی۔

''تیرا ہاتھ مانگنے آتے ہیں......اپنے بیٹے کرم کے لیے۔''

اماں نے بلا آخر بتا ہی دیا۔

''تو تم نے منع نہیں کیا اماں۔'' وہ ناراض ہوئی۔

''لے' میری کیا مرضی' سب کچھ تیرے بابا نے دیکھنا ہے۔''

''بابا میری مرضی کے خلاف کبھی فیصلہ نہیں لیں گے۔''

''لے......تُو تو کیا خود ان کو منع کرے گی۔'' اماں حیران رہ گئیں۔

''ہاں' کردوں گی۔''

''کیا کہے گی؟ ذرا میں بھی تو سنوں۔'' اماں کے لہجے میں غصہ در آیا۔

''صاف کہہ دوں گی کہ بابا ابھی میں نے شادی نہیں کرنی۔'' وہ قطعی لہجے میں بولی۔ ''اور کرم سے تو کسی صورت نہیں کرنی' شکل دیکھی ہے اس نے اپنی۔''

''اللہ سے ڈر تارہ......ایسا نہیں بولتے' تجھے ویاہ نہیں کرنا نہ کر مگر کسی کی شکل کا مذاق نہیں اڑاتے دھی۔'' اماں کانوں کو ہاتھ لگا کر اسے پیار سے سمجھانے لگی۔

''اچھا اماں' پر بات صاف ہے۔'' وہ پھر جتاتے ہوئے بولی۔ ''رحمت چاچا کو صاف انکار کردو کسی حیلے میں نہ رکھنا۔''

''ہاں۔'' وہ صاف لہجے میں کہتی سیڑھیاں اتر گئی' اماں سر پکڑے بیٹھی رہ گئیں۔

❀......❀......❀

شام کو فرحان گھر لوٹے تو میراں نے ساری بات بتا دی' وہ مسکرا دیے۔

''تو ٹھیک ہی تو کہتی ہے میری دھی......اس کا اور کرم کا کوئی جوڑ بنتا ہے بھلا۔'' انہوں نے مکمل طور پر ستارہ کی تائید کردی۔

''لڑکے کی شکل صورت کون دیکھتا ہے؟'' میراں چڑ گئیں۔

''شکل صورت نہ دیکھو' تعلیم' کردار' اخلاق کچھ تو ہونا چاہیے۔'' فرحان اب چڑنے لگے تھے۔

''کردار' اخلاق سب تو ہے' تعلیم نہیں ہے تو کیا ہوا۔ اسے کون سی نوکری کی ضرورت ہے' کتنا بڑا زمیندار ہے۔'' اماں دلائل دینے لگیں۔

''جتنے ان پڑھ کو اپنی ایف اے پاس دھی دے دوں؟''

''تو کس نے کہا تھا پڑھاؤ۔ اب برادری میں اتنا پڑھا لکھا لڑکا تو مشکل ہی ہے نہ پھر۔'' اماں مایوسی سے بولیں۔

"فاران ہے ناں تُو فکر نہ کر۔" فرحان نے بات ختم کی۔

"پھر اس سے بات کرو یہ نہ ہو حیلے میں بیٹھ کر اچھے رشتے گنوا دو۔"

"اب آئے تو بات کرتا ہوں بس۔" فرحان نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

"اب کوئی چائے پانی بھی پوچھے گی یا دماغ کھانے کی قسم کھائی ہے آج۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے تو میراں سر ہلاتے ہوئے اٹھ گئیں۔

❁......❁......❁

وہ پورے دو ماہ بعد آیا تھا ان دو ماہ میں ستارہ نے ایک ایک پل گن کے گزارہ تھا اور وہ اس قدر مصروف رہا تھا کہ فون پر زیادہ بات نہ کر سکا تھا۔

"کتنا کمزور ہوگیا ہے میرا لعل۔" اماں میراں تو اسے دیکھ کر صدقے جاتیں اور واقعی اس بار وہ کافی کمزور ہو کے آیا تھا' امتحانات کی ٹینشن تھی یا کچھ اور...... لیکن اس کی شخصیت پر چھایا مضمحل پن بہت واضح تھا۔

"مجھے تو لگتا ہے کسی نے کچھ کھلا پلا دیا ہے اماں اسے۔" ستارہ کے اندر کے خدشات لبوں پر آ گئے۔

"توبہ ہے دو مہینے دور کیا رہا آپ سب نے تو مجھے ننھا بچہ بنا دیا۔" وہ ہنس دیتا۔

"تُو جا باہر بستی میں جا کے کسی سے بھی پوچھ لے ہمارے والی بات دہرائیں گے۔" اماں میراں نے کہا تو سب ہنس دیئے۔

"امتحان تھے اماں...... پھر اچھی پوزیشن کے لیے محنت تو کرنا پڑتی ہے ناں۔ کھانے پینے کا ہوش تو رہتا ہی نہیں ہے' نا ہی سونے کا۔" وہ بتانے لگا۔

"ہاں تو کیا رکھا ہے تعلیم میں' اتنی زمین ہے تیری' سنبھال آ کر۔" میراں نے مشورہ دیا۔

"بھلی لوکے۔" فرحان نے پہلی مرتبہ بات چیت میں حصہ لیا۔

"تعلیم وہ زیور ہے کہ جس سے یہ اپنے زمیندارے کو اور رنگ لگا سکتا ہے بلکہ اردگرد کے علاقے کے سبھی زمیندار بھائیوں کے لیے بھی ترقی کے نئے دروازے کھول سکتا ہے۔"

"بالکل ٹھیک کہا بابا نے۔" فاران نے تائید کی۔

"خیر اب جو میں سچے گھی کی خوراکیں بنا کر دوں' چپ چاپ کھا لینا ورنہ میں نے نہیں جانے دینا تمہیں واپس۔" وہ اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے محبت پاش لہجے میں گویا ہوئیں۔

"اچھا اماں...... جیسے آپ کی مرضی۔" فاران نے سر جھکا دیا۔

"یہ ستارہ کہاں ہے؟" اسے ایک دم خیال آیا۔

"ابھی باہر گئی ہے۔" اماں نے بتایا تو وہ باہر نکل گیا۔

"پھر کیا سوچا ہے آپ نے؟" میراں کو جیسے کچھ یاد آیا۔

"کس بارے میں؟" فرحان تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے بولے۔

"فاران سے بات کریں گے نہ ستارہ کے متعلق۔"

"پڑھنے دو ابھی اس کو' پھر گھر کا بچہ ہے کہاں بھاگا جا رہا ہے۔" وہ انہیں ٹالنے لگے۔

"اور واقعی ہاتھ سے نکل گیا تو' شہری ہوا میں بھی طاقت ہوتی ہے یہ نہ ہو میری تارہ روتی رہ جائے۔" میراں کے لہجے میں خدشات بول رہے تھے۔

"اللہ سے اچھے کی امید رکھا کر' خیر ہوگی سب۔" انہوں نے بات ختم کر دی۔

❁......❁......❁

"کس کے لیے چائے پکا رہی ہو؟" بھاری آواز پر بری طرح چونکی۔

"تمہارے لیے ہی پکا رہی ہوں اور کس کے لیے پکاؤں گی۔" اس نے پتیلی نیچے اتارتے ہوئے سادگی سے جواب دیا۔

"اچھا' میں نے تو سنا ہے کہ بڑے بڑے مہمان آ رہے ہیں آج کل۔" اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

"بڑے بڑے مہمانوں کا پھر نام بھی سن لیا ہوگا۔" وہ چائے پیالی میں انڈیلتے ہوئے بولی۔

"ہاں کوئی بتا رہا تھا کہ کاکے کرم علی کے لیے ہماری ستارہ کو مانگنے لوگ آ جا رہے ہیں۔" اس نے "ہماری" پر زور دیتے ہوئے کہا' ستارہ کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔

"تم اتنی بڑی ہوگئی تارے اور مجھے پتا بھی نہ چلا۔" شرارتی لہجہ اس کا دل دھڑکا گیا۔

"مجھے کام ہے بہت' تم چائے لو اور نکلو یہاں سے۔" وہ اسے چائے کا کپ تھماتی ہوئی بولی۔

"حق ہاہ' آج یہ دن بھی آ گئے تم مجھے گھر سے نکال رہی

ہو۔'' فاران مسکین صورت بنا کر بولا۔

''توبہ کرو فاری...... میں بس تمہیں کچن سے نکال رہی ہوں۔'' وہ اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے بولی۔ ''اور وہ بھی صرف تمہاری بکواس کی وجہ سے۔''

''بکواس ہی ہے ناں یہ سب' سچ تو نہیں۔'' وہ اس کے برابر آٹھہرا' آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پہلا سنجیدہ سوال' ستارہ کی گھنی پلکیں لرز اٹھیں۔

''میں نے تو صاف منع کردیا اماں کو آگے بابا کی مرضی۔'' وہ بتاتے ہوئے آگے بڑھنے لگی کہ فاران نے اس کا چوڑیوں بھرا ہاتھ تھام لیا۔

''سن......'' وہ رکی۔ ''میرے لیے اماں کو ہاں کرے گی یا نا'' وہ خاموش رہی' فاران کا ہاتھ کلائی پر مضبوط تھا۔

''بول ناں' کروں بابا سے بات۔'' وہ یونہی مدھم ترنم بھرے لہجے میں بولا۔ وہ اس کی طرف مڑی' فاران کی آنکھوں میں جھانکا' وہ پوری شان سے اس کی آنکھوں میں آسمائی تھی۔

''مجھے لگا تھا تجھے اس بات کے لیے مجھ سے پوچھنا نہیں پڑے گا' تم تو میرے من تک سے واقف ہو فاری......'' وہ کہتے ہوئے نظریں جھکا گئی۔

''اقرار...... اظہار لازمی ہوتا ہے پگلی ورنہ کبھی کبھی بڑی گڑبڑ ہوجاتی ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''تارہ......'' اماں کی آواز پر تارہ نے تیزی سے اپنا ہاتھ کھینچا۔

''اماں بلارہی ہیں۔'' کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گئی' فاران دیر تک اسے وہیں محسوس کرتا رہا۔

❁......❁......❁

گنے کی فصل بہت اچھی ہوئی تھی' فراغت تھی اور فرحان کو ایک ساتھی کی ضرورت بھی تھی تو فاران مکمل طور پر ان کے ساتھ رہا تھا۔ فصل کی کٹائی سے لے کر سنبھال تک پھر گوداموں تک ترسیل اور بھاؤ سب فاران نے ہی کیا۔ وقت یوں گزرا کہ پتا ہی نہ چلا' اسے چاچا سے بات کرنے کا موقع ہی نہ ملا اور وہ واپس یونیورسٹی چلا گیا۔

ستارہ بے حد خوش تھی' یہ فاران کا آخری سمسٹر تھا اور اس کے بعد اسے مکمل طور پر یہاں آجانا تھا اور تعلیم کے بعد سب سے پہلی ترجیح۔ بابا سے اپنے اور ستارہ کے متعلق بات کرنے کا تھا' سو وہ مطمئن تھی...... اور وہ مطمئن ہی رہتی جب ایک دن وہ اچانک نہ آتا' سب اسے یوں اچانک دیکھ کر بے حد خوش ہوئے تھے۔ آتے ہی وہ چائے پی کر بابا کے ساتھ زمینوں پر چلا گیا' ستارہ بے چینی سے اس کے آنے کا انتظار کررہی تھی' رات کو وہ دونوں گھر لوٹے تو بابا بے حد غصے میں تھے۔ فاران بھی ناراض سا تھا وہ آتے ہی کمرے سے اپنا سامان اٹھانے لگا۔

''کیا ہوا؟'' اماں میراں تو ہول گئیں۔

''یہ جاکر اپنے لاڈلے سے پوچھ۔'' فرحان بلوچ نے اونچی آواز میں کہا۔ ستارہ ڈر کے مارے اپنے کمرے کی کھڑکی سے لگی رہ گئی۔

''کیا کردیا اس نے......؟'' اماں میراں پوچھتی فاران کے پاس آئیں جو بیگ اٹھائے صحن میں آ گیا تھا۔

''کوئی گناہ نہیں کیا اماں میں نے' صرف اپنا حق مانگا ہے۔'' فاران کا لہجہ خودسر تھا' اماں کے ساتھ ستارہ کا بھی منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ ایسا لہجہ' فاران نے اس طرح تو کبھی کسی بچے سے بات نہ کی تھی کجا کہ ماں سے۔

''کون سا حق...... کیا حق پتر......؟'' میراں کی آواز بے حد کمزور تھی۔

''زمین بیچنا چاہ رہا ہے۔'' فرحان باہر آ کر چلائے' جیسے سب کے کانوں میں سیسہ پگھلنے لگا۔

''اور جب میں نے سمجھایا تو کہنے لگا کہ میرے باپ کا حصہ دے دو' مجھے کوئی نہیں روک سکتا من مانی سے۔'' وہ کافی غصے میں تھے' ستارہ کا دل ڈوبنے لگا۔

''ہاں تو اپنا حق ہی مانگا ہے' آپ کے حصے کی زمین تو نہیں مانگی۔'' وہ دوبدو ان کے مقابلے پر اتر آیا تھا۔

''دھیرج پتر...... دھیرج رکھ۔'' میراں اسے سمجھانے لگیں' ستارہ کی پلکیں نم ہونے لگیں' یہ کیا ہورہا تھا وہ سمجھ نہیں پارہی تھی۔

''مجھے بتا ساری بات آرام سے۔'' میراں اسے تسلی دے رہی تھیں۔

''اماں...... میری ایک کلاس فیلو ہے ماریہ......'' وہ بتانے لگا' ستارہ چوکھٹ سے جالگی۔

''اس کا باپ ایک بڑا بزنس مین ہے' وہ چاہتی ہے کہ میں اپنے علم کو استعمال کروں اور اس کے باپ کے ساتھ اس کے کاروبار میں حصہ ڈال دوں یوں نہ صرف میں ترقی جلدی کر پاؤں گا بلکہ شہر کی پُروقار زندگی بھی جی سکتا ہوں آسانی سے۔'' میراں کا دل لرز کر رہ گیا۔

''بس اسی لیے میں نے سوچا کہ اپنے حصے کی زمین بیچ کر اس کے کاروبار میں ایک اچھا حصہ میں خرید لوں اور چاچا نے اتنی سی بات پر فساد کھڑا کردیا۔'' وہ آخر میں پھر غصہ ہونے لگا۔

''فساد تُو نے کھڑا کیا ہے یا میں نے۔'' فرحان نے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے صرف اپنا حق طلب کیا ہے۔'' وہ بولا۔

''لکھ بسم اللہ' لیکن میں تجھے زمین بیچنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔'' فرحان نے بھی قطعی فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

''میری زمین ہے جو بھی کروں۔'' وہ ہتھے سے اکھڑنے لگا۔

''اوئے' یہ زمین ہماری ماں سائیں ہوتی ہے اور مائیں بیچی نہیں جاتیں۔'' فرحان غصے سے کانپنے لگے۔

''یہ سب فضول باتیں ہیں۔'' اس نے مکھی اڑائی۔

''اوئے سدھر جا' وہ لڑکی اور اس کا باپ تجھے کہیں کا نہیں چھوڑیں گے' نہ جانے کس دھوکے باز کی باتوں میں آگیا ہے تُو۔'' وہ اسے سمجھانے لگے۔

''خبردار چاچا...... ان لوگوں کو بیچ میں مت لانا' ماریہ بہت اچھی لڑکی ہے میں اس کے خلاف ایک لفظ نہ سنوں گا۔'' وہ پھر سے طیش میں آیا۔

''جا' پھر انہی کے پاس چلا جا۔ میں بھی دیکھتا ہوں کتنا ساتھ دیتے ہیں تیرا۔'' فرحان نے بھی بات ختم کردی' وہ غصے سے پیر پٹختا تیزی سے بیگ اٹھاتا باہر کی طرف بڑھ گیا' میراں واسطے دیتی روکتی رہ گئی اور ستارہ تو ہلنے کے بھی قابل نہ رہی تھی۔

❁......❁......❁

''مجھے معاف کردو تارہ کے ابا...... میں ہی فاران کی صحیح پرورش نہ کرسکی۔'' ہر مشرقی ماں کی طرح میراں نے بھی سارا الزام اپنی تربیت کو دے ڈالا تھا' وہ کب سے شرمندہ ان سے معافی مانگے جارہی تھیں۔

''او بھلی لوکے' تیرا کیا قصور' قسمت میں جب بیٹا تھا ہی نہیں تو پرایا کیسے اپنا بنتا۔'' انہوں نے تو جیسے فاران سے سچ میں ہر رشتہ توڑ دیا تھا۔

''ایسے نہ بولیں۔'' میراں دہل گئیں۔

''فاران ہمارا ہی بیٹا ہے' دیکھ لینا واپس آئے گا۔'' اسے گئے ایک ہفتہ ہوگیا تھا' رابطہ تک نہ کیا بابا تو بابا اماں اور ستارہ تک نے منہ موڑ لیا تھا اس سے۔

''تیرا وہم ہے کہ اب وہ واپس آئے گا' سب رشتے ناطے توڑ کے چلا گیا ہے وہ۔'' فرحان کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں' دروازے کی چوکھٹ سے لگی ستارہ اندر ہی اندر رو رہی تھی۔

''خون کے رشتے بھلا کوئی توڑ سکا ہے جو فاران توڑے گا یہ تو رب سوہنڑے کے بنائے ہوئے رشتے ہیں۔'' وہ روتے ہوئے آنسو دوپٹے سے خشک کرتے ہوئے بولیں۔

''خون سفید ہوجائے نہ تو اصل کی تاثیر مٹ جاتی ہے' پھر انسان اپنے رشتوں کا خون بھی کرسکتا ہے۔ توڑنا تو بہت آسان امر ہے۔'' تلخ لہجے میں وہ ساری حقیقتیں عیاں کررہے تھے۔

''میرا فاران ایسا نہیں ہے۔'' اماں کہاں مانتیں۔

''ہاں' وہ تو فرشتہ ہے کیس کردیا ہے اس نے' عدالت میں دعویٰ کیا ہے اپنے حق کے لیے میرے خلاف۔'' انہوں نے جیسے بم پھوڑا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں؟'' میراں تو دنگ ہی رہ گئی۔

''اس جمعہ پیشی ہے' منہ پر مار کر آؤں گا کاغذ' مجھے بھلا کب لالچ رہا ہے اس کی زمین کا۔'' ان کی آواز کمزور پڑتی گئی۔

''میں نے تو اپنا بھی سب کچھ اس کو سمجھا تھا۔'' بھیگا' ٹوٹا بکھرا لہجہ۔

''یہ کیا کردیا فاران پتر...... تُو نے تو میرا مان ہی توڑ دیا۔'' میراں چادر میں منہ چھپائے سسک پڑیں' فرحان تسلی نہ دے سکے۔ دل پر غبار جمنا نہیں چاہیے' اسے آنسوؤں کے راستے نکال دینا ہی بہتر تھا سو وہ انہیں چپ چاپ روتا دیکھتے رہے۔

❁......❁......❁

زندگی ایک دم پھیکی پڑ گئی تھی' ہر چیز جیسے بلیک اینڈ وائٹ ہوگئی تھی۔

''فاران کے دم سے ہی کیا سارے رنگ تھے؟'' اس نے خشک پتوں کو جھاڑو سے ایک جگہ جمع کرتے ہوئے بے اختیار سوچا۔

''اور یہ ایک حقیقت تھی' فاران کے جانے سے واقعی سب رنگ ایک دم سے غائب ہوگئے تھے ان کی زندگی سے' خوشی' ہنسی' محبتیں' قہقہے' شوخیاں سب کچھ کہیں چھپ سے گئے تھے باقی رہا تھا تو خزاں کا زرد رنگ...... جو زندگی کے ساتھ ساتھ دل پر بھی سایہ کر گیا تھا۔ اداسی دلوں کے ساتھ ساتھ چہروں پر بھی ثبت ہوکر رہ گئی تھی' آنکھوں میں یاسیت اور لبوں پر خاموشی کا قفل سا لگ گیا تھا۔ سب کچھ ویران ہوگیا تھا' ہر منظر میں ویرانی

سی بھرگئی تھی۔ صرف ایک فاران کے منظر سے چلے جانے سے ہر منظر اپنی اہمیت کھو بیٹھا اور بے وقعت ہوگیا تھا۔ اس نے پتوں کو ایک جگہ جمع کیا اور تیلی دکھائی' خشک پتوں نے ایک دم سے آگ پکڑلی۔ دھواں سا ہوا کے ساتھ پھیلنے لگا' اس کی آنکھیں بلا ارادہ ہی جلنے لگیں۔

اور آج کل اکثر ہی اس کی آنکھیں ایسے ہی جلن دینے لگتی تھیں وہ لاکھ دل کو سمجھاتی' تسلیاں دیتی۔ دل مان کے ہی نہ دیتا تھا اور بھلا کب کسی کی دل کے سامنے چلتی ہے' دل جس تال پر چاہے ناچ لے بھلا انسان کے بس میں رہا ہے کبھی۔ دل تو انسان کو اپنے بس میں کرلیتا ہے' اپنی مرضی سے چلاتا' نچاتا اور جو چاہے کرواتا ہے۔ فاران کے ایک دم سے یوں سرد اور اجنبی رویے نے اس کی عزت نفس کو شدید ترین ٹھیس پہنچائی تھی اور وہ اس سے شدت سے ناراض بھی بھلانا بھی چاہتی تھی۔

لیکن یہ دل...... وہ اس دل کا کیا کرتی' جو فاران کے خلاف ایک لفظ سننے پر آمادہ نہ تھا۔ جواب بھی اس کی مجبوریاں گنواتا تھا' اس کی جگہ وضاحتیں دیتا تھا اور وہ اپنے دل کو سنبھال سنبھال کے دہری ہوگئی تھی اور ہوتی بھی کیوں نہ اس تکلیف سے دہری۔ اس تکلیف کا ایک رنگ تو نہ تھا۔ اس کا بچپن کا ساتھی ہر ساتھ سے مکر گیا تھا۔ اس کا دوست زندگی میں پہلی بار اس کی دوستی سے منہ موڑ کے چلا گیا تھا۔ اس کا من محرم' اس کے دل کی حالت کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتا اگلی منزل کا مسافر ہو چلا تھا۔ اس سے پیار' وفا کا وعدہ کرتے ہی کسی اور سے وفا نبھانے نکل پڑا تھا۔ اس کا مان' عزت' محبت اور اس کی دوستی کا مقدس رشتہ' سب کانچ کی طرح ٹوٹے تھے اور کانچ کا ٹوٹنا سکون کب دیتا ہے' زخمی و چھلنی کردیتا ہے۔ ہاتھ' دل' روح تک لہولہان ہوگئے تھے اس کے۔

آگ بجھ چکی تھی' دھواں بھی مرا مرا سا تھا' اس نے پانی کا چھڑکاؤ کرکے راکھ ٹھنڈی کی۔ جھاڑو کی مدد سے ساری راکھ ایک گڑھے میں گرائی پھر نل پر ہاتھ دھو کر اس مالٹے کے درخت کے نیچے آ بیٹھی جہاں وہ اور فاران بیٹھا کرتے تھے وہ چپ چاپ آنسو بہاتی دھندلی نگاہوں سے اسے تکتی رہی۔

❁......❁......❁

''کیا سوچ رہے ہیں؟'' ٹھنڈ کافی بڑھ گئی تھی' لائٹ تو بھکر کے اس علاقے میں خاص ہوتی نہ تھی۔ سو لوہے کے چولہے میں آگ جلا کر یا انگارے بھڑکا کر کمرے کو گرم کرلیتے تھے' ابھی بھی میراں انگارے لیے اندر آئیں تو بستر پر لیٹے گم صم سے فرحان کو دیکھ کر پوچھ بیٹھیں۔

''اپنی تارہ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔'' وہ اٹھ بیٹھے۔

''ہمم......'' میراں بھی سوچ میں ڈوب گئیں۔

''رحمت پھر آیا تھا؟'' انہوں نے سوال کیا۔

''میں نے اتنی دفعہ ٹالا تو اب کہاں آئیں گے بے چارے البتہ بھاجائی چکر لگالیتی ہے۔'' وہ گم صم لہجے میں بتانے لگی۔

''میں سوچ رہا تھا اگر اس دفعہ آتے ہیں ستارہ کے لیے تو......'' وہ بات مکمل نہ کرسکے' لہجہ کمزور پڑنے لگا تھا۔

''میں تو آپ سے پہلے بھی کتنی بار کہہ چکا ہوں لیکن آپ میری سنتے ہی کہاں ہیں۔'' میراں کے لہجے میں شکایت تھی۔

''میں کرتا بھی کیا میراں...... میں نے تارہ اور فاران کو ہمیشہ ایک ساتھ دیکھا' ایک ساتھ سوچا ایسا تو میں نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔'' میراں نے دیکھا ان چند دنوں میں ہی وہ کمزور اور بوڑھے لگنے لگے تھے۔

''اللہ خیر کرے گا' آپ دل چھوٹا نہ کریں تارہ کے ابا۔'' ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے' تسلی دیتے ہوئے میراں کا اپنا لہجہ بھی کمزور تھا ایسا بھلا اس نے کب سوچا تھا۔

''بھاجائی آئے گی اس دفعہ تو بات کروں گی اس سے۔''

''ستارہ کہاں گم رہتی ہے؟ سامنا ہی نہیں ہوتا۔'' اچانک فرحان کو خیال آیا۔

''سارا دن تو آپ باہر ہوتے ہیں اس وقت تک تھک کے سو چکی ہوتی ہے۔ گھر کا سارا کام سنبھال لیا ہے' مجال ہے جو اب کسی کام کو ہاتھ لگانے دے۔''

''اچھا ہے مصروف رہے گی تو دل بہلا رہے گا' فاران سے اس کی دوستی بھی تو گاڑھی تھی۔ رشتے اتنے آسانی سے بھلا کہاں بھولتے ہیں۔'' فرحان نے کہا تو میراں کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

''فاران تو بھول گیا۔'' وہ سسکیں۔

''سچ کہوں تو میں تو ابھی تک حیرت اور صدمے کا شکار ہوں۔'' فرحان نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے تکیے سے ٹیک لگائی۔

''کاغذات بن گئے زمین کے؟'' میراں نے پوچھا۔

''بس تیار ہی سمجھو' آج ساتھ والی زمین کا مالک مزید بتارہا تھا کہ کل ایک دو زمینداروں سے قیمت پر مک مکا کرنے آیا تھا

فاران؟" وہ یوں بتا رہے تھے جیسے بتانا نہ چاہ رہے ہوں۔

"کیا......؟" میراں تو اچھل ہی پڑیں۔

"فاران آیا تھا واپس؟" ان کے لہجے کے ساتھ ساتھ ان کی آنکھوں میں بھی بے یقینی تحریر تھی۔

"ہاں......ملکوں کے ڈیرے پر آیا تھا' ان کو زمین کی تفصیلات دیتے اور رقم پر بات کرنے کے لیے۔" فرحان کا سر جھکا ہوا تھا۔

"اتنا بڑا ہو گیا فاران اور ہمیں خبر بھی نہ ہوئی۔" وہ آنکھیں رگڑتے ہوئے بولیں۔

"میں تو بھا اور بھاجائی کی قبر پر ہی نہیں گیا مارے شرمندگی کے' زمین بکنے سے روک نہیں سکتا اور خود میں اتنی سکت نہیں کہ ساری زمین خرید سکوں۔" فرحان بلوچ کے لہجے میں حسرت تھی۔

"آپ کو شرمندہ ہونے کی کیا ضرورت تارہ کے ابا' قسمت میں یونہی لکھا تھا' یونہی سہی۔" میراں نے ہمیشہ کی طرح ان کو تسلی دی۔

"اللہ میرے فاران کو ہدایت دے۔" اماں میراں نے ہاتھ اٹھائے۔

"آمین۔" فرحان نے بلند آواز میں کہا' دروازے کی چوکھٹ سے لگی ستارہ مرے مرے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

❁......❁......❁

کمرے میں اس کی روح کی طرح ہی سناٹا سا اترا ہوا تھا' سردی کافی بڑھ گئی تھی۔ سردیاں نہ جانے پہلے بھی اتنی خوفناک ہوتی تھیں یا اب اسے محسوس ہو رہی تھیں' خاموش' تاریک' سرد' موت کے جیسی اور بالکل تنہا......وہ کچھ دیر یونہی ادھر ادھر ٹہلتی رہی پھر کھڑکی کی طرف آ گئی۔ یہ کھڑکی گھر کے پچھلی طرف مالٹوں کے باغ میں جا کھلتی تھی اس نے چٹخنی گرائی اور کھڑکی کھول دی۔ سرد یخ ہوا اس کی روح میں اترتی چلی گئی' آج موسم صاف تھا۔ سامنے ہی چاند پوری آب و تاب سے روشن تھا' وہ اداسی سے مسکرا دی۔

"دیکھو تو......" اس کے لب سرگوشی میں ذرا سا وا ہوئے۔

"میں تمہارے اکیلے پن کا کتنا مذاق اڑاتی تھی۔" وہ چاند سے محو گفتگو ہوئی۔

"ہمیشہ کہا کرتی تھی تُو بے وفا ہے ہرجائی ہے سب کو اپنے ساتھ ہونے کا دھوکہ دیتا ہے۔ ہر کسی کے ساتھ چل دیتا ہے تبھی تو اتنا تنہا ہے۔" بائیں آنکھ سے ایک آنسو بغاوت کرتا رخسار پر لڑھکا۔

"تب تُو نہ جانے کیا سوچتا ہوگا مجھے برا بھلا کہتا ہوگا یا شاید بددعائیں دیتا ہوگا تبھی تو آج پتا لگی ملی مجھے کہ بے وفا نہیں وفا والے تنہا رہتے ہیں' مات کھا جاتے ہیں' منہ کے بل گرتے ہیں اور بڑی شان سے دھوکہ کھاتے ہیں۔"

"دیکھو تو چندا میاں......تمہاری طرح آج میں بھی تنہا ہوں۔ میں نے بھی دھوکہ کھایا' محبت کی بازی میں دل و جان لگا کے کتنی بڑی مات کھائی ہے میں نے۔ آج مجھے تیری تنہائی پر پہلی بار ترس آیا' مجھے اب کبھی بددعا نہ دینا چندا میاں......مجھے دعا دینا' فقط دعا دینا۔" وہ رونے لگی' اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ صاف کرتے ہوئے کھڑکی بند کر دی تھی۔

دور درختوں کے بیچ کھڑے فاران نے کھڑکی کے پٹ بند ہوتے ہی اپنی نم آنکھیں سختی سے رگڑ ڈالی تھیں۔

"تم سب نے تو یوں دروازے بند کر لیے جیسے میری کوئی وقعت نہ ہی تھی۔" اس نے شیر دل کی پیٹھ سہلاتے نم آنکھیں رگڑ ڈالی تھیں۔

اور انسان کو یہی خصلت تو کھا جاتی ہے جتنی بھی پرہو' قصور اوروں کا ہی دکھائی دیتا ہے۔ بے جا انا اور خود پرستی ان کو چھوڑ دیتی ہے تو بس محتاج ہوتا ہے ایک ٹھوکر کا' فاران بھی شاید جلد یا بدیر ٹھوکر کھانے والا تھا۔

❁......❁......❁

اور پھر میراں بات کیا کرتیں' رحمت ملک کو فاران کے گھر چھوڑ کر اور زمینیں بیچ کر جانے کا پتا چلا تو بیوی کو لے کر خود دوڑا چلا آیا دست سوال دراز کرنے کے لیے اس بار قسمت سے فرحان بلوچ بھی گھر پر تھے۔

"بھا......بس آج تو پکی خوش خبری لے کر جاؤں گا' پہلے تو میرا خیال تھا فاران گھر کا بچہ ہے شاید آپ نے بھی یہی سوچ رکھا ہوگا لیکن اب تو کوئی ایسی بات بھی نہیں تبھی میں دوڑا چلا آیا ہوں۔ میری گھر والی تو پہلے ہی کہتی تھی کہ فاران کو بیٹا بنا کر پالا ہے پر مجھے تو یہی لگتا تھا کہ آپ ستارہ کو گھر میں رکھنا ہی پسند کریں گے۔" رحمت اپنی دھن میں بولے جا رہا تھا' فرحان کے دل کو کچھ ہوا' انہوں نے بمشکل خود کو سنبھالا۔

"بات تو تمہاری ٹھیک ہے رحمت......مگر قسمت تو اللہ لکھتا

ہے ناں اب جہاں میری ستارہ کا نصیب لکھا ہے وہیں اس کی ڈولی جائے گی۔" وہ مضبوط لہجے میں بولے۔

"یہ بات تو سولہ آنے درست کی آپ نے۔" رحمت نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"تو بس بھا آج خوش خبری سنا دیں آج تو منہ میٹھا کر کے ہی جائیں گے۔" رحمت نے اصرار کیا۔

"بس ذرا ربیع الاول تک رک جاؤ ذرا سوچ لوں استخارہ وغیرہ بھی کرلوں۔ کسی نیک دن پھر خود آؤں گا تجھے خبر دینے۔" فرحان کا دل نہ جانے کیوں آمادہ ہوکر نہیں دے رہا تھا۔

"چل ٹھیک ہے بھائی...... بس خیال کرنا خوش خبری ہی سنانا۔ بڑی خواہش ہے ستارہ پتر کو اپنی بہو بنانے کی ورنہ اللہ رکھے کرم کی ماں کو یہ تو روز نئی کڑی دیکھنے چل پڑتی ہے پر میں نے صاف کہہ رکھا ہے۔ بھاء فرحان کی طرف سے انکار ہوگا تبھی کسی اور در پر ہاتھ پھیلاؤں گا۔" رحمت کے لہجے میں محبت بھرا مان تھا فرحان کو شرمندگی گھیرنے لگی۔

"بس دعا کرو یارا...... جو بھی ہوا چھے کے لیے ہو۔" فرحان کا لہجہ کمزور تھا۔

"تم کہو تو میں فاران سے بات کروں سمجھاؤں اسے۔" رحمت نے کہا۔

"نہ بھرا خوش رہے بس جہاں بھی رہے۔" فرحان نے منع کردیا۔

"چل جیسے تیری مرضی ملتے ہیں پھر۔"

"کچھ کھا پی تو لو۔" میراں نے کہا۔

"نہ بھا جانی...... بس بہت کھا پی لیا اب تو مٹھائی کھائیں گے۔ چاہے میرے پُتر کی خوشی کی ہو چاہے فاران پتر کی دونوں ہمارے اپنے بچے ہیں۔" رحمت واقعی بڑے دل والا آدمی تھا۔

"بے شک۔" میراں بے اختیار بول پڑی وہ لوگ صحن سے باہر نکل گئے۔

کچن میں آگ کے سامنے بیٹھی ستارہ نے اپنی چائے کی پیالی چولہے میں انڈیل دی گرم آنسو اس کے صبیح گال جلاتے رہے۔

❁......❁......❁

ماریہ فاروق سے اس کی ملاقات ایک ٹور پر ہوئی ماریہ اسی یونیورسٹی میں پڑھتی تھی جہاں فاران پڑھتا تھا ماریہ جس قدر بولڈ اور ہنس مکھ لڑکی تھی فاران اسی قدر شرمیلا اور کم گو۔ پہلی ہی نظر میں ماریہ اس سے کافی متاثر ہوئی فاران کے خیال میں وہ ملاقات آخری بھی تھی لیکن ماریہ اسے فراموش نہ کرسکی وہ کسی نہ کسی طرح اس سے ملاقات کر ہی لیتی۔ رفتہ رفتہ یہ ملاقات دوستی میں بدل گئی ماریہ کے دل میں البتہ فاران کی قدر اس وقت اور بڑھ گئی جب اسے پتا چلا کہ فاران نہ صرف ویل ایجوکیٹڈ ہے بلکہ زمیندار بھی ہے اس نے فوراً اس بات کا ذکر اپنے والد سے بھی کردیا تھا وہ ایک بزنس مین کی بیٹی تھی ہر چیز کو حساب کی نظر سے دیکھنا اس کی فطرت میں تھا۔

"میرے خیال میں پاپا...... فاران ہی ایسا لڑکا ہے جو ہمارے گرتے بزنس کو بہترین سپورٹ دے سکتا ہے۔" اس نے مشورہ دیتے ہوئے انہیں فاران کا بیک گراؤنڈ بتایا۔

ماریہ کے بابا بزنس مین تھے لیکن پچھلے چند سالوں سے ان کا بزنس خسارے میں جارہا تھا دو فیکٹریز تھیں جو سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے تقریباً بند ہونے لگی تھیں ایسے حالات میں انہیں مالی سپورٹ کی اشد ضرورت تھی۔

"جس طرح کا بیک گراؤنڈ فاران کا تم بتارہی ہو تو میرا نہیں خیال کہ وہ سرمایہ کاری کرنے کے لیے راضی ہو۔ ایسے لوگ مٹی اور زمین سے اولاد کی طرح پیار کرتے ہیں تبھی تو ان کی زمینیں سونا اگلتی ہیں کہ دن رات خدمت کرتے ہیں پھر بھی تھکتے نہیں۔" فاروق الزماں نے کہا تو وہ کھل کے مسکرادی۔

"یہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیں میں اس کی ایسی برین واشنگ کردوں گی کہ آپ بھی حیران رہ جائیں گے پھر کسی نہ کسی طرح ہمیں اپنی سوسائٹی میں سروائیو تو کرنا ہے ناں اور اس کے لیے ہمیں خود ہی ہاتھ پیر مارنے پڑیں گے۔ فاران کی صورت میں اگر ہمیں یہ گولڈن چانس مل رہا ہے تو ہمیں اس پر ضرور ہوم ورک کرلینا چاہیے۔" وہ تفصیل سے بتاتے ہوئے بولی۔

"واہ یار...... تم تو مجھ سے بھی بڑی بزنس وومین بنوگی۔" فاروق حیران ہوئے۔

"ریئلی پاپا......! بس اب آپ دیکھتے رہیں کس طرح میں فاران کو آپ کے بزنس میں انویسٹ کرنے پر مجبور کرتی ہوں۔ آپ کے بزنس کو دوبارہ پیک پر نہ پہنچادیا تو ماریہ نام نہیں میرا۔" ماریہ ایک عزم سے بولی تھی۔

"پراؤڈ آف یو مائی پرنسس......" فاروق نے فخر بھرے لہجے میں اسے خود سے لگالیا۔

❁......❁......❁

اگلے تین ماہ میں اس نے فاران کے ساتھ اس قدر وقت بتایا کہ وہ اس کے بیسٹ فرینڈز میں شمار ہونے لگی تھی۔ فاران اس پر ٹرسٹ کرنے لگا تھا اور پھر انہی دنوں اس نے فاران کے آگے بزنس کا ذکر چھیڑا تھا۔ وہ فاران کو اپنے پاپا کے شاندار بزنس کے بارے میں تفصیلات دیتی۔ ملک کے نہ جانے کس کس حصے میں ان کی فیکٹریز کی برانچز بتاتی۔ فاران اس قدر وسیع پیمانے پر بزنس کا سن کر حیران ہوجاتا' ہر دفعہ کسی نہ کسی طرح اس بات کے ذکر کے بالکل آخر میں وہ اسے بھی ترغیب دلاتی کہ وہ بھی اپنی تعلیم اور جائیداد کا فائدہ اٹھائے تو ایک دن بہت بڑا بزنس مین بن سکتا ہے اس دن بھی وہ اس کے ساتھ ہی تھی۔

''سنو.....تم ایسا کیوں نہیں کرتے' میرے پاپا کو ہی جوائن کرلو۔'' ڈھیرے سے وہ اپنے مقصد پر آئی تھی۔

''تمہارے پاپا کو......!'' وہ حیران ہوا۔

''ہاں' کیوں اس میں اتنی حیرانگی والی کیا بات ہے؟''

''تمہارے پاپا اتنے بڑے بزنس ٹائیکون اور کہاں میں اس فیلڈ میں بالکل زیرو۔'' اس کی بات پر وہ کھل کے ہنس دی تھی۔

''بالکل پاگل ہوتم۔'' اس نے گاڑی ایک جوس کارنر کے سامنے روکتے ہوئے کہا۔

''میرے پاپا تو ہمیشہ نئے ٹیلنٹ کو سامنے لانے میں پیش پیش رہے ہیں' تم میرے پاپا سے مل کر تو دیکھو۔'' وہ جوس کا آرڈر دینے لگی' فاران کچھ دیر سوچتا رہا۔

''کیا سوچنے لگے؟''

''یہی کہ اگر تمہارے پاپا کو میں اس کام کے قابل نہ لگا تو......؟'' وہ ذرا متذبذب تھا۔

''کم آن فاران......تب بھی تم اتنے قابل ہو کہ اپنی ایک الگ ہی بیس بنا سکو' میرے پاپا کے ساتھ تمہیں صرف یہ فائدہ پہنچے گا کہ تمہیں صرف کام کرنا پڑے گا۔ رہنمائی میرے پاپا کریں گے' اپنے کام میں تمہیں کافی وقت لگے گا تجربہ کار ہونے میں۔'' وہ واقعی بے حد ذہین تھی' فاران متاثر ہونے لگا تھا۔

''تو کب ملوارہی ہو؟'' پُرشوق لہجے میں استفسار کیا۔

''پاپا کل کینیڈا سے واپس آرہے ہیں ایک بزنس ٹور سے پرسوں گھر چلیں گے۔'' وہ مسکراتے ہوئے اسے جوس تھمانے لگی۔ وہ سر ہلا گیا' ماریہ دل ہی دل میں خود کو صاف جھوٹ اور کامیاب اداکاری پر داد دے رہی تھی۔

❀......❀......❀

امتحانات گزر چکے تھے وہ ویسے بھی فارغ تھا' ایسے میں ماریہ کے والد سے مل کر وہ بہترین ہوم ورک تیار کرسکتا تھا اور تعلیم کے ختم ہونے سے پہلے ہی ایک بہترین لائحہ عمل تیار ہوجاتا۔ فاروق صاحب سے ملنے سے پہلے ہی اس نے کئی آئیڈیاز کو سامنے رکھ کے ان پر بھی خوب تیاری کی تھی۔ بزنس اس کا خواب تھا اور قسمت نے خود اس کے لیے راہ نکال دی وہ اس موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ماریہ کے کوٹھی نما گھر نے اسے کچھ اور مرعوب کردیا تھا' فاروق سرخود بہت نفیس آدمی تھے فاران بھی انہیں بے حد پسند آیا تھا' فاران نے کھل کر ان سے اپنے آئیڈیاز شیئر کیے تھے۔

''بھئی میں تو حقیقت بیان کروں گا' تم تو ایک بنے بنائے بزنس مین ہو' اگر خود بھی بزنس شروع کرو تو جلد ہی ایک نام بنالو گے بزنس کمیونٹی میں۔'' فاروق ان سے متاثر نظر آرہے تھے۔

''لیکن میں چاہوں گا سر کہ آپ کا دست شفقت میرے سر پر ہو۔'' فاران نے اعتماد بھرے لہجے میں کہا۔

''کوئی شک نہیں' میں ہر قدم پر تمہاری رہنمائی کروں گا۔''

''نہیں سر......رہنمائی نہیں آپ پلیز مجھے اپنے ساتھ موقع دیں تاکہ مجھے سیکھنے اور سمجھنے کا اور زیادہ موقع مل سکے۔'' فاران کی بات پر ماریہ نے چمکتی آنکھوں سے باپ کی طرف دیکھا' باپ کی آنکھوں میں بھی اس کے لیے ستائش تھی۔

''اس صورت حال میں بہترین حل پھر یہ ہے کہ تم میرے بزنس پارٹنر بن جاؤ۔'' وہ سوچتے ہوئے بولے۔

''بزنس پارٹنر......!'' فاران ایکسائٹڈ ہوا۔

''اس طرح دو فائدے ہوں گے ایک تو تمہارا پیسہ اچھے طریقے سے انویسٹ ہوجائے گا' تم بھی بااختیار ہوکر کام کرو گے تو نئے آئیڈیاز کی وجہ سے ہمارا بزنس ایک دم سے بوسٹ کرے گا اور سب سے بڑی بات کہ مجھے بھی سپورٹ مل جائے گی۔ سچ کہوں تو اکیلا اتنا بڑا بزنس سنبھالتے سنبھالتے کمر ٹوٹ گئی ہے میری۔'' وہ مکمل طور پر جال پھینکا چاہ رہے تھے' بھلے پرندہ پھنسے یا اڑ جائے یہاں کی قسمت۔

''یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔'' فاران خوش تھا۔

''تو پھر ڈن' سب سے پہلے تمہیں میری کمپنی کے شیئرز

خریدنا ہوں گے۔ اس کے بعد تم بورڈز آف ڈائریکٹرز میں شامل ہوکر اپنی مرضی سے بھی چلاسکتے ہو اور میرا کاروبار بھی۔"
فاران کی آنکھیں لودینے لگی تھیں۔
"میں کل ہی جاکر اپنے بابا سے بات کرتا ہوں۔"
"لیکن اس سے پہلے ماریہ کے ساتھ جاکر میرے منیجر سے مل لینا' وہ تمہیں مزید تفصیلات سمجھادے گا۔"
"تھینک یو سو مچ انکل......" وہ اٹھتے ہوئے مصافحہ کے لیے آگے بڑھا۔
"یو آر آلویز ویلکم......" انہوں نے مسکراتے ہوئے فاران کو گلے لگالیا۔ پیچھے کھڑی ماریہ نے بھی مسکراتے ہوئے بائیں آنکھ دبائی' فاروق بھی کھل کے مسکرادیئے۔

❁......❁......❁

فاران کو بالکل بھی امید نہ تھی کہ فرحان اس کی بات رد کردیں گے' اس نے انہیں منانے کی بہت کوشش کی لیکن بابا زمین بیچنے پر آمادہ نہ تھے اور جو رقم ان کے پاس تھی وہ شیئرز لینے کے لیے ناکافی تھی تبھی اسے ہر حال میں زمین بیچنی تھی اور اسی لیے اس نے اپنا حق عدالت کے ذریعے لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ فیصلہ لیتے وقت اس کا دل اس کے ساتھ نہ تھا وہ خود کتنے دن شرمندہ شرمندہ رہا۔ لیکن پھر بابا کی طرف سے مثبت جواب آتے ہی وہ سب بھول کر پھر سے اپنے خواب میں مگن ہوگیا۔ زمین بیچنے کے لیے وہ دفعہ گاؤں گیا بھی لیکن گھر جانے کی ہمت نہ ہوئی بس مالٹوں کے باغ سے جاکر ذرا سا جھانک لیتا تو اللہ نے اس کی بھی جھلک دکھادی جو دل کی طاق پر دیا بن کر جلتی تھی اس کی پور پور میں روشنیاں بھرتی تھی۔ وہ ویسی ہی تھی' چاندنی کے جیسی شفاف اور اجلی' دور سے روئی روئی اداسی سی لگتی اور پھر وہ یہ جانے بغیر ہی وہاں سے پلٹ آیا تھا کہ ستارہ واقعی رو رہی تھی' اس رات وہ واقعی اداس تھی۔
گھر والوں سے اس کی ناراضگی خوامخواہ کی تھی اور خوامخواہ ہی بڑھتی گئی تھی' زمین کا سودا ہونے میں کافی مشکلات ہونے لگی تھیں اوپر سے آخری سمسٹر کے امتحانات بھی سر پر تھے۔ فاران نے فی الحال ساری توجہ دوبارہ تعلیم پر مرکوز کردی' ماریہ اسے وقتاً فوقتاً کمپنی دیتی اور جلد از جلد اپنے پاپا کے ساتھ ملنے کے مشورے بھی۔ کتنا عرصہ ہوگیا تھا اس کی ستارہ سے بھی بات نہیں ہوئی' طبیعت عجیب بوجھل اور اداس ہونے لگتی۔ مزاج میں چڑچڑا پن آگیا تھا' وہ ماریہ سے بھی قدرے فاصلہ رکھنے لگا'

زندگی میں جمود سا چھا گیا تھا۔ بہرحال صرف بزنس کا خواب تھا جس میں ابھی تک کچھ جوش باقی تھا' وہ جلد از جلد امتحانات سے فارغ ہوکر مصروف ہونا چاہتا تھا' کچھ بن کر چاچا کے سامنے جانا چاہتا تھا۔
"اور اگر اس عرصے میں تارہ کہیں کھوگئی تو......؟" اور دل کے اس سوال پر اس کی روح تک کانپ جاتی' پڑھنے سے ایک دم دل اچاٹ ہوجاتا' پریشانی پر پھیلائے اسے خود میں سمولیتی۔
"کاش تم نے ہی پکارا ہوتا۔" اس رات بھی سونے سے پہلے اس نے ہمیشہ کی طرح یہی سوچا تھا اور تکیے پر سر رکھے آنکھیں موند لی تھیں' دائیں آنکھ سے آنسو پھسلتا تکیے میں جذب ہوگیا تھا۔

❁......❁......❁

محبت کتنی ہی آسودہ کیوں نہ ہو اسے ہجر کی تپش سہنی ہی پڑتی ہے۔ ستارہ نے بچپن سے صرف فاران کو اپنے ساتھ دیکھا' ہمیشہ اسے اپنے اردگرد پایا۔ ہوش سنبھالتے ہی صرف فاران کی ذات کو سوچا' ان دونوں میں کبھی کوئی لڑائی و ناراضگی نہیں رہی تھی۔ پل بھر بھی نہیں' ان کی زندگی میں اماں' بابا اور ان کے سوا اور تھا ہی کون' وہ سب ایک دوسرے سے جڑے تھے۔ ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم تھے۔
"پھر کیا ہوا تھا کہ شیرازہ بکھر گیا تھا۔" سوچ سوچ کے اس کے دماغ کی نسیں پھٹنے لگتیں۔ دسمبر دھیرے دھیرے اداسیاں بکھیرتا نئے سال کی طرف رواں دواں تھا۔ دھوپ نکل آئی تو اس نے بھی رضائی چھوڑ دی' کل سے ہونے والے سخت بخار نے عجیب سانڈھال کردیا تھا۔
وہ باہر آئی تو دھوپ کافی تیز تھی' اسے بے حد اچھا محسوس ہوا وہ چادر لپیٹتی صحن سے باہر مالٹوں کے باغ کی طرف نکل آئی۔ اس نے جوگرز پہن رکھے تھے یہ پچھلے سال ہی فاران اس کے لیے لے کر آیا تھا اسے ریت سے بڑی چڑ تھی۔ خاص کر خزاں کے موسم میں جب ذرہ ذرہ ہوکر بکھرتی' لپیٹتی تو وہ بے حد خار کھاتی تھی تبھی فاران اس کے لیے جوگرز کے دو جوڑے لے آیا تھا تاکہ وہ آرام سے مطمئن ہوکر جب چاہے باہر نکل سکے' ستارہ اکثر گرمیوں میں بھی باہر نکلتے وقت وہی جوگرز پہن کر نکلتی۔ مالٹوں کے درخت اور جڑوں میں اُگا گندلوں کا ساگ مٹی دھول سے اٹے تھے۔
"لگتا ہے یہ سال بارشوں کے بغیر ہی گزر جائے گا۔"

ستارہ نے اداسی سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا' جہاں مطلع صاف تھا کہیں کہیں کچھ آوارہ بدلیاں اڑتی پھر رہی تھیں لیکن انہیں دیکھتے ہی اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ وہ پانی سے بالکل محروم تھیں۔

وہ بددلی سے کچھ دیر باغ میں ٹہلتی رہی' شیر دل دُم ہلاتا اس کے ساتھ ساتھ چلتا کبھی آگے نکل جاتا' کبھی دوبارہ پیچھے بھاگ جاتا۔ وہ شاید اسے اپنی طرف متوجہ کررہا تھا لیکن ستارہ اسے کسی خاطر میں نہ لارہی تھی۔ جب سے فاران گھر سے جھگڑا کرکے گیا تھا' وہ یونہی ہوگئی تھی کوئی چیز اسے اچھی نہ لگتی' نہ شیر دل' نہ مالٹوں کا باغ جسے اس نے اور فاران نے مل کر سینچا تھا' نہ ہی زندگی۔ سب کچھ اس کے لیے بے معنی سا ہوگیا تھا۔

"ماریہ......" اچانک ہی اسے یاد آیا' یہی نام لیا تھا فاران نے اور بابا کی ذرا سی بات پر وہ کس قدر پُرطیش ہوگیا تھا۔ ماریہ کے خلاف اسے ایک لفظ گوارا نہ تھا اور کیسے وہ فرحان کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہوگیا تھا جنہوں نے ساری عمر اسے دان کردی تھی۔

ساری گتھی اچانک سلجھنے لگی تھی' فاران یونہی تو سارے پرانے رشتے توڑنے پر نہیں اتر آیا تھا' نئے خوب صورت رشتے ضرور جڑے تھے۔ اس نے نم آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی خوشیوں کی دعا کی اور گھر کی طرف بڑھ گئی' قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

❁......❁......❁

امتحانات ختم ہوگئے تھے' وہ فارغ تھا' جبھی ماریہ کے کہنے پر اس کے ساتھ گھر چلا آیا تھا' فاروق بھی گھر پر تھے اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

"خیریت تو ہے برخوردار...... تم تو بالکل غائب ہی ہوگئے' ارادہ بدل تو نہیں گیا؟" فاران کی اس قدر غیر حاضری نے ان کو واقعی اندر تک پریشان کردیا تھا' جبھی ملاقات ہوتے ہی انہوں نے بے تکلفی سے استفسار کردیا۔

"بالکل نہیں انکل...... پیپرز تھے پھر ماریہ سے تو میری ملاقات ہوتی رہی ہے' اسے تو پتا تھا کتنے ٹف شیڈولز رہے ہیں میرے پچھلے دنوں۔" وہ بھی ان سے اب بے تکلفی سے بات کرلیتا تھا۔

"ماریہ نے شاید ذکر کیا ہو' پر تمہیں تو پتا ہے میری مصروفیت کا۔ ایک طرف دھیان کہاں رہتا ہے۔" انہوں نے سگار سلگاتے ہوئے بات سنبھالی۔

"یہ بھی آپ کی مہربانی ہے انکل کہ آپ نے میرے جیسے نئے لڑکے پر اعتبار کیا' مجھے چانس دے رہے ہیں میں بھلا یہ موقع کیسے گنواسکتا ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ماریہ چائے کا کہنے چلی گئی تھی۔

"تو کب اسٹارٹ لے رہے ہو۔" فاروق پھر اصل بات کی طرف آنے لگے۔

"بس اب فراغت ملی ہے تو یہی کرنا ہے ایک دو پارٹیز سے بات چل رہی تھی ان سے ملوں گا اور پھر ان شاء اللہ آپ کے پاس۔" فاران نے جواب دیا تو اطمینان سا ان کے اندر اترنے لگا انہیں یقین تھا فاران کے سرمائے سے وہ بزنس کمیونٹی میں اپنی کھوئی ساکھ نہ صرف بہتر کرسکتے تھے بلکہ کافی بڑا قرض بہت آسانی سے اتر سکتا تھا۔ بعد میں جو بھی حالات بنتے اس کا لائحہ عمل بھی وہ تیار کرچکے تھے' اول تو سارے بزنس لاس کا الزام فاران کی ناتجربہ کاری کو ہی جاتا اور اگر فاران تعلیم کا فائدہ اٹھاکر ان کے خلاف کسی اقدام کا سوچتا بھی تو اس کی بیک اس قدر مضبوط نہ تھی کہ وہ خوف زدہ ہوتے' سوراوی نے فی الحال تو چین ہی چین لکھنا تھا۔

❁......❁......❁

ربیع الاول کا پاک مہینہ شروع ہوچکا تھا گھر گھر میلاد کی محفلیں سج رہی تھیں۔ ابھی بھی ستارہ کسی ہمسائے کے گھر محفل میں گئی ہوئی تھی' تو میراں نے مناسب سمجھا کہ فرحان کو یاد دلادیں۔

"تارہ کے ابا...... کیا سوچا ہے پھر آپ نے؟" وہ چائے کی پیالی تھماتے ہوئے ان کے پاس ہی چارپائی پر بیٹھ گئیں۔

"کس بارے میں؟" وہ غالباً بھول چکے تھے۔

"رحمت بھاء اسے اسی مہینے کا وعدہ کیا ہے' کیا جواب دو گے؟" میراں نے یاد دلاتے ہوئے کہا۔

"جواب کیا دینا ہے' ایک دو دن دیکھتا ہوں اللہ کرے فاران لوٹ آئے۔" ان کا لہجہ شکستہ تھا۔

"جو لوگ آگے بڑھ جائیں ان کا انتظار نہیں کیا کرتے ابا...... بھلا آگے جاکر دوبارہ پیچھے آنا بھی کسی کو وارا (فائدہ) کھاتا ہے۔" تارہ جانے کب آئی تھی اماں' بابا دونوں چونکے تھے۔

"آپ رحمت چاچا کو ہاں کردیں' مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔" وہ دھیمے لہجے میں کہتی کمرے کی

طرف بڑھ گئی۔

"اب تو یہ بھی مایوس ہوگئی۔" میراں کا لہجہ بھیگنے لگا۔

"بات بھی تو کتنے پتے کی کر کے گئی ہے دو تین دن میں جاتا ہوں بھاء رحمت کی طرف۔" انہوں نے بھی جیسے فیصلہ کرلیا تھا۔

ستارہ کمرے میں آ کر بستر پر ڈھے سی گئی آنکھوں سے آنسو متواتر بہتے رہے تھے۔

❁......❁......❁

ماریہ کو کچھ شاپنگ کرنی تھی وہ فاران کو ضد کر کے ساتھ لائی تھی۔ فاران بھی اس طرح کسی لڑکی کے ساتھ بڑے مال میں نہیں گیا تھا نہ ہی اسے کوئی تجربہ تھا نہ ہی انٹرسٹ تھا کچھ لینے میں۔ ماریہ خود ہی اپنے لیے اور اس کے لیے چیزیں منتخب کرتی رہی تھی بل کا مرحلہ آیا تو چاروناچار فاران کو ہی اپنا کارڈ دینا پڑا ماریہ کے پاس رقم بہت کم تھی اسے بھی یقین نہ تھا کہ چاچا نے اسے مزید رقم بھجوائی ہوگی لیکن جب اسے رقم مل جانے کا پیغام موبائل پر ملا تو وہ حیران رہ گیا تھا۔ ماریہ نے پورے 75 ہزار کی شاپنگ کی تھی اور وہ ساری رقم باآسانی ادا ہوگئی تھی مطلب چاچا اب بھی مسلسل اسے رقم بھیج رہے تھے۔

"وہ اب بھی رشتہ نبھا رہے تھے۔" وہ شرمندگی سے سوچ گیا۔ وہ موبائل جیب میں رکھتے ہوئے گاڑی میں بیٹھنے ہی لگا تھا کہ اس نے ایک کافی خوش باش نوجوان کو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ماریہ کی طرف جھکتا دیکھا تھا۔

"ہیلو ڈارلنگ کیسی ہو؟" فاران نے بیٹھتے وقت اس کے بے تکلف الفاظ سنے شاید وہ اس کا منگیتر تھا اسے بے اختیار ستارہ یاد آئی۔

"تم......!" ماریہ کے تیز لہجے پر اس نے ماریہ کی طرف چونک کر دیکھا ماریہ کے چہرے پر خوف کے تاثرات تھے یا شاید کچھ اور وہ سمجھ نہیں پایا تھا ماریہ نے تیزی سے چابی گھما کر انجن اسٹارٹ کرنا چاہا تھا۔

"ارے......ارے......" اس لڑکے نے تیزی سے چابی کھینچ لی تھی۔

"اتنی بھی کیا جلدی ہے۔" وہ مسکرا کر کہتا پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا اور چابی ماریہ کو تھما دی فاران صورت حال کو سمجھ ہی نہ سکا۔

"اب چلو۔" وہ مسکرا کر جیسے اسے حکم دے رہا تھا ماریہ نے گاڑی اسٹارٹ کردی دفعتاً اس لڑکے کی نظر فاران پر پڑی تھی۔

"اوہ تو نیا شکار پھانسا ہے تم نے؟" وہ سیٹی کے انداز میں لب سکیڑتے ہوئے بولا۔

"تم سے مطلب۔" ماریہ لب کاٹنے لگی۔

"مطلب تو صاف ہے ماریہ بی بی......جس طرح کا دھوکہ تم میرے ساتھ کرچکی ہو اس کا حساب اب کیا اس بے چارے سے بے باک کرواؤ گی۔" وہ طنزیہ لہجے میں کہہ رہا تھا فاران کو ایک دم ہی بہت کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

"تمہیں کسی کی فکر میں گھلنے کی ضرورت نہیں۔" ماریہ کا دل چاہ رہا تھا اسے گاڑی سے باہر پھینک دے لیکن وہ صرف ایسا سوچ سکتی تھی ایسا کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔

"اوکے۔" اس نے ذرا کھینچ کر کہا۔

"مطلب میرے پیسے مجھے مل جائیں۔" وہ فاران کو دیکھ رہا تھا فاران بھی اسے۔

"ہاں اور اب تم نکلو۔" ماریہ نے گاڑی سائیڈ پر لگاتے ہوئے اسے کہا تو وہ فاران کا کندھا تھپتھپاتا باہر نکل گیا۔

"یہ کون تھا؟" گاڑی دوبارہ آگے بڑھتے ہی فاران نے پوچھا اس کی پیشانی پہ شکنیں نمودار ہوچکی تھیں۔

"میرا منگیتر مگر اب یہ رشتہ ختم ہوچکا ہے۔" ماریہ نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے تاسف سے جواب دیا۔

"اور یہ شکار، پیسے......" فاران کے لہجے میں تلخی بھرنے لگی تھی۔

"اس نے منگنی پر مجھے ہیرے کی انگوٹھی دی تھی وہ مجھ سے گم ہوگئی یہ سمجھتا ہے میں نے چوری کرلی ہے۔ بس تم کو بھی اسی کھاتے میں لے رہا ہے۔" وہ بہت خوب صورتی سے بات بنا گئی تھی فاران کا دل ہلکا ہوا۔

"بہت افسوس ہوا۔" وہ تاسف سے بولا۔

"اٹس اوکے۔" وہ اداسی سے مسکرا دی تھی۔

❁......❁......❁

اور اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہی رہ جاتی اگر اللہ اس کی مدد نہ کرتا ہوتا ہے ناں......کچھ لوگ ہماری تمام تر خطاؤں کے باوجود ہمارے لیے دعا کرتے ہیں اور اللہ ہمیں انہی دعاؤں کے بدلے بچا لیتا ہے۔

فاران کے ساتھ بھی بالکل ایسا ہوا تھا وہ ماریہ کے گھر سے بائیک لے کر نکلا تو یاد آیا کہ چابی تو وہیں بھول آیا ٹیبل پر۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا واپس آیا تھا لاؤنج کی کھڑکی کے سامنے

سے گزرتے ہوئے اس نے ماریہ کو گالی دیتے سنا تھا' اس کے پاؤں وہیں جم سے گئے تھے۔

"وہ خبیث کامران تو آج سارا بھانڈا پھوڑنے لگا تھا' اتنا بڑا اشکار ہاتھ سے نکل جاتا۔ میں تو کہتی ہوں بابا سب سے پہلے اس کے پیسوں کا بندوبست کریں یہ نہ ہو فاران ہاتھ سے نکل جائے اور بنی بنائی بات بگڑ جائے۔" وہ کامران نامی اس لڑکے کو کتنی غلیظ گالیاں دے رہی تھی۔ فاران کا دل خراب ہونے لگا' اس کا دل کیا اندر جائے اوران کا منہ توڑ دے لیکن اسے فی الحال خود کو نارمل ظاہر کرنا تھا وہ اور کوئی ڈرامہ نہیں چاہتا تھا اس نے ذرا دیر خود کو نارمل کیا اور پھر ذرا سا سائیڈ پر ہو کر ماریہ کو آواز دی۔ ماریہ تو پل بھر میں دوڑی آئی۔

"سوری یار...... چابی شاید یہیں رہ گئی' ذرا دیکھنا۔" وہ مسکراتے ہوئے ایسے بات کر رہا تھا جیسے اس نے کچھ نہیں سنا' ماریہ کے لبوں پر بھی مطمئن مسکراہٹ دوڑ گئی وہ اندر سے چابی لے آئی اور پھر دروازے تک اسے چھوڑنے خود آئی۔

فاران نے سب سے پہلے اپنے دوست کو بائیک واپس کی ہاسٹل میں آ کر سارا سامان پیک کیا اور پھر موبائل نکال کر ستارہ کے موبائل پر پیغام لکھ کر سینڈ کر دیا۔

"کاش تم نے تو پکارا ہوتا۔" صرف دو منٹ بعد ہی پیغام جگمگایا تھا۔

"جو دلوں میں بستے ہیں وہیں دلوں کو اجاڑ دیتے ہیں تب بھلا ویرانوں سے کون صدا دیتا ہے۔" بات ختم ہوگئی تھی' اس نے سم نکال کر توڑ دی وہ ماریہ کا قصہ یہیں چھوڑ کر جانا چاہتا تھا۔

جنوری کی پہلی دھند اتری تھی اور بڑی شان سے اتری تھی' ہر منظر نظروں سے اوجھل ہوگیا تھا' دن کے دس بج رہے تھے اور ابھی تک کمروں اور برآمدوں اور صحن میں لائٹس جل رہی تھیں۔

وہ کمرے کی کھڑکی کھولے دھند کو اپنے اندر اترنے دے رہی تھی تبھی اس نے دور شیر دل کے بھونکنے کی آواز سنی تھی اتنے عرصے بعد...... وہ حیران تھی شیر دل خوشی سے چیخ رہا تھا۔

"یہ کیوں......؟" وہ سوچنے لگی اور ذرا سا اونچا ہو کر دور دھند کے پار دیکھنے لگی لیکن اس کی کوشش ناکام رہی۔

شیر دل کی آواز قریب آ رہی تھی اور تبھی ایک ہیولا سا نمودار ہوا تھا اور وہ ایک پل میں پہچان گئی تھی جو دھڑکنوں میں بستے ہوں ان کا پتا تو ہوا دے دیتی ہے خوشبوؤں کی صورت۔ وہ دیکھے گئی جب تک وہ اس کے قریب نہ آ گیا' کھڑکی کے اس پار اس کا ساتھی کھڑا تھا' فاصلہ ایک دم ہی کیسے سمٹ گیا تھا۔

"مسافر لوٹ کے آ جائیں تو گھر والے معاف تو کر ہی دیتے ہیں' اللہ گواہ ہے ذرا سا بھٹکا ضرور تھا مگر دلوں کا گھروندا کبھی نہ اجاڑا نہ ایسا سوچا۔" وہی دھیما لہجہ' خوب صورت مسکراہٹ اور وہ مسکرا دی تھی۔

"میں تو کبھی تم سے ناراض ہی نہیں تھی' معاف کیا کرنا بس اداسیاں دے گئے تھے تم۔" وہ رونے لگی۔

"تکلیف دے کر بدلہ تو نہ چکاؤ۔" وہ پریشان ہو کر بولا۔

"اچھا جاؤ' اماں بابا کو منالو۔ وہ بھی بہت رو لیے۔" اس نے فوراً آنکھیں رگڑ ڈالیں وہ کب بھلا فاران کو تکلیف دے سکتی تھی اور پھر سب نے اس کو معاف کر دیا تھا۔

خلوص بھرے دل معاف ہی کر دیتے ہیں' زندہ لوگ ہوتے ہیں ناں' لچک رکھتے ہیں تاکہ زندگی آسان رہے۔

جنوری کی پہلی دھند نے ہر منظر آنکھوں سے اوجھل ضرور کر دیا تھا لیکن ان سب کے دلوں پر جما غبار بالکل چھٹ گیا تھا۔

معاف کر دینے سے ایسے ہی تو ہوتا ہے......
ہر منظر صاف ہو جاتا ہے......
دل کا آئینہ جگمگانے لگتا ہے......
تبھی تو......
اللہ پاک درگزر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

زرد محبت

ماورا طلحہ

مت پوچھ صبر کی انتہا کہاں تک ہے
تو ستم کرلے جہاں تک تیری طاقت ہے
وفا کی امید کسی اور کو ہوگی
ہم کو تو دیکھنا ہے تیری نگاہ کہاں تک ہے



جون کی تپتی دوپہر تھی۔ دور دور تک کسی ذی روح کا نام و نشان نہیں تھا۔ اسے آج کا دن ہی منحوس لگ رہا تھا' ایک تو آج اکیلے کالج آنا پڑا اور اب کب سے بس اسٹاپ پہ کھڑی بس کا انتظار کررہی تھی مگر جو بس بھی ملتی اس میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی۔ کالج سے چل کے مین روڈ تک آنا ہی جان جوکھم کا کام تھا اور سونے پہ سہاگا سواری بھی ملنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

بس اسٹاپ پہ کھڑے تقریباً پندرہ منٹ گزر چکے تھے' گرمی کی شدت سے سفید رنگ کملا گیا تھا۔ اس نے آنکھوں پہ ہاتھ کا چھجا بناتے ہوئے آسمان کی طرف متلاشی نظروں سے دیکھا کہ شاید قسمت یاوری کرجائے اور کہیں سے بادل کا ٹکڑا آگ کے گولے کو ڈھانپ لے مگر دور دور تک ایسا کوئی امکان نظر نہیں آرہا تھا۔

اس نے دوبارہ سے نظریں ویران سڑک پہ جمادیں۔ آفتاب کی تپش برداشت سے باہر تھی اور پیاس کی شدت بڑھتی جارہی تھی۔ اس نے بس کی امید چھوڑی اور پیدل چلنا شروع کردیا' ایسے تو وہ ایک گھنٹہ بھی کھڑی رہتی تو بس نہیں ملنی تھی۔ اب تو وہ کالج آنے پر ہی پچھتا رہی تھی۔

''اللہ جی کوئی معجزہ کردیں ورنہ میں اس ویران سڑک پہ پیاس سے ہی مرجاؤں گی۔'' وہ دل ہی دل میں دعا مانگتی چل رہی تھی۔

بیگ کو ایک کندھے سے دوسرے پہ منتقل کرتے' دوپٹے کے پلو سے پیشانی پہ آیا پسینہ صاف کرتے ہوئے وہ اپنی روڈ کی سمت مڑی ہی تھی کہ ایک بائیک اس کے پاس آن رکی۔ اس نے گھبرا کے دوسری طرف دیکھا مگر سامنے زیب منصور کڑی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ وہ اس کی پیشانی کے بل دیکھ کر خائف تو ہوئی مگر دل کو ڈھارس ملی۔

''تم سے تھوڑا انتظار نہیں ہوتا یا پیدل مارچ کرنے کا زیادہ ہی شوق ہے؟''

''مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ لینے آئیں گے۔'' لائبہ نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

''اب بیٹھ بھی جاؤ..... کیا باقاعدہ دعوت نامہ دینا پڑے گا؟''

''جی بیٹھ رہی ہوں۔'' بیگ اور فائلز ایک ہاتھ میں پکڑے اور دوسرا ہاتھ زیب منصور کے کندھے پہ رکھتے ہوئے بائیک پہ بیٹھ گئی۔

''ایک کال کرنے کی زحمت گوارا کرلیتی تو یوں خوار نہ ہوتی۔'' وہ بائیک کو چلانے کی بجائے اڑانے کی کوشش کررہا تھا۔

''بیلنس نہیں تھا۔'' زیب منصور کے کندھے کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے اس نے ڈرتے ہوئے جواب دیا۔

''تو ایڈوانس لے لیتی۔'' بائیک کی رفتار اور تیز ہوئی۔

''وہ بھی لے چکی تھی۔'' اس کے سوال جواب ختم ہونے میں نہیں آرہے تھے اور بائیک کی رفتار لائبہ کی سانس خشک کیے دے رہی تھی۔

''زیبی بھائی..... بائیک آہستہ چلائیں' مجھے ابھی مرنے کا کوئی شوق نہیں۔'' وہ پیچھے سے چلاتے ہوئے بولی۔

''تم جیسی کنجوس نے زندہ رہ کے بھی کیا کرنا ہے؟'' زیب منصور شاید اسے سزا دینے پہ مائل تھا۔

سوکھے حلق میں ڈر کی شدت سے کانٹے اگ آئے تھے۔ اس نے زور سے آنکھیں میچیں اور زیب منصور کے چوڑے کندھے پہ سر ٹکادیا۔

''اللہ جی..... آج میں زندہ گھر پہنچ گئی تو پورے دس نفل پڑھوں گی۔'' وہ اونچی آواز سے دعائیں مانگنے لگی تو زیب منصور نے رفتار آہستہ کردی۔ یقیناً اتنی سزا کافی تھی۔

گھر پہنچتے ہی اس نے بائیک سے چھلانگ لگائی' زیب منصور کو کچا کھا جانے کی خواہش دل میں دباتے ہوئے صرف چچماتی بائیک پہ کڑی نظر ڈالی اور اپنے پورشن کی طرف بڑھ گئی۔

وہ سو کر اٹھی تو دوپہر ڈھل چکی تھی مگر تپش کا راج ابھی تک قائم تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر کچن کا رخ کیا کیونکہ بھوک برداشت سے باہر ہوچکی تھی۔

''کچھ کھانے کو ملے گا؟'' کچن میں داخل ہوتے ہی بھابی نظر آئیں تو اس نے جھٹ سے پوچھ لیا کیونکہ خود کچھ پکانا اس کی مشہور زمانہ سستی کے خلاف تھا۔

''ہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے مائدہ بریانی دے کر گئی ہے' تم بنا کچھ کھائے سوگئی تھی تو میں نے تمہارے لیے رکھ دی' مائیکرو میں گرم کرلو اور رائتہ بنالو۔'' اس نے بے بس نظروں سے بھابی کو دیکھا جو جاتے ہوئے بھی دو کام بتا گئی تھیں۔ اب مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اسے یہ دونوں کام خود ہی کرنے تھے۔ اس نے کھانا گرم کیا اور ٹی وی لاؤنج میں آکر بیٹھ گئی۔

''آج تم زیبی کے ساتھ آئی ہو؟'' بھابی واصل کو اٹھائے اس کے پاس ہی آبیٹھی تھیں۔

''جی..... بس نہیں ملی تو آدھا راستہ پیدل چلی' راستے میں زیبی بھائی مل گئے تو ان کے ساتھ آگئی۔'' بریانی کھاتے ہوئے

اس نے بھابی کو جواب دیا۔
"آج مائدہ کی خالہ آئی تھیں۔"
"جی اس نے بتایا تھا' اسی لیے آج کالج نہیں گئی۔" لائبہ پہلے ہی جانتی تھی۔
"اس کی خالہ شادی کی تاریخ طے کر گئی ہیں۔" بھابی نے سرسری سے لہجے میں بتایا مگر لائبہ کے تاثرات لاعلمی کا تاثر لیے ہوئے تھے۔
"کیا مائدہ نے تمہیں نہیں بتایا؟" بھابی نے حیرانی سے پوچھا۔
وہ دونوں یک جان دو قالب مشہور تھیں اور اتنی بڑی بات سے بے خبری کی انہیں امید نہیں تھی۔ وہ تو لائبہ سے معلومات لینا چاہتی تھیں اور وہ بات کی الف ب سے لاعلم تھی۔
"زیب نے بھی نہیں بتایا؟" اس کی لاعلمی بھابی کو ہضم نہیں ہو رہی تھی۔
"زیبی بھائی کا بس چلے تو وہ مجھے ایسی جگہ پھینک دیں جہاں مجھے اپنی خبر نہ ملے۔" اس نے دکھ سے بریانی کی پلیٹ پرے کھسکائی' اب کہاں کی بھوک اور کیسی بھوک؟
"اچھا...... اب کھانا تو کھا لو اس میں پریشانی والی کون سی بات ہے۔ مائدہ تمہارا پوچھ کر گئی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ آرام سے بتانا چاہتی ہو۔" بھابی نے دوبارہ پلیٹ اس کے آگے کی۔
"نہیں' مجھے اب بھوک نہیں۔" اس کی بھوک واقعی اڑ گئی تھی۔
وہ ایک دوسرے کے لیے کھلی کتاب تھیں۔ کتاب زندگی کے جس ورق کو کھولتیں اس پہ درج ہر سطر ان کے لیے شناسا تھی۔ چند ماہ کے وقفے سے دنیا میں آئیں مگر حد سے بڑھتی مماثلت انہیں جڑواں ثابت کرتی تھی۔ گھر میں سو مسئلے مسائل ہوں' دیورانی جیٹھانی میں تکرار ہو۔ جو بھی ہو جائے مائدہ اور لائبہ ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم تھیں۔ ان کی حد درجہ دوستی اور محبت کے درمیان کوئی دخل اندازی بھی نہیں کرتا تھا سوائے ایک شخص کے اور وہ زیب منصور تھا۔ مائدہ کا نرم دل بھائی اور لائبہ کا کھڑوس' ہٹلر اور شاہ جنات تایازاد۔
"بھابی میں کمرے میں جا رہی ہوں' کوئی پوچھے تو کہہ دینا میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔" آنکھوں میں آئے آنسو پیتے ہوئے اس نے کمرے کا رخ کیا۔
"اُفففف۔ زیب ایویں ہی اسے ملکہ جذبات نہیں کہتا' ذرا مرضی کے خلاف کچھ ہوا نہیں اور محترمہ کے نین چھلک پڑے۔ پتا نہیں عمر جیسے پریکٹیکل بندے کی بہن اتنی امیچور کیوں ہے؟" بھابی بڑبڑاتے ہوئے ٹیبل سے برتن اٹھانے لگی۔
کالج میں سارا دن لگاتار کلاسز لے کر دماغ کی چولیں ہل چکی تھی۔ آخری پیریڈ فری ملا تو اس نے کینٹین کی بجائے لائبریری کا رخ کیا' نفسیات سے متعلق کتاب نکالی اور نسبتاً کونے والی میز پہ بیٹھ گئی۔ وہ کچھ صفحات ہی پڑھ پائی کہ مائدہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ وہ اسے نظر انداز کیے کتاب پڑھنے میں مگن رہی تو اس نے کتاب چھین لی۔
"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟" لائبہ نے حد درجہ تلخی سے پوچھا۔
"یہی میں پوچھ رہی ہوں کہ تمہیں مسئلہ کیا ہے؟" مائدہ نے جواباً وہی سوال دہرایا۔
"میں تمہارے کسی سوال کی جواب دہ نہیں ہوں۔ برائے مہربانی مجھے تنگ نہ کرو۔" سابقہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے وہ وہاں سے اٹھ گئی کیونکہ لائبریرین کی وارننگ دیتی نظریں کافی دیر سے ان دونوں کی طرف تھیں۔
"یار بتا تو دو وجہ کیا ہے؟ کل تمہاری طرف آئی تو تم حجرہ نشین ہو چکی تھی' اب صبح سے تمہارے پیچھے ہوں اور تمہارے نخرے ختم ہونے میں نہیں آرہے۔" وہ لائبریری سے نکل کر بھی اس کے پیچھے تھی۔
کل ڈھیروں مصروفیت کے باوجود دو دفعہ اس کی طرف چکر لگا چکی تھی۔ ایک دفعہ بریانی لائی تو وہ سوئی ہوئی تھی' دوسری دفعہ آئی تو کئی دفعہ دروازہ کھٹکھٹانے پہ بھی اس نے نہیں کھولا تھا اور اب صبح سے کالج میں اس کے پیچھے تھی۔
"لائبہ پلیز۔ مجھے ایسے اذیت نہیں دو' ایسی کون سی خطا ہو گئی کہ تم مجھ سے کلام کرنا پسند نہیں کر رہی...... میں تو تمہیں ایک گڈ نیوز سنانا چاہتی ہوں۔" مائدہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔
"تم اس کی زحمت نہیں کرو' گڈ نیوز مٹھائی کی صورت مجھے مل چکی ہے اور میں اسے ڈسٹ بن میں پھینک بھی چکی ہوں۔"
"میں خود لاعلم تھی یار...... جب پتا چلا تب تم کالج میں تھیں' میں تمہیں بتانے آئی تو تم نے دروازہ ہی نہیں کھولا۔" وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھائے پشیمانی سے وضاحت دے رہی تھی۔
"میں کیسے مان لوں کہ تم لاعلم تھی اور اگر ایسا تھا بھی تو

تمہارے شہزادے بھائی جان نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" وہ لائبہ قدیر تھی اور اسے سب سے زیادہ جاننے کا دعویٰ کرنے والی خود اس کے سامنے بے بس کھڑی تھی۔

"تم بھائی جان کو جانتی ہو کہ انہیں گھریلو معاملات میں ذرہ برابر دلچسپی نہیں' ان کے اپنے اتنے کام ہیں انہیں یاد نہیں رہا ہوگا۔" اس نے بھرپور طریقے سے بھائی کا دفاع کیا اور یہیں اس کا کیس بگڑا تھا۔

"تم نفسیات چھوڑ کر وکالت پڑھ لو اور اپنے بھائی کی وکیل بن جاؤ لیکن فی الوقت مجھے تم میں اور تمہارے بھائی نامے میں کوئی دلچسپی نہیں۔" اس نے بائیک کی رفتار کا جواب زبان کی رفتار سے دیا اور ایسا ہمیشہ سے ہوتا آیا تھا۔ زیب منصور کی بہن ہونے کا خراج بھی تو ادا کرنا تھا لیکن مائدہ مطمئن تھی۔ وہ ہمیشہ بھائی کا غصہ اس پہ نکال کے راضی ہو جاتی تھی اور مائدہ زیب منصور کے نادیدہ گناہ اپنے زمرے میں لے کر اسے عذاب لائبہ سے نجات دلا کے بہن ہونے کا حق ادا کر دیتی تھی۔

"چلو اب مان بھی جاؤ ناں۔" اس نے دوبارہ التجا کی۔

"دو دن سے پہلے مجھ سے بولنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد آنا سوچوں گی۔" مائدہ کو دو عدد چنگیزی نسل کی گھوریاں ڈال کر اس نے خارجی راستے کا رخ کیا اور وہ بھی شکر ادا کرتے ہوئے اس کے پیچھے چل دی تھی مگر آج شاید اس کے ستارے گردش میں تھے۔ زیب منصور رف سے حلیے میں گاڑی سے ٹیک لگائے ان کے منتظر تھے۔ لائبہ چلتے چلتے رکی اور ناچار مائدہ کو بھی رکنا پڑا تھا۔

"اپنے پیارے بھائی جان کو کسی بہانے یہاں سے بھیجو' مجھے ان کے ساتھ نہیں جانا۔" ایک نیا حکم جاری ہوا۔

"شکر کرو بھائی جان آ گئے ورنہ کہاں گرمی میں دھکے کھاتیں۔" مائدہ بوکھلا ہی تو گئی تھی۔

"اچھا تو تم ایسا کرو یہاں پہ ہی نوافل کی نیت باندھ لو میں گھر جا کے پڑھ لوں گی۔"

"اب تم لوگ آؤ گی یا میں گاڑی اٹھا کے پاس لاؤں۔" اس نے بے بس نظروں سے بھائی کو دیکھا۔ ایک سیر تو دوسرا سوا سیر تھا اور درمیان میں پسنے کا عہدہ مائدہ منصور سنبھالے ہوئے تھی۔

"اففف...... یار تم لوگ ادھر ہی ہو پلیز مجھے بھی ساتھ لے لو۔ میں اسٹاپ سے ہو کر آئی ہوں شاید آج ہڑتال ہے۔" ان کی کلاس فیلو ردابہ ہانپتی کانپتی ان تک پہنچی تھی۔

مائدہ نے جھٹ اثبات میں سر ہلایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کے گاڑی میں آ بیٹھی' چاروناچار لائبہ بھی آ گئی اور وہ گھر جاتے ہی نفل پڑھنے کا سوچ چکی تھی کیونکہ آج جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔

موسم میں تغیر برپا ہو رہا تھا۔ ہوا سرِ شام ہی انگڑائی لے کر بیدار ہو جاتی اور ایسے تھرکتی ہوئی چلتی جیسے مدھم ساز پہ مشغول رقص ہو۔ دھیمی سرسراہٹ مغرب کے وقت کو نیا راگ عطا کرتی اور رات اپنے جوبن کے سفر پہ خوشی خوشی روانہ ہو جاتی تھی۔ رات اور چاند کے سنگم نے آسمان کو اتنا دلکش کر دیا کہ وہ اپنی ازلی سستی کو پیچھے کیے چھت پہ آ گئی۔ پاؤں کو جوتے کی قید سے آزاد کیے اور ننگے پیر چلنے لگی' ڈھیروں ڈھیر ٹھنڈک اس کے وجود میں سرائیت کر گئی۔ اس نے آنکھیں چاند پہ گاڑ دیں' اس کا انداز ایسا کہ چاند کی ساری چاندنی چرا کر اوڑھ لے اور پھر چاند کے سامنے ہی اترا اترا کر چلے۔

"میں تمہیں سارے گھر میں ڈھونڈ آئی اور تم یہاں چاند کو نظر لگانے کی کوشش کر رہی ہو۔" مائدہ آہستگی سے اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی کہ اس کا انہماک نہ ٹوٹے۔

"رات کتنی خوب صورت ہے ناں؟ ہوش بھلاتی ہوئی' جنون سے آشنا کرتی ہوئی۔" اس نے نظروں کا مرکز بدلے بغیر کہا۔

"تم کب سے ایسی باتیں سوچنے لگی؟" مائدہ حیرت سے اس کی طرف مڑی۔

"کیوں' کیا مجھ پہ پابندی ہے؟" وہ بائیں آنکھ کا ابرو اٹھاتے ہوئے حیران ہوئی۔

"جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے آپ تو عوام کا چین و سکون خراب کرنے کا سوچتی ہیں' آج اس معجزے پہ میری عقل دنگ رہ جائے تو مجھ بے چاری کا کیا قصور۔" مائدہ پشت دیوار سے لگا کر کھڑی ہو گئی۔

"تم اپنا ریڈیو بند ہی رکھو' اچھا بھلا مزا آ رہا تھا خراب کرنے آ گئی۔" ازلی غصہ عود کر آیا۔

"اب آپ کچھ عرض کریں گی کہ کیوں میری تلاش کی غرض سے کنویں میں بانس ڈلوا دیئے تھے۔" وہ بھی دیوار کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

"ویسے تم کچھ زیادہ ہی عجیب ہو' دنیا غصے میں ادب آداب سے بے بہرہ ہو جاتی ہے اور تم خالص اردو شروع کر دیتی ہو۔" وہ اس کے انداز پہ بے ساختہ ہنسی۔

"تم مجھ پہ بعد میں تحقیق کر لینا ابھی اپنا مطلب بتاؤ۔" لائبہ نے چنگیزی گھوری ڈالی مگر مقابل کو کب پروا تھی۔

"یار خالہ مجھے شاپنگ پہ لے کے جانا چاہتی ہیں' ان کے ساتھ دانیال بھی ہوں گے۔ پہلے تو کبھی ایسے نہیں ہوا اب نہ جانے کیوں مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔" آخرکار بلی تھیلے سے باہر نکل ہی آئی تھی۔

"تو تم چاہتی ہو تمہارے بجائے شاپنگ پہ میں چلی جاؤں' ویسے آج میں تمہاری محبت کی قائل ہوگئی' دل کر رہا ہے تمہارا منہ چوم لوں۔" اس نے والہانہ انداز میں مائدہ کو جھنجوڑا۔

"پرے مرو...... تم دوست ہو یا دشمن' بجائے اس کے کہ تم مجھے حوصلہ دینے کے لیے ساتھ چلو تمہیں اپنا الو سیدھا کرنے کی پڑی ہے۔" مائدہ نے پوری قوت سے لائبہ نامی جونک کو پرے دھکیلا۔

"شادی کی تاریخ مجھ سے پوچھ کر طے کی تھی' اتنا بھی نہیں سوچا کہ اس دوران میرے پری ٹیسٹ ہو رہے ہوں گے۔ خود مزے سے دلہن بن جانا اور مجھے سارے جھمیلوں میں پھنسوا دینا۔" وہ ہاتھ کمر پہ ٹکائے پوری طرح فارم میں آچکی تھی اور مائدہ چند منٹ پہلے اس کے ادب کو خراج تحسین دینے پہ پچھتا رہی تھی۔

"اس میں میرا کیا قصور؟ اب اگر دانیال اچانک کمپنی کی طرف سے باہر جا رہے ہیں اور خالہ بھی ان کے اکیلے جانے کے حق میں نہیں۔ امی' ابو' بھائی سب خالہ کی بات سے متفق ہیں تو میں کیا سولی پہ چڑھ جاؤں' میری پڑھائی بھی چھوٹ رہی ہے مگر تم بجائے حوصلہ دینے کے میرا کورٹ مارشل کرنے پہ تلی ہوئی ہو۔" مائدہ جھنجلا ہی تو گئی تھی۔

اس کی اداس آنکھیں لائبہ کو شرمندہ کر گئی تھی۔ پتا نہیں کب وہ اپنے احساسات کی فکر چھوڑ کر دوسروں کے بارے میں سوچے گئی۔

"اچھا پریشان مت ہو میں ساتھ چلوں گی تمہارے۔" خلاف توقع وہ مان گئی تھی شاید اس کی جدائی کا سن کر دل پگھل گیا تھا۔

"یہ ہی پہلے مان جاتی' ایویں دکھی کر دیا۔" مائدہ نے نادیدہ آنسو پونچھے تو اتنی کمال اداکاری پہ دونوں کھلکھلا کے ہنس دیں۔

دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے سیڑھیوں کی سمت بڑھیں' چاند نے اپنی جان بخشی پہ شکر ادا کرنا چاہا مگر اسی پل لائبہ قدیر نے مڑ کے چاند کو دیکھا اور وہ بیچارا سہم کے رہ گیا۔ بھلا آفت بھی جلدی جان چھوڑتی ہے۔

☆☆☆......☆☆☆

کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ گھڑی کی ٹک ٹک خاموشی کے پردے کو چاک کر رہی تھی۔ وہ رائیٹنگ ٹیبل پہ کتاب رکھے مطالعہ میں مصروف تھا۔ کتاب کے ورق شاید کوئی سنگین کہانی بیان کر رہے تھے جس کے باعث وہ وقت کی رفتار کو بھولا ہوا تھا۔ ایک ایک لفظ سانس روک دینے کا قادر بن چکا تھا۔ کتاب کا صفحہ پلٹا اور ساتھ ہی لمبی سانس بھری شاید متوقع انجام کے لیے تیاری کی گئی تھی۔ ہوتے ہیں کچھ انجام ایسے جن کے لیے بھرپور تیاری کرنی پڑتی ہے۔ کہانی اپنے جوبن پہ تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز کرداروں کی موت بن گئی۔ اس نے ناگواری سے سر اٹھا کر آنے والے کو دیکھا مگر ماں کو سامنے دیکھ کر چند لمحوں قبل چھائی بیزاری اڑن چھو ہوگئی۔

"آپ سوئی نہیں' خیریت؟" دوپہر میں سونا ان کا معمول تھا۔

"ہمم...... خیریت ہے' کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں اور اس کے لیے تنہائی بھی ضروری تھی تو یہ وقت مناسب لگا۔" ریحانہ منصور نے آمد کا مدعا بیان کیا۔

"آیئے...... ادھر بیٹھیں۔" اس نے احترام سے ماں کو بیڈ پہ بٹھایا اور خود ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"الحمدللہ...... مائدہ بہت جلد اپنے گھر کی ہو جائے گی' اسے اپنی تعلیم کو لے کر کچھ اختلافات ہیں مگر مجھے امید ہے وہ بہت جلد اس فیصلے سے جڑی مصلحت جان لے گی۔" انہوں نے بات کا آغاز کیا تو وہ بھرپور انہماک سے متوجہ ہوا۔

"جتنی مجھے مائدہ عزیز ہے اتنے ہی تم ہو' میری یہ ہی آرزو ہے کہ مائدہ کے ساتھ تمہارے فرض سے بھی سبکدوش ہو جاؤں۔ تم نے شادی کے متعلق کیا سوچا ہے۔" انہوں نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

"میری جاب شروع ہوئے ابھی کچھ ماہ ہوئے ہیں۔ مجھے زندگی میں سیٹل ہونا ہے' اس لیے میں نے ابھی اس بارے میں کچھ نہیں سوچا اور جہاں تک مائدہ کی بات ہے تو بیٹیاں وقت پہ رخصت کر دینی چاہیں۔ انہیں ان کے اصل حق دار کو سونپنے میں تاخیر کی اجازت اسلام بھی نہیں دیتا۔" اس نے مفصل جواب دے کر ریحانہ منصور کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"ہم تمہاری خواہش کا احترام کرتے ہیں لیکن اگر کوئی نظر میں ہے تو ہمیں آگاہ کردو شادی نہیں منگنی تو ہو سکتی ہے۔" آج شاید وہ وہاں کروانے کی نیت سے آئی تھیں۔

"آپ کو اپنا بیٹا نظر باز لگتا ہے؟" اس نے خفگی سے انہیں دیکھا۔

"میں سنجیدہ ہوں زیب۔" انہوں نے اس کی خفگی کا اثر نہیں لیا۔

"نہیں امی جان..... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"منصور صاحب تمہارے لیے لائبہ کو سوچے ہوئے ہیں وہ اپنی سوچ میں حق بجانب ہیں ان کی پہلی ترجیح بھائی کی اولاد ہی ہوگی مگر لائبہ تمہاری طبیعت سے بالکل میل نہیں کھاتی۔ مجھے تمہارے لیے عمر کی سالی پسند ہے طیبہ ہمارے سامنے ہے جیسی وہ ہے یقیناً ویسی ہی اس کی بہن ہوگی۔" آخر کار بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی تھی۔

"امی جان..... اپنے اکلوتے بیٹے پہ رحم کریں اور اسے لائبہ نامی آفت سے محفوظ رکھیں بابا کو بھی بتادیں اس کے لیے کوئی خلائی مخلوق پسند کریں بھائی کی ہمدردی میں بیٹے کی بھینٹ کیوں چڑھا رہے ہیں۔" زیب منصور لائبہ کا نام سن کے ہی بے حال ہو گیا تھا۔ کہاں اس کی نفاست پسند طبیعت اور کہاں وہ گندگی کی ملکہ۔

"بیٹا بری بات..... ایسے نہیں کہتے وہ بھی گھر کی بچی ہے۔ مجھے تمہاری سوچ کا اندازہ تھا اسی لیے مائدہ کی شادی میں طیبہ کے میکے والوں کو خاص دعوت دے کر بلاؤں گی لائبہ بھی تمہارے سامنے ہے اور طیبہ کی بہن کو بھی دیکھ لینا پھر جو فیصلہ کرو اس سے آگاہ کر دینا۔" ریحانہ منصور نے فیصلے کی ڈور اس کے ہاتھ میں سونپ دی۔

"امی جان کوئی بھی لڑکی پسند کرلیں مگر لائبہ قدیر نہیں۔" اس کے لہجے میں محسوس کن سختی اتر آئی تھی۔ ریحانہ منصور نے خفگی سے دیکھا اور کمرے سے نکل گئی۔

"ہمم..... تو اب لائبہ قدیر کو پرکھنا پڑے گا یہ دن بھی آنے تھے مجھ معصوم پہ۔" اس نے کمرہ لاک کیا اور بستر پہ دراز ہو گیا۔ اب اس سے مطالعہ نہیں ہو سکتا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

وقت ہاتھ سے نکل جائے تو صرف پچھتاوا مقدر بن جاتا ہے اس حقیقت کا ادراک لائبہ قدیر کو بہت اچھے سے ہو چکا تھا۔ وہ اس لمحے کو کوس رہی تھی جب مائدہ کی روہانسی صورت پہ ترس کھاتے ہوئے شاپنگ پہ جانے کی حامی بھری تھی۔ مالز اور بازار میں گھوم گھوم کر اس کی ٹانگیں بے جان ہو چکی تھیں پیٹ میں چوہوں نے الگ ادھم مچا رکھی تھی۔ مائدہ تو ایک طرف اس کی ساس پلس خالہ بھی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں سارا شہر کھنگھال مارا تھا اور ابھی بھی گنتی کی چیزیں خریدی گئی تھیں۔

"اے اللہ کی بندی..... مجھ سے کس بات کا بدلہ لے رہی ہو؟" مائدہ کی ساس جونہی تھوڑا آگے ہوئی وہ جلدی سے اس کے کان کے پاس آ کر بولی۔

"کیوں کیا ہوا؟ تم اتنی جلدی تھک گئی ابھی تو ڈھیر ساری چیزیں لینی باقی ہیں۔" مائدہ نے اس کی بات چٹکی میں اڑائی اور آگے بڑھ گئی۔

"ٹھیک ہے تم لیتی پھرو چیزیں میں گھر چلی جاتی ہوں۔ چھ گھنٹے ہو گئے پیدل چلا چلا کر مار رہی ہو ایک برگر تک کھلانے کی تمہیں توفیق نہیں ہوئی۔" وہ غصے سے چیخ ہی پڑی۔

"لائبہ قدیر آپ ناشتے میں دو پراٹھے ٹھونس کے آئی ہیں۔" مائدہ دبی آواز میں غرائی۔

"وہ کب کے ہضم ہو گئے۔" عجیب شان بے نیازی تھی۔

"تمہارے ساتھ میں بھی ہوں مجھے تو بھوک نہیں لگی۔"

"تمہیں بھوک لگے بھی تو کیسے؟ تمہارے پہلو میں تو دانیال صاحب چل رہے ہیں ان کی آنکھوں سے محبت نامی شعاعیں ہی تمہاری بھوک مٹانے کو کافی ہیں۔" لائبہ قدیر ادھار رکھ جائے یہ نا ممکن تھا۔

"آیئے پہلے کچھ کھا لیتے ہیں۔" دانیال صاحب صورت حال سمجھ چکے تھے اسی لیے انہیں لیے مال کے ریسٹورینٹ میں آ گئے۔ مائدہ نے شدید غصے سے اسے دیکھا یہ لڑکی شرمندہ کروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی۔

"یہ گھوریاں دانیال صاحب کے لیے بچا کے رکھو مستقبل میں کام آئیں گی جب میری شادی کی شاپنگ ہوگی تو تمہارا یہ حساب بے باک کر دوں گی۔" دانیال اٹھ کے آرڈر دینے گیا تو وہ فوراً سے اس کے کان میں بولی۔ مائدہ نے ہڑبڑا کے خالہ کو دیکھا انہیں متوجہ نہ پا کر اس نے سکون کا سانس لیا۔

"اس بندے کی جیب میں پہلے ہی ہلکی کرتی رہتی ہوں اس لیے یہ احسان اپنے پاس ہی رکھو۔" وہ حد درجہ چڑ کے بولی۔

لائبہ قدیر جی جان سے چونکی اور اس سے پہلے کے

وضاحت مانگتی دانیال واپس آچکا تھا سو اس بات کو کچھ دیر کے لیے چھوڑ دیا۔

☆☆☆......☆☆☆

لاؤنج میں لگی دیوار گیر کھڑکیوں سے آنے والی روشنی نے سارے گھر کو روشن کر رکھا تھا۔ صفیہ بیگم صوفے پہ بیٹھی اذکار کرنے میں مصروف تھیں۔ فجر کے بعد قرآن اشراق اور اس کے بعد وظائف کرنا ان کا معمول تھا۔ انہوں نے اولاد کو مذہبی تعلیم دی اور اس پہ عمل بھی کرواتی رہیں عمر بھرپور طریقے سے عمل کرتا جب کہ لائبہ جان چھڑانے کے مواقع تلاش کرتی رہتی تھی۔ اس وقت بھی وہ غصے سے بھری بیٹھی تھیں۔ عمر آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا اور ان کے بار ہا اٹھانے کے باوجود لائبہ سوئی ہوئی تھی۔ طیبہ کچن میں ناشتہ بنانے میں مصروف تھی۔ انہوں نے عمر کی شادی کی تو سوچا بہو کو دیکھ کر وہ بھی کچھ بہتر ہو جائے گی مگر وہ پہلے سے زیادہ لاپروا ہوگئی تھی جو صفیہ بیگم کا تھوڑا بہت ہاتھ بٹاتی اب وہ بھی چھوڑ چکی تھی۔

"امی...... کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے؟" عمر نے انہیں سوچ میں گم دیکھا تو پوچھ بیٹھے۔

"اس گھر میں تمہاری بہن سے بڑی پریشانی کوئی اور ہو سکتی ہے کیا؟" انہوں نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"امی آپ بھی ناں...... اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیں خود ہی سمجھ جائے گی ویسے یہ ساری مائیں اپنی بیٹیوں کو ہرفن مولا کیوں بنانا چاہتی ہیں؟" انہوں نے ہنستے ہوئے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر بات کو مزاح کا رنگ دینا چاہا۔

"ہر ماں بیٹی کی بھلائی چاہتی ہے سسرال ایک درسگاہ ہے اور اس درسگاہ کے امتحان میں ہر ماں اپنی بیٹی کو کامیاب دیکھنا چاہتی ہے۔" ان کی اپنی فکریں تھیں جسے وہ نہیں سمجھ سکتے تھے۔

"امی...... طیبہ نے بھی تو سب ہینڈل کرلیا تھا ناں یہ بھی کر لے گی ابھی بچی ہے۔ ویسے بھی عورت بہت سخت جان ہوتی ہے جب سر پہ پڑتی ہے سب سنبھال لیتی ہے۔" وہ ہر طریقے سے ماں کو مطمئن کر رہے تھے۔

"تمہاری تو شاید عقل ہی کام نہیں کر رہی طیبہ اسی عمر میں تمہاری دلہن بن کے آگئی تھی۔ مائدہ اسی کی ہم عمر ہے اور اس کی شادی بھی سر پہ ہے۔ اس کی یہ ہی حرکات ہیں جن کی وجہ سے ریحانہ اس کے بارے میں بات نہیں کرتی ورنہ زیب جیسا بچہ تو قسمت کی یاوری سمجھا جائے۔" آخر کار ان کی بلی تھیلے سے باہر آہی گئی تھی۔

"امی...... ہم زبردستی تو اسے کسی کے سر نہیں تھوپ سکتے اور زیب کی شخصیت لائبہ سے میل نہیں کھاتی اس لیے اس بارے میں آپ پریشان نہ ہوں جو اس کے نصیب میں ہوگا وہ اسے مل جائے گا۔" زیب منصور اپنی بہن کے لیے ان کی بھی اولین ترجیح تھا مگر لائبہ کے لیے اس کی آنکھوں سے جھلکتی ناپسندیدگی ان سے چھپی نہیں تھی۔ اس لیے وہ اس بارے میں سوچتے ہی نہیں تھے۔

"امی...... تائی جان نے مائدہ کی شادی کے لیے میرے میکے والوں کو خاص دعوت دی ہے اور بار بار سعدیہ کو لانے کی تلقین بھی کی ہے میرے خیال میں وہ اسے زیب کے لیے سوچ رہی ہیں۔ آپ اس بارے میں کیا کہتی ہیں؟" طیبہ عمر کو ناشتہ دے کر صفیہ بیگم کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ انہوں نے شاکی نظروں سے عمر کو دیکھا اور اس کی تسلی دیتی نظروں پہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کے رہ گئیں۔

"بیٹی قسمت کے فیصلے ہیں اللہ سب بیٹیوں کے نصیب اچھے کرے۔ تم اپنے گھر بات کرلو زیب دیکھا بھالا ہے اور سعدیہ بھی اپنی ہی بچی ہے۔" انہوں نے دل پہ پتھر رکھتے ہوئے طیبہ سے کہا اور شکستہ دل لیے وہاں سے اٹھ گئیں۔

"آپ کیا کہتے ہیں؟" اس نے عمر سے رائے لینا چاہی۔

"میرے خیال سے شادی پہ بلایا ہے تو سب آئیں گے مگر تم ایسا کوئی تذکرہ نہیں کرنا اگر باقاعدہ بات کی گئی تو پھر دیکھیں گے۔" انہوں نے متانت سے جواب دیا۔

اکتوبر کا اختتام ہو رہا تھا۔ موسم کی خنکی بڑھتی جا رہی تھی مگر مائدہ کی شادی کے لیے اتنی بھاگ دوڑ مچی تھی کہ کوئی بھی موسم کی لطافت محسوس نہیں کرسکا۔ زیب منصور عمر قدیر کے تعاون سے گھر کی حالت سنوارنے میں مگن اور ریحانہ بیگم دیورانی کے ساتھ مل کر بازار کے چکر لگانے میں مصروف تھیں کبھی طیبہ بھی ساتھ ہو لیتی مگر اس سب ہنگامے میں لائبہ قدیر غائب تھی اور اس کی غیر حاضری زیب منصور نے ہی محسوس کی تھی۔

اس وقت بھی وہ لان کی حالت درست کر رہا تھا جب اسے ساتھ والے گھر کی دوسری منزل پہ آنچل کی جھلک نظر آئی تھی۔ اس نے چونک کر اوپر دیکھا مگر جو بھی تھا وہاں سے ہٹ چکا تھا تب ہی اسے خیال آیا سب خواتین بازار گئی ہوئی تھیں۔ وہ جلدی سے مائدہ کے کمرے کی طرف آیا۔

"مائدہ تمہاری ہم جولی کہاں ہے؟" انہوں نے پہلی فرصت

میں پوچھا۔

"کیوں......! آپ کو سکون اچھا نہیں لگ رہا؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"چچا کی چھت پہ کوئی تھا' تمہارے سوا تو سب بازار گئے ہیں اس لیے تم سے پوچھنے آیا ہوں کہ وہ بھی گئی ہے یا گھر پر ہے۔" انہوں نے تفصیلاً بتایا۔

"بھائی پتا نہیں وہ کس دنیا میں مگن ہے' نہ بازار جاتی ہے اور نہ ہی مجھے کوئی خاص کمپنی دے رہی ہے۔ پہلے مجھے لگا پیپرز کی ٹینشن ہوگی مگر وہ پڑھتی بھی نہیں ہے' میں اس سے ناراض ہو چکی ہوں۔ جانتی بھی ہے کہ میں کچھ دنوں میں چلی جاؤں گی مگر پھر بھی ہٹ دھرم بنی ہوئی ہے۔" اس کے پوچھنے پہ مائدہ پھٹ ہی پڑی تھی' تو یقیناً مسئلہ گمبھیر تھا۔ شاپنگ اگنور کرنا ثابت کر رہا تھا کہ اس کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہے۔

وہ مائدہ کے کمرے سے نکل کر چچا کے پورشن کی طرف بڑھا۔ سارے گھر میں اسے نہ پا کر چھت کا رخ کیا اور وہ وہیں تھی' ڈھیر سارے رنگ سامنے پھیلائے جانے کیا کرنے میں مصروف تھی کہ اس کا آنا بھی محسوس نہ کر سکی۔

"تم ٹھیک ہو؟" اس نے لائبہ کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

وہ ایک پل کو چونکی اور حیرت سے اس کے انداز کو دیکھا' زیب منصور کے لہجے میں اس کے لیے نرمی اس صدی کا عجیب واقعہ تھا۔ چند لمحوں کی حیرت کے بعد اس کی پیشانی پہ ناگواری کی شکنیں ابھر آئیں اور وہ اس کے پل پل بدلتے انداز دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

"اب تک تو ٹھیک تھی آگے کا کچھ کہہ نہیں سکتی۔" انداز کے ساتھ زبان بھی بدلی تھی تو واقعی کچھ غلط تھا ورنہ لائبہ قدیر کی زبان زیب منصور کے سامنے کم ہی چلتی تھی۔

"تم کچھ دنوں سے نظر نہیں آرہی اور مائدہ بھی تمہیں مس کر رہی تھی۔ اس لیے میں تمہاری خیریت پوچھنے چلا آیا۔"

"اوہ......تو آپ کو اب میری فکر ہونے لگی ہے؟" اس کے انداز میں واضح طنز تھا اور یہاں زیب منصور بھی تلخ ہوا تھا۔

"میرا ٹیسٹ اتنا خراب نہیں ہوا' تمہاری حرکات کا سن کے لگا شاید دماغی توازن کھو چکی ہو تو تعزیت کرنے آیا تھا۔" اس نے طنز کا دگنا جواب دیا۔

"ہر کسی کو اپنا جیسا نہ سمجھا کیجیے۔ خیر آ ہی گئے ہیں تو واپسی کا راستہ بھی جانتے ہوں گے۔" اس نے بایاں ابرو اٹھاتے ہوئے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ ٹھٹکا۔

اس نے گہری نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا اور کئی لمحوں تک دیکھتا رہا پھر اچانک سے ہنسی کا فوارہ اس کے منہ سے نکلا اور وہ ہنستا چلا گیا۔ اسے دیکھتا رہا اور ہنستا رہا۔ لائبہ نے ناگواری سے اسے دیکھا اور منہ دوسری طرف کر لیا' وہ گھوم کے دوسری طرف آیا اور اس کا منہ دیکھتے ہوئے پھر ہنسنے لگا۔

"کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ؟" اس کا یوں ہنسنا اسے برداشت نہیں ہوا۔

زیب منصور نے موبائل نکالا' آناً فاناً اس کی تصویر کھینچی' نیچے پڑے رنگوں میں انگلی ڈبوئی اور اس کی ناک پہ پھیر دی۔ دوبارہ چہرے کو دیکھا اور ہنستے ہوئے سیڑھیوں سے نیچے اتر گیا۔ لائبہ قدیر جی جان سے جھلس گئی۔ اس نے پاس پڑے سامان سے چھوٹا سا شیشہ نکال کر سامنے کیا تو اسے دشمن جاں کے ہنسنے کی وجہ سمجھ آ گئی' سارے منہ پہ کالے رنگ کے نقطے اور لائنیں ایسے لگی تھیں کہ وہ مہذب کم اور وحشی زیادہ لگ رہی تھی۔ اسے جی بھر کے اپنے پھوہڑپن پہ غصہ آیا اور رہی سہی کسر تصویر کا سوچ کے پوری ہو گئی تھی۔ وہ غصے سے بھری ہوئی لاؤنج میں چکرا رہی تھی۔ دو تین آوازیں مائدہ کو لگا چکی تھی۔

"کیا ہے' جنگلیوں کی طرح کیوں چیخ رہی ہو؟" وہ عجلت میں سیڑھیاں اتر کر اس تک آئی۔

"تمہارے بھائی نے میری تصویر لی ہے فوراً اسے ڈلیٹ کرواؤ۔" مائدہ کو دیکھ کر غصے سے بولی۔

"بھائی اور تصویر......! میں نہیں مانتی۔"

"تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟" اس کا انکار شدید غصہ دلا رہا تھا۔

"اچھا اگر لے بھی لی تو غصے والی کیا بات ہے؟ میں ڈلیٹ کروں گی' تم آؤ ادھر بیٹھو۔" اسے نارمل کرتے ہوئے وہ صوفے کی طرف لے آئی۔

"تم کب تک مجھ سے ناراض رہو گی' میری کیا غلطی ہے؟" مائدہ نے جھجک کر پوچھا۔

"تو میرا کیا قصور تھا؟" اس نے عادتاً بایاں ابرو اٹھایا۔

"کئی دفعہ ایسے ہوتا ہے کہ دوسرا بات کچھ کرتا ہے اور ہم مطلب کچھ اور لیتے ہیں' پلیز تم اس بارے میں فکر مند نہیں ہو اور میرے آخری دن اپنے ساتھ خوشگوار بنا دو۔" مائدہ نے پیار سے

اس کا ہاتھ تھاما۔

"میں کچھ بھی بھول نہیں پارہی مگر تمہارے لیے کوشش کروں گی۔" اس نے نم آنکھوں سے اسے تسلی دی اور وہاں سے نکل آئی۔ مائدہ ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئی۔

"اسے کیا ہوا' رلانے والی آج خود کیسے رونے لگی؟" زیب منصور اس کی نم آنکھیں دیکھ چکا تھا۔ مائدہ نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ اس کا دماغ کچھ تانے بانے بننے میں مصروف تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

ڈھولک کی تھاپ پہ علاقائی گیت گائے جارہے تھے۔ سریلی آوازوں نے مل کر ایک سماں باندھ دیا تھا۔ پورے گھر کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ لان کے درختوں اور پودوں پر سفید رنگ کی لائٹیں لگائی گئی تھیں جس سے ماحول اور بھی خوب صورت لگ رہا تھا۔ لان میں سب خواتین' لڑکیاں جمع تھیں اور جوش کا یہ عالم کہ یخ سرد ہوا بھی کسی کو محسوس نہیں ہورہی تھی۔ موسم میں خنکی اس حد تک تھی کہ بنا گرم کپڑوں کے باہر نکلنا دل گردے کا ہی کام تھا مگر ہر جگہ ریشمی زرتار آنچل لہرا رہے تھے۔

لان میں قدیر صاحب کی دیوار کے ساتھ آرائشی جھولا سیٹ کیا گیا تھا۔ پیلے رنگ میں رنگی مائدہ اس جھولے پہ بیٹھی کسی شہزادی سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ کسی لڑکی کی بات پہ ہنستی تو چہرہ کھل اٹھتا مگر نم آنکھوں کی اداسی ویسی ہی تھی۔ بیٹیوں کی زندگی بھی مسافروں جیسی ہوتی ہے' ہر جگہ کو منزل سمجھ کے پڑاؤ ڈالتی ہیں مگر سفر ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتا۔ وہ بھی مسافر بننے والی تھی' نئے سفر پہ جانے کی خوشی کے ساتھ پرانے ساتھیوں سے بچھڑنے کا غم بھی تھا' عجب خوشی ودکھ کے لمحات تھے۔

وہ کسی کام سے لان کی طرف آیا' جانے سے پہلے ایک نظر مائدہ کو دیکھا تو قدم رک گئے' اکلوتی اور لاڈلی بہن چند لمحوں کی مہمان تھی۔ دل میں ایک دم اداسی نے پنجے گاڑھے تھے' وہ اداس سا پلٹا تو قدم سنہری آنچل سے لپٹ گئے' آگے جانے والی کو جھٹکا لگا اور وہ بل کھا کے پیچھے آنے والے سے ٹکرائی تھی۔ مگر سب کی بے ساختہ نظریں دو الجھے لوگوں میں الجھ گئیں۔ سنہری آنچل کا سارا سنہرا پن زیب منصور کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا۔ مقابل نے اس کے ہاتھ سے اپنی کلائی آزاد کروائی تو چوڑیوں کی کھنک ماحول کو جلترنگ کر گئی۔ اس نے چونک کر اردگرد دیکھا' سب کی نظریں خود پہ جمی دیکھ کر اسے عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ سنہرا آنچل لہراتا ہوا دور جارہا تھا اور وہ وہیں کھڑا لمحوں کے کھیل کو سمجھنے کی کوشش کررہا تھا۔ وہ شاید ابھی بھی ہوش میں نہ آتا اگر لڑکے والوں کی آمد کا شور نہ مچ جاتا' وہ حواس کو قابو میں کرتے ہوئے استقبال کے لیے آگے بڑھا۔ رنگ و بو کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ لڑکے والوں کی آمد کے ساتھ ہی رسم شروع کردی گئی' وہ ایک کونے میں کھڑا کسی کی دوسری جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھا اور چند لمحوں بعد وہ مائدہ کے ساتھ بیٹھ چکی تھی' اس نے تیل کی طرف ہاتھ بڑھایا اور مائدہ کے سر پہ لگادیا۔

"زیب......تم نے لائبہ کو دیکھا کہیں؟" وہ سامنے کا منظر دیکھنے میں اس قدر مگن تھا کہ بھابی کے پوچھنے پہ خالی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔ انہوں نے دوبارہ پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"بھابی مٹھائی میں کریلے کا کیا کام؟" اس نے شوخی سے کہا اور خود ہی مسکرادیا۔ طیبہ ایک خفگی بھری نظر ڈال کے اسٹیج کی طرف چل دیں۔

اس نے ریحانہ بیگم کی تلاش میں نظریں گھمائیں تو وہ چاچی کے ساتھ کھڑی کوئی بات کرنے میں مگن تھیں۔ وہ فوراً سے پہلے ان کی طرف بڑھا۔

"امی......مجھے بھابی کی بہن پسند ہے' آپ ان سے بات کرلیں۔" اس نے آہستگی سے جا کر ماں اور چاچی کو بتایا۔ وہ شروع سے ہی چاچی کے قریب رہا تھا اور اس موقع پہ ان کی موجودگی سے اسے خوشی ہورہی تھی۔

ریحانہ بیگم نے گڑبڑا کے اسے دیکھا۔ دیورانی کے سامنے عجیب سی خفت انہیں محسوس ہوئی تھی مگر وہ فیصلہ سنا کر غائب ہوچکا تھا۔ انہوں نے مسکرا کر صفیہ بیگم کو دیکھا تو وہ بھی مسکرا دیں۔ اس کا سر درد سے برا حال تھا۔ باہر سے آنے والا شور درد کو بڑھائے جارہا تھا۔ اس نے سر تکیے کے نیچے رکھا اور تکیے کو زور سے دبایا۔ شور کی آواز کسی حد تک کم ہوئی تھی۔ آنکھیں بند کی تو سیال مادہ جو کب سے آنکھوں کے ساحل پہ سر پٹخ رہا تھا بہہ نکلا' کاجل کی کالی دھاریں چہرے کی خوب صورتی کو خراب کرگئی تھیں۔

مائدہ کی شادی کے حوالے سے کتنے ہی خواب دیکھے تھے مگر سب دھرے کے دھرے رہ گئے۔ وہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی نارمل نہیں ہو پارہی تھی۔ خود کو مصلحت کا پابند کرتی تو انا چیخ پڑتی تھی' دل کو سمجھاتی تو دماغ عزت نفس کا پرچم بلند کردیتا اور دماغ کو سمجھانے کی کوشش کرتی تو دل دہائی دینے لگتا تھا۔ آہستہ آہستہ

باہر کا شور مدھم ہونے لگا اس نے تکیہ اوپر سے ہٹا کر سر کے نیچے رکھ لیا اور آنکھیں موند کر لیٹ گئی۔ زیب منصور کی آنکھوں سے جھلکتا سنہرا عکس اسے دوبارہ بے قرار کر گیا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور سر ہاتھوں میں تھام لیا' نہ جانے کتنی دیر وہ اسی حالت میں رہی تھی۔ اپنے ہاتھ پہ پڑنے والے دباؤ سے وہ ہوش میں آئی تو مائدہ کو سامنے پایا۔

"تم نے رسم نہیں کی تھی اور تمہارے بنا میری خوشی مکمل نہیں ہوتی؟ اس لیے سارا سامان لے آئی ہوں' چلو شاباش۔ مجھے تیل اور مہندی لگاؤ۔" اس کی آنکھوں کا سوال پڑھ کے مائدہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

مائدہ نے ہاتھوں میں پکڑی مہندی کی تھالی بیڈ پہ رکھی اور خود اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس نے تیل میں انگلی ڈبوئی اور مائدہ کے سر پہ تیل لگایا' ہاتھ پہ مہندی رکھی' برفی کا ایک ٹکڑا اس کے منہ میں رکھ دیا۔

"یار مجھے تم سے کام ہے اور تم یہاں رونی صورت لیے بیٹھی ہو۔" مائدہ نے منہ بسورتے ہوئے کہا تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی' سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ ایسا کہہ رہی تھی۔

"بتاؤ کیا کام ہے؟" جب اسے مائدہ کا لہجہ فکر سے عاری لگا تو وہ بھی بے حس ہوگئی۔

"بھائی کے کمرے میں میرا ایک گفٹ رکھا ہے پلیز وہ مجھے لادو۔"

"مائدہ.....! تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے ناں؟ میں نہیں جارہی کسی کے کمرے میں۔" مائدہ کی بات اسے حد درجہ تکلیف میں مبتلا کر گئی تھی۔

"یار دانیال کا گفٹ ہے' امی نے اٹھا کے وہاں رکھ دیا۔ وہ خاص ہے اور ابھی کھولنے والا ہے۔ تم لے آؤ دونوں مل کر کھولیں گے' پلیز مان جاؤ۔" وہ منت کرنے لگی۔

"تم خود چلی جاؤ ناں مائدہ۔" اس کی لہجے میں دنیا جہاں کی تھکن آسمائی تھی۔

"میں بھائی سے ناراض ہوں اور قطعاً ان کے کمرے میں نہیں جارہی اور تم خود سوچو دانیال کا گفٹ لیتی کتنی آکورڈ لگوں گی۔ یو نو تھوڑی شرم تھوڑی حیاء۔" بات ختم کرتے ہوئے وہ مسکرائی۔ لائبہ نے حیرت سے اس کا چہرہ دیکھا' خوشیاں اس کے چہرے پہ رقصاں تھی۔ نظر لگ جانے کے خوف سے اس نے نظریں ہٹائیں اور سر ہلاتے ہوئے باہر نکل آئی۔

زیب منصور کے کمرے میں جانے کے لیے لان سے گزرنا پڑتا تھا اور وہ اس وقت کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی اسی لیے چھت سے دونوں گھروں کی مشترکہ دیوار پھلانگ کر دوسرے پورشن میں چلی آئی۔ سیڑھیوں کی طرف بڑھنے سے پہلے ایک نظر نیچے دیکھا' سب بڑے اکھٹے بیٹھے تھے اور زیب منصور سامان اٹھوانے میں مصروف تھا یعنی کے سارا ہنگامہ ختم ہوچکا تھا۔ وہ کتنے ہی پل وہاں کھڑی نیچے دیکھتی رہی اور غالباً نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے زیب منصور نے اوپر کی طرف دیکھا مگر وہ پل کی تاخیر کیے بنا پیچھے ہٹ گئی تھی۔ خود کو نارمل کیا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ دوسرے پورشن میں اندھیرا تھا' اس نے بنا کوئی آہٹ کیے زیب منصور کے کمرے کا رخ کیا۔ کمرے میں ہلکی سی روشنی تھی جو واش روم سے آرہی تھی' اس نے چاروں طرف نظریں گھمائیں مگر گفٹ کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔

"پاگل نے مجھے بھیج دیا اور جگہ کا بتایا ہی نہیں۔" مارے کوفت کے برا حال ہورہا تھا۔

اس نے الماری کھولی اور سامنے ہی گفٹ رکھا نظر آگیا' چوکور بڑا سا ڈبا جسے سلور شائننگ پیپر سے پیک کیا گیا تھا۔ ابھی اس نے گفٹ کی جانب ہاتھ بڑھایا ہی تھا۔

"یہ کیا ہورہا ہے؟" پیچھے سے آنے والی آواز اسے ساکت کر گئی۔ زیب منصور تو لان میں تھا پھر کمرے میں کیسے پہنچا' وہ ڈرتے ڈرتے مڑی تاکہ وضاحت دے سکے مگر مقابل کی پیشانی کے بل رہے سہے اوسان بھی خطا کر گئے تھے۔

"پچھلے چند دنوں سے تمہاری سنجیدگی دیکھ کر میں سمجھا کہ شاید عقل آگئی ہے مگر تم تو پہلے سے بھی زیادہ چیپ ہوگئی ہو' واش روم میں آوازیں سن کے سمجھا امی یا مائدہ ہوں گی میرے گمان میں نہیں تھا کہ یہاں ایک چور موجود ہوگا۔" زیب منصور پھنکارا۔ اس نے نم آنکھوں سے سامنے کھڑے وجیہہ انسان کو دیکھا جس کی زبان صرف لائبہ قدیر کے لیے کڑوی تھی اور آج وہ اپنے اس وصف کی بلندی پہ تھا۔

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں مجھے یہاں مائدہ نے......"

"تم مائدہ کو درمیان میں لاؤ ہی نہیں' وہ کبھی نہیں کہے گی کہ میرے بھائی کے کمرے میں چوروں کی طرح گھس جاؤ۔" اس کی بات کاٹ کر وہ بلند آواز میں بولا۔

ابھی ان دونوں کے درمیان گفتگو جاری تھی کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی' دونوں نے چونک کر دروازے کی

جانب دیکھا۔

"اچھا تو محترمہ آپ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دروازہ بھی لاک کردیا۔" زیب منصور شدید غصے کے عالم میں کہتا ہوا تیزی سے دروازے کی جانب بڑھا۔

لائبہ حیران تھی کہ دروازہ کب اور کیسے لاک ہوا......؟ جبکہ اس نے تو کمرے میں داخل ہوتے وقت دروازہ پوری طرح بند بھی نہیں کیا تھا اور اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا تھا۔ اسی اثنا میں زیب منصور دروازے تک پہنچ کر دروازہ کھول چکا تھا۔ سامنے کھڑی ریحانہ بیگم نافہم تاثرات لیے ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

"یہ کیا ہورہا ہے لائبہ تم اس وقت یہاں......! مگر دروازہ کیوں بند تھا......؟" وہ زبان سے نہ بھی کہتیں تو بھی ان کا چہرہ سارے سوال عیاں کررہا تھا۔

"امی...... میں واش روم میں تھا' نہ جانے کب یہ محترمہ چوروں کی طرح گھس آئی۔" زیب منصور نے اکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

حد درجہ ضبط کے باوجود اس کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔ اس نے گفٹ اٹھایا اور ریحانہ بیگم کے سامنے کردیا' مائدہ کو دیکھ کر اسے حوصلہ ہوا تھا۔ اس نے بتانا چاہا تھا کہ مائدہ نے اسے گفٹ لینے بھیجا تھا اور زیب منصور اسی بات کو غلط رنگ دے رہا تھا۔

"بھائی...... مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی۔" مائدہ نے آگے بڑھ کے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے لے کر وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

ریحانہ بیگم نے تاسف سے اسے دیکھا اور خاموشی سے چلی گئی۔ زیب منصور کھٹکا تھا کچھ غلط تھا' کچھ ایسا جس سے وہ انجان تھا۔ وہ سب کچھ لائبہ قدیر پہ ڈال رہا تھا مگر سب سے زیادہ وہ مشکوک ٹھہرایا جارہا تھا۔ مائدہ کے الفاظ کسی ہتھوڑے کی طرح اس کے دماغ پہ برس رہے تھے۔ اس نے سر کو ہاتھوں میں تھام لیا۔

کمرے میں خاموشی تھی' ماحول ایسا ساکت کہ سوئی گرنے کی آواز بھی سنائی دے۔ ریحانہ بیگم منصور صاحب کو سب کچھ بتا چکی تھیں۔ انہیں اپنی اولاد بہت پیاری تھی مگر وہ اپنے بچوں کی غلطیوں پہ پردہ ہرگز نہیں ڈالتی تھیں۔ وہ لائبہ قدیر کے لاابالی پن سے ہمیشہ خائف رہی تھیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اس کی دشمن تھیں یا اس کے بارے میں برا سوچتی تھیں۔ ہر ماں کی طرح انہیں بھی سلجھی اور سنجیدہ بہو کی خواہش تھی اور اگر یہ خوبیاں لائبہ میں موجود ہوتیں تو ان کی پہلی ترجیح وہ ہی ہوتی۔ وہ لان میں بیٹھی تھیں جب مائدہ نے بتایا کہ لائبہ اس کی چیزیں لینے زیب کے کمرے میں گئی ہے اور ابھی تک پلٹی نہیں تو وہ دیکھنے چلی آئی مگر سامنے کا منظر ان کے وہم و گمان میں نہیں تھا۔ زیب کا غصے کی شدت سے سرخ چہرہ اور مائدہ کی روئی آنکھیں اور بے بس انداز اسے غلط ثابت نہیں کررہا تھا۔

"ابو میں بار ہا بتا چکا ہوں ایسا کچھ نہیں ہے جیسا آپ سمجھ رہے ہیں' میں تو بھائی کی بہن کے لیے امی کو کہہ چکا ہوں۔ جب پہلے مجھے ایسا کچھ خیال نہیں آیا تو اب کیوں آئے گا۔" وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی وضاحتیں دے رہا تھا اور یہ ہی بات اسے غصے میں مبتلا کررہی تھی۔

"ساری باتیں تمہارے خلاف جارہی ہیں' وہ گفٹ تمہاری طرف سے لائبہ کے لیے تھا۔ اس سب کے بعد تمہارا یقین کیسے کیا جائے۔" منصور صاحب کی سنجیدگی بڑھتی جارہی تھی۔

"آپ سب مجھے کیوں کٹہرے میں کھڑا کررہے ہیں' اس چور لڑکی سے بھی پوچھیں وہ وہاں کیا کرنے آئی تھی۔" منصور صاحب کی بے اعتمادی اسے شعلوں کے سپرد کرگئی تھی۔

"اپنی زبان کو حد میں رکھو زیب منصور۔ اس گھر کی بیٹیوں کے خلاف ایسی زبان استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں۔" منصور صاحب ایک دم غصے میں آئے۔

"گھر کی بیٹیاں جب ایسی حرکتیں کریں گی تو ایسے ہی کہا جائے گا۔" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ لائبہ قدیر سامنے ہو اور وہ اس کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دے۔

"زیب منصور کل تک اپنی بے گناہی ثابت کرو ورنہ ہمارا فیصلہ ماننے کے لیے تیار رہنا۔" انہوں نے حکم سنایا اور اسے وہاں سے جانے کا اشارہ کردیا۔ اس نے شاکی نظروں سے ماں کو دیکھا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

"ہمارا بیٹا ایسا ہرگز نہیں ہے' آپ اس سے باز پرس کرلیتے مگر اس قدر انتہائی فیصلہ۔" ریحانہ بیگم نے اس انتہا کا کب سوچا تھا۔

"اگر آپ کی بیٹی اس جگہ ہوتی تو؟" منصور صاحب کا ایک سوال انہیں چاروں شانے چت کرگیا۔ اب وہ بے بس تھیں چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرسکتی تھیں۔

دوسری طرف لائبہ روتے روتے سوچکی تھی۔ سوتے ہوئے

بھی اس کے چہرے پہ کرب کے تاثرات تھے۔ اس نے مائدہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا اور وہ چاہتے بھی نہیں اٹھ سکتی تھی۔ اس کی حالت مائدہ کو نادم کررہی تھی' تھک کر وہ اسی کے ساتھ لیٹ گئی اس بات سے بے خبر کہ صبح کا سورج کیسی تبدیلی لانے والا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

سرخ جوڑے اور سنہرے زیورات نے مائدہ کو نیا روپ دیا تھا۔ وہ مائدہ کے ساتھ پارلر آئی تھی اور اب کتنی دیر سے کسی کی منتظر تھیں۔ گھر میں کئی فون کرڈالے تھے مگر کوئی نہیں آیا تھا۔ آخر آدھ گھنٹے کے بعد عمر بھائی اور بھابی آئے تھے عمر بھائی کے چہرے کے تاثرات نارمل نہیں تھے۔ سارا راستہ خاموشی سے گزرا' گھر پہنچ کے وہ مائدہ کے ساتھ جانے کی بجائے اپنے پورشن میں آ گئی' مہمانوں سے بچتے ہوئے کمرے میں گھسی اور کمرہ لاک کرلیا۔ رخصتی سے پہلے اس کا باہر نکلنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مائدہ کے لاکھ کہنے پہ وہ ہلکا سا تیار ہوئی' بھاری کامدار سوٹ کی بجائے ہلکا سوٹ پہنا تھا۔ گھر کے ساتھ خالی پلاٹ پہ شامیانے لگا کے شادی کے انتظامات کیے گئے تھے' اس کے لیے عمر بھائی نے اپنے دوستوں سے رابطہ کیا تھا جو شہر کے مشہور ویڈنگ پلانر تھے۔ اسے آئے کچھ دیر ہی گزری تھی کہ باہر شور مچ گیا' یقیناً بارات آ گئی تھی۔ اس نے ذرا سا پردہ کھسکایا تو گھر کا مین گیٹ نظر آیا جہاں ابا اور عمر بھائی کھڑے تھے اور ان کے ساتھ تایا ابا بھی تھے' بارات کے ساتھ وہ بھی آگے بڑھ گئے۔ اس نے پردہ چھوڑا اور بیڈ پہ لیٹ گئی۔

اس نے ہزار کوششوں کے بعد خود کو اتنا کیا تھا کہ مائدہ کے ساتھ پارلر چلی جائے' اس دوران بھی بار ہا صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا تھا مگر وہ بے دردی سے آنکھیں رگڑتی رہی تھی۔ چاہتے ہوئے بھی کل کا منظر بھول نہیں پارہی تھی۔ زیب منصور واش روم میں تھا اور وہ الماری میں منہ دیئے کھڑی تھی تو دروازہ بند کرنے والا کون تھا۔ اسی "کون" پہ آ کر اس کی سوچ کی سوئی اٹک جاتی تھی' اتنے پیاروں میں ایسی دشمنی کرنے والا کون تھا۔

دور کہیں سے شور کی آواز سنائی دی' پوری کوشش کے بعد بھی وہ آواز کا ماخذ نہیں جان پائی تھی' مسلسل آنے والی آواز اسے بے چین کررہی تھی اور اب ان آوازوں میں اس کے نام کی پکار بھی شامل تھی۔ ایک دم سے ہڑبڑا کے اٹھی اور حواس بحال ہوئے تو احساس ہوا کہ وہ سوگئی تھی' شور کی آواز باہر سے آرہی تھی پھر سے دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو فوراً دوپٹہ اوڑھا اور بھاگ کے دروازہ کھولا۔

پہلا چہرہ جو نظر آیا وہ امی کا تھا' ان کے پیچھے ابو' عمر بھائی اور تایا جان کھڑے تھے۔ ان سب کو دیکھ کر اسے بے انتہا شرمندگی محسوس ہوئی' یقیناً اس نے سونے کے باعث دروازہ نہیں کھولا تھا اور امی نے پریشانی میں سب کو بلالیا تھا۔

"وہ میں سوگئی تھی اس لیے دروازہ نہیں....." اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی کیونکہ امی اسے پکڑے اندر لے گئی تھیں۔

امی نے اس کی الماری کھولی اور جلدی سے بڑی چادر نکال کے اسے اوڑھا دی' اس کے ساتھ بیٹھ کے ہاتھ پکڑا اور دوسری طرف ابا بیٹھ چکے تھے۔ حالات جو کہانی سنا رہے تھے حواس ماننے سے انکاری تھے۔ وہ دل و دماغ کی کشمکش میں گم تھی کہ بھاری آواز اس کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی مانند اتری تھی۔

"لائبہ قدیر ولد قدیر احمد آپ کو بعوض ایک لاکھ حق مہر سکہ رائج الوقت زیب منصور ولد منصور احمد سے نکاح قبول ہے۔"

لائبہ قدیر اور زیب منصور..... دریا کے دو کنارے۔

"نکاح قبول ہے؟" امی کے ہاتھ کا دباؤ بڑھا۔

مشرق و مغرب' دن اور رات۔

"نکاح قبول ہے؟" ابو کا ہاتھ سر پہ ٹھہرا۔

بہار و خزاں' نرم اور سرد۔ کوئی بھی مماثلت نہیں تھی مگر سزا مقدر ٹھہری تھی۔

امی کی گرفت ڈھیلی ہوئی' ابو کا ہاتھ ڈھلکا' مولوی صاحب اٹھے اور بیٹی نے عزت کا بوجھ سر جھکا کے اپنی جان پہ اٹھالیا۔

"قبول ہے۔ اپنی انا کی موت۔"

"قبول ہے۔ آزادی سے غلامی کا سفر۔"

"قبول ہے۔ نفرت و بیگانگی کا تعلق۔"

خود کو کسی اور کا کرتے ہی سانسوں کی رفتار مدھم ہوئی' قلم ہاتھوں سے پھسل گیا تھا۔ اس نے آہستگی سے امی کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالا اور ابو کا ہاتھ سر سے ہٹایا' برزخ میں ڈال کر اسے دعاؤں کے ہار ڈالے جارہے تھے تو کیا کرتی ان دعاؤں کا۔ ان رشتوں کا کیا کرتی جنھوں نے اس کی ذات بے مول کردی تھی۔

ایک ایک کرکے سب کمرے سے نکل گئے تو اس نے کمرہ لاک کردیا' چادر اتار کے پرے پھینکی اور بیڈ پہ گرگئی۔ ناپسندیدہ انسان کی زندگی میں داخل ہونے کا کچھ غم تو بنتا تھا اور لائبہ قدیر اپنی خوشیاں اور غم پورے جوش سے مناتی تھی۔

شادی کے ہنگامے سرد پڑتے ہی ماحول کا تناؤ پوری شدت سے محسوس ہوا تھا۔ دونوں پورشنز ایک دم سنسان ہوگئے تھے۔ دانیال نے کچھ دنوں میں باہر چلے جانا تھا تو ویسے کے بعد کوئی روایتی طریقے کار نہیں اپنائے گئے تھے۔ وہ دونوں سب سے ملنے میں مصروف تھے اسی وجہ سے مائدہ میکے کا چکر نہیں لگا پارہی تھی۔ ریحانہ بیگم بیٹے کے تیور دیکھ کر ہلکان ہورہی تھیں جو صبح سویرے نکلتا اور رات گئے گھر میں قدم رکھتا تھا۔ ادھر صفیہ بیگم بھی پریشان تھیں تین دن گزر گئے تھے اور لائبہ صرف دو مرتبہ کمرے سے باہر نکلی تھی۔ آخر تھک کر ریحانہ بیگم نے اس سے بات کرنے کی ٹھانی اور اسی غرض سے وہ اس کے کمرے میں آ بیٹھی اور وہ ان کی طرف پشت کیے جانے کن سوچوں میں گم تھا۔

''زیب...... ایسے کب تک چلے گا؟'' وہ اس کی پشت دیکھتے ہوئے بولیں۔

''جب تک چل سکتا ہے اور پلیز امی مجھے اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنی۔'' وہ دوٹوک لہجے میں کہتے ہوئے مڑا اور اس کے ہاتھ میں سگریٹ دیکھ کر وہ ہک دھک رہ گئیں۔

''تم سگریٹ پینے لگے ہو؟''

''ہمم...... جب اندر آگ ہو تو باہر کی آگ سے فرق نہیں پڑتا۔'' اس نے سگریٹ سلگا کر ہونٹوں میں دبالیا۔

''زیب تمہارے ابو رخصتی کی بات کررہے ہیں اس وقت تم دونوں ڈسٹرب تھے تو یہ بات نہیں ہوئی تھی اب تم کیا کہتے ہو؟'' انہوں نے نئی بات سامنے رکھی تو وہ ہنس دیا اور اس کی ہنسی میں چھپا کرب دیکھ کر وہ چپ رہ گئیں۔

''پہلے کچھ میری مرضی سے ہوا جو اب ہوگا لیکن ایک بات آپ دونوں یاد رکھیے گا وہ لڑکی میری بربادی کی ذمہ دار ہے اور اب میں اسے برباد کرنے کے سارے حقوق رکھتا ہوں۔ بلکہ آپ کل ہی رخصتی کی بات کیجیے میں راضی ہوں۔'' اس کے لہجے میں بدلے کی آنچ تھی اور وہ محسوس کرکے بھی بے بس تھیں۔

''زیب...... وہ اچھی لڑکی ہے اسے سمجھو یقیناً تم مایوس نہیں ہوگے۔ ہر من پسند چیز مقدر نہیں ہوتی اس بات کو سمجھو اپنی اور اس کی زندگی اجیرن نہ کرنا۔'' انہیں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کس طرح سب نارمل کریں۔ ان کی اتنی نصیحتوں کے باوجود اس پہ کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اب یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا اس بات سے وہ بھی بے خبر تھیں۔

☆☆☆......☆☆☆

سارا دن کمرے میں مقید رہ کر وہ تھکنے لگی تھی اور باہر نکلنے کو دل نہیں کرتا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی اسے یہ رنگ دکھائے گی۔ کالج، پڑھائی، شرارتیں، گھومنا پھرنا سب ختم ہوچکا تھا۔ وہ چند لمحوں میں نادانی کی ساری سرحدیں پار کرگئی تھی۔ امی بارہا آئی تھیں مگر وہ منہ لپیٹے ہر دستک کو نظر انداز کرتی رہی۔ زیب منصور سے اسے الجھن تھی کیونکہ اس کا چڑاتا لہجہ اور حاکمیہ انداز وہ کبھی برداشت نہیں کرپائی تھی مگر اس سب میں نفرت کہیں بھی نہیں تھی۔ اس سب میں بھی وہ اسے اپنا دشمن نہیں سمجھتی تھی اور یہ سوچ تب تک تھی جب تک اس نے زیب منصور کے منہ سے اپنی ذات کے پرخچے اڑتے نہیں دیکھ لیے تھے اور وہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ اور الفاظ بھول نہیں پارہی تھی۔

وہ مائدہ کو بلانے کے لیے تایا کے پورشن میں گئی تھی کہ اسے سیڑھیوں پہ مائدہ نظر آئی ست روی سے وہ اس کے پیچھے جا کھڑی ہوئی کہ ارادہ اسے ڈرانے کا تھا مگر کمرے سے آئی تائی کی آواز اور اپنا نام اسے ساکت کرگیا۔ تائی کو ہمیشہ اس نے اپنی امی جیسا سمجھا تھا اور وہ اس پہ کسی دوسرے کو فوقیت دے رہی تھیں مگر مسئلہ فوقیت کا نہیں تھا وہ خود دس دفعہ زیب منصور کو انکار کرتی، مسئلہ اس کی ذات تھی۔ مائدہ نے کسی احساس کے تحت پیچھے مڑ کے دیکھا اور اسے کھڑے دیکھ کر پریشان ہوگئی۔ اس نے لائبہ کو کھینچ کر لے جانا چاہا مگر وہ آج سب سننا چاہتی تھی اور زیب منصور کے الفاظ سن کر اسے احساس ہوا تھا کہ آگاہی بعض مرتبہ بہت تکلیف دیتی ہے۔

''امی کوئی بھی لڑکی ہو مگر لائبہ قدیر نہیں۔'' اس نے سہارے کے لیے ریلنگ تھامی مگر ہاتھ پھسل گیا مائدہ نے جلدی سے اسے تھاما تھا آنکھوں کو زبردستی رگڑتے ہوئے وہاں سے بھاگ آئی تھی۔ مائدہ نے بارہا سمجھایا سب کے رویوں کی وضاحت دی مگر وہ کانوں سنا جھٹلا نہیں سکتی تھی۔

''مائدہ تمہارا بھائی سو دفعہ انکار کرتا پر میری ذات کو اس طرح تماشا نہ بناتا میں نے ہمیشہ انہیں عمر بھائی کی طرح سمجھا اگر میرے سامنے بات آتی تو میں انکار کردیتی مگر کبھی ان کے وقار کو نقصان نہیں پہنچاتی۔'' مائدہ کے بار بار سمجھانے پہ اس نے دو ٹوک جواب دیا تھا مگر دل تھا کہ تڑپتا رہتا اور اب وہ اسی شخص کی دسترس میں دے دی گئی تھی جس کی نظروں میں اس کا وجود دو کوڑی کی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔

''لائبہ...... دروازہ کھولو۔'' وہ اپنے ذات کے حساب کتاب

میں مگن تھی جب دروازے پہ دستک ہوئی' کوئی اور ہوتا تو وہ کبھی دروازہ نہیں کھولتی مگر آواز ابو کی تھی۔ اس نے بے دلی سے دروازہ کھولا اور دوبارہ بیڈ پہ بیٹھ گئی۔

ابو بیڈ پہ اس کے ساتھ بیٹھ گئے تھے۔ پہلو میں رکھے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا اور نہ جانے اس لمس میں کیا تھا کہ پتھرائی ہوئی آنکھیں پھر سے نم ہوگئی تھیں۔

"بیٹا...... آپ ہمیں بہت عزیز ہیں اور آپ کیسے سوچ سکتی ہیں کہ میں اور آپ کی امی آپ کے لیے غلط سوچ سکتے ہیں۔ جو ماں باپ انگلی پکڑ کے چلاتے ہیں وہ کبھی بھی بچوں کے قدموں سے زمین نہیں کھینچتے۔" انہوں نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"کاش ابو آپ لوگ ایک بار پوچھ لیتے' آپ کے خودساختہ فیصلے نے میری ذات کا مان چھین لیا۔"

"میں مانتا ہوں یہ سب جلدی میں ہوا اور آپ سے پوچھ نہیں سکے مگر مجھے یقین تھا کہ میری بیٹی کبھی انکار نہیں کرے گی۔" ان کے لہجے میں اس کے لیے فخر تھا۔

"آپ کا یقین مجھے لے ڈوبا۔"

"بیٹا...... زیب اچھا لڑکا ہے۔"

"مگر میں بہت بری ہوں۔"

"مجھے یقین ہے وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔"

"میرا یقین ہے وہ مجھے خوشی کا مطلب بھی بھلا دے گا۔"

قدیر صاحب اس کا ہاتھ تھامے بول رہے تھے اور وہ دل میں جواب دیتی سوچ رہی تھی کہ کاش والدین کی عزت کا شملہ بیٹیوں کے سر پہ نہ ہوتا' کم از کم وہ کھل کے سانس تو لے سکتیں۔ والدین کا مان رکھتے ہوئے وہ اپنا مان کھودیتی ہیں۔

"تمہارے تایا رخصتی چاہ رہے ہیں اور میں انہیں انکار نہیں کرپایا' مجھے امید ہے میری بیٹی سب ٹھیک کردے گی۔" ایک نیا یقین اس کے سپرد کیا گیا۔

"ابو...... کیا یہ سب ختم نہیں ہوسکتا؟" اس نے آس بھری نظروں سے باپ کو دیکھا' نرم آنکھوں میں یک دم تلخی اتری تھی۔

"کیا کوئی اور ہے۔" سوال نہیں کوئی دودھاری خنجر تھا جو اس کی روح تک کو زخمی کرگیا تھا۔ اس کے سارے اعتراض مٹی کا ڈھیر بن گئے تھے۔ ساری امیدوں کے پر جل کر خاک ہوگئے تھے۔ اس کا نفی میں سر ہلتا دیکھ کر وہ اٹھ گئے' یقیناً بات ختم ہوچکی تھی۔

"ابو...... میں کوئی شور شرابہ نہیں چاہتی اگر آپ چاہیں تو ابھی رخصتی کردیں۔" وہ لائبہ قدیر تھی جھٹ سے فیصلہ لینا اس کی فطرت تھی۔ ابو اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئے۔

آنکھوں کے آگے آنسوؤں کی دیوار تن گئی مگر ہر چیز سے بے نیاز ہوکر اس نے چیزیں نکالنی شروع کردیں' کچھ سوٹ' سینڈلز اور ضرورت کا سامان اٹیچی میں رکھا' دوپٹہ سر پہ لیتے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔ لاؤنج میں دونوں گھروں کے افراد بیٹھے تھے' اسے اور اس کے ساتھ موجود اٹیچی کو دیکھ کو یک دم خاموشی چھاگئی تھی۔

"تایا ابو...... میں ابھی آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوں۔" اس کی بات سب کو ساکت کرگئی تھی۔

"طیبہ اسے اندر لے کر جاؤ' اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔" امی غصے سے بولیں۔

"نہیں صفیہ...... اس نے کون سی غلط بات کی ہے' اگر اس کی مرضی ہے تو ابھی لے چلتے ہیں کون سا پرائے گھر جانا ہے۔" منصور احمد نے سب کو منع کیا۔

"مگر تایا جان ایسے کب ہوتا ہے' لوگ کیا کہیں گے۔" عمر بھائی بھی بول پڑے۔

"عمر لوگوں کا تو یہ ہی کام ہے' تم مذہب کو دیکھو تو بنیادی اہمیت صرف نکاح کی ہے جو کہ ہوچکا اور صورت حال کا تقاضا جلد از جلد رخصتی ہے۔ میں لائبہ کی بات سے متفق ہوں۔" ان کے مفصل جواب سے لاؤنج میں خاموشی چھاگئی تھی۔

"مائدہ کی غیر موجودگی میں رخصتی؟ اس کے اپنے بھائی کے حوالے سے کچھ ارمان ہیں۔" تائی جان کو بھی اعتراض ہوا۔

"اسے سمجھائیں گے تو سمجھ جائے گی اور سارے ارمان ولیمے میں پورے ہوجائیں گے۔" تایا جان ہر سوال کا جواب طے کیے بیٹھے تھے۔

وہ سب کو مطمئن کرکے اٹھے اور لائبہ کا سوٹ کس تھام لیا' امی ملنے کو آگے بڑھیں تو وہ سب سے پہلے باہر نکل گئی اور نکلنے سے پہلے اس گھر کے سارے قرض دروازے کی چوکھٹ پہ چھوڑ آئی تھی۔ رات قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی۔ سردیوں کا آغاز ہوچکا تھا' دس گیارہ بجے ہی سناٹا اپنے عروج پہ ہوتا تھا۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی سردی کی شدت سے بے حال ہورہی تھیں مگر زیب کے آنے کے کوئی آثار نہیں تھے۔ تب وہ مایوس ہوکر اپنے کمرے میں چلی گئیں تھیں۔

وہ عدنان سمی کا گانا گنگناتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا اور اندھیرے میں ہی واش روم میں داخل ہوگیا' روم میں آکر

کھڑکیاں کھولیں اور سگریٹ سلگالیا۔ اچانک نظر چچا کے پورشن کی طرف گئی تو لائبہ کے کمرے کی لائٹ آف دیکھ کر چونکا۔ ساری رات وہ یہاں کھڑا ہوکر سگریٹ پیتا اور ساری رات اس کے کمرے کی لائٹ آن رہتی' وہ یہی سوچتا جانے ساری رات کیا کرتی ہے اور اب اندھیرا دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی۔ اس نے نظریں وہاں سے پھیر کر آسمان کی طرف کرلیں' دھند نے سارے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ کبھی یہ سرد موسم اس کا جنون تھا اور اب باہر کی خزاں اس کے اندر چھا گئی تھی۔ سرد ہوائیں اندر کی آگ بجھانے سے قاصر تھیں۔

"میرا مرنے کا کوئی ارادہ نہیں اگر آپ کی خواہش ہے تو چھت پہ جا کر شوق پورا فرمائیں۔" وہ چاند کی روشنی دیکھنے میں مگن تھا کہ بہت قریب سے نسوانی آواز سنائی دی' ایک دم وہ اچھلا اور ہاتھ میں پکڑا سگریٹ ہاتھ جلاتا ہوا نیچے گر گیا۔

اس نے پل کے ہزارویں حصے میں آواز پہچانی اور اپنی جگہ ساکت ہوگیا۔ زیب نے جلدی سے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی' اس کا سکون حرام کرکے وہ محترمہ نہایت سکون سے آرام فرما تھیں وہ بھی اس کے بیڈ پر۔

"تم یہاں کیا کررہی ہو؟" وہ اس کے سر پہ کھڑا تلخی سے پوچھ رہا تھا مگر جواب ندارد۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے؟" اس نے لائبہ کے چہرے سے کمبل ہٹایا۔

"اس جواب کے لیے صبح کا انتظار کریں اور برائے مہربانی کھڑکیاں بند کردیں۔" اس کے ہاتھ سے کمبل چھینتے ہوئے وہ دوبارہ سر تک تان چکی تھی۔

"افف میرے اللہ...... یہ عذاب اتنی جلدی مجھ پہ مسلط ہوگیا۔" اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھاما مگر یہ کیفیت چند پل کی تھی۔ وہ غصے سے بھرا دوبارہ اس کے سر پہ کھڑا تھا۔

"یہ میرا بیڈ ہے' اس لیے یہاں سے اٹھو کوئی اور ٹھکانہ ڈھونڈو۔" اس نے کمبل کھینچا۔

وہ ایک لمحے میں اٹھ بیٹھی' کپڑوں کو جلدی سے ٹھیک کرتے اپنے گرد چادر پھیلالی۔ ایک پل آنکھوں میں نمی جھلکی مگر وہ اس انسان کے سامنے خود کو کمزور نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"میں نے سنا تھا کہ مجھ میں تمیز نہیں ہے لیکن بدتمیزی کا مظاہرہ آپ کررہے ہیں۔ آئندہ ایسی حرکت کرنے سے پہلے دس دفعہ ضرور سوچیے گا۔" اس نے زیب منصور کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور اس کے پاس سے گزر کر دروازے کے پاس آکھڑی ہوئی۔ کمرے میں بیڈ کے علاوہ لیٹنے کی کوئی جگہ نہیں تھی اور کرسیوں پہ سویا نہیں جاسکتا تھا۔ وہ مجبوراً بیڈ پہ لیٹی تھی ورنہ اس انسان سے سو قدم دور رہنا اس نے خود پہ فرض کرلیا تھا۔ وہ مزے سے کمبل تان کر لیٹ گیا تو شل ہوتی ٹانگوں سے وہ کرسی پہ آبیٹھی' شال کو اچھے سے اپنے گرد لپیٹا اور ٹانگیں جوڑ کے کرسی پہ ہی رکھ لیں۔ زندگی کی بدترین راتوں میں ایک اور رات کا اضافہ ہوا تھا۔

صبح کا سورج کچھ نیا لے کر نہیں آیا تھا سوائے اس کے کہ سارے خاندان تک اس کی رخصتی کی اطلاع پہنچ چکی تھی اور ولیمے کے لیے باقاعدہ کارڈ چھپوائے گئے تھے۔ زیب منصور کے اٹھنے سے پہلے سارے امور سرانجام پا چکے تھے اور وہ خاموشی سے سب ہوتا دیکھتی رہی۔ تایا کے کمرے سے اس کے بولنے کی آوازیں آتی رہیں اور پھر غصے سے بھرا وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ آج اس کی نظروں میں وہی ہتک تھی جو اس کے لفظوں کی صورت وہ پہلے بھی سن چکی تھی۔

"بہت شوق ہو رہا تھا ناں میری زندگی میں آنے کا جو راتوں رات سامان اٹھائے چلی آئی' یہ ساری سازش تمہاری تھی' جب تمہیں یہ پتا چلا کہ میں بھابی کی بہن کو پسند کرچکا ہوں تو تم نے یہ ڈرامہ کھیلا۔ اب میں تمہیں بتاؤں گا کہ کسی کی ذات اور خوشیوں کے ساتھ کیسے کھیلتے ہیں' تم اس حد تک گر جاؤ گی میں نے سوچا بھی نہیں تھا لیکن اب سارے حساب بے باک ہوں گے تو بس اب انتظار کرو اور دیکھتی جاؤ میں کیا کرتا ہوں۔" اس کی ذات پہ الزامات کی بوچھاڑ کرتے' راستے میں آنے والی ہر چیز کو ٹھوکر مارتے وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

"کاش یہ سب سننے سے پہلے موت آجاتی۔" وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی۔

جانے کتنے ہی پل وہ وہیں بیٹھی رہی' ہوش تو تب آیا جب کسی کے ہاتھوں کا دباؤ محسوس ہوا اس نے نم پلکیں اٹھا کر آنے والے کو دیکھا اور مسیحا سامنے پاکر سارا ضبط بکھر گیا۔

"لائبہ قدیر بہت بہادر ہے ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں اسے ہرا نہیں سکتیں۔" شاید وہ سب سن چکی تھی تبھی حوصلہ دے رہی تھی۔ اس کی تسلی سن کے وہ اور بکھر گئی۔

مائدہ سارا دن اس کے ساتھ رہی تھی۔ کالج کی کئی باتیں سنا سنا کر اسے ہنسانے کی کوشش کرتی رہی' دوستوں کی باتیں اور نہ جانے کون کون سے قصے تھے جو وہ لے بیٹھی تھی۔ اسے دانیال

نے واپس لینے آنا تھا تبھی تائی جان نے اسے تیار ہونے کا کہا اور مائدہ فوراً اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔

"یہ لازمی نہیں کہ ہم دکھوں کے اشتہار چہرے پہ لگالیں' کچھ کام دنیا کو دکھانے کے لیے بھی ہوتے ہیں۔" اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود وہ اسے اچھا خاصا تیار کرچکی تھی۔

مائدہ کو لینے دانیال کے ساتھ اس کی ساس بھی آئی تھی اور جس طرح وہ تنقیدی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں تیار ہونے کا فیصلہ اسے درست لگا تھا۔ وہ کیوں سب کے سامنے اپنی ذات کو تماشا بناتی مگر زیب منصور کی طنزیہ نگاہیں اس کی روح چھید رہی تھیں۔ جیسے ہی مائدہ گئی پل کی تاخیر کیے بنا وہ کمرے کی طرف آئی' تائی جان کے دیئے زیور اتارے اور واش روم میں گھس گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر پلٹی تو دھک سے رہ گئی' اپنی طنزیہ نظروں سمیت وہ واش روم کے دروازے میں کھڑا تھا۔

"مسز لائبہ زیب منصور..... آپ شاید میرے لیے تیار ہوئی تھیں مگر یہ کیا؟ میرے دیکھنے سے پہلے ہی ساری محنت پانی میں بہادی۔" وہ اسے زہر سے بھی زیادہ برا لگا۔ اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ دروازہ کی سمت دیکھنے لگی' جس طرح وہ کھڑا تھا کسی صورت وہ باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ اس کی نظروں کا ارتکاز سمجھ کے وہ پیچھے ہوا تو فوراً وہ واش روم سے نکلی مگر ایک جھٹکے نے اس کے قدم روک لیے تھے۔ وہ حیرت سے مڑی اور اپنی کلائی کو بے بسی سے اس کی گرفت میں پھنسا دیکھا۔ دو قدم چل کے وہ اس کے قریب آیا تو مارے ڈر کے اس کی جان نکلنے کے قریب ہوگئی۔

"کیا تمہارا دل نہیں کرتا کہ میں تمہیں سراہوں' تمہاری سمندر سی گہری آنکھوں کی تعریف کروں' تمہیں بتاؤں کہ تمہاری ناک میں چمکتا لونگ کس طرح مجھے خیرہ کرتا ہے؟" وہ اس کے چہرے کو اپنی نگاہوں کے حصار میں لیے ہوئے تھا۔

"بولو کیا تمہارا دل نہیں کرتا؟" لائبہ کی خاموشی پہ اس نے کلائی کو جھٹکا تو ہلکی سی آہ اس کے لبوں سے نکل گئی۔

اس کے تیور دیکھ کر وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ ہاں کہے یا انکار کرے' اس زیب منصور کو تو وہ جانتی ہی نہیں تھی جو نظروں میں عجیب سے جذبے لیے سامنے کھڑا تھا اور جانے ان آنکھوں میں کیسا سحر تھا کہ وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔ اس کی ہاں کے ساتھ ہی زیب منصور کی آنکھوں کے رنگ بدلے تھے۔ طنز' تحقیر' ذلت کیا کیا رنگ نہیں ابھرے تھے اور ایک دم ہی ہنسی کا فوارہ نکلا تھا۔

"اپنی بے گناہی کے اتنے ثبوت نہ دیا کرو لائبہ قدیر۔ تمہارے دل میں چور تھا اور یہ ہی تمہاری حقیقت ہے۔" اس کی کلائی ایک جھٹکے سے چھوڑتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔

وہ وہیں ساکت رہ گئی تھی۔ ایک پل میں اسے عرش سے فرش پہ گرادیا گیا تھا۔ اپنے نام سے معتبر کرکے پھر یوں بے مول کردے گا یہ تو اس کے وہم وگمان میں نہیں تھا۔

"اور ہاں کل ولیمے کی شاپنگ کے لیے مارکیٹ جانا ہے تیار رہنا' تمہارے سسر جان کا حکم ہے۔" بیڈ پہ لیٹتے ہوئے ایک اور شاہی فرمان جاری ہوا تھا۔ وہ شخص ہر رشتے کو مذاق بناتا جا رہا تھا۔

وہ خاموشی سے کرسی پہ بیٹھ گئی تھی' یقیناً آج کی رات بیٹھ کر سوتے ہوئے اسے کسی درد کا احساس نہیں ہوگا۔ اس شخص کا کوئی احسان لینے سے اچھا تھا وہ اسی کرسی پہ سردی سے اکڑ جائے۔ وہ اس گھاٹ پہ پیاسا مار رہا تھا کہ وہ اپنی نظروں میں ہی گر گئی تھی۔ وہ اس رشتے کا فائدہ اٹھا کر اسے دو کوڑی کا کرنے کی کوشش میں مبتلا تھا۔ سردی کی شدت سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ غصے میں گھر سے نکلتے ہوئے وہ کوئی گرم چیز یا سویٹر ساتھ نہیں لے پائی تھی اور یہاں وہ کسی کا احسان نہیں لینا چاہتی تھی۔ زیب منصور سب کے سامنے اچھا بننے کے لیے اسے شاپنگ کے لیے ساتھ لے آیا مگر اب وہ اس کی سزا لائبہ کو دے رہا تھا۔ سارے بازار میں گھمانے کے بعد بھی اسے کچھ پسند نہیں آرہا تھا اور وہ مر کے بھی اپنی رائے دینا نہیں چاہتی تھی۔ بازار کی کوئی بھی شاپ اس نے نہیں چھوڑی تھی اور اب کسی جاننے والے کی بوتیک پہ بیٹھا تھا۔ اس کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ اسے یہیں آنا تھا تو یقیناً یہ سب اسے زچ کرنے کے لیے تھا۔

"یار..... تم بھابی کو ساتھ لائے ہو تو انہیں پسند کرنے دو' اپنی مرضی ہی کرتے جا رہے ہو۔" اس کا دوست آخر کار بول ہی پڑا۔

"تیری بھابی وہی پہنے گی جو مجھے پسند ہوگا کیونکہ دیکھنا بھی تو میں نے ہے ناں۔" نرم لہجے میں جواب دیتے ہوئے اس نے دوست کو آنکھ ماری تو دونوں بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔

وہاں سے سیدھا وہ اسے پارلر چھوڑ گیا تھا' یقیناً یہاں بھی ہدایات دی جاچکی تھیں۔ اس کی نانا کے باوجود وہی کیا گیا تھا جس پہ اس کی آنکھیں بھر بھر آئی تھیں' اس کے سارے احتجاج کا صرف ایک ہی جواب ملتا۔

"سوری میم ہمیں یہ ہی آرڈر ہے۔"

آج کا دن منحوس ترین تھا۔ سارا دن بازار کی خواری اور اب

شیشے میں خود کو دیکھ کر اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ کمر سے نیچے جاتے بال جن میں اس کی جان تھی اب کندھوں سے تھوڑے نیچے تھے۔ وہ شخص ہر اس چیز پہ وار کر رہا تھا جہاں اسے سب سے زیادہ تکلیف ہوتی تھی۔

''اس میں اتنا رونے والی کیا بات ہے' تمہارا فرض ہے خود کو میری پسند کے مطابق ڈھالنا اور مجھے چھوٹے بال پسند ہیں۔''
اس کی افسردگی دیکھ کر اس نے نئی چوٹ کی۔

''سارے فرائض میرے ہی نہیں ہیں' کچھ فرض آپ کے بھی بنتے ہیں۔'' وہ ایک دم غصے سے چیخی۔

بول میرے خاموش سجن!
اشک اچھے کہ تارے
پیاس اچھی کہ دھارے
یک موج ہونا بہتر ہے
یا دُور دُور کنارے!
بول میرے خاموش سجن!
عُمر تو یونہی بیت چلی!
شب چاہیے کہ تُو
چُپ چاہیے کہ تُو
مسکان ہونا بہتر ہے
یا زرد لبوں کی لو!
بول میرے خاموش سجن!
عُمر تو یونہی بیت چلی!

وہ آہستگی سے چلتا ہوا اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا اور جذب سے نظم پڑھی مگر اس دفعہ وہ دھوکہ میں نہیں آئی تھی۔

''تمہیں پریشان ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی ان آنکھوں کو پریشانی میں مبتلا کرو' کل پورے استحقاق سے میں اپنے سارے فرائض ادا کروں گا۔'' چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھنے کے بعد وہ واپس پلٹ گیا۔ اس کی بات کو اور رنگ دے کر وہ اسے نئی اذیت میں مبتلا کر گیا تھا۔ آج کی رات پھر سے بھاری تھی۔

میرج ہال کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بار بار اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور ہر بار زیب منصور سہارا دے رہا تھا۔ وہ ہاتھ آگے بڑھاتا اور لائبہ قدیر ہاتھ جھٹک دیتی۔ پارلر سے میرج ہال کا راستہ ہی بہت اذیت ناک تھا اور اب آگے وہ اس شخص کا ساتھ نہیں چاہتی تھی۔ پارلر میں بلیک اور سلور کام والی ساڑھی اس کے سامنے کی گئی تو بے ساختہ آنکھوں سے آنسو چھلک آئے تھے۔ اس نے زندگی میں کبھی ساڑھی نہیں باندھی اور آج اتنے لوگوں کے سامنے وہ اسے لے جا رہا تھا۔ اس پہ ساڑھی کے ساتھ اونچی ہیل۔ وہ جتنا اسے کوس سکتی تھی اتنا کوس رہی تھی اور اب بار بار اس کا ہاتھ پرے کرتے اسے ذرا فکر نہیں تھی کہ کون دیکھ رہا ہے۔

اسٹیج پہ بھی ایک لمحے کو وہ دور نہیں ہوا تھا' ایسے مسکرا مسکرا کے گفتگو کر رہی تھا جیسے لائبہ قدیر زندگی بھر کا حاصل ہو اور رہی سہی کسر فوٹو سیشن میں پوری ہوگئی۔ فوٹو گرافر کئی مرتبہ اسے کہہ چکا تھا کہ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھے مگر اسے زیب منصور کی آنکھوں سے نفرت تھی۔ جو پہلے اسے مقید کرتیں اور پھر اس کی قید پہ قہقہے لگاتیں۔

اللہ اللہ کر کے فنکشن ختم ہوا مگر اس کی آنکھوں کے آگے چھاتا اندھیرا اسے بے بس کر رہا تھا۔ ساری انا اور غیرت ایک طرف رکھ کر اس نے اپنے گھر جانے کا سوچ لیا کیونکہ اتنے دنوں کی بے خوابی نے اس کی ساری ہمت ختم کر دی تھی۔ سب لان میں جمع تھے اور گفتگو کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھی' لان کراس کر کے اپنے پورشن کی طرف آگئی۔ جلدی سے زیورات اتارے' کپڑے بدلے اور سکون سے بیڈ پہ لیٹ گئی۔ اتنے دنوں کی تھکن تھی یا اپنے کمرے کی ملکیت کا احساس کہ پل میں وہ غافل ہو چکی تھی۔ نہ جانے کتنا وقت گزرا تھا کہ عجب احساس سے اس کی آنکھ کھل گئی' ہلکی سی روشنی میں گھڑی دیکھی جو رات کے دو بجا رہی تھی۔ اس نے اپنے اوپر پڑا کمبل دیکھا تو حیرت ہوئی وہ تو بغیر کمبل کے ہی لیٹ گئی تھی اور نیند سے اتنا برا حال تھا کہ کچھ لینے کا ہوش نہیں تھا۔

''تم کس کی اجازت سے ادھر آئی تھیں؟'' زیب منصور کی آواز پر وہ چونکی۔

''آپ......؟'' وہ زیب منصور کو یوں اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے لائبہ قدیر۔'' وہ دبی آواز سے غراتے ہوئے بولا کہ وہ سہم کر تھوڑا سا پیچھے ہوئی۔

''میں ایسے ہی آئی تھی نہ جانے کیسے آنکھ لگ گئی۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے وضاحت دی۔

''تم میری ملکیت ہو اس لیے آئندہ ایسی جرأت مت کرنا ورنہ نتائج کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔'' اس کی آنکھوں کے تاثرات ناقابل فہم تھے۔

"میں آپ کی ملکیت نہیں ہوں' آپ اس طرح مجھ پہ دھونس نہیں جما سکتے۔" اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تھا۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔ زیب منصور اس کے تیور جانچ رہا تھا اور ایک دم اسے کندھوں سے تھاما تو وہ دھک رہ گئی۔

"میرے کہے بنا تم نے کپڑے کیوں بدلے۔ تم واقعی نہیں چاہتی کہ تمہیں سراہا جائے۔" وہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے میں ماہر تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ زیب منصور ایسا ہوسکتا ہے۔

اس نے خاموشی سے اس کے ہاتھ پرے کیے اور واش روم میں چلی گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر ساڑھی دوبارہ باندھی اور بال کھلے چھوڑ کر باہر نکل آئی مگر خالی کمرہ اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ وہاں زیب منصور کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔

"تو کیا وہ میرے حواس پہ اس قدر حاوی ہوچکا کہ میں یوں پاگلوں جیسی حرکتیں کرنے لگی ہوں۔" وہ بے جان سی بیڈ پہ بیٹھ گئی۔

سائیڈ ٹیبل سے کیچر اٹھا کے بال باندھنے لگی تو نظر چند پیپرز پہ پڑی تھی۔ ٹکٹ پہ اس کا نام لکھا تھا' معاملہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ اسی پل اس کے موبائل پہ میسیج ٹون بجی تو اس نے موبائل تھاما۔

"کل شام سات بجے اسلام آباد کے لیے فلائیٹ ہے اور زیب منصور پہ ابھی یہ دن نہیں آئے کہ وہ لائبہ قدیر کو سجا سنورا دیکھنے کی خواہش میں تڑپے۔" یہ میسیج اسے منہ پہ طمانچے کی صورت لگا تھا۔

"بس بہت ہوا زیب منصور' لائبہ قدیر کوئی کھلونا نہیں جس سے تم اپنی مرضی سے کھیلو' تم اکیلے کھیلتے آرہے ہو اب لائبہ قدیر تمہارے ہر وار کے لیے تیار ہے۔" آنکھوں میں آئی نمی کو پیچھے دھکیلا اور ٹکٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے زمین پہ پھینک دیے۔

وہ سارا دن عجیب کشمکش میں مبتلا رہی۔ جیسے ہی زیب منصور گھر آیا وہ تایا کے پورشن میں آگئی۔ تائی جان کو سلام کرتے ہوئے وہ سیدھا کمرے میں چلی آئی' وہ سامنے ہی پیکنگ کرنے میں مصروف تھا' اسے دیکھ کر تلخی سے مسکرایا مگر آج لائبہ قدیر مطمئن تھی۔

"پندرہ سے بیس منٹ ہیں ہمارے پاس جلدی سے ریڈی ہوجاؤ اور گرم کپڑے زیادہ رکھنا۔" اسے ایک جگہ کھڑے دیکھ کر اس نے کہا اور واش روم میں چلا گیا۔

اس کے لیے یہ چند منٹ بھی کافی تھے' اس نے ٹکٹ کے ٹکڑے زیب کے موبائل کے نیچے رکھے اور اس کا پیک کیا سارا بیگ کھول کر بیڈ پہ بکھیر دیا' ایک تلخ نظر واش روم پہ ڈالی اور کمرے سے نکل آئی۔ نیچے تایا جان کے پاس رک کر زیب کی طرف سے ہنی مون کینسل کرنے کی اطلاع دے کر واپس اپنے پورشن میں آگئی۔ اب اسے ردعمل کا انتظار تھا اور اس کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وہ چند لمحوں میں اس کے سامنے تھا۔

"میں تم سے تمہاری حرکت کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔" اس کے سامنے ہاتھ باندھے وہ کرخت لہجے میں بولا۔

"کون سی حرکت؟" اس کی معصومیت انتہا پہ تھی۔

"لائبہ قدیر...... مجھے کوئی انتہائی قدم اٹھانے پہ مجبور نہیں کرو' تم نے یہ سب کیوں کیا؟" اس کی پیشانی پہ پڑے بل اس کے غصے کی گواہی دے رہے تھے۔

"کیونکہ میں آپ کو ابھی اس قابل نہیں سمجھتی کہ آپ کے ساتھ ہنی مون پہ جاؤں۔" اس کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ زیب منصور کا ہاتھ اس کے چہرے پہ انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا۔ وہ لڑکھڑا کے پیچھے جا گری تھی۔ وہ چہرے پہ ہاتھ رکھے ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں سے متواتر بہتے آنسو اور بھنچے ہوئے ہونٹ اس کی اذیت ظاہر کررہے تھے۔

"آئندہ کچھ بھی ایسا کرنے سے پہلے یہ تھپڑ یاد رکھنا۔" اس کے پاس بیٹھ کر انگلی اٹھا کے وارن کیا' اس کے چہرے پہ تلخی سے بھرپور نظر ڈالی اور کمرے سے نکل گیا۔

زندگی ہر طرح سے جمود کا شکار ہوگئی تھی' دونوں گھروں میں خاموشی چھا گئی تھی۔ یقیناً بڑوں کو احساس ہوگیا تھا اور وہ ان دونوں کو سوچنے کا موقع دے رہے تھے مگر لائبہ قدیر اس شخص کی پرچھائی سے بھی دور رہنا چاہتی تھی۔

اس نے خود کو حالات کے دھارے پہ چھوڑا' دوستوں سے رابطے کیے اور یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا۔ اکثر یونیورسٹی جاتے ہوئے زیب منصور سے ٹکراؤ ہوتا مگر دونوں کے رویے ایک دوسرے کے لیے موسم کی طرح سرد تھے۔ ایک دوسرے کی طرف نظر ڈالنا بھی شجر ممنوعہ قرار پایا تھا۔ انہی دنوں اسے خبر ملی کہ زیب منصور کی پوسٹنگ اسلام آباد ہوگئی ہے تو نہ جانے کیوں دکھ کی لہر اس کے وجود میں سرایت کرگئی' تو وہ شخص اپنی انا کا اتنا پیارا تھا کہ کوئی نرم احساس اس کے دل میں جگہ نہ بنا پایا تھا۔

یونیورسٹی روڈ کے سارے درخت خزاں کے باعث ویران

ہو چکے تھے۔ درختوں کے پتے شاخوں سے بچھڑ کر زمین پہ بکھر چکے تھے‘ ان زرد پتوں کی اپنی شاخ سے محبت تھی کہ وہ خود کو مٹا کر درخت نئے سرے سے آباد کر جاتے ہیں اور محبت کا ایسا وصف قدرت کسی کسی کو عطا کرتی ہے۔ زرد محبت خاص دلوں کو ودیعت کی جاتی ہے۔ سارے اسٹوڈنٹس ان پتوں کو روندتے ہوئے چلے جاتے اور وہ زرد محبت کی علامت سے پرے ہو کر گزرتی تھی۔

وہ مین گیٹ تک پہنچی تھی جب ایک کلاس فیلو اس کے پاس آیا‘ وہ غائب دماغی میں نوٹس کیمپس کے لان میں بھول آئی تھی اور وہ بیچارا کہاں کہاں کی خاک چھان کر اس تک پہنچا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے تھینکس کہا تو احساس ہوا کہ وہ مسکرانا بھول گئی ہے۔ تو وہ شخص میری مسکراہٹ بھی لے گیا۔ وہ نوٹس لے کر مڑی تو اسے دور جاتے شخص پہ زیب منصور کا گمان ہوا مگر اپنے خیال کو جھٹکتے ہوئے بس اسٹاپ کی طرف چل دی۔ اس شخص کی منزل لائبہ قدیر کبھی بھی نہیں تھی مگر نہ جانے کیوں وہ کیوں ہر قدم پہ ٹھٹک کر رک جاتی تھی۔ انہیں سوچوں میں گھری گھر تک آئی تو وہ جانے کے لیے تیار تھا‘ سبھی الوداع کہنے کے لیے گیٹ تک آئے ہوئے تھے۔ دماغ کی ہزاروں دلیلوں کے باوجود چند لمحوں کے لیے اس کے قدم رکے تھے اور یہ پل دو پل کا رکنا مقابل محسوس نہ کرسکا تو وہ خاموشی سے آگے بڑھ گئی اس بات سے بے خبر کہ دو سلگتی نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

گھر والوں کے ہزار ہا روکنے کے باوجود وہ اسلام آباد چلا آیا تھا۔ سب کا خیال تھا کہ وہ حالات سے بھاگ رہا ہے اور درست خیال تھا۔ وہ دل کی ماننے سے منکر ہو رہا تھا اور دماغ کی ماننا نہیں چاہتا تھا‘ ایسے میں جگہ کی تبدیلی اسے ٹھیک لگی تھی مگر زرد موسم اور تنہائی نے اس کے اندر مزید اداسی بھر دی تھی۔ رخصتی کے لیے وہ بالکل تیار نہیں تھا‘ یہ طے تھا کہ ہونی ہے مگر اتنی جلدی کی اسے امید نہیں تھی۔ غصے میں آ کر اس نے لائبہ کو بیڈ سے اٹھا تو دیا تھا اگر وہ ساری رات کرسی پہ بے چین رہی تھی تو سو وہ بھی نہیں پایا تھا۔ کئی دفعہ اٹھ کے اسے دیکھا اور چاہا بھی کہ اس کو کمبل اوڑھا دے مگر ہر دفعہ قدم رک جاتے تھے۔

مائدہ کو لینے دانیال اور خالہ آئیں تو لائبہ بھی تیار تھی نہ جانے کیوں اسے خوشی ہوئی تھی لیکن جب دانیال نے مائدہ سے کہا کہ وہ بھی لائبہ کی طرح لمبے بال رکھے تو اس کی ساری خوشی ختم ہوگئی۔ اس نے پہلی دفعہ اسے غور سے دیکھا تو احساس ہوا اس کے بال واقعی بہت خوب صورت تھے۔ مہمانوں کے جانے کے بعد کمرے میں پہنچا تو وہ منہ ہاتھ دھو چکی تھی مگر دھلا دھلایا چہرہ بھی جاذبیت لیے ہوئے تھا۔ اس کا دل چاہا لائبہ کی تعریف کرے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں کر بھی دی مگر اس کی آنکھوں کے رنگ بدلتے دیکھ کر مائدہ کی مہندی والی رات چھم سے آنکھوں میں آن سمائی اور سارا منظر بدل گیا۔ وہ کیا کیا کہتا رہا اسے احساس ہی نہیں ہوا۔

ولیمے کی شاپنگ کے لیے اسے سارا بازار گھماتے ہوئے اس نے بارہا بات کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ وہ اسے اس رشتے کے لیے وقت دینا چاہتا تھا مگر سب کچھ الٹ ہو رہا تھا۔ پارلر پہ اس نے سارا آرڈر خود دیا تھا کیونکہ وہ اسے اپنی پسند کے مطابق تیار کروانا چاہتا تھا۔ اس نے ہمیشہ سے سوچ رکھا تھا کہ اپنی بیوی کو ساڑھی پہنائے گا اور اب اگر بیوی لائبہ قدیر تھی تو وہ خواہش کیوں بدلتا‘ ولیمے کے بعد وہ اچانک سب کے درمیان سے اٹھ کے چلی گئی تو اسے احساس نہیں ہوا مگر رات میں اسے کمرے میں ناپا کر بے انتہا غصہ آیا تھا۔ پھر لائبہ کے کمرے کی کھڑکی کھلی پا کر وہیں سے اندر داخل ہوا۔ وہ سوئی ہوئی اس قدر معصوم لگ رہی تھی کہ کچھ انوکھا سا احساس ہوا۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اب یہ سارا سلسلہ ختم کردے گا‘ زندگی کبھی تو نارمل ہونی تھی تو آج سے کیوں نہیں؟ مگر پھر سب کچھ بگڑتا چلا گیا۔

وہ آئی اور ہنی مون کا پلان تباہ کرگئی‘ ابو کے سامنے سارا الزام اس کے سر ڈال گئی۔ وہ سب کچھ برداشت کرلیتا مگر اپنے لیے اس کے الفاظ اسے اذیت میں مبتلا کر گئے تھے اور نہ جانے کیسے اس کا ہاتھ اٹھا اور وہ ہو گیا جس نے کئی دن نیند اس کی آنکھوں سے دور رکھی تھی۔ وہ چاہ کر بھی لائبہ قدیر سے معافی نہیں مانگ پا رہا تھا اور اس کی بے رخی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ پاس سے ایسے گزر جاتی جیسے تعلق کی کوئی ڈور ان دونوں کے درمیان نہیں‘ انہی سوچوں میں اسلام آباد جانے کا دن آ پہنچا تو دل کی تاویلوں کو مانتے ہوئے اس کی یونیورسٹی چلا آیا مگر لائبہ قدیر کو کسی کے ساتھ دیکھنا اس کی برداشت سے باہر تھا۔ عجب زرد سا ان کا تعلق تھا۔ پاس رہنا بھی نہیں اور دور ہونا بھی نہیں۔

اسلام آباد میں دس دن بھی مشکل سے کٹے تھے‘ یادوں کا تسلسل ایک لمحہ نہیں ٹوٹا تھا۔ تنہائی میں ہر پل اسے سوچا جس سے دوری خود اس کی پسند تھی اور بالآخر ویک اینڈ پہ وہ واپس جا رہا تھا۔ وہ دس دن بعد واپس آیا مگر اسے صدیوں کا سفر لگ رہا تھا۔

گھر سے ہو کر چچی جان کی طرف آیا مگر وہ کہیں بھی نہیں تھی۔ سب کے پاس بیٹھ کر وہ واپس آ گیا' کچھ گھنٹوں بعد مائدہ بھی آ گئی تو گھر میں رونق ہو گئی تھی۔ اس کے جانے کی تیاری مکمل تھی اور وہ چند دن یہاں گزارنے آئی تھی۔

وہ کمرے کی کھڑکیاں کھولے چچا کے پورشن کی طرف دیکھنے میں محو تھا کہ شاید اس کی ایک جھلک نظر آ جائے جب کہ کمرے میں کھٹکا ہوا۔ مائدہ آہستگی سے چلتے ہوئے اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔

"بھائی مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔" مائدہ کے لہجے نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

"ایسی کون سی بات ہے جو تم پریشان ہو رہی ہو؟" وہ الجھا تھا۔

"لائبہ کو ہمیشہ میں نے بھابی کی صورت میں دیکھا تھا' آپ کے ساتھ مجھے وہ شروع سے اچھی لگتی تھی مگر امی کے ساتھ آپ کی گفتگو مجھے گہرے دکھ میں مبتلا کر گئی' آپ کی ساری باتیں لائبہ نے بھی سن لی تھیں۔ آپ کی باتوں نے مجھ سے میری دوست چھین لی تھی' میری کئی کوششوں کے بعد بھی وہ نارمل نہیں ہو پا رہی تھی اور ایسے میں بھابی کی بہن کو پسند کر کے آپ نے مجھے اور تکلیف دے دی تھی۔ اب میرے پاس ایک ہی راستہ تھا جو میں نے اپنایا' جو میں نے چاہا تھا وہ ہو گیا مگر میں آپ کو خوشیاں نہیں دے سکی۔ شاید میری سوچ حماقت کے سوا کچھ نہیں تھی۔ پلیز مجھے اس سب کے لیے معاف کر دیں۔" مائدہ ان دونوں کی حالت دیکھ کر ازحد دکھی ہو گئی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں' تم پریشان مت ہو۔ تمہارا طریقہ غلط تھا مگر ہمارا ساتھ یونہی لکھا تھا۔" آج آخری کانٹا بھی اس کے دل سے نکل گیا تھا۔

مائدہ کو تو مطمئن کر دیا تھا مگر سب سے اہم مرحلہ باقی تھا اور بنا وقت ضائع کیے وہ اس کے سامنے تھا۔ لائبہ قدیر کی آنکھوں میں حیرت کے رنگ اترے تھے۔

"میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" بہت کچھ کہنے کی خواہش رکھنے کے باوجود صرف یہ ہی الفاظ نکلے تھے۔ لائبہ قدیر بالکل ساکت کھڑی تھی اور لمحے کے ہزارویں حصے میں اسے بات سمجھ آ گئی تھی۔

"آج میں خود تمہیں سراہنا چاہتا ہوں' کیا مسز لائبہ زیب منصور مجھے ایک اور موقع دیں گی؟" اس کا ہاتھ پکڑے وہ ملتجی ہوا۔

اس نے اپنے ہاتھ جھٹکے اور زیب منصور کو دونوں ہاتھوں کے زور سے پیچھے دھکیل دیا' وہ اسی سلوک کا حق دار تھا۔

"مجھے جتنا چاہے دھتکار لو برا بھلا کہہ لو مگر معاف کر دو۔" وہ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا اور لائبہ قدیر جی جان سے چونکی۔

"جتنے چاہے تھپڑ مار لو مگر میری محبت قبول کر لو۔" اس نے اپنا چہرہ پیش کیا۔

لائبہ قدیر کی ساری انا ریت کی طرح مٹھی سے پھسل گئی تھی۔ وہ روتے ہوئے زیب منصور کے سامنے بیٹھ گئی کہ آج اسے اس شخص کے سامنے رونے میں کوئی عار نہیں تھا۔ محبوب کے سامنے درد بہانے پہ مرہم بھی سب سے اعلیٰ ملتا ہے۔

"آپ بہت برے ہیں۔"

"تم بہت اچھی ہو۔"

"آپ بہت ظالم ہے۔"

"میرا ظلم تمہاری محبت کی تپش میں بہہ گیا......"

"آپ بے وفا ہیں۔"

"اب میں تم سے وفا سیکھوں گا۔"

"آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔"

"مجھے تم سے زرد موسم کے پتوں سی زرد محبت ہے' میں تمہارے لیے مٹ سکتا ہوں۔"

"آپ کو میری محبت میں قائم رہنا ہے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔"

چھوٹے سے کمرے میں سنہرے وعدوں کی گونج سنائی دینے لگی تھی۔ لائبہ قدیر نے زیب منصور کے کندھے پہ سر ٹکایا۔

لائبہ قدیر اور زیب منصور۔ ملن یقینی تھا' وصل مقدر تھا' ہجر عارضی تھا۔

نیا سال اور میرا پاکستان

کشور سلطانہ

آج مجھے کینیڈا آئے تین ماہ ہونے کو ہیں' میرا ویزا دو روز بعد ختم ہو جائے گا۔ اتفاق دیکھیے یکم جنوری کو اپنے پیارے وطن پاکستان واپس چلی جاؤں گی' جہاں نیا سال میرا استقبال کر رہا ہوگا یعنی سن ۲۰۱۸ء میں یہاں اپنی بہن کے پاس جو نیاگرا فال اور پورٹ ڈلہوزی کے درمیانی حسین علاقہ میں رہتی ہیں آئی ہوئی ہوں۔ بہت ہی خوب صورت قدرت کی کاری گری دیکھنے کو ملتی ہے' یہاں سے پورٹ ڈلہوزی بہت قریب ہے تقریباً ہر روز ہی شام کا وقت وہاں گزارتے ہیں۔ واپسی میں ایک مخصوص کافی ہاؤس سے کافی کا لطف لیتے ہوئے گھر لوٹتے ہیں' حسب عادت آج بھی ہم پورٹ ڈلہوزی سر شام ہی چلے آئے' آج ہمارے ساتھ اور لوگ بھی تھے جو سن ۲۰۱۷ء کو جاتا دیکھنا چاہ رہے تھے اور آخری تصاویر بھی لینا چاہ رہے تھے' سب ہی خراماں خراماں چلے آ رہے تھے اور اپنے اردگرد کے دلفریب مناظر اپنے اپنے کیمروں میں محفوظ کرنا چاہ رہے تھے اور کچھ وڈیو بنانے میں مصروف تھے۔ مجھے تو قدرتی مناظر اس قدر محوِ حیرت کیے دیتے ہیں کہ میں ان ہی میں ڈوب جاتی ہوں' دل ہی دل میں سورہ رحمان دہراتی ہوں اس پورٹ کے چاروں طرف خوب صورت ٹریک بنے ہیں جگہ جگہ بینچیں لگی ہیں' جب تھک جائیں تو کچھ دیر کے لیے آرام کرسکیں' ان بینچوں پر آپ کو اکثر ضعیف جوڑے راز و نیاز کرتے نظر آئیں گے' وہ لوگ بھی اپنا دکھ سکھ بانٹتے نظر آئیں گے یا پھر ایسے جو آزادنہ بوس و کنار کرتے نوجوان ہوں گے جنہیں گھر نصیب نہیں ہوتے' میں اسی سوچ میں گم آگے بڑھتی رہی' چلتی رہی' ہر منظر نظروں میں سمو لینا چاہ رہی تھی۔ ہمارے چاروں طرف بہتا پانی اس کی بل کھاتی اٹھلاتی لہریں موج در موج چلی جا رہی تھیں' کبھی کوئی یخ بستہ ہوا کا جھونکا ہمیں بھی چھوتا ہوا گزر جاتا' جوں جوں سورج نیچے آ رہا تھا بہتے پانی پہ سورج کی کرنیں اسے سونا بنانے میں مگن نظر آ رہی تھیں اس پہ چلتی کشتیاں' ان کے بادبان ان کے سفر کا تعین کرتے نظر آ رہے تھے آہستہ آہستہ چلتے رہے اور چلتے رہے ماحول کچھ کچھ افسردہ سا ہو چلا تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا شام کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے' سورج اپنا آخری سفر طے کرتا ہوا نیچے کی جانب تیزی سے جا رہا تھا اچانک میرے پیچھے سے آواز آئی۔

''لو وہ ڈوب گیا......'' دیکھتے ہی دیکھتے وہ سن ۲۰۱۷ء کا سورج پانی میں جا ملا میری آنکھ سے بھی ایک موتی ٹپکا اور میری ہتھیلی کو چھوتا ہوا اس پانی میں جا ملا' زندگی کا ایک سال اور کم ہوگیا۔ ماحول کچھ افسردہ سا ہو چلا تھا۔ اب ہم لوٹ رہے تھے خاموشی سی طاری تھی لہروں کے خاموش شور کے سوا کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اچانک میری نگاہ جو اٹھی تو دیکھا درختوں سے جھانکتی چاندنی میں نہائی دلہن اپنا بدن چراتی نیچے اتر رہی ہے' اب سب اس کے استقبال میں لگ گئے' جب وہ نیچے اتری اسے ساتھ لیے ہم سب کافی ہاؤس آ گئے وہاں کافی پی اور بہت دیر تک بیٹھے رہے' گزرے ہوئے پل اور آنے والے کل کی باتیں کچھ یادیں ہوتی رہیں' اپنے دیس کی پیاری باتیں بھی یاد آئیں' سب نے یہی کہا کہ کرپشن اور فرقہ بندی' فرقہ پسندی حد سے بڑھ گئی ورنہ تو دنیا میں پاکستان ہی ہے عالیشان۔ اللہ سلامت رکھے تا قیامت رکھے آمین۔

وقت ہے کہ برق رفتار گھوڑے کی مانند اڑا چلا جا رہا ہے' وہ کب رکا ہے اسے تو بس فکرِ فردا ہے زمانے سے کوئی غرض نہیں' کون خوش ہے' کون نہیں وہ سب سے لاپروا بس اڑنے میں مگن۔ کل ہمیں صبح کو پاکستان کے لیے روانہ ہونا ہے ان شاء اللہ ہمیں امید ہے کہ جب ہم پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھیں گے تو ایک نئی صبح' نئی امنگ لیے حجاب کا آنچل اوڑھے نئے افق سے نمودار ہوگی جو ہمیں حب الوطنی' اخوت' امن' محنت اور ایمان داری سے کام کرنے کا درس دے گی اور حوصلہ بھی دے گی۔ اللہ ہمیشہ حوصلے بلند رکھے اور اس میں رہنے بسنے والوں کو خوش رکھے آمین۔

ہومیوکارنر

ہومیوڈاکٹرطلعت نظامی

مرض کی خارجی اسباب

External Couse

بیرونی یا خارجی اسباب سے مراد وہ عوامل ہیں جو کہ انسانی جسم کے اردگرد کے ماحول میں پیدا ہوکر انسانی جسم پر اثر انداز ہوکر بیماری کا سبب بنتے ہیں۔ اگر بیرونی حالات کو بہتر کیا جائے تو تکالیف خود بخود ٹھیک ہوجاتی ہیں یا پیدا ہی نہیں ہوتیں۔

خارجی اسباب میں مندرجہ ذیل عوامل کا گہرا تعلق ہے۔

جراثیم یا انفیکشن

(Becterial Infection)

جراثیموں کی سب سے عام قسم جو کہ زیادہ تر امراض کا باعث بنتے ہیں' نمونہ' ٹیفائڈ' گردن توڑ بخار بیکٹریا سے پیدا ہوتے ہیں۔

وائرس ان کا حملہ خلیات کے مرکزہ میں موجود ڈی این اے میں دخول پر مبنی ہوتا ہے' وائرس سے خسرہ انفلوائیزہ اور نزلہ وغیرہ ہوتا ہے۔

فضائی آلودگی

ایسی فضا جو حفظانِ صحت کے اصولوں کے منافی ہو یہ فضا آلودگی سے بھری ہوتی ہے جس میں دھوئیں کے بخارات کارخانوں سے نکلنے والی گندی گیس' جراثیم' نامیاتی ذرات اور مختلف جراثیموں کے انڈے (ova) سب کچھ فضا میں موجود ہوتا ہے جس کی وجہ سے پھیپھڑوں کے امراض' حلق کی بیماریاں عام پائی جاتی ہیں مثلاً سانس کی نالی کی سوزش (Phertingitis) ناک کی جھلی کی سوزش (Rhenitis) ورم حلق (Synocytis) وغیرہ۔

پانی کی آلودگی

ہم جو پانی پینے اور کھانے پکانے کے لیے استعمال کرتے ہیں وہ پانی جراثیم سے بھرا ہوتا ہے اس سے پرانی پیچش کے علاوہ پیٹ کے کیڑوں وغیرہ کی شکایت پیدا ہوسکتی ہے۔

آب و ہوا

آب وہوا سے چند امراض یعنی ہوا یا موسم بڑی حد تک کسی بیماری کو پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں تو دوسری طرف آب و ہوا امراض کو ٹھیک بھی کرتے ہیں مثلاً اگر کسی اونچائی کے مقام پر تپ دق کے مریض کو لے جایا جائے تو اس کے مرض میں افاقہ ہوجاتا ہے اس کے برعکس اکثر لوگ ٹھنڈے موسم میں دمے (Asthma) کا شکار رہتے ہیں' کچھ افراد نزلہ کا شکار رہتے ہیں۔ بعض افراد کسی مخصوص آب وہوا جیسے گرم یا سرد موسم میں نظام ہضم کی خرابی کا شکار رہتے ہیں' بعض لوگوں کو سرد آب و ہوا میں جوڑوں کی تکلیف ہوجاتی ہے۔ گرمیوں کے موسم میں پیشاب کی جلن اور تلوے جلنے کی شکایت اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

صفائی (Cleanliness)

اپنی صفائی کا خیال نہ رکھنے والے افراد جلد کی بیماریوں جیسے داد (Eczema)' غدود کا ورم (Folliculitis) اور خارش کا شکار ہوتے ہیں۔ جسم کے مختلف حصوں کو بار بار کھجانے سے زخم پڑجاتے ہیں' گندہ جسم کئی جراثیموں کا گھر ہوتا ہے اور ایسے افراد اکثر پیٹ کے امراض' آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں اور ان میں سے اکثر نشے کے عادی ہوجاتے ہیں۔

غذا

روزمرہ کے کھانوں میں انسانی جسم کو توانائی پہنچانے والے اور اس کی صحت کو برقرار رکھنے والے اجزاء کو غذا کہا جاتا ہے۔ اگر کھانے میں جراثیم وغیرہ شامل ہوجائیں تو انسان کو پیچش وغیرہ لاحق ہوجاتے ہیں۔

غذائی اجزاء اگر کم مقدار میں استعمال کیے جائیں تو جسمانی ضرورتوں کو پورا نہیں کیا جاسکتا جس کی وجہ سے انسان کی قوت مدافعت کمزور ہوجاتی ہے اور انسان مختلف امراض میں مبتلا ہوجاتا ہے مثلاً بخار یا جسمانی کمزوری یا بیری بیری کا مرض' کچھ افراد کو مختلف خوراک جیسے انڈا' مچھلی وغیرہ کھانے سے الرجی ہوجاتی ہے۔ غذا میں زہریلے یا کیمیائی مادے اگر شامل ہوجائیں تو بھی جسم انسانی بیمار ہوجاتا ہے عام طور پر نکس وامیکا یا آرسنکیم جیسے زہر مشہور نکس سے پیٹ میں مروڑ اور جلن وغیرہ کے ساتھ اعصابی کمزوری اور تشنج جبکہ آرسنکیم سے بے ہوشی اور سخت گرمی کے فوراً بعد موت ہوسکتی ہے۔

لباس

لباس سے بیماریاں پیدا ہونے کی دو وجوہات ہیں' اول تو لباس کا گندا ہونا دوسرا لباس کا ناموافق ہونا بھی' تنگ ہونا' ریشمی

کپڑا استعمال کرنے والوں میں ایک ایسی جلدی بیماری پائی جاتی ہے جو کہ ململی کپڑے میں رہنے والے ایک کیڑے سے پیدا ہوتی ہے۔ خارش پیدا کرنے والے جراثیموں میں ایک نام Scabies بڑا اہم ہے۔ تنگ لباس استعمال کرنے سے جسم کی اصل شکل خراب ہوسکتی ہے اور جسم کے اعضاء کے افعال میں بھی بھی خرابی پیدا کرسکتی ہے' تنگ لباس میں سے ہوا کا گزر بھی نہیں ہوسکتا۔

ورزش

مناسب ورزش جسمانی افعال کو درست کرتی ہے' دوران خون کو بڑھاتی ہے۔ ورزش کی زیادتی Acute Cardiae Failure دل کے فیل ہوجانے کا باعث بن سکتی ہے اگر ورزش کرنے کے بعد جسم سے پسینے کے اخراج میں کسی قسم کی کمی ہوجائے تو حدت یعنی گرمی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ بخاری کی حالت ہوجاتی ہے' تلوے جلتے ہیں بلکہ پورا جسم اور آنکھیں جلتی رہتی ہیں' ورزش کی زیادتی ہائی بلڈ پریشر یا لو بلڈ پریشر کا باعث بنتی ہے۔ ورزش کرتے ہوئے وزنی اشیاء اٹھانے میں احتیاط نہ کی جائے تو ہرنیا یا ناف کی تکالیف پیدا ہوسکتی ہیں مثلاً ناف کا ٹل جانا' زیادہ ورزش گردوں کے افعال میں بھی خرابی پیدا کرسکتی ہے اگر ورزش بالکل ترک کردی جائے تو سستی' کاہلی' موٹاپا' بدہضمی' جسم میں درد کی شکایت اکثر رہتی ہے۔

طبعی اشعاعیں

کائنات کے مختلف عناصر مختلف اشعاعیں کا اخراج کرتے ہیں جیسے الفاریز یا گاماریز۔ عام طور پر ایکسرے کی مثال دی جاسکتی ہے' ایکس ریز دراصل Gamma Rays ہوتی ہیں جو کہ جسم کے مختلف حصوں سے گزر کر اعضاء میں پیدا شدہ خرابی کو ایکس ریز فلم پر منتقل کرتی ہیں تاکہ امراض کی تشخیص ہوسکے جہاں سے ایکس ریز گزرتی ہیں ان اعضاء کے خلیے اور بافتیں متاثر ہوتے ہیں۔

جدید تحقیقات نے کچھ حد تک ثابت کردیا ہے کہ جن بافتوں کو ایکس ریز سے نقصان ہوتا ہے وہ بافتیں Tissues کینسر کے خلیات میں تبدیل ہوسکتی ہیں اور بیضہ دانی ovary کو بھی ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے اس طرح اگر دوران حمل جنین کا ایکس ریز کیا جائے تو جنین کی زندگی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔

ایٹم بم کے دھماکے کے بعد جو شعاعیں خارج ہوتی ہیں وہ بھی XRays نوعیت کی ہوتی ہیں۔ کینسر کے خلیات کو جلانے کے لیے Nickel اور کوبالٹ Cobah سے خارج ہونے والی شعاعوں کی مدد لی جاتی ہے لیکن جہاں یہ کینسر کے خلیات کو جلاتی ہیں وہاں یہ عام صحت مند بافتوں کو بھی نقصان دیتی ہیں۔

خاص اسباب SpecialCauses

ایسا بیرونی صدمہ جس میں جسم کی کوئی چیز ضائع ہوئے جسمانی نظام میں خرابی پیدا ہوجائے مثلاً بجلی کے جھٹکے کی صورت میں جسمانی نظام میں خرابی پیدا ہوجاتی ہے۔

کسی فرد کو ذہنی یا نفسیاتی طور پر کسی ایسی صورت حال کا سامنا ہو جس کی بناء پر اس فرد کے دماغ میں موجود خون کے دباؤ اور شریانوں کے خاص حد تک سکیڑنے والے مراکز مفلوج ہوجائیں جس کی وجہ سے پورے جسم کے خون کا دباؤ بڑی حد تک کم ہوجائے اور صدمے کی مخصوص علامات پیدا ہوجائیں۔

کوئی شخص گرمی میں سے آ کر ورزش کرکے ایک دم ٹھنڈا پانی پی لیتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دم بے ہوش ہوجاتا ہے جس کو Coldreflex کہتے ہیں ایسے شخص کی صدمے Shock سے کومہ کی حالت میں موت واقع ہوسکتی ہے۔

اگر کسی فرد کو کسی سخت چیز یا کسی مشین یا ایکسیڈنٹ سے نقصان پہنچے تو اس کو Machanical Injury (مکینیکل انجری) کہتے ہیں۔

جنسی اسباب (GenitalCause)

خاص اسباب میں تولیدی اعضاء کی بیماریاں بھی شامل ہیں مثلاً بے راہ روی کی وجہ سے جسمانی افعال میں کمزوری اور خاص طور پر سوزاک یا آتشک کا لاحق ہونا۔

عورتوں میں ہارمونز کی تبدیلیوں کی وجہ سے بلوغت کی علامات اور ہارمونز کی خرابی کی وجہ سے لیکوریا' بانجھ پن' سوزاک اور آتشک وغیرہ ہوسکتا ہے۔

بیاضِ دل

میمونہ رومان

ارم کمال......فیصل آباد

خاک مجھ میں کمال رکھا ہے
مصطفیٰ ﷺ نے سنبھال رکھا ہے
میرے عیبوں پر ڈال کر پردہ
مجھ کو اچھوں میں ڈال رکھا ہے

سمیرا مشتاق ملک......اسلام آباد

نہ کوئی رنج کا لمحہ کسی کے پاس آئے
خدا کرے کہ نیا سال سب کو راس آئے

مدیحہ نورین مہک......گجرات

یادوں کو محبت کے گلابوں میں پرو کر
ہم کتنی نفاست سے تمہیں سوچ رہے ہیں

وقاص عمر بنگرنو......حافظ آباد

وہ سب سوال جو میری سمجھ سے باہر ہیں
میں جاگ جاگ کے ان کے جواب سوچتا ہوں
پلٹ کے دیکھتا ہوں جب راہِ وفا کی طرف
تو عمر بھر کے دکھوں کا حساب سوچتا ہوں

فیاض اسحاق مہانہ......سلانوالی

جانے اس شخص کو کیسے یہ ہنر آتا ہے
رات ہوتے ہی آنکھوں میں اتر آتا ہے
میں اس کے خیال سے نکلوں تو کہاں جاؤں
وہ میری سوچ کے ہر رستہ پر نظر آتا ہے

لبنیٰ شکیل......سیالکوٹ

باندھ لو بہار کو زنجیروں سے اب کے برس
کہ پھر خزاں اس چمن کا کبھی رخ نہ کرے

ناہید حمزہ......تلہ گنگ

احباب کو رہی میرے عیبوں کی جستجو
میں پرخلوص ان کے ہنر تولتا رہا

گل محبت......کوٹ سارنگ

محبت بھی تُو نے کیا چیز بنائی ہے یارب
لوگ تیرے در پر آ کر روتے ہیں کسی اور کے لیے

تانیہ جہاں......ڈسکہ

بڑا محسوس ہوتا ہے
تیرا محسوس نہ کرنا

انعم زہرہ......ملتان

ہوئی ہے مجھ پر عنایت خدا خیر کرے
میرے حصے میں محبت خدا خیر کرے
پیار کرتے ہیں وہ تسلیم کیے بیٹھے ہیں
لیے آنکھوں میں محبت خدا خیر کرے

سباس گل......رحیم یار خان

میں تمہاری ہوں رہتی دنیا تک
تم میرا آخری ٹھکانہ ہو

عنبر مجید......کوٹ قیصرانی

اداسی ہے مگر وجہ غم نہیں معلوم
دل پر بوجھ سا ہے شاید دسمبر آ گیا ہے

شازیہ ہاشم میوانی......کھڈیاں خاص

ہر اک مصیبت کی تہہ میں چھپی رہتی ہے راحت بھی
شب تاریک کے دامن سے ہوتی سحر پیدا

سیدہ جیا عباس کاظمی......تلہ گنگ

جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

مہرین آصف بٹ......آزاد کشمیر

منزلیں ان کا مقدر کہ طلب ہو جن کو
بے طلب لوگ تو منزل سے گزر جاتے ہیں
جن کی آنکھوں میں ہوں آنسو انہیں زندہ سمجھو
پانی مرتا ہے تو دریا بھی اتر جاتے ہیں

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

تھک کر یونہی پل بھر کے لیے آنکھ لگی تھی
سو کے ہی نہ اٹھیں گے یہ ارادہ تو نہیں تھا

فریدہ فری......لاہور

اگر وہ خوش ہے مجھے بھول کر تو یونہی سہی

خدا کرے نہ میری یاد اسے آئے کبھی
شبنم کنول......پاپانگری، حافظ آباد

اس کو نہ آنا تھا نہ وہ آیا
بڑی مشکل سے دل کو سمجھایا
بھیگا آنچل بھیگا کاجل بھیگا دسمبر
اس بار بھی اس کو یاد نہ آیا
حنا مہر......سلانوالی

یہ دن یہ رات یہ لمحے اچھے لگتے ہیں
تمہیں سوچوں تو سارے سلسلے اچھے لگتے ہیں
سفر دور تک کرنا پھر وہیں رہنا
مجھے تم سے تم تک فاصلے اچھے لگتے ہیں
سعدیہ حورعین حوری......بنوں، کے پی کے

شہر وفا میں دھوپ کا ساتھی کوئی نہیں
سورج جب سر پہ آیا تو سائے بھی گھٹ گئے
طیبہ رانا......سرگودھا

کچھ تو تیرے موسم ہی مجھے راس کم آئے
اور کچھ مری مٹی میں بغاوت بھی بہت تھی
سمعیہ غزل......بی ایم

ذرا سی بات پر چھوڑ گیا وہ شخص مجھے
جیسے صدیوں سے وہ شخص میری ایک غلطی کی تلاش میں تھا
نجم انجم اعوان......کورنگی، کراچی

نزدیک ہی رہتا ہے وہ پھر بھی ملنے نہیں آتا
پوچھا تو مسکرا کے کہتا ہے تم تو دل میں رہتے ہو تم سے کیا ملنا
ایس این شہزادی کھرل......جڑانوالہ

چمن میں کل اک جوہری دنگ تھا
کہ پھولوں پر موتی ہیں یا اوس ہے
بچھڑنے کا تم سے نہیں غم شعور
ملاقات ہونے کا افسوس ہے
سونیا نورین گل......دندہ شاہ بلاول

اچھا خاصا بیٹھے بیٹھے گم ہوجاتا ہوں
اب میں اکثر میں نہیں رہتا تم ہوجاتا ہوں
روبینہ کوثر......بستی ملوک

زندگی جس کے دم سے ہے ناصر
یاد اس کی عذابِ جاں بھی ہے
فرزانہ محمد دین گڑیا......چک کھاناں

سب وا ہیں دریچے تو ہوا کیوں نہیں آتی
چپ کیوں ہیں، پرندوں کی صدا کیوں نہیں آتی
گل کھلنے کا موسم ہے تو پھر کیوں نہیں کھلتے
خاموش ہیں کیوں پیڑ، صبا کیوں نہیں آتی
فائزہ بھٹی......پتوکی

دشت میں سفر ٹھہرا پھر میرے سفینے کا
میں نے خواب دیکھا تھا برف کے پگھلنے کا
دھوپ کی تمازت تھی موم کے مکانوں پر
اور تم بھی لے آئے سائباں شیشے کا
پری وش......سرگودھا

پھر میری وہی طلب
اب کے برس مل جائے تُو
صائمہ جدون......مانسہرہ

کوئی حرف وفا نہ حرف سادہ
میں خاموشی کو سننا چاہتی ہوں
میں بچپن کے کسی لمحے میں رک کر
کوئی جگنو پکڑنا چاہتی ہوں
یاسمین کنول......لاہور

بس اک میری بات نہیں تھی، سب کا درد دسمبر تھا
برف کے شہر میں رہنے والا اک اک فرد دسمبر تھا
پچھلے سال کے آخر میں، حیرت میں تھے ہم تینوں
اک میں تھا، تنہائی تھی، اک بے درد دسمبر

biazdill@aanchal.com.pk

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

بلوچستانی چکن سجی

ضروری اشیاء:۔

مرغی سالم	ایک عدد
سفید سرکہ	ایک کپ
کالا نمک	پسا ہوا تین کھانے کے چمچ
چائنیز نمک	تین کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	ڈیڑھ چائے کا چمچ

ترکیب:۔

مرغی کو اچھی طرح صاف کرلیں اس میں سرکہ، کالا نمک، تیل، چائنیز نمک، نمک لگا کر چند گھنٹوں کے لیے رکھ دیں۔ کسی بڑی انگیٹھی کے چولہے میں کوئلے جلائیں اور پھر کسی سلاخ کی مدد سے چولہے کی سائیڈ پر مرغی لا کر کھڑی کردیں تا کہ آنچ آتی رہے جب گوشت گل جائے پھر مرغی کو کوئلوں پر سینک لیں، اچھی طرح پک جائے تو اتارلیں، اسے سلاد اور چٹنی کے ساتھ نوش کریں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

چکن چاؤمن

اجزاء:۔

چکن بون لیس	آدھا کپ
نوڈلز	ایک پیکٹ
گاجر	ڈیڑھ کپ
مٹر	ڈیڑھ کپ
شملہ مرچ	دو عدد
بند گوبھی	آدھا پھول
ہری پیاز	ایک عدد
سرکہ	ایک چمچ
نمک	حسب ذائقہ
چائنیز نمک	ایک پیکٹ
ہری اور کالی مرچ	حسب ضرورت
آئل	تین بڑے چمچ
لہسن ادرک پیسٹ	ایک چمچ

ترکیب:۔

ایک گلاس پانی کڑاہی میں ڈال کر نوڈلز کو اس میں بوائل کریں، بوائل کرنے کے بعد اسے ایک برتن میں نکال لیں پھر کڑاہی میں گھی گرم کرکے چکن گاجر اور مٹر فرائی کریں۔ براؤن ہونے پر بند گوبھی، شملہ مرچ سرکہ سویا ساس، نمک، ہری اور کالی مرچ، ادرک لہسن پیسٹ مکس کرکے اچھی طرح بھون لیں، اب اس میں ابلے ہوئے نوڈلز شامل کریں اور انہیں تھوڑی دیر دم پر رکھیں۔ اچھا اب چکن چاؤمن تیار ہے مزے سے کھائیں۔

فرزانہ محمد دین گڑیا...... چک کھاتاں

فروٹ سیلڈ

اجزاء:۔

موسمی پھل	جو آپ کو پسند ہیں
فروٹ مکس	ایک چھوٹا ڈبہ
ماؤنیز	ایک چھوٹا پیکٹ
فریش کریم	ایک چھوٹا ڈبہ
بند گوبھی	دو پتے
کالی مرچ	آدھا چمچ
چینی پسی ہوئی	ایک چمچ
دودھ	آدھے سے کم کپ

ترکیب:۔

تمام پھلوں کو باریک کاٹ لیں، فروٹ مکس، کریم اور ماؤنیز مکس کریں۔ چینی کو دودھ میں مکس کرکے فروٹس میں ڈال دیں۔ بند گوبھی باریک کاٹ لیں، کالی مرچ ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور باؤل میں ڈال کر پیش کریں اور تعریفیں وصول کریں۔

سیدہ لوبا سجاد...... کہروڑپکا

انڈے کی ربڑی

ضروری اشیاء:۔

دودھ	ایک لیٹر
چینی	تین چوتھائی کپ
انڈے کی سفیدی	تین عدد
ونیلا ایسنس	آدھا چائے کا کپ
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچ

الائچی — چار عدد
پستے، بادام — گارنشنگ کے لیے
چاندی کا ورق — گارنشنگ کے لیے

ترکیب:۔
دودھ میں الائچی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکا کر تین پاؤ کرلیں، دودھ میں چینی ڈالیں، چینی حل ہوجائے تو تھوڑے سے دودھ میں کارن فلور ملا کر ڈالیں، گاڑھا ہوجائے تو سفیدی پھینٹ کر مکس کریں اور ونیلا ایسنس بھی ڈال دیں۔ ٹھنڈا کر کے پستے، بادام چاندی کا ورق لگا کر پیش کریں۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

جیلی بھرے شاہی ٹکڑے

ضروری اشیاء:۔
ڈبل روٹی کے سلائس — حسب ضرورت
کنڈینسڈ ملک — آدھا کپ
پستے بادام (سلائس کرلیں) — دو کھانے کے چمچ
جیلی ریڈ والی — ایک پیکٹ
(دو کپ پانی میں ڈال کر پکائیں اور کسی پیالے میں سیٹ کردیں)
گھی — تلنے کے لیے
کریم — آدھا کپ

ترکیب:۔
ڈبل روٹی کے سلائس کو گول کاٹ لیں گرم گھی میں فرائی کرلیں اور پلیٹ میں نکال لیں۔ کنڈینسڈ ملک ایک پیالے میں نکال لیں اور فرائی کیے ہوئے سلائس پر کنڈینسڈ ملک دونوں سائیڈ پر لگائیں۔ پلیٹ میں ایک سلائس رکھیں، اس پر جیلی لگائیں، دوسرا سلائس رکھیں، اسی طرح سارے سلائس بنالیں۔ اب سلائس پر کریم لہ [illegible] اس پر پستے، بادام ڈالیں اور سرو کریں، بچوں بڑوں کو سب کو پسند آئیں گے۔

روبینہ کوثر...... بستی ملوک

سویوں کا زعفرانی زردہ

ضروری اشیاء:۔
سویاں — ایک پیکٹ
گھی — آدھا کپ
الائچی (پچلی ہوئی) — چھ عدد
چینی — ایک کپ
دودھ — ایک کلو (پکا کر گاڑھا کرلیں)
کھویا — ایک پاؤ
زعفران — ایک چائے کا چمچ
زعفرانی ایسنس — آدھا چائے کا چمچ
زعفرانی کلر — ایک چٹکی

ترکیب:۔
ایک کڑاہی میں گھی گرم کریں، الائچی ڈالیں پھر سویوں کو ڈال کر ہلکی آنچ پر بھونیں۔ اب چینی، زعفرانی، زعفرانی کلر، دودھ ڈال کر مکس کریں اور ڈھکن لگا کر پانچ منٹ پکائیں۔ اب کھویا مکس کردیں اور ڈھکن لگا کر دم پر رکھیں، سویاں الگ الگ ہوجائیں تو زعفرانی ایسنس، ناریل، کشمش مکس کردیں اور ڈش میں نکال لیں، کھوئے، پستہ، بادام، ناریل، کشمش سے گارنش کردیں۔

سمیرا سواتی...... بھیر کنڈ

دودھ کے لڈو

ضروری اشیاء:۔
خشک دودھ — دو کپ
کنڈینسڈ ملک — آدھا ٹن
پستے، بادام (باریک کٹے ہوئے) — آدھا کپ
بالائی — دو کھانے کے چمچ

ترکیب:۔
خشک دودھ میں کنڈینسڈ ملک ملا کر آٹے کی طرح گوندھ لیں، اب اس میں آدھے بادام، پستے بھی شامل کرلیں۔ لڈو کی طرح بنا کر درمیان میں انگوٹھے کی مدد سے گردی سے بنائیں اور گڑھے میں بالائی بھر کر بادام، پستے چھڑک کر خوب ٹھنڈا ہونے پر سرو کریں، لڈو بناتے وقت ہاتھوں کو تیل لگا کر چکنا کرلیں۔

صباء ایشل...... بھاگووال

کھیر قدم

ضروری اشیاء:۔
کھویا — آدھا کلو
چینی — 150 گرام
سبز الائچی پاؤڈر — آدھا کپ

پیٹھا	ایک پاؤ
کاجو	آدھا کپ
پستے	دو چائے کے چمچ
زعفران	چند پتے
چاندی کے ورق	حسب ضرورت

ترکیب:۔

کھوئے میں چینی اور الائچی پاؤڈر ڈال کر پکائیں، جب تینوں چیزیں مکس ہو جائیں تو چولہے سے اتارلیں۔ پیٹھا، کاجو اور پستے کی آدھی مقدار باریک کاٹ لیں اور اس میں تھوڑا سا الائچی پاؤڈر مکس کر کے رکھ دیں۔ کھوئے کے مکسچر کے چھوٹے بالز بنالیں اور انگلی سے سینٹر میں گڑھا بنا کر تھوڑا سا پیٹھے کا مکسچر ڈالیں اور دوبارہ بند کر کے بال بنالیں۔

بالز پر چاندی کے ورق لگائیں، زعفران کو تھوڑے سے پانی میں گھول کر برش کی مدد سے بالز پر سرکل بنالیں اور درمیان میں ایک ایک پستہ لگا کر گارنش کریں، لذیز اور منفرد کھیر قدم سرو کریں۔

زہت جبین ضیاء.....کراچی

بادامی کھیر

ضروری اشیاء:۔

دودھ	ایک کلو
بادام (پسے ہوئے)	دو کھانے کے چمچ
الائچی	چار عدد
بادام (سلائس کیے ہوئے)	ایک کھانے کا چمچ
پستے (سلائس کیے ہوئے)	ایک کھانے کا چمچ
ناریل (کش کیا ہوا)	آدھا کپ
چاول (بھگو دیں)	آدھا کپ
چینی	ایک کپ
کھویا	آدھا کپ
کیوڑہ	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:۔

چاول کو بھگو کر پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں، پانی، دودھ خشک ہو جائے تو چاول کو گھوٹ لیں اور دودھ میں چینی، الائچی اور چاول ڈال کر پکائیں۔ چمچ چلاتے رہیں، کھیر گاڑھی ہو جائے تو کھویا، پسے ہوئے بادام، چینی ڈال کر پکائیں کہ چینی گھل جائے۔ اب کیوڑہ ڈال کر ڈش میں نکال لیں اور بادام، پستہ، ناریل سے گارنش کردیں، ٹھنڈا کر کے سرو کریں۔

ہالہ و عائشہ سلیم.....کراچی

اسپیشل فروٹی کھیر

ضروری اشیاء:۔

کیلے (چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں)	تین عدد
انناس (چھوٹے کیوبز میں کٹا ہوا)	آدھا کپ
آم	
دودھ	دو کلو
چینی	آدھا کپ
چاول (پسے ہوئے)	ایک چوتھائی کپ
فریش کریم	ایک پیکٹ
پستے، بادام (باریک کٹے ہوئے)	سجاوٹ کے لیے
چاندی کے ورق	سجاوٹ کے لیے
الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ

ترکیب:۔

دودھ کو ابال لیں اور ہلکی آنچ پر پکنے دیں، چاول تھوڑے سے ٹھنڈے دودھ میں گھول کر ڈال دیں اور تقریباً بیس منٹ پکنے دیں، چمچ چلاتی رہیں۔ الائچی پاؤڈر بھی ڈال دیں، جب کھیر گاڑھی ہو جائے تو اتارلیں۔ ٹھنڈی ہونے پر کریم اور تمام فروٹس شامل کر کے مکس کرلیں، اب کسی مٹی کے برتن میں ڈال کر پستے، بادام اور چاندی کے ورق سے سجائیں، خوب ٹھنڈا کر کے سرو کریں۔

نادیہ فاطمہ.....کراچی

بیوٹی گائیڈ

روبین احمد

دلھن کا میک اپ

کہا جاتا ہے کہ میک اپ کرنا ایک فن ہے' تھوڑی سی جستجو اور محنت کے بعد یہ فن آپ بھی سیکھ سکتے ہیں جس طرح چہرے کی بناوٹ بالوں کی تراش خراش شخصیت پر اثر انداز ہوتی ہے اسی طرح میک اپ کے سلسلے میں بھی چہرے کی بناوٹ کو اہمیت حاصل ہے۔ میک اپ خواتین کے چہروں پر خوشگوار تابنا کی بکھیرتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ میک اپ کرتے وقت نفاست اور ترتیب کا خیال رکھا جائے۔

☆ میک اپ شروع کرنے سے پہلے چہرے کے فیشل اور آئی بروکی تھریڈنگ سے فارغ ہو جانا چاہیے۔

☆ اگر آپ کے چہرے پر سیاہ دھبے نظر آ رہے ہیں تو ان کے اوپر سفید کریم لگالیں جس کے بعد چہرے کی رنگت نکھر جائے گی۔

☆ اگر آپ کی رنگت سانولی ہے تو بہتر ہے کہ ہلکے رنگ کی فاؤنڈیشن اور اگر رنگت گوری ہے تو ذرا گہرے رنگ کی فاؤنڈیشن بہتر رہے گی۔ فاؤنڈیشن لگانے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسے دھبوں اور نقطوں کی صورت میں پیشانی کے وسط' ناک' تھوڑی' رخساروں پر لگائیں پھر اسے اچھی طرح ملیں یہاں تک کہ جلد میں جذب ہو جائے۔ اب فیس پاؤڈر کا ٹچ دیں جس کا رنگ فاؤنڈیشن کی مناسبت سے ہونا چاہیے اس عمل سے فارغ ہونے کے بعد آنکھوں کا میک اپ شروع کریں۔

☆ آنکھ کا خط کاجل سے بنائیں پھر کپڑوں کے ہم رنگ شیڈ و استعمال کریں۔ سبز اور سرمئی رنگ کا آئی شیڈ و عموماً ہر رنگ کے کپڑوں کے ساتھ اچھا لگتا ہے۔

☆ آنکھوں کے میک اپ کے آخر میں مسکارا لگانا نہ بھولیں۔

☆ اب لپ اسٹک لگانے کے لیے لپ پنسل سے ہونٹوں کا بیرونی خط بنالیں تاکہ اس کی بناوٹ نمایاں ہو سکے پھر خطوط کے مطابق کپڑوں کے ہم رنگ لپ اسٹک لگائیں' عنابی رنگ کی لپ اسٹک ہر رنگ کے کپڑوں سے مطابقت رکھتی ہے۔ لپ اسٹک کے اوپر لپ گلوس لگانے سے ان میں چمک پیدا ہو جاتی ہے۔

☆ میک اپ کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ دن اور شام کی تقریبات کے لیے ہلکا میک اپ اور رات کے وقت گہرا میک اپ کریں۔

☆ چہرے کا میک اپ کرنے سے اتنی دیر پہلے نیل پالش لگائیں کہ وہ اچھی طرح خشک ہو سکے۔ نیل پالش کے رنگ کا انتخاب زیب تن کیے جانے والے کپڑوں کی مناسبت سے کیجیے۔

☆ حسن نکھارنے کے لیے گہرے نہیں ایسے رنگوں کا انتخاب کریں جو آپ کے ہونٹوں سے میچ کرتے ہوں۔ موجودہ دور گہرے میک اپ کا نہیں' اب آپ کو اپنے حسن میں نکھار کے لیے جامنی براؤن اور گہرے رنگ کی لپ اسٹک استعمال کرنے کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔ اب ایسے رنگ کا انتخاب کریں جو آپ کے ہونٹوں سے میچ کرتا ہو یا پھر سادہ گلابی رنگ' گلابی رنگت ویسے بھی خواتین پر زیادہ جچتی ہے۔ یہ نوے فیصد آپ کی جلد سے ہم آہنگ ہوتی ہے اور آپ کو حسین بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

میک اپ کے سلسلے میں چند اہم باتوں کا خیال رکھنے سے اس میں نفاست پیدا ہو جاتی ہے مثلاً اگر آپ کی جلد چکنی ہے اور چہرے کی رنگت کہیں سے پھیکی اور کہیں سے گہری ہے تو اسے آبی فاؤنڈیشن سے رنگ کریں اور ٹرانسلوسینٹ پاؤڈر لگائیں۔

فائونڈیشن اور آپ کی شخصیت

چہرے کو تروتازہ اور خوب صورت بنانے میں سب سے پہلا اور اہم کردار فاؤنڈیشن ادا کرتا ہے' فاؤنڈیشن سے نہ صرف چہرے کے داغ دھبے اور چھائیاں چھپ

جاتی ہیں بلکہ اگر اچھا فاؤنڈیشن استعمال کیا جائے تو یہ چہرے کی حفاظت اور ماحولیاتی آلودگی کے اثرات سے محفوظ رکھتا ہے لیکن اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آپ کس قسم کے فاؤنڈیشن کا انتخاب کرتی ہیں۔ ایک اچھے فاؤنڈیشن میں نمی کی مقدار مناسب ہونی چاہیے' اس میں چہرے کے داغ دھبے چھپانے اور سورج کی نقصان دہ شعاعوں سے چہرے کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت ہونی چاہیے کیونکہ ان سب خوبیوں کے بغیر فاؤنڈیشن کا استعمال نہ صرف نقصان دہ ہے بلکہ چہرے پر اس کے استعمال سے خاطر خواہ نتائج بھی نہیں ملیں گے۔

فاؤنڈیشن کا بنیادی مقصد چہرے کی جلد کو ہموار بنانا ہے' فاؤنڈیشن جلد اور چہرے کی بشاشت کی تعمیر کے ساتھ ساتھ ان کی قدرتی رعنائی کو واضح کرتا ہے۔ فاؤنڈیشن کا مقصد مصنوعی طور پر کچھ چھپانا نہیں ہوتا۔ بعض خواتین لاعلمی میں اپنی جلد کی کیفیت کو مدنظر رکھے بغیر دوسروں کی دیکھا دیکھی غلط طریقہ اختیار کرلیتی ہیں جس سے جلد کی حساسیت متاثر ہوتی ہے۔

فائونڈیشن لگانے کا طریقہ

جب آپ ایسے فاؤنڈیشن کا انتخاب کرلیتی ہیں جو کہ آپ کی جلد سے میچ کرتا ہو تو پھر اس کے استعمال کا مرحلہ آتا ہے۔

فاؤنڈیشن ہمیشہ صاف اور نم دار چہرے پر لگانا چاہیے کیونکہ اگر آپ کی جلد خشک ہے تو فاؤنڈیشن لگانے سے چہرے پر وہ لائنوں کی صورت میں واضح نظر آئے گا اور اگر جلد زیادہ ہی چکنی ہے تو فاؤنڈیشن جلد پر ٹھہرے گا نہیں اس لیے اسے لگانے سے پہلے جلد کو نارمل سطح پر لانے کی کوشش کریں۔ چکنی اسکن پر ایسی کریم لگائیں جو نمی جذب کرلے جبکہ خشک جلد کے لیے لوشن کا استعمال بہتر رہے گا۔

فاؤنڈیشن کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ فاؤنڈیشن کریم کی تھوڑی سی مقدار کو اپنی ایک ہتھیلی پر ڈال لیے اور دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے پوروں' نیم گرم ہلکی نچڑی ہوئی گیلی ہوئی روئی کے گالوں یا اسفنج کے ساتھ تھوڑی سی اوپر کی جانب چھوٹے چھوٹے نقطوں کی صورت میں لگاتی جائیں اگر آپ کی جلد چکنی ہے تو کریم کے بجائے فاؤنڈیشن کا استعمال کیجیے۔ اس صورت میں آپ لینولین کے بغیر نرم و ملائم پتلا فاؤنڈیشن استعمال کیجیے اور اگر آپ کی جلد خشک ہے تو لینونین مکس کریم استعمال کریں۔ چہرے کے علاوہ رخساروں کے نیچے اور گردن کی بالائی سطح پر نیچے سے اوپر کی جانب مالش کیجیے۔ یاد رکھیے فاؤنڈیشن ہمیشہ چہرے اور گردن کی رنگت میں مماثلت لانے کے لیے کریں البتہ چہرے کے بیرونی حصوں کی جانب انتہائی احتیاط سے کام لیجیے اور وہاں کم سے کم فاؤنڈیشن لگائیں۔ موسم کا خصوصی خیال رکھیے اور کوشش کریں کہ گرمیوں میں ہلکے اور سردیوں میں گہرے شیڈ استعمال کریں۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے یا چھائیاں وغیرہ ہوں تو ہلکے شیڈ سے کورتج دیجیے۔ فاؤنڈیشن مکمل ہونے کے بعد ٹشو پیپر سے اسے ضرور ہموار کیجیے۔

آنکھوں کا میک اپ

جس طرح دودھیا چاندنی کے بغیر چاند کی خوب صورتی گہنا جاتی ہے اسی طرح چہرے کا حسن بھی آنکھوں سے ہوتا ہے۔ آنکھیں خوب صورت ہوں تو چہرے کی ساری خوب صورتی آنکھوں میں سمٹ جاتی ہے اسی لیے تو کسی نے کہا ہے کہ ان جھیل جیسی آنکھوں میں ڈوب جانے کو جی چاہتا ہے لیکن یاد رہے کہ آنکھوں میں ڈوبنے کے لیے آنکھوں کا جھیل جیسا ہونا لازمی نہیں ہے بلکہ عام سی آنکھوں کو بھی جھیل جیسا بنانے کی تیاری کرتے ہیں۔ آنکھوں کا میک اپ کرنے کے لیے درج ذیل اشیاء درکار ہیں(۱) کاجل(۲) آئی لائنر' مسکارا(۳) آئی شیڈو۔

(جاری ہے)

نیرنگ خیال

ایمان وقار

"اتنا آساں نہیں ہوتا"

ہر بار
نئے سال کی آمد پے
تمہارے نام
ایک خط لکھنا
اور اس خط میں
ادھر ادھر کی باتیں
کچھ پرانی ملاقاتیں
اور دل کا حال لکھنا
پھر اس خط کہ
ماتھے پے محبت کی مہر سجانا
اتنا آساں نہیں ہوتا
ہر بیتے سال کی طرح
اپنی چاہتوں کو
تمہارے نام کرکے
ہمیشہ ہمیشہ کے لیے
الماری میں قید کر دینا!!!

کنول خان...... ہری پور ہزارہ

یہ اک صدائے سال نو ہے ــــ!!!

سال نو کی جب بھی صدا آئی ہے
حیات نو کے رخساروں کو بوقت سحر
دن بھر میں نے چوما ہے...
مگر
میرا سایہ' میرا ہم زاد' میرا ہم عکس
کرہ ارض کے ہر اس گوشے میں گھوما ہے
جہاں بغاوت' تکمیل' تجرید جیسی چیزیں ہیں
جہاں نقالی' غلط بیانی اور باطل کے باب میں مدغم جھوٹی
سچی تحریریں ہیں
جہاں تخیل بلوغت قلب' تخیل بلوغت روح' تخیل
بلوغت قالب کی کہن سالی ہے
جہاں کیا تاجر' کیا وزیر' کیا بادشاہ' کیا فقیر' سب ایک سی
بدحالی ہے
جہاں زیست ناتواں موت کی متمنی اور حیات نو خیز شب
بہت کالی ہے
جہاں تغیر و تبدل نے بھی نہ کوئی راہ نکالی ہے

مگر اس بار
سال نو کی آمد پر
میں نے اب کہ یہی سوچا ہے
کہ جیسے
دل اور دماغ کی حد میں راستہ ہے
روح اور جسم کا
آپس میں رابطہ ہے
قناعت' صبر اور شکر کو اپنانا ہے
ہر جنگ بد میں نیکی کو جیتانا ہے
چنگھاڑتے ہر اک طوفاں کو زمزم خوندی کا گیت سنانا ہے
رحم' شفقت اور محبت کا علم لہرانا ہے
بدبختی' بے ایمانی' بغاوت کو ختم کروانا ہے
سمندر کی تہ سے گل ہا صدف اٹھانا ہے
ہر شب تاریک سے لمحہ کو جگانا ہے
خلا بسیط و محیط ادراک و فہم سے محدود اور مختصر اختراع کا
فرق دکھانا ہے
شہ زوروں کو طاقتوروں سے تقویت دلانا ہے
ظالم سے مظلوم کو حق دلانا ہے
غربت' نخوت' تکبر کا نقاب ہٹانا ہے
کینہ' بغض' ریاکاری سے دھیان ہٹانا ہے
تعلیم کا زیور دے کر
شعور کا محور دے کر
ہر جاہل کو انسانیت کا سبق پڑھانا ہے
وہ رب عالم محبت و تخیل سے جس کو نکھارا گیا ہے
گل' خوشبو' کہکشاں سے جس کو سنوارا گیا ہے
مجھے اس برس
اک ایسا اصول
اک ایسا قاعدہ
اک ایسا آئین بنانا ہے......!!!

حرا قریشی...... ملتان

نیا سال مبارک ہو
پچھلے سال کی تمام تشنگی کا سلگتا ڈھیر چن کر
نذر آتش کر دو
نئے حوصلے نئے عزم سے
قدم بڑھاؤ جانب منزل
کوئی محرومی کوئی آنسو کوئی رتجگے کی رات
اس مسافت میں روک نہ ہو
امید کے دھاگے میں لپیٹ کر وجود اپنا
کوئی جگنو کوئی تارہ کوئی دیپ روشن رکھنا

بقا کے سفر میں ہیں منزلوں کے عجب مراتب
پژمردہ نڈھال شکستہ وجود ڈھل جانے دو
نئے سفر کے نئے ولولوں میں
نفرتوں کے بیج چن کر
محبتوں کی فصل اگاہ دو
کسی چہرے کی مسکان بن کر
کسی ڈھلکتے آنسو کا مان بن کر
کسی ٹوٹے دل کا ارمان بن کر
مایوسی سے آس تک کا خوش آئند سفر ہو
پہلا قدم پہلا قطرہ
قطرہ قطرہ سمندر ہو
جہت بدلو سوچ بدلو زندگی کا آغاز کرلو
نئی رتوں میں نئی امنگوں کا پیرہن اوڑھ کر
نئے سال میں کوئی نئی بات کرلو

قرۃ العین سکندر...... لاہور

اے کاش اس برس
سحر اور شب کے آنے اور جانے سے
کلینڈر پر دن مہینے سال بدلنے سے
تقدیر گر بدلتی ہو
محبت گر ملتی ہو
خواب پورے ہوتے ہوں
چاہتیں نہ ادھوری ہوں
سال یونہی نہ گزرتے ہوں
نئے سال کے آنچل پر
کہکشاں میں اترتی ہوں
بارود کی آگ سے
کوئی گھر نہ جلے
نفرتوں کو کہیں امان نہ ملے
چہار سو امن ہو
خوابوں کی سر زمین پر
امیدوں کی پیداوار ہو
نیا برس اگر تو
امیدوں کے، خواہشوں کے چاہتوں کے
فروزاں روشن دیے ہوں
امید کی فصل گل کھلے
سبز راحتوں کی بہار ہو
آنچل کسی کا نہ سرکے
کوئی جان سے نہ جائے
اہلاً وسہلاً اے نئے سال

تجھے گلے لگالوں گر
وعدہ تم کرو
دکھوں کی سرزمین پر
غم کی فصل نہ اگے گی
ہجر سے دہکتے دلوں میں
راکھ نہ سلگے گی
وصل کی بات ہوگی اب
کرب
زمیں سے رخصت ہوں گے
وعدہ کرو اب کے برس
حرص، ہوس اور حسد کے
بت منہ کے بل گرائے جائیں گے
دنیا امن کی جگہ ہوگی
کسی گھر پر آگ کے شعلے نہ برسیں گے
وعدہ کرو اب کے برس
امید کے خوشی اور سکون کی فصلِ گل
زمین اگائے گی
دکھ بنجر ہوں گے اور ظلم کو فساد کو
آسمان سے اتری آگ جلا کر بھسم کردے گی
وعدہ کرو کہ زمین پر کوئی بھی آنکھ نم نہ ہوگی
کوئی دل نہ روئے گا
کسی کا گھر نہ جلے گا کوئی بے گھر نہ ہوگا
مظلوم کے لیے زمین تنگ نہ ہوگی
کسی ماں کی کوکھ نہ اجاڑی جائے گی
ظلم وجور سے بھری دنیا میں
سکھ کا نیا سورج چمکے گا اور
غم کے زمین پر سکھ کی برسات ہوگی
کسی مظلوم کی آہ سے عرش نہ ہلے گا
دعا کرو اے عرش نیا برس
امیدوں کی پر روشن نور کا مسکن ہوگا
بہار بن کر نکھرے گا
امید بن کر کھلے گا نیا برس
رات غم کی کٹ جائے گی
اجالا بن کے چھائے گا نیا برس
غریب سکھ کی نیند سوئے گا
شب چاندنی کھلائے گا نیا برس
نیا سال اگائے گا حسین خواب
اے کاش
دنیا امن کا گہوارا ہو

کسی کا گھر نہ جلے
اور کوئی بے گھر نہ ہو
دعا کرو نئے برس
طویل دھند کی رات نہ ہو
میرے ہاتھ میں ان کا ہاتھ ہو
میرے ہاتھوں میں بھی اتریں
جگنو، نئی رتوں کے پرنور سے دیے
اے کاش اس برس
اے کاش اس برس

ہاجرہ عمران خان......لاہور

چلو تم کہہ رہے ہو تو
ہم یہ مان لیتے ہیں
کہ سال نو آنے کو ہے
تو کیا اس سال بدلیں گی
رسمیں بے وفائی کی؟
تو کیا ٹوٹ جائیں گی
سلاخیں سب جدائی کی؟
تو کیا اس سال نہ آئیں گی
یادیں اس ہرجائی کی؟
تو کیا اس سال نہ ہوگی
اذیت نارسائی کی؟
کیوں اب خاموش بیٹھے ہو؟
تو اس چپ کو میں کیا سمجھوں؟
چلو نہ منہ سے کچھ بولو
تیری آنکھیں بتاتی ہیں
کہ
اس برس بھی حال یہ ہوگا
بتاؤ کس طرح
پھر نیا سال یہ ہوگا؟

مالا راجپوت......صفدر آباد

نئے سال کا سورج

تم کہتے ہو
کہانی کار ہوں میں
لفظوں کو بنتا اور پھر
انہیں سپرد طلسم کردینا کام ہے میرا
سو کسی روز میں لکھوں
خواب کوئی نئے جہاں کا
خوش امیدی میں لپٹا کوئی سندیسہ
کہ جس پر گمان گزرے خوشنما کل کا
لکھوں خوشبو میں لپٹی وہ باتیں
کہ جنہیں پڑھ کر مسکرایا جائے
کچھ پل ہی سہی لیکن
غم زندگی کو بھلایا جائے
روتا نہ ہو جہاں کوئی
اور سوتا نہ ہو بھوکا وہاں کوئی
اپنے بھی رہیں سب اپنے
اور نوچ کھاتا نہ ہو دوسرے کی بوٹی بھی کوئی
ایوانوں کو میں مربوط لکھوں
آنے والے کل کو مضبوط لکھوں
معصوم پھولوں کو مستقبل
اور نوجوانوں کو معمار وطن لکھوں
تصویر کشی کروں میں ایسے
ہر سو دھنک بکھری ہو جیسے
یعنی ہزار رنگ کی میں زندگی لکھوں
جس میں غم نہ ہو، یاسیت و ناامیدی نہ ہو
سوائے میرے عزیز من
اگر میرے لکھنے سے
امیدوں کے دیپ روشن ہوتے ہیں
نئی امنگیں، نئے امیدیں جنم لیتی ہیں
میرے لکھنے سے اگر روشن ہوتی ہیں تاویلیں ساری
کھلتے ہیں گلشن میں بسے پھول سارے
سوائے عزیز من اس بار میں
نئے سال کے سورج کو
ہر بام اور ہر سال سے زیادہ
روشن لکھتی ہوں
میں نئے سال کو امن کی آشا اور
وطن عزیز کے کل کو
خوشیوں سے بھرپور، بے تحاشہ لکھتی ہوں
ہاں!
میں نئے سال کے سورج کو
ہر بام اور ہر سال سے زیادہ
روشن لکھتی ہوں

کوثر ناز......حیدر آباد

میں جانتی ہوں
تمہیں پرانی چیزوں سے نفرت ہے
تم تو نئے موسم کے آتے ہی
اپنے کمرے کے کرٹن قالین چادروں سے لے کر
گھر کی ہر چیز بدل دیتے ہو۔

تم تو ایک موسم کے پہنے کپڑے بھی
اگلے برس پہننا اپنی توہین سمجھتے ہو
تم تو ہمیشہ اپنی کار بھی
نئے سال کے نئے ماڈل سے بدل دیتے ہو
تم وقت کے سانچے میں ڈھل جانے کو ہی پرفیکشن سمجھتے ہو
تمہیں تو ہمیشہ اپنی طرح سب کچھ پرفیکٹ چاہیے ہوتا ہے
دیکھو
اب پھر ایک سال گزرنے والا ہے
میں جانتی ہوں
اب بھی تم اپنی وہی عادت دہراؤ گے
لیکن سچ کہوں تو
مجھے تمہاری اس عادت سے بہت خوف آتا ہے
کہیں اس نئے برس تم
پرانی چیزوں کی طرح پرانی محبت سے بھی اکتا جاؤ
کہیں اسے بھی کوئی اَلرجک چیز سمجھ کے کسی اور محبت سے بدل ڈالو

نادیہ خان بلوچ...... شہر کوٹ ادو

نئے سال کا پہلو ہے
اک پرانی روایت ہے
نئی ہو یا پرانی
بندھی مقدر سے
خوشیاں ضرور لاتا ہے
ٹھنڈے موسم میں
مٹھاس دلوں کو دیتا ہے
تپتے سلگتے جذبوں پر
پانی کی ٹھنڈی پھوار رکھتا ہے
الجھتی سوچوں کو
نئے راز یہ بخشتا ہے
ہر کسی کے لیے نہ سہی
مگر پھر بھی
خوابوں کی صورت
بکھری سوچوں کو
نیا سال
تعبیریں ضرور دیتا ہے

نرمین سرھیو...... حیدر آباد

دسمبر کی یہ آخری ساعتیں
یوں محسوس ہو رہی ہیں
جیسے لمحہ بہ لمحہ
زندگی سے دور
اور
موت کے قریب
اپنی یہ زندگانی ہے
نئے سال کی
کوئی بھی رمق
میں خود میں نہیں پاتی
کہ اندر سے
اپنی حالت بھی
وطن کی سی ہو گئی ہے
کمزور اور کھوکھلی

دلکش مریم...... چنیوٹ

"نئے برس"

پچھلے برس نے تو بہت مایوس کیا ہم کو
اے آنے والے نئے برس
کیا ہم تجھ سے امید رکھیں؟
کہ تو اپنے دامن میں سب کے لیے خوشیاں لائے گا
نفرت کے الاؤ بجھا کر
ہر سو محبتوں کے دیپ جلائے گا
بھوک و افلاس کے سایوں کو اپنے اندر سمیٹ کر
ہر سو خوشحالی کے رنگ بکھرائے گا
ختم کر کے سارے فاصلے اور دوریاں
سب اپنوں کو قریب لائے گا
خون کی ہولی جہاں جہاں کھیلی جا رہی ہے
کیا ان کے لیے تو امن کا پیمبر بن کر آئے گا؟
جکڑے ہوئے ہیں جو برسوں سے غلامی کی زنجیروں میں
ان کو کیا تو آزادی کی نوید سنائے گا؟
یا پھر تیرا آنا بھی بیتے برس کی طرح
فقط ایک تاریخ میں تبدیلی ہی ہو گی

افشاں شاہد...... کراچی

"دسمبر"

دسمبر کی شب آخر بھی
دیکھو آن پہنچی ہے
نیا اب سال آنے میں
ابھی کچھ وقت باقی ہے
نیا جب سال آئے گا
نئے کچھ عہد لائے گا
نئے سال کی آمد پر

ہم نے یہ سوچ رکھا ہے
ہم اپنی بھیگی پلکوں پر
حسین سپنے سجائیں گے
ادھورے خواب جو رہتے ہیں
انہیں تعبیر ہم دیں گے
سب ہی سادہ صفحوں کو
نئی تصویر ہم دیں گے
محبت کے بند دروازے سب ہی پر کھول دیں گے ہم
دلوں میں قید لفظوں کو
لبوں سے بول دیں گے ہم
نئے رشتے بنائیں گے
محبت سے نبھائیں گے
نیا سال آنے پر ہم سب عہد کرتے ہیں
نئے اس سال کا یوں استقبال کرنا ہے
ملا کر ہاتھ آپس میں نفرتیں پامال کرنا ہیں
محبت میں ہی جینا ہے
محبت میں ہی مرنا ہے
ہمیں یہ عہد کرنا ہے

نزہت جبین ضیاء...... کراچی

نیا سال......

ابھی دسمبر کی اداسیاں آنکھوں میں تھی
وہم کی بدلیاں راتوں میں تھی
ابھی نہ بھولے تھے نا وہ عہد پیمان
وہ نرم سی تاثیر اس کی باتوں میں تھی
سنا ہے نیا سال آنے والا ہے
امید دل نے کہا وہ بھی آنے والا ہے
ویران آنگن کو پتیوں سے سجایا ہے
خالی کمرے کو خوشبو سے مہکایا ہے
دل کہتا ہے وہ لوٹ کر آئے گا
اتنے برسوں کی ریاضت کا صلہ پایا ہے
پر کون جانے کیسے تقدیر کے رنگ
قسمت والے ملتے ہیں اپنوں کے سنگ
میں نے اس برس بھی دروازہ کھلا چھوڑا تھا
ٹوٹے خوابوں کی کرچیوں کو جوڑا تھا
میرے آنسو کا سمندر بہتا رہے گا
عشق میرا زمانے سے کہتا رہے گا
اک آس ہے من میں
ابھی کچھ وقت باقی ہے
ابھی جنوری کی شاموں میں
آس کا دیا روشن ہے
چوکھٹ آج بھی پیاسی ہے
مسافر لوٹ آئے گا
ہاں ساجن لوٹ آئے گا

سید عبادت کاظمی...... ڈیرہ اسماعیل خان

غزل

ڈھل جائے گی ظلمت کی رات نیا سال آنے کو ہے
کرو نہ اب دکھ کی کوئی بات نیا سال آنے کو ہے
شہید کی ماں نے اپنے اشک پونچھ کر یہ کہا
بلند ہیں ہمارے جذبات نیا سال آنے کو ہے
ہوگی سال نو کی صبح اجلی اجلی روشن روشن
حسین ہوں گے سب لمحات نیا سال آنے کو ہے
میری دھرتی سیراب ہوگی سکھ کے ساون سے
خوشیوں کی ہوگی برسات نیا سال آنے کو ہے
بچھڑے ملے گے آخر بھولے بھی گھر لوٹے گے
پھر ہوگا ہاتھوں میں ہاتھ نیا سال آنے کو ہے
کئی معصوم آنکھوں نے سہانے خواب دیکھے ہیں
تعبیر ان کی لائے گا سات نیا سال آنے کو ہے
اداس چہروں پر ہنسی کھلکھلائے گی
دیکھ لینا یہ کرامات نیا سال آنے کو ہے
وطن پر جان دیتے ہیں ہم وفادار اتنے ہیں
بدل ڈالیں گے یہ حالات نیا سال آنے کو ہے
ایک اللہ ایک رسول ﷺ، ایک قرآن، ایک ہیں مسلمان
سب کرو مل کر مناجات نیا سال آنے کو ہے
زندگی کی بساط پر لینی ہمیں بازی فرح
دینی ہے شر کو مات نیا سال آنے کو ہے

فرح بھٹو...... حیدرآباد

خلاصہ زندگی یا نیا سال

کتنے ملتے جلتے ہیں دسمبر اور ہم
جنوری کچھ اس طرح جیسے اک ننھا طفل
فروری جیسے بچپن کے میٹھے سے دن
گھٹنوں پہ چلتے ہیں سب جن دنوں
مارچ کی صورت تو ویسی لگی
اپریل کا ڈھنگ کچھ ویسا ہے
نئے سے طالب علم جیسا ہے
مشکل سے جو سوتا ہے
اسکول جانے پہ روتا ہے
جلد بہل وہ جاتا ہے
مئی کو ذرا تم محسوس کرو

کسی نوجواں کی بھیگی مسیں
کسی حسینہ کی الھڑ عمر
جون ہے تپتی جوانی کی پوری شبیہ
دونوں میں راتیں چھوٹی اور دن ہیں بڑے
مشکل ہے دونوں کو برداشت کرنا
جولائی ہے جوانی اور ڈھلتے دنوں کی درمیانی کڑی
یادوں پہ یادوں کی میٹھی گھڑی
اگست ہے زیست کا تیجا پہر
مزاجوں کے جیسے بدلتا رہے
کبھی بارشوں سے جل تھل رہے
کبھی حبس سے دم نکلنے لگے
یہ عملی زندگی کی کڑی ہے گھڑی
ستمبر بدلتا ہے پھر ایک بار
جیسے جوانی کی جانب بڑھاپا بڑھے
اکتوبر لاتا ہے ساتھ میں خزاں رسیدگی
جیسے ڈھلتی عمر کے آخری ماہ و سال
گل مرجھائیں اور پیلے پڑتے ہیں پتے
جب آجائے نومبر تو لگے ہوگئے عمر تمام
نومبر اک اشارہ ہے نئے سال کے آنے کا
جیسے بڑھاپا اک آگاہی ہے زیست کی آخری سیڑھی کا
لو اب!
دسمبر آگیا ہے پنچھی اڑ گئے گھونسلے سے
درختوں سے پتے بھی جھڑ چکے
ڈالی بھی پھولوں سے خالی ہوگی
ہر طرف سرد موسم کی حکمرانی ہوئی
میں نے شیشے پہ اچٹتی نظر ڈال لی
لو دسمبر میں میں اور دسمبر مجھ میں ڈھل چکا ہے
میرے بچے بھی پنچھی بن کے اڑ گئے
بھری جوانی ٹنڈ منڈ درخت کے جیسی لگی
دسمبر بڑھاپے کا مکمل عکس ہے
جانے کی گھڑی کا اشارہ ہے یہ
سمجھو تو مرگ کا استعارہ ہے یہ

طیبہ عنصر مغل......راولپنڈی

"سال نو کی دعا"

خدایا سال نو کی راتیں ہوں روشن دن ہوں سنہرے
ایسا سورج ہو طلوع جو مٹا دے ظلمت بھرے اندھیرے
چہار سو بکھر جائے چاہت بھرے پھولوں کی مہک
راتیں کچھ یوں جگمگائیں کہ اجلے ہوں سبھی سویرے
نفرتوں کو دوام نہ ملے، تفرقوں میں نہ کوئی بٹے
سر پر سائباں بن کے چھائیں محبتوں کے سائے گھنیرے
آشفتہ آشفتہ خواب سارے حقیقت میں یوں ڈھل جائیں
تشنہ، ادھورے رہیں نہ خیال وخواب تیرے اور میرے
نہ خوف کا پہرا ہو کہیں نہ سایہ ہو کسی بھی دکھ کا
ہر بام و در پر لگائی جائیں یوں خوشیاں اپنے پھیرے

ریحانہ اعجاز......کراچی

نیا سال

خوشیاں لا رہا ہے
دلوں میں محبت کے
دیپ روشن ہیں
چار سو محبتیں
بکھری پڑی ہیں
کیوں نظر کدورت
ونفرت کی جانب کریں
آؤ زندگی سے
خوشیاں کشید کریں
نئے سال میں
نئے انداز میں
زندگی جینے
کا عہد کریں
اداسی، کو نفرت
کو زندگی سے
وداع کردیں
نئے سال میں کچھ ایسا کریں

ریما نور رضوان......کراچی

(جاری ہے)

biazdill@aanchal.com.pk

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

نجم انجم اعوان اور جان سے پیاروں کے نام

ہیلو جی کیسے ہیں آپ سب اور کیسی گزر رہی ہے زندگی؟ نجم انجم شکریہ آپ نے اس ناچیز کو یاد کیا۔ فریدہ فری میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور آپ کے بیٹے کو جلد صحت یاب کرے۔ نجم انجم، پروین افضل شاہین، کوثر خالد، اقرا، صغیر احمد، نازیہ کنول نازی، فاخرہ گل، اریشہ علی، نگہت عبداللہ، صباء ایشل، فرحین اظفر سلمیٰ فہیم گل، ارم کمال، مدیحہ نورین مہک، سدرۃ، غزالہ، مہوش اور جازبہ عباسی آپا سب اور جن کے نام رہ گئے ہیں ان کو بھی نیا سال بہت بہت مبارک ہو۔ کسی کو سال کے ختم ہونے پر دکھ ہوگا تو کوئی خوش ہوگا مگر سچ یہی ہے کہ جو کام شروع ہوتا ہے اس کا اختتام بھی لازمی ہے۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ سب کو ڈھیروں خوشیاں دے اور والدین کا سایہ قائم رکھے آمین۔ اللہ تعالیٰ میرے والدین اور فیملی کو بھی خوش رکھے آئی لو مائی فیملی۔ کچھ لوگوں کو فرینڈز ریکوئسٹ بھیجی تھیں یار جواب تو دے دو۔ نورین انجم آپ مجھے اپنی بہن بنائیں گی کیونکہ میری کوئی بہن نہیں ہے اور آپ مجھے اچھی بھی بہت لگتی ہیں اگر کوئی اس ناچیز سے دوستی کرنا چاہے تو موسٹ ویلکم او کے اللہ حافظ۔ اچھی سی بات کے ساتھ زندگی اور خربوزے میں ایک بات مشترک ہوتی ہے یہ پھیکی بھی نکل آئے تو پھینکی نہیں جاتی۔

رقیہ ناز...... میلسی، وہاڑی

پیاری زندگی کے نام

آداب! امید ہے کہ خیریت سے ہو، میرا دل کیا کہ اس سال نئے سال کی مبارک باد آنچل کے توسط سے دوں۔ اللہ آپ کے لیے آنے والے سال میں ڈھیروں خوشیاں لائے، نیا سال بہت بہت مبارک ہو۔

کھلے جو لب تو دعا دیں تم کو
ہر روز نئی زندگی خدا دے تم کو
ہر ایک خوشی کی آرزو کرو تم
تو خدا خوشیوں کے دریا دے تم کو

دعاؤں میں یاد رکھنا، والسلام۔

ایس ستیانہ......

آفیسرز کالج آف کامرس کی مہکتی کلیوں کے نام

السلام علیکم! ڈیئر پرنسپل اختل وکیل صاحبہ! کیسی ہیں آپ؟ بھئی حال پوچھا ہے ویسے تو مجھے پتا ہے کہ آپ بہت کیوٹ اور ڈیسنٹ پروقار، پرخلوص دلوں پر چھا جانے والی ہیں اور ہم اس پر خدا کے بہت شکر گزار ہیں کہ ہم آپ جیسی پرنسپل کی شکل میں ایک عظیم رہنما، بہترین دوست ملا۔ ہم خوش نصیب ہیں کہ ہمیں آپ جیسی شخصیت کے زیرنگرانی ہیں، بس......

خیر اب آتی ہوں اپنے مین مقصد پر کیونکہ میں آپ کی پرسنلٹی آپ کے حسن اخلاق کو لفظوں میں بیان نہیں کرسکتی، ڈیئر اختل صاحبہ جیسا کہ 24 تاریخ کو آپ کی سالگرہ ہے اور میں اس کو اپنی خوش نصیبی سمجھتی ہوں کہ میں آپ کو وش کررہی ہوں ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ اللہ پاک آپ کو آپ کے اہل خانہ کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے اور دعا ہے کہ آپ جیسی اور اختل وکیل پیدا ہو جو ہمارے اس معاشرے کے لوگوں کی سوچ بدل دے، لوگوں کے ذہنی فتور کو کم کردے اور ہاں 24 کو اچھی سی پیاری سی سویٹ سی پارٹی تیار رکھیے گا میرے لیے نہیں بلکہ پورے کالج کے لیے اینڈ اپنی تمام نہایت قابل احترام اساتذہ سب کی آئیڈیل مس سماویہ پرسکون سے چہرے والی مس مہوش چیمہ، مس مریم سے سے الگ تھلگ مس مہوش ظفر اور نرم ونازک مس آسیہ جی کو میرا پیار بھرا اسلام۔ وہ کہتے ہیں نا جیسی صحبت ویسی سوچ مجھے تو ان سب میں بھی اپنی پرنسپل کی جھلک نظر آتی ہے اور ہاں ڈیئر ٹیچرز آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اچھی سی پارٹی کے لیے تیار رہیں جو کہ آپ سب کو جلد ملنے والی ہے۔

انا مریم...... شادیوال، گجرات

بہت خاص لوگوں کے نام

سواتی کی طرف سے سلام، کیا حال چال ہیں سمیرا! دوستوں آپ سب کو بھی نیو ائیر مبارک ہو، اسلامی سال تو گزر گیا پر اب ہم مسلمان بھی انگریز بن گئے ہیں، ہمیں اپنے اسلامی کاموں کی کوئی نشاندہی نہیں خیر بات وہی ہے کیا خوب شبینہ گل نے کہا ہے "جینا مغرب مرنا مشرق"، بہت شکریہ دوستوں آپ نے مجھے بھی یاد رکھا نومبر کے شمارے میں۔ جازبہ عباسی، تمنا بلوچ (سدا خوش رہیں) حسینہ ایچ ایس (یار مبارک ہو شادی ہو رہی ہے دل کررہا ہوگا کہ کب ہوا اب منہ کے زاویے درست کرو۔ گھر آ کر دعوت دینا پھر ضرور آؤں گی، فون کال کی کوئی اہمیت نہیں (دوستوں حسینہ کو مبارک دو)۔ مائی لعل کوئن نورین انجم تھینکس دوست تم ہمیشہ مجھے یاد رکھنا ورنہ چڑیل بن کر کھا جاؤں گی (یہ بات تمہاری ماما جان نے کہی تھی میں تو انہیں یاد کرتی ہوں پر وہ مصروف ہیں)۔ پارس شاہ، عائش کشمائے علیشبہ نور، مدیحہ نورین، عائشہ پرویز، طیبہ خاور پھول (قسم سے آپ بہت پسند ہیں کیسے بتاؤں آپ کو)۔ ارم کمال، پروین افضل شاہین (اللہ پاک آپ کو نئے سال میں اولاد کی خوشی دے، آمین) ماہ رخ سیال، دعائے سحر، اقصیٰ کشش، آمنہ رحمن، ہنی یار انجوائے کرو مری کی دلکشیوں کو۔ دلکش مریم بہت دکھ ہوا آپ کے ابو کی رحلت کا سن کر، کاجل شاہ خیر تو ہے کوئی اتا پتا نہیں۔ کرن شہزادی، این سمعیہ کنول قسم سے ایسا لگتا ہے جیسے مجھے جانتی ہی نہیں ہو خیر خوش رہو۔ کنزہ (خاکی) میں تمہیں کیسے بتاؤں سویٹی کہ میرا کتنا دل چاہتا ہے تم سے ملنے کو پر یہ مجبوریاں اُف، شادی مبارک بھئی مجھے تو یقین ہی نہیں

ہورہا آل ویز بی ہیپی۔ بھول نہ جانا یاد کرنا' کومل سراج تم بھی ہاؤس وائف بننے والی ہو مبارک جی۔ ناظمہ آنٹی سالگرہ مبارک' ٹریٹ دینی ہے کنجوس۔ فجر کا خیال رکھنا بہت کیوٹ ہے بالکل میری طرح ہاہاہا۔ سمعیہ چچی' زرش کی مما بننے پر مبارک باد قبول فرمائیں' قسم سے لیاقت چاچو نے مٹھائی کی بھی بچت کروادی۔ ہیلو ایوری باڈی ثوبیہ نثار' نادیہ رحمت' کوثر تنہا' انیتا وفا' عالیہ غزل دیکھو لو گھر میں بھی ٹرٹر کرتی رہتی ہو اور اب یہاں بھی...... ثوبیہ نثار یہ نادیہ اتنی مغرور کیوں ہوگئی ہے بتاؤ نادیہ صاحبہ' او کے فرینڈز اتنا کافی ہے۔ دوستوں میرے دل کا دروازہ کھلا رہے گا' اللہ حافظ۔

سمیرا اسواتی...... بھیر کنڈ

غزل

سچ تو یہ ہے کہ اب تیرے بن رہا نہیں جاتا
کہہ تو دوں حال دل مگر اب کہا نہیں جاتا
لفظ ڈرتے ہیں بکھرنے سے بن کے راکھ کی صورت
دل سے جذبات کا سلگنا بھی سہا نہیں جاتا
تھام لو بانہوں میں مجھے بھردو چاہت سے اپنی
ٹوٹے وجود کو بکھرنے سے ہم سے تو روکا نہیں جاتا

السلام علیکم! میری دوست کیسی ہو تم' میں نے سوچا کہ تمہیں سالگرہ کی مبارک باد آنچل کے ذریعے دی جائے' اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ڈھیر ساری خوشیاں دے' تمہیں ہر قدم پر کامیابیاں ملیں اور ہمیشہ خوش رہو۔ اللہ تمہیں برے لوگوں سے بچائے رکھے اور ہمیشہ اپنی حفظ وامان میں رکھے آمین۔

ثمر ردمیسہ...... مرید کے

آنچل کے پرستاروں کے نام

تمام آنچل ریڈرز اور رائٹرز کو میرا سلام' پہلی بار شرکت کررہی ہوں امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔ آنچل کی دیوانی اور میری جان طاہر منورآئی مس یو' ماموں جی اور سب کو میرا سلام۔ سائرہ' صباء کیسے ہو جی' بھائی عرفان اور بھائی عدنان شہباز کیوں مجھے پیار سے زیادہ تنگ کرتے ہو اور ان کے کبوتر وہ تو میرے دشمن ہیں' میرے سارے پودے برباد کرتے ہیں۔ میں نے آج تک کسی سے دوستی نہیں کی مگر اب آنچل وحجاب والیوں سے کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ہم خود باحجاب رہتے ہیں خاص کر جو ملتان میرے پیارے شہر میں رہتی ہیں حرا قریشی سے ضرور کروں گی اگر وہ ناں کرے تو بھی۔ اس کے علاوہ فوزیہ سلطانہ' دلکش مریم' عائش کشمالے' گل مینا مجھے آپ کے نام بہت پسند ہیں۔ طاہرہ آنچل وحجاب دینے کے لیے شکریہ اب پیارا سا فراک بھی دے دو' ان کو میرا سلام کہنا اور علیزہ کو پیار۔ کوکو (فوزیہ مامی) مجھے ماموں کی دکان سے چاکلیٹ ضرور دلانا' اللہ حافظ۔

ثمرانہ مانو...... ملتان

دل میں بسنے والوں کے نام

السلام علیکم! کیسے ہو مائی سویٹ اینڈ کیوٹ سے فرینڈ کیا کہا ٹھیک ہیں' اچھا جی ہمیشہ خوش رہیں۔ گل مینا اینڈ حسینہ ایچ ایس تھینک سویٹی' میرا انداز شاہانہ نہیں میں خود بھی اپنے سویٹ سے بابا جان کی شہزادی ہوں جو ہر کام خود کرتی ہے' ہاہاہا۔ اور تمہیں پتا ہے رسالے بھی مجھے میرے ابو جی لا کر دیتے ہیں' لو یو ابو جی۔ یار اپنا تعارف تو بھجواؤ مجھے تمہارے بارے میں جاننا ہے مس یو مائی جانی' اساں ڈھیر محبتاں نہیں منگدے ہنس کے روز ملا کر کچھ یاد آیا سویٹ ہارٹ۔ اقرأ حفیظ شکریہ آپ نے اگست کے شمارے میں میرے پیغام کو پسند کیا میں جب بھی آپ کا نام پڑھتی ہوں تو مجھے عائشہ حفظ مائی فرینڈ یاد آجاتی ہے۔ نجم انجم آپی' ثناء قریشی تھینکس' شمع مسکان' جاناں (چکوال)' مسکان (قصور) اور دعائے سحر آپ لوگ کہاں غائب ہیں مس یو۔ دلکش مریم اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو صبر عطا کرے اور آپ کے ابو کے درجات بلند کرے اور ان کی مغفرت کرے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ رفاقت جاوید اور نازیہ کنول جی اللہ تعالیٰ آپ کو صحت والی لمبی زندگی عطا فرمائے اور آپ کی ہر تکلیف کو دور کرے۔ ملالہ اسلم' اقرأ لیاقت' عنزہ یونس' جازبہ عباسی' دلکش مریم' ایس گوہر آپی' پروین افضل' عائشہ رحمن ہنی' آمنہ رحمن' مدیحہ نورین' ایم فاطمہ' سمیرا اسواتی' اقرأ جٹ' زعیمہ روشن' صباحا اینڈ زرکا زرگر' حور خان' سیدہ رابعہ شاہ' فائزہ بھٹی آپ سب میری فرینڈز ہیں میں نے کہہ دیا اور میرے جیسی کیوٹ سی لڑکی کو کوئی انکار ہی نہیں کرسکتا' ٹھیک ہے ناں' ہاہاہا۔ ملالہ اسلم شادی کی مبارک باد' میں کون سا آپ کے گھر آرہی تھی جو آپ نے شادی کروا کے جگہ ہی چھوڑ دی ہے' مذاق کررہی ہوں مائنڈ نہ کرنا' معافیہ سلیم آپ کے لیے اتنا ہی......

امید نہ رکھ کسی سے سچے پیار کی
اکثر دھوکہ دیتے ہیں ٹوٹ کر چاہنے والے

علیزہ فاطمہ' نورین انجم کیوٹ گڑیا تمہارے لیے ڈھیر ساری پاریاں اور آپ کی مما کو سلام۔ عثمان علی بھٹی برادر آہستہ بولا کرو' زرحمن منور علی بھٹی نائی بوائے' گیم کم کھیلا کرو' امی جی آئی لو یو اینڈ یہ مائی سویٹ فرینڈز زندگی کے لیے۔

تیری یادوں کی بارش برستی ہے اب بھی
میں بھیگ جاتی ہوں مگر پلکوں کی حد تک

مس یو سویٹ ہارٹ اللہ حافظ۔

طاہرہ منور علی بھٹی...... کیبر والہ

کیوٹ لٹل سسٹر ماریہ کے نام

پھولوں کا تاروں کا سب کا کہنا ہے
ایک ہزاروں میں میری بہنا ہے

یکم جنوری کو میری سویٹ سسٹر ماریہ کا برتھ ڈے ہوتا ہے' ڈبل خوشی ہوتی ہے ہمیں ایک نئے سال کی دوسرا برتھ ڈے کی ڈبل خوشی' ڈبل مزا' ڈبل پارٹی اینی ویز سالگرہ بہت مبارک ہو' اللہ تمہیں ڈھیروں خوشیاں دے' صحت وتندرستی والی لمبی زندگی دے' آمین۔ ماما' پاپا کی

طرف سے جنم دن بہت بہت مبارک ہو خوب ترقیاں کرو سب کو پیچھے چھوڑ دو آمین۔ بھائی بلال احمل اور بھابی نیلم شاہ کی طرف سے بھی سالگرہ کی ڈھیر ساری مبارک باد قبول کرو ان سے تگڑا گفٹ لینا۔ آپی سمیرا معظمہ مریم اینڈ عثمان علی کہہ رہے ہیں تم نے پارٹی کیا دینی ہے اس حساب سے ہم گفٹ لائیں اور معظمہ کہہ رہی ہے وڈا ووٹ گفٹ پارٹی میں آنا الاؤ ہے تو میں آجاؤں گی شادی کے بعد ٹوٹلی لائف چینج ہوجاتی ہے۔ ہم سب بہن بھائی کتنے بڑی ہوگئے ہیں ڈونٹ وری تمہارے برتھ ڈے پر میں پکا آؤں گی اور آتے ہی سب کی بزی لائف ختم کروادوں گی بس پرانی والی لائف جئیں گے موج مستی کریں گے ان شاء اللہ اور علی کا کیک بابا نے کاٹا آپی سمیرا کا بھی بابا نے اب تمہارا برتھ ڈے کا کیک بھی بابا کے ہاتھوں کٹوائیں گے اللہ ہمارے بابا کو صحت تندرستی والی لمبی زندگی دے آمین۔

عظمیٰ بٹ.....سمندری

سال نو پر دعاؤں کی بارش تمام مسلمانوں کے نام

دعاؤں کی بارش لے کر آئی میں شہزادی
شفاؤں کی بارش لے کر آئی میں شہزادی
اللہ نبی ﷺ سے دل کا رشتہ جوڑا ہے
ہواؤں کی بارش لے کر آئی میں شہزادی
دنیا کی سب جھوٹی رسمیں کاٹنے دوڑیں
صباؤں کی بارش لے کر آئی میں شہزادی
احساس کی دولت نے دامن کو بھر ڈالا ہے
رضاؤں کی بارش لے کر آئی میں شہزادی
شبنم بن کر پھولوں کو سیراب کروں گی
صداؤں کی بارش لے کر آئی میں شہزادی
چاند اور سورج جیسے جذبے بانٹوں میں
میناؤں کی بارش لے کر آئی میں شہزادی
خزاؤں میں بھی بہار سا دل لاتا ہے
اداؤں کی بارش لے کر آئی میں شہزادی
کوثر تو نے بن کے سائباں رہنا ہے
رداؤں کی بارش لے کر آئی میں شہزادی

کوثر خالد.....جڑانوالہ

دل میں بسنے والوں کے نام

امید ہے پروین افضل شاہین آپ ٹھیک ہوں گی آپ میری ہارٹ فیورٹ ہیں۔ رفاقت جاوید اللہ تعالیٰ آپ کو کامل صحت عطا کرے آمین۔ نازیہ کنول نازی آپ سے ہر بیماری دور رہے اپنے بچوں کو میری طرف سے ایک پیاری سی کسی۔ سویرا فلک آپ کے والد کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ مرحمت فرمائے آمین۔ فریدہ فری آپ کے بیٹے کو شکر ہے اللہ تعالیٰ نے ایکسیڈنٹ میں محفوظ رکھا جو چوٹیں آئی ہیں اللہ انہیں بھی جلد از جلد ٹھیک کردے آمین۔ شازیہ الطاف ہاشمی آپ کے گھر ایک ننھی پری کا نزول ہوا ہے بہت بہت مبارکیں انمول دعا۔ جازبہ عباسی آپ کو میرا پرخلوص سلام اقرأ ممتاز آپ میرے کون سے والے فین ہو پیدسٹل یا سلیپنگ۔ اسماء گل مغل! آپ بھی بہت کیوٹ ہو جانی۔ تمنا بلوچ آپ کے دکھ سکھ اور ہمارے دکھ سکھ سانجھے ہیں نورین انجم اعوان چندا میں بھی آپ کو دعاؤں میں یاد رکھتی ہوں۔ دلکش مریم آپ کا پیغام "باپ رہا نہ سائبان" پڑھ کر دل خون کے آنسو رویا واقعی باپ کے بغیر انسان اپنے آپ کو بے وزن اور خالی خالی سا محسوس کرتا ہے میرے بھی والد حیات نہیں اس لیے میں دکھ میں آپ کے ساتھ کھڑی ہوں۔

ارم کمال.....فیصل آباد

پیاری پھوپو سکینہ کے نام

السلام علیکم! پھوپو جانی میں بہت خوش ہوں آپ اتنے سالوں بعد پاکستان آئیں آپ کے آنے پر ہم نے خوب انجوائے کیا بہت مستی کی عید ایک ساتھ منائی بہت مزہ آیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے آپی سمیرا کی شادی آپ کروا کے جارہی ہیں ان شاء اللہ اب صبا آپی کی شادی پر آئیں گی اللہ آپ کو اور آپ کی فیملی کو ہمیشہ خوش رکھے۔ آپی سمیرا آپ کو بہت بہت شادی کی مبارک ہو اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے کبھی کوئی غم نہ آئے ایک اور کزن پیا کے دیس چلی گئی دل چھوٹا مت کریں ہاہاہا۔ اینڈ صباء جی بہت کھانے کھلا دیے ہمیں اب بھائی سلیم کو پکا کے کھلانا شاباش جلدی شادی کروالو۔ سعدیہ اسماء لویو آپی غزالہ آپ سے تو میں بہت ناراض ہوں کبھی کبھی جب میں ہوتی ہوں آپ رہنے نہیں آتی جیسے میں تو آپ کی سسٹر ہی نہیں ہوں کوئی گل نہیں۔ راشد بھائی آپ ہی آپی کو لے آئیں آپ تو بھائی ہیں بہن کا مان رکھ لیں۔ لیان زعیم جانو آنی آپ سے بہت اداس ہے ماما کو لے کر آجاؤ۔ آپی مہوش مس یو ٹو مچ عدن تم بہت یاد آتی ہو تمہارا رونا مسکرانا تنگ کرنا بہت مس کرتی ہوں۔ بہت عادت سی ہوگئی تھی تمہاری میری پیاری ماما اللہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے۔ پاپا جانی آپ بہت عظیم ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو صحت والی لمبی عمر عطا کرے۔ محمد بھائی آپ نے 1029 مارکس لے کر ماما پاپا کا سر فخر سے بلند کیا اللہ تمہارے ہر امتحان میں حامی و ناصر ہو بہت بہت مبارک۔ چاچی شبانہ آپ جیسی مہمان نوازی کوئی نہیں کرسکتا اللہ آپ کو اجر دے آمین۔ نصیبہ عفیفہ صبیحہ عائشہ لویو ٹو مچ۔

حنظلہ جاوید.....ڈی بارار ریناله

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گی لمبی غیر حاضری کے بعد ہم پھر سے تشریف لے آئے ہیں۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہم بھی "پکی والی استانی" بن گئے ہیں جی ہاں جاب مل گئی ہے بس پھر مصروفیت نے ہمارا دامن تھام لیا ایک ماہ کی ٹریننگ ہوئی جس نے ادھر ادھر دیکھنے ہی نہ دیا۔ پھر بھی ہم آنچل کے لیے ٹائم نکال ہی لیتے تھے دوسرا ماہ ہے اسکول جاتے ہوئے اسکول کافی دور ہے پر اللہ پاک نے برسر روزگار کردیا کرم ہے اس

ذات کا۔ اسی خوشی کے بعد ایک بہت بڑے صدمے نے آن گھیرا' عید کے تیسرے دن پھوپو کی ڈیتھ ہوگئی' اللہ جنت میں ان کے درجات بلند فرمائے اور بخشش فرمائے' آمین' سب قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔ غیر حاضری کی صورت میں جن دوستوں نے یاد رکھا ان کے لیے بہت سی دعائیں' شکریہ۔ فریدہ آپی اللہ پاک آپ کو صحت وسلامتی دے' آپ صبح وشام اول وآخر درود پاک پڑھ کر سورۃ بقرۃ کا پہلا اور آخری رکوع پڑھ کر خود پر دم کیا کریں' ان شاءاللہ آپ کی تکلیف اللہ پاک دور فرمائے گا۔ پروین آپی میں آپ کا نام لے کر دعا مانگتی ہوں' میری آپی کے پاس بھی بچے نہیں ہیں اللہ پاک آپ دونوں کو ڈھیر سارے بچے دے' آمین۔ میری گمشدہ ڈیئر نگینہ تم تو عید کے چاند سے بھی زیادہ نایاب ہوگئی ہو' رخ روشن کا دیدار جلد ہی کروادو۔ طیبہ خاور کیسی ہیں آپ ڈیئر' محترمہ کوثر خالد صاحبہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وتندرستی دے' آمین۔ دعائے سحر آپ تو بھول ہی گئی ہیں' عائش کشمالے بہت سا پیار آپ کے لیے۔ اپنے نام سے مجھے ایک گول مٹول پٹھانی لگتی ہیں۔ فائزہ بھٹی ڈیئر کیسی ہیں آپ بہت سی دعا اور پیار۔ آپی ارم کمال' آپی نجم انجم' دلکش مریم' کاجل شاہ' سیدہ جیا کاظمی' ساریہ چوہدری' مدیحہ مہک' شمع مسکان' عائشہ پرویز (کدھر غائب ہیں آپ؟)۔ مہربان شاہ' اقراجٹ' صبا زرگر ذکاء زرگر' سمیرا سواتی' ماہ رخ سیال' حمیرا قریشی' طیبہ نذیر کیسی ہیں آپ سب ڈیئر؟ سب کے لیے بہت سی دعائیں۔ پروین آپی اللہ پاک آپ کی والدہ کو جنت میں بلند مقام عطا فرمائے' آمین۔ تمنا بلوچ آپی اللہ پاک آپ کو صبر دے اور اس کا نعم البدل عطا فرمائے' آمین۔ جاتے جاتے ماریہ آپ کی 8 دسمبر کو برتھ ڈے تھی بہت بہت مبارک ہو۔ آپی تنویر سکینہ 25 دسمبر کو آپ کو میری طرف سے بہت سا ہیپی برتھ ڈے' آپ بہت اچھی ہیں آپی! خوش رہیں اور خوشیاں بانٹیں' سب قارئین کے لیے بہت سی دعائیں اور سلام' اللہ حافظ۔

روبی علی……سیدوالا

دلکش مریم' روبینہ کوثر کے نام

عزیز از جان دوستو السلام علیکم! پیاری دلکش آپ کے والد کی وفات کا سن کر بے حد رنج ہوا' اللہ سبحان وتعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور سب گھر والوں کو صبر جمیل دے' آمین ثم آمین۔ روبینہ مجھے آپ کی دوستی قبول ہے اور آج سے ہم آپ کی پکی والی دوست ہوئیں اور میں امید کرتی ہوں آپ بھی دل سے یہ دوستی نبھائیں گی۔ سدا خوش رہو اور مجھے بھی اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھیے گا' شکریہ۔

روشی وفا……ماچھیوال

پیاری بہن بینش اور بہنوئی شاہین عباس کے نام

السلام علیکم! چاندنی کیسی ہیں آپ اور بھیا کیسے ہیں؟ 9 فروری کو آپ کی پانچویں اینورسری ہے' دیکھا مجھے یاد ہے۔ میرے دل نے شدید خواہش کی کہ آپ کو کسی خاص طریقے سے وش کروں پھر میں نے اپنی حسین یادداشت پر زور ڈالا تو ذہن کی کھڑکی پر آنچل کا نام لہرایا اس سے زیادہ خاص اور کیا ہوسکتا ہے' تو لیجیے میں حاضر ہوں اپنی ڈیشنگ پرسنلٹی کے ساتھ ہیپی اینورسری ٹو بوتھ آف یو۔ اللہ آپ دونوں کو بے پناہ خوشیاں عطا کرے اور آپ کی پاکیزہ محبت کو نظر بد سے بچائے اور آپ کی ننھی پریوں زرمین اور زامیہ کو پیارا سا بھیا عطا کرے آمین۔ آپ کے لیے ایک چھوٹا سا تحفہ اینورسری غزل کی صورت میں پیش خدمت ہے' قبول کیجیے۔

غزل

اپنی ورسری ہوئی تھی آج نئی ابتداء مبارک ہو
تمہیں خوشیوں سے بھرا خوشیاں مبارک ہو
جب رب نے چنا تھا آپ کو ایک دوجے کے واسطے
لوٹ آیا ہے وہی دن یہاں مبارک ہو
خلوص اور احترام سے سجا پیار کا پیکر بندھن
پانچ برس کا ساتھ محبت بھرا مبارک ہو
وہ جس نے دائمی ساتھ کی حامی بھری تھی
محبت کا وعدہ وفا مبارک ہو
انعم بھی دست دعا ہے رب سے
آپ کو نعمتیں عرض و سماں مبارک ہو

ناچیز کی طرف سے یہ چھوٹا سا تحفہ آپ کو کیسا لگا ضرور بتائیے گا' اب اجازت دیجیے' اللہ حافظ۔

انعم زہرہ……ملتان

بہنوں کے نام

سب سے پہلے تو میں اپنی پیاری نند یعنی فریدہ جاوید فری کا شکریہ ادا کروں گی کہ وہ اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر ریڈیو بریتاس ایشیا اردو سروس لاہور کی سترہویں لسنرز کانفرنس میں شریک ہوئیں' کیوں نہ شریک ہوتیں آخر کو ان کے بھائی پرنس افضل شاہین نے انہیں مدعو کیا تھا۔ میرے میاں جب سے آئے ہیں آپی! آپ ہی کی باتیں کررہے ہیں' آپی آپ واقعی گریٹ ہیں آئی لو یو آپی۔ زینب دلبر اعوان' آپ کی دوستی قبول ہے' میری امی کی وفات پر سیدہ رابعہ شاہ' اسماء گل' مدیحہ کرن' روبینہ کوثر مجھ سے تعزیت کرنے کا شکریہ۔ مدیحہ کرن! اللہ تعالیٰ آپ کے والدین کو صحت عطا فرمائے۔ صائمہ مشتاق' مدیحہ نورین ہم آپ کو نہیں بھولے' ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ نازیہ کنول نازی کو صحت عطا فرمائے' آمین۔

پروین افضل شاہین……بہاولنگر

جان سے پیاری فیملی کے نام

السلام علیکم! آداب عرض ہے کیسے ہیں آپ سب؟ ارے میرے پیارے بابا جان اور امی جان آپ سے مخاطب ہوں اور یہ حیرت کیسی؟ آپ کو تو معلوم ہے ناں آنچل میرا اپنا ہے اور اس میں میرا عکس آپ کو نظر تو آئے گا ناں' میرے کیوٹ اینڈ سویٹ

والدین میں آپ کو آنچل کے اس دلچسپ سلسلے کے توسط اپنی محبت وخلوص کے پھول نچھاور کرتے ہوئے آپ دونوں کو شادی کی سالگرہ کی مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ امید ہے کہ 25 دسمبر تک آپ تک میرے جذبات پہنچ جائیں گے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی جوڑی سلامت رکھے‘ آپ دونوں کا سایہ ہمارے سروں پر تاابد قائم رہے اور آنے والا سال آپ کے لیے خوشیاں اور مسرتیں لائے آمین۔

میں نے سوچا کوئی تحفہ دوں آپ کو
میرے پاس تو وفاؤں کے سوا کچھ بھی نہیں
عمر بھر نہ پڑے غم کا سایہ آپ پر
میرے پاس تو دعاؤں کے سوا کچھ بھی نہیں

امی‘ پاپا آپ کے بغیر میری زندگی ادھوری ہے آپ کو اپنی نظروں کے سامنے نا پاؤں تو گویا سانس رکنے لگتی ہے‘ میری سانسوں کی مالا آپ کی ذات کے ساتھ جڑی ہے اس لیے اپنا خیال رکھا کریں کیونکہ میں آپ کو دیکھ کر زندہ ہوں۔ اب کچھ اور ہستیوں کی جانب متوجہ ہوتے ہیں تو جی جناب یہ تم دونوں نے کیا ہر وقت کڑوے بادام کھائے ہوئے ہوتے ہیں‘ کم از کم سیدھے منہ بات تو کیا کرو ناں سوہنیو حنظلہ اور رومیصہ تم دونوں سے بات کر رہی ہوں۔ تم لوگ کیا سمجھے میں بھول گئی ناں بابا ناں میں نے تم کو بھلا دیا تو میری جان نہیں چھوٹے گی تم دونوں سے۔ ویسے آپس کی بات ہے تم دونوں بہت پیارے ہو اور حنظلہ تو شرارتی نمبرون ہے‘ ہر سال اس آس پر گزارتے ہیں کہ شاید سدھر جائے مگر ہر بار پہلے سے زیادہ شرارتی ہو جاتا ہے۔ دعا ہے تم دونوں کو اللہ ہدایت دے اور میرے حق میں نیک بنائے‘ ہاہاہا۔ جان سے پیارے ذیشان تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں‘ تمہیں تو معلوم ہے نہ شریفوں کا ذکر شرارتی لوگوں کے ساتھ اچھا نہیں لگتا۔ تم دل کے بہت اچھے ہو اوہ رومیصہ حنظلہ تم دونوں بھی کمال کے اچھے ہو منہ نہ بناؤ۔ ذیشان جی دعا ہے کہ اللہ آپ کو اور رومیصہ اور حنظلہ سب کو دنیا وآخرت کی کامیابی عطا فرمائے‘ دل کی تمام جائز حاجات کو پورا فرمائے آمین آئی لو مائے۔ ان شاءاللہ پھر ملیں گے اللہ حافظ۔

سلمٰی عنایت حیا...... کھلاٹ ٹاؤن شپ

مدیحہ نورین مہک کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو مہک! یقیناً ٹھیک ہوگی تم اور خوش ہوگی‘ ہمیشہ کی طرح اور ہاں دوسروں کے نام تو بہت دفعہ بہت سے پیغامات ارسال ہو چکے ہیں کبھی کبھی ہمیں اپنے نام بھی کوئی اچھا پیغام چھوڑنا چاہیے۔ پیاری مہک! میں تم سے بس اتنا کہنا چاہوں گی کہ جو لوگ تمہیں برا سمجھتے ہیں تم ان کو بھی غلط مت سمجھو کیوں کہ یہ ان کی اپنی سوچ ہے کیونکہ ہر انسان کی سوچ تو الگ الگ ہوتی ہے جو لوگ تمہیں ہر معاملے میں نیچا دکھانا چاہتے ہیں تم ان کو ہر معاملے میں اہمیت دیتی رہو جو لوگ تم سے حسد کرتے ہیں‘ تم ان کی خوشی پر دل سے خوش ہوا کرو۔ جیسے اب تم ہر وقت ہنستی مسکراتی اور دوسروں کو خوش رکھتی ہو ہمیشہ ایسے ہی رہنا اور کبھی بھی خود کو دوسروں سے بدلہ لینے پر آمادہ نہ کرنا کیونکہ جب تم نہیں ہوگی تو لوگ تمہاری انہی باتوں سے تمہیں یاد رکھیں گے۔ دوسروں پر بلاوجہ تنقید اور طنز کرنے سے ہمیشہ دور رہنا کیونکہ جب یہ تم پر ہوگا تو تمہیں بہت برا لگے گا۔ میری دعا ہے اللہ تمہیں زندگی کے ہر امتحان میں کامیاب رکھے اور تم یوں ہی ہنستی مسکراتی رہو‘ اللہ تمہیں صحت وتندرستی کے ساتھ خوشحال باعزت زندگی عطا کرے آمین‘ اپنا بہت سا خیال رکھنا چلتی ہوں اللہ حافظ۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

آنچل کی تمام پریوں‘ کوثر خالد آنٹی اور قیصر آراء کے نام

السلام علیکم آپ سب کیسے ہیں جو بھی مجھے پڑھ رہا ہے سب کو ایک بار پھر سے سلام عشق قبول ہو اور دعا ہے سب کو اللہ تعالیٰ خوشی سے بھرپور زندگی دے‘ ہر ایک کی دلی تمنا پوری ہو اللہ کا کرم ہے کہ میں ٹھوکر سے پہلے ہی سنبھلی اس کی وجہ آنچل اور قیصر آراء کی سرگوشیاں ان کے ہر لفظ سے مجھے حوصلہ ملا حالات کا مقابلہ کرنے کا۔ پہلے میں جب آنچل پڑھتی تھی تو صرف تفریح کے لیے لیکن بعد میں آنچل سے وابستگی اب ایسی ہوئی ہے جب تک آنچل وحجاب پڑھ نہ لوں نہ مجھے رات کو نیند آتی ہے نہ سکون‘ میں جب پریشان ہوتی ہوں تو قیصر آراء بڑی ماں (سوری لیکن قیصر آراء بڑی ماں مانتی ہوں‘ کیوں کہ میرے اس اعتماد اور میری تربیت میں میری امی سے زیادہ بڑی ماں قیصر آراء کا ہاتھ ہے وہ میرے لیے میری ماں جیسا درجہ رکھتی ہیں) کی سرگوشیاں نکال کر پڑھتی ہوں‘ مجھے لگتا ہے کہ اس میں میرے لیے کچھ خاص ہے میں ایسا محسوس کرتی ہوں میں جب جب پڑھتی ہوں ایسا لگتا ہے کہ ہر بار ایک نئی بات نیا حوصلہ ملتا ہے میرے لیے سو میں بڑی ماں سے زیادہ اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے ان کو آج مجھ سے ملایا۔ میرے پاس لفظ بھی کم ہے ان کے لیے چلیں باقی پھر کبھی (ایسے تو نہ گھوریں جانے لگی ہوں بس دو منٹ اور برداشت کرلیں)۔ عائشہ اشرف آپ کا انٹرویو پڑھا‘ پڑھ کے لگا کہ میں نے خود کو پڑھا آپ بالکل کریزی ہوں میری طرح آنچل وحجاب کے لیے مزا آیا پڑھ کر میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں تو کسی کو دیکھنے کیا سونگھنے بھی نہیں دیتی‘ میری کوئی کتاب ہو چاہے نازی آپی کا ناول یا ڈائجسٹ بس ان کتابوں کے معاملے میں کنجوس ہوں۔ بہت زیادہ خیر کیا میری دوستی قبول کریں گی اور صبا زرگر آپ یار کس کس کا نام لوں پلیز یا جو بھی پڑھ رہی ہیں مجھے پلیز مجھ سے دوستی کرلیں میری کوئی دوست نہیں سوائے آپی پروین افضل شاہین اور صبا رانی کے۔ ان کے یہ بھی اتنی پرانی نہیں ہوں بس مجھے بھول جاتی ہیں یار بھی کبھی تو یاد کرلیا کریں۔ کوثر خالد آنٹی جانی کیا میں آپ کے نام آپ کے گھر لیٹر بھیج سکتی ہوں‘ مجھے نا آپ سے بہت زیادہ باتیں کرنی ہیں پلیز انتظار کروں گی اور باقی لڑکیوں کنجوسوں مجھے تو بھول گئیں خیر اگلی بار آپ لوگوں کی کلاس لوں گی۔ سویرا فلک آپی آپ کے والد کی رحلت کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا اللہ ان کی مغفرت عطا کرے آنٹی فریدہ فری آپ کے بیٹے کا

پڑھ کر بہت دکھ ہوا' اللہ بھائی جان کو صحت کاملہ عطا کرے آمین۔ او کے اجازت دیں' اللہ حافظ۔

رابعہ شاہ..... گجرات

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! سبین ارشاد (احسان پور) جی میں آپ کو بالکل بھی نہیں بھولی' آپ نے تو اپنی شادی کا بھی نہیں بتایا اب تو آپ ایک بیٹی کی ماں بن چکی ہیں' کب شادی ہوئی بیٹی کا کیا نام ہے؟ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی فیملی کو ہمیشہ خوش رکھے اور آباد رکھے۔ شکریہ کہ آپ بھی مجھے دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں' تمنا بلوچ جنوری 2017 میں حجاب میں میری شادی کا احوال شامل تھا' کیا ہورہا ہے آج کل۔ اسماء گل شکریہ مبارک باد۔ گل مینا اینڈ حسینہ وعلیکم السلام کیسی ہیں آپ دونوں' روبینہ کوثر آپ کیوں ایسی باتیں کرتی ہیں آپ تو بہت اچھی ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ نورین انجم سویٹ اینڈ کیوٹ گڑیا آپ بہت ذہین لگ رہی ہو مجھے' اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے اور آپ کی مما پاپا کا سایہ ہمیشہ سلامت رکھے آپ پر' آمین۔ آنسہ شبیر خیر مبارک جی بس دعاؤں میں یاد رکھیے گا' کیا ہورہا ہے آج کل؟ جازبہ عباسی یاد کرنے کا شکریہ' میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟ مدیحہ نورین بہت بہت شکریہ آپ نے مجھے اتنی اچھی دعا سے نوازا' اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور کامیاب کرے آمین۔ پارس شاہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی بہت سی خوشیوں سے نوازے۔ دلکش مریم بہت دکھ ہوا میری طرح آپ کے ابو بھی اس دنیا سے چلے گئے' کیا کرسکتا ہے انسان صبر کے علاوہ' میری دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے والد کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے آمین۔ فوزیہ سلطانہ' عظمیٰ رفیق' عظمیٰ فرید کہاں گم ہیں آپ سب' جن بہنوں کے نام رہ گئے معذرت' میری دعا ہے اللہ تعالیٰ سب آنچل سے وابستہ لوگوں کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔

طیبہ خاور سلطان..... عزیز چک' وزیر آباد

پیارے آنچل قارئین کے نام

ہم تم سے جدا ہو کر' مرجائیں گے رو رو کر

میرا فون نمبر تو فرحت اشرف گھمن نے مانگا تھا مگر اس کے علاوہ سینکڑوں قارئین نے فون کیا' ان تمام کا ہزاروں بار شکریہ' الحمدللہ کہکشاں کے ابو کے لیے دعا جاری رہے گی' انہیں افاقہ ہو تو بتانا نہ بھولنا۔ مائرہ نے دوسری بار فون کیا' اللہ کرے اس کی ماں کو میری عمر لگ جائے اور وہ آپریشن کے بعد ٹھیک ہوجائیں۔ لاہور والی زاہدہ تمہاری کوثر آپا دوسری کال کی منتظر رہے گی' میری جو سہیلی زاہدہ فوت ہوئی وہ خوابوں میں پری بن کر اڑتی نظر آئی اور فرشتہ اس کے لیے سفید چاول پکاتا نظر آیا۔ نذیر نجمہ وعدے کرکے مکر گئی یا شادی کرکے اگلے گھر گئی ہو' بہت دعائیں۔ ساس' سسر' دیور' نند کوئی نہیں' فکر نہ کرو اللہ ہے ناں۔ سب محلے والوں کو اپنا بنالیتا' بندہ تو ہر حال میں ناشکرا ہے جن کی سسرال ہو وہ بھی روئیں جن کی نہیں وہ بھی۔ رشیدہ تم نے فون کرکے شمع کو متاثر کرلیا' کہہ رہی تھی کبھی اس سے بات کروں گی حالانکہ وقت تو اسے میرے ساتھ بات کا بھی نہیں ملتا' صرف پھوپو سے وہ بات پر مجبور ہے جو آج کل عمرے پر ہے وہاں سے بھی روز شمع کو کال کرتی ہے' ساجدہ! تمہیں حوض کوثر بھیجی مگر جوابی سند نہیں ملی۔ اے ڈرائیور کی بیگم! جلدی فون کرکے بتاؤ ملی کہ نہیں۔ یاسمین کنول جی آپ کے اسکول سے بچوں کی نعت خوانی بہت اچھی لگی سن کر' کل میرا رضا اپنے ہاتھوں سے "حوض کوثر" محلے کے مشہور نعت خواں کو کتاب کی صورت دے کر آیا اور میری فرمائش پر یہ خوش خبری لایا کہ وہ نعتیں پڑھ کر ڈوپو مجھے بھیجیں گے۔ ریڈیو اور تقاریب سے بلاوے بھی آئے مگر ہم جا نہیں سکتے البتہ اگر ایف ایم سے رابطہ کرنا آجائے تو ہم اپنی آواز میں نعت ضرور سنائیں گے مگر ہم ہیں اناڑی پیا۔ نجم انجم نے فون پر بات کی' بھئی نورین تم بھی اپنی آواز سناؤ ناں۔ وقاص عمر حافظ آباد سے واحد ہیں جو آئے روز مجھے فون کرکے پیسے ضائع کرتے ہیں' بیٹا جی آنچل میں آپ کا خط بہت منفرد تھا اور ہاں ہر بار فون پر بھول جاتی ہوں' تمہارے سوال نامے والا سروے کا کیا بنا' ضرور بتانا اور ہاں میں قائد کی برسی ہوں تم ان کی پیدائش ہو یعنی 11 ستمبر' 25 دسمبر تو یہ صفت ہمارا رشتہ مضبوط کررہی ہے۔ سالگرہ مبارک ہو' تمہاری دسمبر نظم اچھی تھی۔ حرا قریشی اور عزہ یونس تو کیا تم اس لیے غائب ہو کہ تم شادی کرچکی ہو؟ شادی کا حال بھیجنا نہ بھولنا' ڈاکٹر آیت کا نام اچھا لگا۔ آمنہ' عائشہ ہنی' حوریہ' رقیہ' شازی' صفیہ مہر (ہم بھی مہر ہیں یعنی محبت) سائرہ' پروین' شاہین' فائزہ' کشمالے' ارم' کنول ماہی' صائمہ مشتاق' لائبہ میر سب کو ڈھیروں سلام پیار و دعائیں اور آپ کوثر کی خصوصی دعا۔ سنبل ملک تم میرا فون کاٹ دیتی ہو' اس لیے فون نہیں کرتی یہ تو پتا لگ گیا ناراض کیوں ہو یہ تو بتاؤ۔ عمرہ مبارک ہو' نام جو رہ گئے معافی۔

کوثر خالد..... جڑانوالہ

آنچل کی پریوں کے نام

السلام علیکم! فری کا سب کو بے حد سلام' سباس گل' فصیحہ آصف' نگہت غفار' نزہت جبیں' کوثر خالد' غزالہ جلیل راؤ' شگفتہ شفیق' دلکش مریم' نجم انجم' ملالہ اسلم' طیبہ خاور' تمنا بلوچ' صدف آصف' طیبہ عنصر' اقبال بانو' عقیلہ حق' نورین انجم' گل مینا' جازبہ عباسی' بھابی پروین افضل۔

فریدہ فری..... لاہور

dkp@aanchal.com.pk

یادگار لمحے

جویریہ سالک

توبہ پر اللہ کا اظہارِ مسرت

کسی چھوٹے بچے سے کوئی غلطی ہوجاتی ہے اور وہ جب خطا پر معافی طلب کرتا ہے تو اس کے اس معصومانہ طرزِ عمل پر بڑے سے بڑے کٹھور دل آدمی کا دل بھی پسیج جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو کہ ستر ماؤں سے بھی زیادہ اپنے بندے سے پیار کرنے والا ہے اس کو اپنے بندے کے اس طرزِ عمل پر جس قدر خوشی ہوتی ہوگی اس کا اندازہ مندرجہ ذیل احادیث سے لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ اس شخص سے جو اس کے سامنے توبہ کرتا ہے اتنا زیادہ خوش ہوتا ہے کہ جتنا تم میں وہ شخص بھی خوش نہیں ہوتا جو اپنی سواری پر جنگل بیابان میں سفر کررہا تھا اور پھر وہ جاتی رہی (یعنی گم ہوگئی) اسی پر اس کا کھانا بھی تھا اور پانی بھی۔ وہ اپنی سواری کو تلاش کرتے کرتے مایوس ہوجائے اور ناامیدی کی حالت میں انتہائی مغموم و پریشان (موت کے انتظار میں) لیٹ جائے پھر اسی حالت میں اچانک وہ اپنی سواری کو اپنے پاس کھڑے ہوئے دیکھ لے چنانچہ وہ اس سواری کی مہار پکڑ کر انتہائی خوشی میں جذبات سے مغلوب ہوکر یہ کہہ بیٹھے "اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں، مارے خوشی کی زیادتی کے اس کی زبان سے یہ غلط الفاظ نکل جائیں۔" (۱۳)

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر تم میں سے جب کوئی بیدار ہونے پر سنسان زمین میں اپنے گمشدہ اونٹ کو پالے اس سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں۔"

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے "میں اپنے بندے کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے جس کا وہ میرے ساتھ گمان کرتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اللہ کی قسم! اللہ اپنے بندے کی توبہ پر اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا تم میں سے کوئی اپنی گمشدہ سواری کو جنگل میں پالینے سے خوش ہوتا ہے اور جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور جو ایک ہاتھ میرے قریب ہوتا ہے میں دو ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور جو میری طرف چل کر آتا ہے میری رحمت اس کی طرف دوڑ کر آتی ہے۔"

محمد عرفان بٹ..... آزاد کشمیر

سخاوت

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے (کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا کہ خود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے اور عطاؤں میں بادشاہوں کو شرمندہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ نہایت سخت احتیاج کی حالت میں ایک عورت نے چادر پیش کی اور سخت ضرورت کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنی، اسی وقت ایک شخص نے مانگ لی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحمت فرمادی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرض لے کر ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا فرماتے تھے اور قرض خواہ کے سخت تقاضے کے وقت کہیں سے اگر کچھ آ گیا اور ادائے قرض کے بعد بچ گیا تو جب تک وہ تقسیم نہ ہوجائے گھر میں تشریف نہ لے جاتے تھے) بالخصوص رمضان المبارک کے مہینے میں اخیر تک بہت ہی فیاض رہتے (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ ماہ کی فیاضی بھی اس مہینے کی فیاضی کے برابر نہ ہوتی تھی) اس مہینے میں جب بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلام اللہ سناتے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھلائی اور نفع رسانی میں تیز بارش لانے والی ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے۔

(خصائل نبوی ﷺ)

ام مریم..... لاہور

بھلائی

اگر لوگوں کو عزت دینا اور معاف کردینا تمہاری کمزوری ہے تو تم دنیا کے طاقتور انسان ہو۔

طیبہ سعدیہ عطاریہ..... کٹھیالہ سیالکوٹ

قہقہہ

ایک شادی میں ایک مولوی صاحب کچھ لوگوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے جب کھانا لگا تو مولوی صاحب نے تھال گھما کر مرغی کی ران اپنی طرف کرلی۔ ایک آدمی بولا۔

"یہ کیا کیا مولوی صاحب!"

مولوی صاحب بولے "مرغی کی ٹانگ غلط سمت تھی۔"

طنز کے نشتر

طنز کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو الفاظ کتنے ہی دلفریب کیوں نہ ہوں دل پر جبر کرکے طنز کے الفاظ کو منہ کے اندر روک لیں۔ اس پر آپ کو تنگی کا احساس ہوگا ذہن میں کھنچاؤ محسوس ہوگا آپ اپنے آپ کو تکلیف میں محسوس کریں گے لیکن آپ کے طنز سے جس کا دل ٹوٹے گا وہ بچ جائے گا ایک لمحے کے لیے سوچئے کہ آپ کے طنز کے نشتر دوسروں کو کس حد تک چھلنی کردیتے ہیں۔

طنزیہ ہنسی سے بھی اجتناب کیجیے کیونکہ یہ شائستگی تہذیب اور محبت کی دشمن ہے۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

بھروسہ

تیری قسمت کا لکھا تجھ سے کوئی لے نہیں سکتا
اگر بھروسہ ہے اللہ پر تو......
تجھے وہ بھی مل جائے گا جو تیرا ہو نہیں سکتا۔

ثمرہ بشیر...... سیالکوٹ

نئے برس

نئے برس
تیری آمد پر بہت ہیں
امیدیں
نئے برس نیا سامانِ زیست
لے کے آنا تُو
خوشی کے گیت سنانا
امن کے دیپ جلانا تُو
نئے برس جب آنا تُو
خوشیاں لے کر آنا تُو

سباس گل...... رحیم یار خان

دعا

اے نئے سال کے ابھرتے ہوئے سورج
تمہیں اپنی کرنوں کی قسم
میری ایک بات مان لو
کہ اس نئے سال میں
دل کی راہوں پر چلنے والوں کے
راستوں کو روشنیوں سے بھر دینا

وقاص عمر...... بنگڑ نو حافظ آباد

جاہل

مسئلہ جاہل ہونے سے نہیں ہوتا مسئلہ تو تب ہوتا ہے جب آپ پڑھے لکھے جاہل ہوں۔

عظمیٰ بٹ...... سمندری

سنہری باتیں

❁ معافی وہی دے سکتا ہے جو اندر سے مضبوط ہو کھوکھلے انسان صرف بدلے کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔

❁ اللہ سے محبت کرو وہ آزمائش تو دیتا ہے مگر کبھی آزمائش میں تنہا نہیں چھوڑتا۔

❁ محبت سب سے کرو لیکن اس سے اور بھی زیادہ کرو جس کے دل میں تمہارے لیے تم سے بھی زیادہ محبت ہے۔

❁ محبت کا دروازہ ان لوگوں پر کھلتا ہے جو اپنی انا اور اپنے نفس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

❁ دوست ہو یا پرندہ دونوں کو آزاد چھوڑ دو لوٹ آیا تو تمہارا اگر نہ آیا تو تمہارا کبھی تھا ہی نہیں۔

❁ کبھی بھی کسی کے سامنے اپنی سچائی اور خلوص کو بیان مت کرنا کیونکہ وقت ایک دن خود تمہارے الفاظ بن کر بیان کردے گا۔

❁ انگریزی اتنی پڑھ لی کہ انگریزوں کو پڑھا سکتے ہو اور قرآن اتنا نہیں پڑھا کہ باپ مر جائے تو بیٹا اس کا جنازہ پڑھ لے۔

❁ اگر خوب صورتی گورے رنگ سے ہوتی تو سفید کفن دیکھ کر خوف نہ آتا اگر بدصورتی کالے رنگ سے ہوتی خانہ کعبہ کو دیکھ کر سکون نہ ملتا۔

❁ خالق کے خیال کو چھوڑ کر مخلوق کے خیال میں گم ہونے والا انسان دین و دنیا کے خسارے میں رہتا ہے۔

عائش کشمالے...... رحیم یار خان

دسمبر

سنو......
دسمبر اسے آواز دو
اسے ملا دو اسے بلا دو
اب اس سے پہلے کہ سانس نکلے
اب اس سے پہلے کہ سال گزرے
وہی لکیریں وہی ستارے
میری لکیروں میں قید کردو
یہ آخری شب کے آخری پل کوئی بڑا
اختتام کردو

یہ زندگی بھی تمام کردو
سنو......
دسمبر......اسے ملادو
طاہرہ منور علی بھٹی......کبیر والہ

معلومات

❁ خوشبوؤں کی سرزمین پیرس کو کہا جاتا ہے۔
❁ موتیوں کی سرزمین بحرین کو کہا جاتا ہے۔
❁ ہواؤں کی سرزمین شکاگو کو کہا جاتا ہے۔
❁ فلک بوس عمارتوں کی زمین امریکہ کو کہا جاتا ہے۔
❁ نوابوں کی سرزمین حیدرآباد (بھارت) کو کہا جاتا ہے۔
❁ پیغمبروں کی سرزمین فلسطین کو کہا جاتا ہے۔
❁ اولیاء کرام کی سرزمین ملتان کو کہا جاتا ہے۔
❁ تحفہ نیل کی سرزمین مصر کو کہا جاتا ہے۔
❁ آدھی رات کی زمین ناروے کو کہا جاتا ہے۔

روبینہ کوثر......بستی ملوک

اچھی بات

❁ کچھ تعلق انا سے ٹوٹ جاتے ہیں مگر کچھ رشتوں کو نبھانے کے لیے انا بہت ضروری ہوتی ہے۔
❁ ہماری زندگیوں میں کچھ رشتے ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کو نبھانا انہیں توڑ دینے سے زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے۔
❁ احساس کے رشتے خون کے رشتوں پر بھاری ہوتے ہیں لیکن اہمیت پھر بھی خون کے رشتوں کی زیادہ ہوتی ہے۔

انام مریم......شادیوال، گجرات

ہنس لو

بیوی: ''اجی سنتے ہو الماری کے اوپر سے وہ بیگ اتار دینا میرا ہاتھ چھوٹا پڑ رہا ہے۔''
شوہر: ''تو زبان سے کوشش کرلو وہ تو بہت لمبی ہے۔

سمیرا سواتی......بھیر کنڈ

سنہری اصول

❁ خوش رہنا سیکھو، مسکرا کر دیکھو گے تو سارا جہان حسین نظر آئے گا ورنہ بھیگی آنکھوں سے تو شیشہ بھی دھندلا ہو جائے گا۔
❁ عقل کی کروڑوں دلیلیں اللہ سے ایک گناہ معاف نہیں کرواسکتیں لیکن ندامت کا ایک آنسو ممکن ہے زندگی بھر کے گناہ معاف کروائے۔
❁ نزدیک سے آنے والی آوازوں میں سب سے زیادہ قریب ترین آواز ضمیر کی ہوتی ہے مگر اسے بہت کم لوگ سنتے ہیں۔

سیدہ لوبا سجاد......کہروڑ پکا

اس دکھ بھری محفل میں ہم تنہا نہیں آتے
ہمیشہ ساتھ ہمارے تیری یادوں کا درد ہوتا ہے
بھری محفل میں کوئی تنہا نہیں ہوتا
لیکن یادیں تیری کرجاتی ہیں تنہا ہمیں

اقصیٰ شوکت......گگومنڈی

تاریخ غزل

غزل خاص صنف سخن کا نام ہے، جس کے شروع میں ایک مطلع ہوتا ہے آخر میں مقطع جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔ اشعار کی تعداد زیادہ سے زیادہ سترہ اور کم از کم پانچ ہوتی ہے۔ آٹھویں صدی عیسوی سے قبل اس کا وجود نہ تھا غالباً نویں صدی کے اواخر تک فارسی غزل کا آغاز ہو چکا تھا۔ بارہویں اور پھر تیرہویں صدی میں غزل کی عاشقانہ بات چیت کو تصوف کے نئے کیف سے آشنا کیا۔

سحرش مصطفیٰ......میانوالی

کٹ پیس
محبت کم نہیں ہوتی

یہ بس شکلیں بدلتی ہے، کبھی غیروں سے ہوتی ہے، کبھی اپنوں سے ہوتی ہے، کبھی مانوس چہروں سے، کبھی سپنوں سے ہوتی ہے، کبھی ویران راہوں سے، کبھی انجان رستوں سے، کبھی بستی، کبھی محلے اور گاؤں سے، کبھی پت جھڑ، کبھی ساون، کبھی دھوپ اور چھاؤں سے، کبھی اپنے عزیزوں سے، کبھی بے جان چیزوں سے، کبھی رنگین خوابوں سے، کبھی بے کار خیالوں سے، کبھی شیریں، کبھی لیلیٰ، کبھی کسی کی مورت میں، کبھی مجنوں، کبھی فرہاد، کبھی پنوں کی صورت میں۔ کبھی دل میں سماتی ہے، کبھی یہ دل دکھاتی ہے، یہ ہر موسم، ہر لمحہ، ہر جگہ ہمارے اردگرد موجود رہتی ہے، کبھی پل میں سمٹتی ہے، کبھی صدیوں میں ڈھلتی ہے۔

مگر......
محبت کم نہیں ہوتی
یہ بس شکلیں بدلتی ہے۔

حالہ وعائشہ سلیم......کراچی

❁

yaadgar@aanchal.com.pk

آئینہ

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اللہ رب العزت کے پاک نام سے ابتداء ہے جو خالق دو جہاں ارض وسماں کا مالک ہے۔ زندگی کا ایک اور سال نئی منزلوں کی تلاش میں ہے تمام بہنوں کو نیا عیسوی سال مبارک۔ امید ہے کہ یہ نیا سال ہماری امیدوں پر ہر طرح سے پورا اترے گا۔ حکومتی سطح پر بھی تبدیلی کا امکان اسی سال متوقع ہے اب دیکھتے ہیں کس کی باری آتی ہے خیر ہمیں اس سے کیا' ہمیں اس سے زیادہ آپ کے تبصروں کا انتظار رہتا ہے کیونکہ آپ قاری ہی مصنفین کو بلندیوں تک پہنچاتی ہیں۔ اب دیکھتے ہیں اس نئے سال میں کون سی مصنفہ آپ کے دل پر حکمرانی کرتی ہے اب بڑھتے ہیں محفل آئینہ کی جانب جہاں آپ کے تبصرے مصنفین کی تحریروں کو نکھار رہے ہیں۔

نورین مسکان سرور...... سیالکوٹ' ڈسکہ۔ السلام علیکم! ہاتھ میں آنچل تھامے یوں خوش ہیں گویا ہفت اقلیم کی دولت لوٹ لائے' سرورق پر عظمٰی بہت معصوم سی دکھائی دی۔ نبیلہ ابر راجہ تو ہمارے دل کی رانی بن گئیں' نور جی دروازے پر بادشاہ بھی آ جائے تو خالی ہاتھ مت لوٹا دَیہ سوچ کر کہ اللہ تیرا شکر ہے اس نے ہمیں دینے والوں میں چنا' ویل ڈن رانی جی۔ ام ایمان قاضی کی کھیتی نے بہترین سبق دیا' شروع میں آیت قرآن نے دل جکڑ لیا۔ فساد کس ملک میں پاکستان میں' نہیں نہیں پوری دنیا میں کہیں بھی اور فساد کس قدر برا عمل ہے اور بے عقل کیا جانیں بھلا۔ رافع ملک اچھا عہد نبھاؤ الا' جی جی محبت ہو کسی سے تو' سچ کہا آپ نے میں کن الفاظ میں آپ کے ناول پر تبصرہ کروں۔ رابعہ آپ کے قلم کو سلام پیاری طیبہ عنصر مغل' نادیہ احمد اور شبینہ گل کے افسانے بھی لاجواب ہے۔ "عشق کا حاصل آنسو کیوں" سمیرا محمد رفیق نے بھی با کمال لکھا۔ ستم ناں ہو تو محبت میں کچھ مزہ ہی نہیں' اس کی مکمل تصویر سمیرا شریف طور نے ناول کو بیسٹ موڑ دیا ہے۔ اس بار نازیہ کنول نازی غیر حاضر ہیں بوجہ علالت اللہ پاک ان کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔ سحرش فاطمہ شاباش' نیرنگ خیال میں طیب عنصر سر سے بھی اوپر ہیں۔ سباس گل' نرمین سرحیو' ثوبیہ بلال' شزا بلوچ' ثمرہ سحر' ماہ نور (زبردست)۔ فریدہ فری' اہل عندلیب' ایماب علی' کول رباب' سیدہ جیا' سیما غزل اور راؤ سمیرا ایاز نے کمال کر دیا۔ بیاض دل میں گل مینا' طیبہ حنا' فہمیدہ غوری' فہمیدہ خالق' انیلا طالب' وفا آرزو' سمیرا گل' نورین انجم' فریدہ جاوید' سیدہ لوبا' حنا نورین' غزالہ دلپذیر' کرن' نجم انجم' آپی روشی وفا اور مدیحہ نورین مہک نے اچھا لکھا' یادگار لمحے اور ہم سے پوچھئے کی بات ہی چھوڑیں با کمال ہے' دعاؤں میں یاد رکھنا رب راکھا دوستو۔

☆ ڈیئر نورین! اتنے عرصے کہاں غائب رہیں۔ آپ کی کمی سب نے محسوس کی۔

سعدیہ عظیم...... بہاولپور۔ السلام علیکم! کیا حال ہیں؟ امید کرتی ہوں آپ ٹھیک ہوں گی میں تو بالکل ٹھیک ہوں اور امید کرتی ہوں آپ سب کو میری کمی محسوس تو ہوئی ہوگی کیوں کہ میں کافی عرصے بعد حاضر ہوئی ہوں۔ اس مہینے کا شمارہ بہت اچھا تھا اور "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" کی آخری قسط پڑھ کر مزا آیا اور خوشی ہوئی کہ اس ناول کو گھسیٹا نہیں ہے' شارٹ کیا لیکن اچھا کیا ہے اور اب "شب ہجر کی پہلی بارش" بھی بہت اچھا جا رہا ہے اور پلیز اس کا اینڈ جلد کریں اور اچھا کریں اور "جنوں سے عشق تک" بھی بہت اچھا جا رہا ہے اور باقی سارے ناولز اچھے ہیں' پوئٹری سب کی پسند آئی۔ سب کی اچھی تھی اور اب مجھے نئے ناول کا انتظار ہے اور اینڈ میں سب کو نیا سال مبارک ہو۔ باقی سب کو سلام' اگلے مہینے تک کے لیے اجازت چاہتی ہوں' اللہ حافظ۔

نجم انجم اعوان...... کراچی۔ السلام علیکم آنچل اور حجاب ٹیم اور تمام دوستوں کو نیا سال مبارک ہو۔ اللہ پاک ہمارے وطن کو اپنی حفظ وامان میں رکھے آمین۔ دوستو دسمبر کا آنچل میرے سامنے موجود ہے' ماڈل رباب کچھ خاص تاثر قائم نہ کر سکی کیونکہ میگزین کا نام آنچل ہے تو کم از کم ماڈل کے سر پر آنچل بہت ضروری ہے۔ آنچل کی ٹیم سے میں شکوہ کرنا ضروری سمجھتی ہوں' ہماری آپا فرحت آراء (مرحومہ) کو تقریباً آنچل والے بھول ہی گئے ہیں مگر مجھے تو وہ آج بھی یاد ہیں اپنے خط کے جواب میں وہ بڑے پیارے مشورے دیا کرتی تھیں' کم از کم سال میں ایک مرتبہ زیادہ نہیں تو سروے میں دو تین سوالات ان کے بارے میں ہونے چاہئیں یا ایک آرٹیکل ہونا چاہیے۔ بہر حال اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے آمین۔ سرگوشیاں' حمد ونعت پڑھ کر در جواب آں کی محفل اپنے پورے عروج پر تھی۔ دانش کدہ پڑھ کر آگے کی جانب بڑھے ارے یہ کیا یہاں تو جازبہ عباسی موجود ہیں' بہت اچھا لگا آپ کے بارے میں جان کر' خوش رہو جازبہ عباسی۔ سمیرا شریف کا ناول رواں دواں ہے شرمین اور افکن کی دشمنی دوستی میں بدل رہی ہے اور پھر محبت میں بدل جائے گی۔ "محبت لوٹ بھی سکتی ہے' سنہرا عکس" اریشہ غزل نے بھی خوب لکھا' صبا یونس کا آرٹیکل بیسٹ تھا۔ بیاض دل میں مدیحہ نورین' صبا زرگر' روشی وفا' طیبہ خاور' انیلا طالب اور وقاص عمر بھی چھائے رہے۔ نیرنگ خیال بارشوں کا موسم' شیریں گل' نورین مسکان' مشی خان' وقاص عمر کی نظمیں زبردست تھیں۔ ہم سے پوچھئے کی محفل میں دستک دی مگر یہ کیا شمائلہ کاشف ڈنڈا لیے موجود تھیں گیٹ پر اور کہنے لگیں اس مرتبہ نجم انجم کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہے' اب بتاؤ دوستوں اندر کیسے جاؤں پھر کیا تھا وہیں کھڑکی سے جھانکنے کی کوشش کرنے لگی تو

ارم کمال سامنے ہی نظر آ گئی' کرن شہزادی' روشی وفا' شیزا بلوچ' عائشہ رحمٰن ہنی بھی تھی۔ وہ دیکھو میری باربی ڈول نورین انجم موجود ہے اور بھی کافی بہنیں تھیں مصرف میں نہیں تھی شمائلہ جانو چلے گا چلے گا۔ اگر آپ سمجھتی ہیں کہ گیٹ بند کردوں گی تو جان چھوٹ جائے گی مگر شمو رانی انجم سے جان نہیں چھوٹے گی۔ نیو ائیر 2018ء میں پھر حاضری دوں گی اور آپ کے لیے انڈے سے شال بھی لاؤں گی۔ کام کی باتیں میں کریلے دیکھے تو پندرہ سال پیچھے چلی گئی مجھے آج بھی یاد ہے جب شادی ہوئی تھی تو میرے ملک صاحب نے مجھ سے فرمائش کرکے پہلی ہی مرتبہ قیمہ بھرے کریلے بنوائے تھے اور آج تک ان کریلوں کی کڑواہٹ موجود ہے (ہی ہی ہی) یہ سچ ہے کوئی مذاق نہیں۔ وقاص عمر صاحب میری طرف سے آپ کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو اللہ ہمیشہ آپ کو اپنی حفظ وامان میں رکھے آپ کے لیے ایک خوب صورت شعر ہے......

وہ بات کیوں کروں جس کی خبر نہ ہو
وہ دعا کیوں کروں جس میں اثر نہ ہو
میں تجھے کیسے کہوں تمہیں میری عمر لگ جائے
کیا خبر اگلے پل میری عمر ہی نہ ہو

ایک بار پھر تمام دوستوں کو ٹھنڈا ٹھنڈا میٹھا میٹھا سا ہیپی نیو ائیر اب بیٹھ کر فرصت میں افسانے بھی پڑھنے ہیں اللہ حافظ۔

انیلا طالب...... گوجرانوالہ۔ پیاری آپی شہلا اور تمام آنچل ریڈرز اینڈ رائٹرز آپ کو محبتوں بھرا اسلام قبول ہو آخر 25 نومبر کو ہمیں آنچل کا دیدار ہو ہی گیا' تیکھے نقوش والی رباب کے سرورق سے سجا آنچل پسند آیا۔ حمد ونعت اور سرگوشیاں سے لطف اندوز ہونے کے بعد درجواب آں سلسلہ پڑھا پھر ہمارا آنچل پر آیئے جازبہ عباسی آپ کا تعارف پسند آیا آپ کی طرح میں بھی پہلی پوتی پہلی اولاد اور پہلی بھتیجی ہوں (یہ اضافہ ہو گیا)۔ میری تو کوئی پھوپو بھی نہیں تھی اس لیے میری پیدائش پر بھی آپ جیسا حال ہوا۔ عابدہ خان کا تعارف دلچسپ لگا پھر "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" کی آخری قسط پڑھی' واہ بہت خوب الفاظ کا چناؤ' اعلیٰ منظر نگاری' عمدہ مکالموں نے سماں باندھ دیا۔ فاخرہ آپی مجھے آپ کی امی بے حد پسند تھیں ان کے انتقال سے پہلے میں انہیں آپ کی تعریف سے بھرا خط لکھنا چاہتی تھی مگر آہ...... زندگی ان سے روٹھ گئی یا آج میں ان کی روح سے کہنا چاہتی ہوں دیکھیے پیاری آنٹی آپ کی بیٹی کو وہ مقام ملا ہے کہ ہم ان کے توسط سے آپ کو جانتے ہیں' میری دلی آرزو تھی کہ میں آپ سے مل کے فاخرہ آپی کی تعریف کروں' آپ ماں تھیں اور مائیں اپنے بچوں کی تعریف سے بے پناہ خوش ہوتی ہیں' دیکھیے آنٹی مجھے آپ سے کتنی عقیدت ہے کہ آپ کے جانے کے بعد بھی آپ کو خط لکھ رہی ہوں' ڈیئر آنٹی ریئیل مس یو۔ کاش یہ آخری قسط آپ اپنی آنکھوں سے پڑھتیں' مس یو سو مچ آنٹی! افسانوں میں میرا یقین تو ہے ٹاپ پر رہا' راہ ہدایت بھی اچھا لگا۔ نازیہ آپی اپنے ناول کا اینڈ کردیں کافی لمبا ہوگیا ہے ویسے مزہ آیا پڑھ کے۔ سمیرا آپی آپ بھی زیادہ طویل ناول مت لکھیے گا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔ فاخرہ آپی جتنا ہی ناول ہونا چاہیے "تیری زلف کے سر ہونے تک" ٹھیک تھا' بیاض دل میں پارس شاہ اور ملک غزالہ عالم' یاسمین کنول کے اشعار اچھے لگے۔ نیرنگ خیال میں لیلیٰ رب نواز کی شاعری نے خوب ہنسایا' نورین مسکان سرور اور سیدہ نیلم شاہ کی شاعری نے بھی دل موہ لیے دوست کا پیغام آئے میں فائزہ بھٹی اور ڈیئر ایس گو ہر طور مجھے یاد کرنے کا بے حد شکریہ' خوش رہیں سدا۔ پروین آپی کو سلام نورین مسکان دعاؤں کے لیے مشکور ہوں۔ آئینہ میں آئی تو فائزہ بھٹی کا تبصرہ اے ون تھا' نجم انجم اعوان کا سپرہٹ جبکہ صائمہ مشتاق جی کا ٹاپ پر لگا۔ ہم سے پوچھیے میں مہوش ظہور مغل' پروین افضل شاہین کے سوالات مزے دار تھے' باقی آنچل تم سے درخواست ہے ایک ہی منزل کے مسافر ہو تو پلیز دوسروں کو بھی جگہ دو چند گنے چنے ناموں کو شائع کرکے اپنے قارئین مت چھڑواؤ' دیکھو اگر میرے آنچل تم یا اگر صرف نامور رائٹرز اور بار بار دو دو مہینے بعد وہی رائٹرز لکھتے رہے تو ہم کدھر جائیں؟ تم آنچل ہو آنچل تو ہر سر پر ہونا چاہیے ناں؟ سو اپنی یہ عادت بدلو تاکہ تمہارے سایے تم سے دلبرداشتہ نہ ہوں آپی ضرور بتایئے گا میری کہانی مارچ میں سلیکٹ ہوگئی تھی وہ کب شائع ہوگی پلیز مہینے کا نام ضرور بتا دیجیے گا' شکریہ۔ زندگی رہی اور آنچل اپنے صفحات پر جگہ دیتا رہا تو ضرور پھر حاضری دوں گی' او کے اللہ حافظ۔

انعم زہرہ...... ملتان۔ السلام علیکم! شہلا آنٹی اور آنچل وحجاب اسٹاف اور تمام رائٹرز اور ریڈرز کو سال نو بہت بہت مبارک ہو۔ شہلا آپی آپ کی بزم میں ایک بار پھر شامل ہونے کا شرف حاصل کررہی ہوں' آنچل کے سرورق پر خوب صورت آنکھوں والی رباب نے پل بھر کو رکنے پر مجبور کردیا پھر ذرا آگے بڑھے پر سلسلہ وار ناولز میں "شب ہجر کی پہلی بارش" کو دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا پھر درجواب آں میں نظریں دوڑائیں اور اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ مدیرہ آپی کی محبت بھری باتوں نے دل کو راحت بخشی پھر میں نے دوڑ لگائی اور سید حماد مکنون کے آفس پہنچ کر دم لیا۔ دونوں بہن بھائیوں کی محبت میری آنکھوں کے گوشے نم کرگئی' مجھے بھی اپنے بھائیوں سے ایسی ہی محبت ہے' صیام اور دری کے بیچ کی غلط فہمی دور کرکے دل خوش کردیا۔ شہزاد کی حاضر دماغی کام آئی' اب عبدالہادی جب شہزاد کو بچانے آئے گا وہ سین زبردست ہوگا۔ نازی آپی پلیز مریرہ جی کو کچھ مت کیجیے گا' انہیں جلدی اچھا کردیں۔ پرہیان کو ساویز کی محبت واپس مل گئی' بہت اچھا لگا اور سدید اور فاطمہ کہاں ہیں۔ نازی آپی آپ کا یہ ناول بہت ہی منفرد ہے' اس کہانی کا ہر ایک کردار اپنے آپ میں ایک مجسم حقیقت ہے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے' مبارک باد وصول کیجیے۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہے گا' اب بات ہو جائے "تیری زلف کے سر ہونے تک" کی' اقرا آپی نوفل کو اپنی غلطی کا احساس کب ہوگا' بہت ہی سنگ دل واقع ہورہا ہے۔ جنید مائدہ کے لیے رضا مند تو ہو گیا ہے پر زید سے اس بارے میں بات کرنا ایک مشکل مرحلہ ہے' عروہ نے

سودہ کو جو زخم دیا ہے یہ اسے بہت مہنگا پڑنے والا ہے اور دوسری طرف سمندر کی لہروں کے پیچھے گم ہو جانے والی لڑکی پتا نہیں کیوں ایسا لگتا ہے کہ وہ انشراح ہوگی۔ اگلی قسط کا انتظار رہے گا اور ''جنوں سے عشق تک میں سمیرا آپی آپ نے کمال کر دیا' بہت ہی زبردست اسٹوری ہے۔ آپ کی کہانیوں میں بزرگوں کی جھلک ایسے معتبر بنا دیتی ہے' آپ کا یہ انداز مجھے بہت پسند ہے۔ شہری کی جنونیت اور ہٹ دھرمی کی وجہ اب آہستہ آہستہ سمجھ میں آ رہی ہے اور اس پر افکن کا صبر قابل دید ہے اور بہت ہی خوب صورتی سے وہ شہری کی جانب قدم بڑھا رہا ہے' افکن اور شہری کے درمیان کا وہ آخری لمحہ کیا بات ہے' اگلی قسط کا انتظار مشکل ہوگا۔ فاخرہ گل آپی آپ کی والدہ کی رحلت کا جان کر بہت افسوس ہوا یقیناً یہ ایک بہت بڑا نقصان ہے' اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اور آپ کو صبر عطا کرے' آمین۔ آپی میں نے آپ کی کہانی ''وہی ایک لمحہ زیست کا'' پڑھی تھی' حقیقت سے قریب ترین ناول تھا۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اتنی میں بیٹھ کر اتنے نازک ٹاپک پر بہت ہی گہرائی سے اور صفائی سے قلم چلایا ہے اس کامیابی کے لیے مبارک باد وصول کیجیے اور اب آپ کا یہ ناول ''ذرا مسکرا میرے گمشدہ'' اس کہانی کا نام بہت خوب صورت' بہت ہی شاندار ناول تھا۔ حسد' محبت اور خواہش سے بھرپور یہ ناول بہترین طریقے سے اپنی تکمیل کو پہنچا۔ اجیہ اور اربش کی محبت نے کہانی میں خوب رنگ بھرے' اس کہانی میں آپ نے بہنوں کی محبت کا بہت ہی خوب صورت منظر پیش کیا اور ہیپی اینڈنگ نے ہر تشنگی دور کر دی اس شاہکار ناول کے لیے مبارک باد وصول کیجیے۔ بیاض دل میں کوثر خالد' پروین افضل شاہین' ارم کمال' جازبہ عباسی اور رابعہ عمران چوہدری کے اشعار پسند آئے۔ نیرنگ خیال میں لیلیٰ رب نواز' لاریب ملک' سلمیٰ صفی' شیریں گل' نورین مسکان سرور اور سید نیلم شاہ کی نظمیں پسند آئیں اور شہلا آنی کی بزم میں اپنا نام دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی' باقی شمارہ ابھی پڑھا نہیں اب تک کے لیے اتنا ہی اب اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر انجم! آئندہ بھی یونہی شرکت کرتی رہیے گا۔

عائشہ پرویز...... کراچی۔ آنچل سے وابستہ تمام قابل احترام انتظامیہ' قلم قبیلے سے تعلق رکھنے والی تمام لکھاری دوستوں اور پیاری قارئین کو دل کی گہرائیوں سے سال نو کی مبارک باد اور سلام لیے آپ کی بزم میں حاضر ہوں۔ بھیگا دسمبر اپنی یخ بستہ صبحوں اور ٹھٹھرتی شاموں کے سنگ ہمیں الوداع کہنے کے ساتھ جنوری کی برفانی صبحوں کا حسین آنچل ہمارے ہاتھوں میں تھمائے چلا جا رہا ہے۔ ایک سال زندگی سے اور کم ہو گیا مگر یہی نظام قدرت ہے اور یہی نظام زندگانی۔ ماہنامہ آنچل سے وابستہ ہوئے تقریباً بارہ برس بیت گئے اور اس تمام عرصے سعیدہ آپی' مدیرہ صاحبہ' طاہر قریشی صاحب کی طرف سے جس قدر محبت اور عزت ملی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ محترم قارئین نے اب تک حجاب و آنچل میں چھپنے والی میری تمام تحریروں اور سلسلوں کو جس قدر پذیرائی بخشی ہے' میں ان تمام آراء اور محبتوں کی بھی مشکور ہوں اور ایک بار پھر آنچل کی شکر گزار ہوں جس کے طفیل قارئین تک میری تحریریں پہنچیں اور اس قدر محبتیں وصول ہوئیں' آنچل تو ہر لحاظ سے معیاری ڈائجسٹ ہے' شادی کے بعد زندگی میں اتنی مصروفیت ہوئی۔ گھر میں چوری اور پھر پاپا کے بائی پاس کے بعد سے تھوڑی سی اداس ہو گئی تھی پر پھر حوصلہ ہو ہی گیا' ان تمام رائٹرز کی تحریروں کو پڑھ کر جن میں کہیں نہ کہیں ایسا ضرور ہوتا ہے کہ انسان جتنی بڑی پریشانی میں ہو وہ اپنی امید کبھی نہیں چھوڑتا' میں جتنی بھی بڑی مشکل میں ہوں مجھے میری رائٹرز بہنوں کے کوئی نہ کوئی الفاظ ضرور یاد آتے ہیں جو مجھے حوصلہ اور ہمت دیتے ہیں۔ افسانے تقریباً سارے ہی اچھے تھے' ڈش مقابلہ میں بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ یادگار لمحے امر ہوتے ہیں' آئینہ میں تو خوب صورتی سی خوب صورتی ہے' چشم بدور! ہم سے پوچھیے...... بھی آ رہے ہیں پوچھنے' آدھا تبصرہ لکھا تھا اچانک گھریلو سرگرمیاں اور خدمت میاں' باقی تمام سلسلے چیدہ چیدہ دیدوں کی زد میں ہیں یقین کامل خوب ہی ہوں' زندگانی کی شرط کے ساتھ رب راکھا۔

☆ ڈیئر عائشہ! سدا سہاگن رہو کافی عرصے بعد فل فام میں دیکھ کر خوشی ہوا امید ہے اب ناطہ نہیں ٹوٹے گا۔

ثناء رسول ہاشمی...... صادق آباد۔ تمام قارئین کو سلام' امید ہے سب خیریت سے ہوں گے' اس بار سرورق پر سب سے دلکش چیز ماڈل کے ہونٹ تھے۔ کہانیوں میں سے سب سے پہلے فاخرہ گل کی ''ذرا مسکرا میرے گمشدہ'' پڑھی بہت اچھا رہا اختتام' بہت بہترین فاخرہ جی! آخری قسط میں سب سے اچھی بات غزنی کا اپنی ماں کو اس قدر احترام دینا تھا بہت متاثر کن اینڈ ہوا۔ ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' اقراء جی نے ہمیشہ کرداروں کے ساتھ انصاف کیا ہے ان کی ہر تحریر پہلے سے بڑھ کر ہوتی ہے اور ہر قسط پچھلی اقساط کو مات دیتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور غالباً یہ خودکشی کرنے والی محترمہ انشراح صاحبہ ہی ہوں گی۔ ''جنوں سے عشق تک'' کرداروں کا رویہ خاصا بدل رہا ہے خاص طور پر افکن تو اس قسط میں کسی اور ہی رنگ میں نظر آیا۔ بہت زبردست تحریر ہے گو کہ کردار زیادہ نہیں ہیں مگر پھر بھی یہ چند کردار ہماری دلچسپی کو قائم رکھے ہوئے ہیں تو اس کا سارا کریڈٹ سمیرا شریف طور کو ہی جاتا ہے۔ ''ممکن نہیں'' فرحین اظفر صحیح کہا آپ نے کہ ''عورت کی عزت شیشے جیسی ہوتی ہے' ایک بار بال آ جائے تو منہ دیکھنے کے قابل نہیں رہتا۔'' نگہت عبداللہ کی تحریر ''محبت لوٹ بھی سکتی ہے'' بہت اچھا اینڈ تھا' ویل ڈن نگہت جی۔ آج کل آپ کے کچھ پرانے ناول بھی زیر مطالعہ ہیں باقی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے' نجم انجم اور نورین مسکان آپ نے دعاؤں میں یاد رکھا' بہت شکریہ' اللہ تمام دوستوں کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین۔

صباء زرگر' ذکاء زرگر...... جوڑہ۔ ہماری طرف سے شہلا آپی' ریڈرز اور رائٹرز کو محبت بھرا سلام قبول ہو۔ یہ واحد ڈائجسٹ ہے جس کا ہمیں بے صبری سے انتظار رہتا ہے کہ کب 23 تاریخ آئے اور ہمیں آنچل ملے پڑھنے کے لیے۔ اس دفعہ ٹائٹل بہت پیارا تھا پھر حدیث

پڑھی آنٹی قیصر آراء کی سرگوشیاں سنیں۔ حمد ونعت سے دل کو منور کیا' جاذبہ آپ کا انٹرویو اچھا تھا یعنی کے ہمیں پسند آیا۔ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" کہانی ختم ہوئی' ہمیں یہ کہانی اتنی پسند نہیں تھی ہمارا مقصد آپ سب کو ہرٹ کرنا نہیں' ہر ایک کی پسند اپنی اپنی۔ اس لیے یہ پسند نہیں تھی۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" اچھی جارہی ہے "جنوں سے عشق تک" ہماری فیورٹ اسٹوری اس کے صفحے بہت کم ہوتے ہیں۔ "تم میرا نصیب ہو" اچھا ناول تھا' پسند آیا باقی اسٹور پر ساری اچھی تھیں۔ بیاض دل میں مدیحہ نورین' محسن عزیز' وقاص عمر' ملک غزالہ' تبسم بشیر عروسی کا زبردست انتخاب تھا۔ ڈش مقابلہ میں گاجر کی برفی پڑھ کر منہ میں پانی آ گیا تھا' نیرنگ خیال فہد علی عباسی' لاریب ملک' فاطمہ مشہد' وقاص عمر' سید نیلم شاہ زبردست پڑھ کر مزہ آ گیا۔ راشد ترین بھائی کہاں گم ہو آپ؟ جلدی سے واپس آ جاؤ بہت مس کررہے ہیں' ہم آپ کی غزلیں نظمیں۔ دوست کا پیغام آئے میں سعدیہ حور عین آمنہ رحمن' فائزہ بھٹی' انجم انجم اعوان بہت بہت شکریہ ہمیں یاد رکھنے کا۔ یادگار لمحے اقرا حفیظ' فروا قیصر' وقاص عمر' نگہت غفار' راحیلہ رامین کیا کہنے آپ کے جی۔ آئینہ میں ہمیں کسی نے یاد نہیں کیا چلو کوئی گل نئی جی۔ ہم سے پوچھیے ارم کمال' طیبہ خاور' شزا بلوچ' کیا سوال کیے آپ نے شمائلہ جی یہ' شمائلہ آپی میں آپ سے بہت ناراض ہوں' میری بہن ذکاء کی 23 اکتوبر کو سالگرہ تھی اور میں نے ستمبر میں آپ کو لیٹر لکھ کر بھیجا میں بہت خوش تھی' 23 اکتوبر کو سالگرہ تھی اور آنچل بھی اسی دن آنا تھا جب میں نے آنچل منگوایا تو سب سے پہلے دوست کا پیغام آئے میں اپنا لیٹر ڈھونڈا مگر افسوس نہیں تھا' بہت مایوسی ہوئی مجھے اس دن۔ اس لیے غصے میں میں نے نومبر میں بھی کچھ نہ لکھا مگر اس کے لیے سوری' دعاؤں میں یاد رکھیے گا اجازت دیں' اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر صبا! ناراض ہونے کی کیا بات ہے' ہماری طرف سے آپ کی بہن کو گزری ہوئی سالگرہ مبارک ہو۔

اسماء صدیقه...... عبد الحکیم' خانیوال۔ السلام علیکم! آنچل اسٹاف خصوصاً بالخصوص شہلا آپی تمام بہنوں اور دوستوں کو نیا سال مبارک ہو۔ اللہ رب العزت آپ سب کے علم میں' عمل میں' عمر میں' صحت میں' رزق میں برکت عطا فرمائے۔ پروردگار عالم آپ کی جائز نیک خواہشات کو پورا فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر کرے آمین ثم آمین۔ شہلا آپی آپ کا بہت شکریہ آپ نے ہمیں جگہ دی محفل میں اور خوش آمدید کہا' اب آتے ہیں تبصرہ کی طرف۔ فاخرہ آپی! تھینک یو ویری مچ آپ نے ہمارے لیے اتنا خوب صورت ناول لکھا' زبردست اختتام ہوا۔ شرمین جیسے حاسدین فطرت لوگ یوں ہی اکیلے رہ جاتے ہیں' ہماری طرف سے مبارک باد۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" خوب جارہا ہے' زید اور نوفل حقیقت میں دونوں نائس بندے ہیں اور بن جائیں گے۔ سودہ اور انشراح ویسے ہیں ہی گڈ گرل۔ عمرانہ شعوانہ انشراح کی نانو اور لاریب نہ جانے کس مٹی کے بنے ہیں۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" نازیہ آپی خوب اسٹوری چل رہی ہے' سدید آرمی والا جوان جب واپس آئے گا تو کیا بنے گا۔ عائلہ کوزاویار درمکنون کے ساتھ گھر لے آیا ہے' شہزاد کو آزادی کا پروانہ مل جائے' مریرہ جلدی سے ٹھیک ہوجائے تو الجھنیں سلجھ جائیں گی۔ شیر دل جو درندہ ہے ناں اس کے دن بھی کم لگ رہے ہیں' اس کا کچھ ہر نکل جائے شہزاد کے ہاتھوں ویسے آپ کو زیادہ پتا ہے۔ "جنوں سے عشق تک" عشق کی طرف جانے کا رستہ ہموار ہوچکا ہے آگے دیکھتے ہیں ہوتا ہے کیا۔ ناولٹ بھی خوب تھے' نفیسہ سعید اور سلمیٰ فہیم کے افسانے دل کو چھو گئے سبق آموز تھے۔ اس کے بعد آئے بیاض دل کی طرف' شاعری اچھی لگی۔ ڈش مقابلہ میں سدرہ شاہین نے گاجر کا جوس پلایا' مزہ آ گیا۔ نیرنگ خیال میں لیلیٰ رب نواز نے کالج کی لڑکی کی خوب خبر لی' شہداء کے نام غزلیں رلا گئیں۔ یادگار لمحے معذرت کے ساتھ ام ہانی صاحبہ آپ نے سارہ خان کے لیے جو نظم لکھی ہے کیا یہ سارہ الیاس خان' فہد اور مانو کی بہن ہیں' ڈیرہ غازی والی ہیں' مائنڈ نہ کیجیے گا' دل چاہے تو بتا دیجیے گا انتظار رہے گا۔ خوش رہیں' خوشیاں بانٹیں' اپنا خیال رکھیے گا' والسلام۔

طیبه خاور سلطان...... عزیز چك' وزیر آباد۔ السلام علیکم! شہلا آپی کیسی ہیں اور آنچل اسٹاف امید کرتی ہوں سب فٹ ہوں گے' آنچل مجھے 24 کو مل گیا تھا' ٹائٹل بہت زبردست تھا۔ سب سے پہلے آنٹی جی کی سرگوشیاں سنیں' پھر حمد ونعت سے مستفید ہوتے ہوئے در جواب آں میں جھانکا تو میرا لیٹر شامل تھا۔ مجھے بہت خوشی ہوئی آنٹی جی آپ سے بات کرکے دل کا بوجھ ہلکا محسوس ہوتا ہے۔ آپ نے جو میری نگارشات پچھلے ماہ شامل نہیں کیں اب کیجیے گا اس بار دوست کا پیغام آئے میں نہیں بھیجا لیٹر پچھلا شامل کیجیے گا۔ یہ نہ ہو میری پیاری دوست (سبین ارشاد) ناراض ہی نہ ہوجائے مجھ سے۔ سلسلہ وار ناولز کی طرف بڑھے تو "جنوں سے عشق تک" سمیرا جی بہت نائس اسٹوری جارہی ہے' امید ہے شہرینہ اور اکلن کی دوستی ہوجائے گی۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" تھوڑی بور ہوتی جارہی ہے' افسانوں کی طرف بڑھے تو "ہیں یہ قدرت کے فیصلے" صباء یونس قریشی بہت اعلیٰ اسٹوری تھی اینڈ پر مجھے یہ بات بہت پسند آئی "کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ہمارا شوق ہمیں کہاں لے جائے گا یا شوق وجذبات ہمارے اندر کیوں جنم لیتے ہیں؟" بہت گہرائی والی بات تھی اگر کوئی سمجھے تو۔ "میرا یقین تو ہے" نفیسہ سعید بہت انٹرسٹنگ اسٹوری تھی اور یونیک سی بہت مزہ آیا پڑھ کے۔ "راہ ہدایت" سلمیٰ فہیم گل اچھی اسٹوری' بہت راہنمائی کرتی ہوئی کیپ اٹ اپ سلمیٰ جی۔ "تم میرا نصیب ہو" اریشہ غزل بہت زبردست اسٹوری اور صبر پر محیط کب کیا ہوجائے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔ "ممکن نہیں" فرحین اظفر مختصر لیکن سبق آموز اسٹوری تھی۔ "محبت لوٹ بھی سکتی ہے" نگہت عبداللہ قسم سے اتنا مزہ آیا دل کررہا تھا' کہانی ختم ہی نہ ہو لیکن دادی پر غصہ بہت آیا لیکن اینڈ پر اتر گیا تھا۔ ہم سے پوچھیے میں ارم کمال' پروین افضل' کرن شہزادی آپ سب کے سوالات مزے کے تھے۔ آئینہ میں فائزہ بھٹی' ارم کمال' انجم انجم' انعم زہرہ' مدیحہ کرن آپ سب کا تبصرہ جاندار تھا۔ یادگار لمحے میں پروفیسر محمد یونس' کے ایم نور الشال' عظمیٰ بٹ' وقاص عمر' نگہت غفار'

آپ سب نے لمحوں کو یادگار بنادیا۔ نیرنگ خیال میں مریم عنایت‘ نورین مسکان‘ مسز نگہت غفار‘ لیلیٰ رب نواز آپ سب کی تخلیق لاجواب تھی۔ بیاض دل میں جازبہ عباسی‘ ملک غزالہ عالم‘ مدیحہ نورین آپ سب کی پسند لاجواب تھی۔ ہومیو کارنر طلعت نظامی بہت معلومات لیے ہوئے سلسلہ ہے۔ ہمیں گھر بیٹھے اتنی معلومات حاصل ہوجاتی ہیں ہر بار کی طرح اس بار بھی آنچل پرفیکٹ تھا‘ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ آنچل وحجاب کو تاقیامت ترقی کی راہوں پر گامزن رکھے اور آنچل اسٹاف کو ہمیشہ خوش رکھے اور کامیاب کرے آمین۔ اللہ حافظ‘ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

عنزہ یونس...... حافظ آباد۔

کچھ ایسے مسخ ہوئے خدوخال چہروں کے
کہ آئینہ بھی کہیں اپنے روبرو کیا ہے
وہی نگاہ‘ وہی راہ آشنائی کی......
غبار شام میں اور اپنی جستجو کیا ہے

آداب تسلیمات! کیسے ہیں آپ سب لوگ‘ امید کرتی ہوں آپ سب ٹھیک ہوں گے‘ کافی عرصے بعد آئینہ میں شرکت کررہی ہوں امید ہے جگہ ملے گی۔ اس ماہ کی تمام اسٹوریز‘ شاعری‘ ڈش مقابلہ‘ ہم سے پوچھیے آرٹیکلز ہر چیز ہی سوپر سے بھی اوپر ہی تھی۔ سلسلے وار ناول کی بات کریں تو ”شب ہجر کی پہلی بارش“ مختصر ہی رہا۔ بہت کم لکھا ہوتا ہے‘ صیام اور درمکنون کا کردار میرا فیورٹ ہے مگر کبھی بھی تشنگی نہیں مٹی۔ نازیہ اللہ آپ کو صحت دے آمین تاکہ ہم بھرپور ناول پڑھ سکیں۔ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ بہت اچھا ناول ہے‘ بس اقرا آپا زید اور سودہ کے باہمی تعلق کو اچھا کریں بلکہ نکاح کروادیں اس طرح ہماری ذہنی تشفی ہوجائے گی ورنہ زید کی مما سے کھٹکا ہی لگا رہے گا‘ ویسے بھی نکاح بہت مقدس رشتہ ہے آہم۔ جنوں سے عشق تک“ بھی اچھا رہا‘ شہرینہ کے رویے کی وجہ سامنے آرہی ہے مگر کائنڈلی اس کا بی ہیویئر افکن سے نہ سہی والدین اور بی بی جان سے تو قدرے بہتر کردیں ویسے والدین کی عدم توجہ کے شکار بچوں کی ذہنی کیفیت یہی ہوتی ہے‘ اچھا لکھا ویل ڈن۔ ”ذرا مسکرا میرے گمشدہ“ اچھا اینڈ رہا‘ ساری الجھنیں سلجھ گئیں‘ اجیہ اور اربش کا معاملہ سیٹ ہوگیا۔ فاخرہ گل کی اچھی کاوش تھی‘ آرٹیکل بھی اچھے تھے۔ ”تم میرا نصیب ہو“ اریشہ غزل نے خوب لکھا۔ ”محبت لوٹ بھی سکتی ہے“ نگہت عبداللہ نے اچھا لکھا۔ ”سنہرا عکس“ بھی پسند آیا۔ ”ممکن نہیں“ ویل ڈن۔ ”راہ ہدایت“ بھی اچھا تھا۔ ”میرا یقین تو ہے“ پیارا تھا‘ اب آئندہ کے لیے اجازت‘ اللہ حافظ۔

ارم کمال...... فیصل آباد۔ پیاری سی شہلا جی‘ سدا خوشیاں آپ پر برستی رہیں آمین۔ السلام علیکم! سب سے پہلے آنچل کی شہزادیوں‘ پریوں اور تتلیوں کو میرا اسلام اور میری طرف سے نئے سال کی بہت بہت مبارکیں ہوں۔ ٹائٹل دسمبر کی طرح اداس اور خنک سا لگا‘ میک اپ سوپر سے بھی اوپر تھا۔ شمارے کی خاص بات فاخرہ گل کے ناول ”ذرا مسکرا میرے گمشدہ“ کا اختتام تھا‘ ناول کے اینڈ نے دور دور تک دل کو شاداں وفرماں کردیا۔ شرمین کی تھپڑوں کی سزا کم تھی وہ اس سے زیادہ ڈیزرو کرتی تھی‘ غزنی کے فیصلے نے حیران اور ششدر کردیا۔ واقعی ہر برائی اپنے اندر کہیں اچھائی رکھتی ہے بس اسے جھنجوڑنا پڑتا ہے‘ سکندر صاحب کے ساتھ قدرت نے بھرپور انصاف کیا‘ حنین کو اس کی بھرپور محبت غزنی کے بدلنے سے حاصل ہوئی اور اس طرح اجیہ اور اربش کے لیے بہاروں کا موسم شروع ہوا جواب کبھی ختم نہیں ہوگا۔ فاخرہ گل نے باوجود ایک بڑے صدمے کے بڑی ہی چابکدستی اور مشاقی سے کہانی کے تمام اتار چڑھاؤ کو بیلنس کیا اور تمام کرداروں کو ان کی منزل مقصود تک پہنچالیا۔ یہ ناول بہت ہی زبردست اور شاہکار رہا جس نے ہماری دل کی دھڑکنوں کو سولہ مہینے تک بے قرار رکھا میری طرف سے آپ کو مبارک باد کے ڈھیروں ٹرک۔ امید کرتی تھوڑے سے ریسٹ کے بعد ہمیں آپ کا نیا ناول پڑھنے کو ملے گا۔ ہمارا آنچل میں جازبہ عباسی کی نچی اور کھری گفتگو دل میں گھر کرگئی آپ کی خوبیاں اور خامیاں دونوں ہی پیاری لگیں سوائے ناخن چبانے کے ویسے (معذرت کے ساتھ) چبانا ہے تو چیونگم چبالیں یا مکئی کے دانے۔ ”محبت لوٹ بھی سکتی ہے“ میں افرا کی قسمت اچھی تھی کہ میر جان کی صورت محبت لوٹ آئی ورنہ محبتوں کے نصیب جدائیوں کے دھاکوں سے بنے ہوتے ہیں۔ ”ممکن نہیں“ کہ اینڈ نے حیران کردیا یہ مائیں کہاں تک اپنی اولاد کے لیے سوچتی ہیں۔ ”جنوں سے عشق تک“ میں افکن اور شہرینہ کی محبت سے پہلے کافی سارے ڈارون اور بم بلاسٹ ہوں گے تب کہیں جاکر محبت دستک دیتی نظر آئے گی‘ کہانی ٹاپ پر جارہی ہے۔ ”راہ ہدایت“ سلمیٰ فہیم گل کی بہت ہی ہدایت پرور تحریر رہی‘ اللہ ہم سب کو عمل کی راہوں پر چلنے والا بنائے آمین۔ ”سنہرا عکس“ نے دل کے تاروں کو چھولیا ”میرا یقین تو ہے“ میں شعیب صاحب کو زندگی نے دوسرا موقع دیا‘ لیکن زندگی ہر کسی کو دوسرا چانس نہیں دیتی اس لیے اپنی سانسوں کے چلتے چلتے ہی تمام حقوق وفرائض سے ادائیگی کرلینی چاہیے۔ بنام دسمبر پڑھ کر خنک ذُت کا مزا دوبالا ہوگیا۔ بیاض دل میں رابعہ عمران چوہدری‘ سونیا نورین گل‘ سمیرا سوانی اور تابی کھرل اے ون رہیں۔ ڈش مقابلہ میں ساری ڈشز منہ میں پانی بھر دیا‘ نیرنگ خیال میں لیلیٰ رب نواز‘ سلمیٰ صفی طرب‘ حرا درانی اور سید نیلم شاہ کی شاعری نے دل ودماغ کو گہرائی میں جاکر متاثر کیا۔ دوست کا پیغام آئے میں سعدیہ حورین حوری‘ صائمہ سکندر سومرو‘ فائزہ بھٹی‘ ایس کوہر طور‘ نجم انجم اعوان اور نورین مسکان سرور کے میٹھے میٹھے پیغامات نے خوشیوں کی برسات کردی۔ یادگار لمحے میں صبا شریف‘ نگہت غفار‘ فہمیدہ خالق اور راحیلہ امین چھائی رہیں آئینہ میں سب کے گرما گرم تبصرے پڑھ کر سردی دور بھاگ گئی۔ کوثر خالد کی بے حد محسوس ہوئی آجائیں کوثر جی! جہاں کہیں بھی ہیں آپ کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ ہم سے پوچھیے میں کرن شہزادی‘ مہوش ظہور مغل اور شہزا

بلوچ کے مرچ مصالحے دار سوال اور شمائلہ جی کے جواب مزا دے گئے اپنا بہت خیال رکھیے گا زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔

اقرأ جٹ...... منچن آباد۔

نیا سال آیا ہے آپی
خوشیوں کی بارش لایا ہے

السلام علیکم آپی شہلا! کیسی ہیں آپ؟ اس دفعہ تبصرہ نہیں لکھنا تھا مگر بس نئے سال کی وجہ سے پھر سے ہمت بندھی ہے آنی مدیرہ کی سرگوشیاں سنیں، حمد و نعت سے روح و قلب کو اسیر کیا۔ در جواب آں آنی مجھے بھی جگہ دیں پلیز؟ نازی آپی آپ کے خالو کی رحلت پر افسوس ہوا اللہ آپ کو صبر عطا کرے۔ سلمیٰ فہیم گل جی بہت بہت مبارک باد ناول کتابی شکل میں آنے پر۔ مجھے بہت پسند ہے اللہ پاک آپ کے قلم کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، چاہیں تو مجھے بھی گفٹ کرسکتی ہیں آپ ناول ہاہاہا۔ ملالہ اسلم جی آپ کے سسر کا پڑھ کر افسوس ہوا۔ دانش کدہ میں انکل مشتاق کی باتیں سنیں، ہمارا آنچل ہمیں بھی جگہ دے دیں۔ جازبہ عباسی ونڈر فل انٹرویو آپ کا علینہ 'ایس این شہزادی کھرل اور عابدہ خان تینوں پرنسز کے انٹرویوز بردست تھے (ویسے عابدہ خان ہم فری میں نہیں دوستی کرتے کچھ لے کے کریں گے ہی ہی ہی جسٹ کڈنگ)۔ "ذرا مسکرا میرے گمشدہ" واہ فاخرہ گل جی بہت بہت مبارک باد ہو ناول مکمل ہونے پر۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" اقرأ صغیر جی سودہ کو بچالیں حاسدوں سے۔ انشراح کو ٹھیک ٹھاک کردیں نیکسٹ قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ "شب ہجر کی پہلی بارش" نازیہ جی در مکنون کو صیام کا ہی بنایئے گا اور شہزاد کے ساتھ کچھ برا مت کیجیے گا، بہت زبردست جارہی ہے اسٹوری۔ "جنوں سے عشق تک" بھئی مجھے تو لفظ عشق سے عشق ہے سمیرا جی کیا خوب لکھ رہی ہیں آمیزنگ بس اسی طرح لکھتی رہیں سدا آمین۔ "تم میرا نصیب" اریشہ غزل واؤ زبردست بہت اچھا لکھا موضوع وہی پرانا تھا مگر لکھنے کا انداز نیا تھا۔ "محبت لوٹ بھی سکتی ہے" نگہت عبداللہ جی ونڈر فل فنٹاسٹک۔ "سنہرا عکس" صبا ایشل جی آپ خوابوں میں ہی رہتی ہیں سنہرا عکس اور خواب زادی اچھی لگی تحریریں آپ کی۔ "ممکن نہیں" فرحین اظفر کا افسانہ ٹاپ رہا "راہ ہدایت" سلمیٰ فہیم گل کیا ہدایت کے موتی بکھیرے جی ویل ڈن۔ "میرا یقین تو ہے" نفیسہ سعید بہت اچھا لکھا آرٹیکل دونوں ہی زبردست تھے مستقل سلسلے بیاض دل کوثر خالد، پروین افضل، ندیجہ نورین مہک، ارم کمال، تبسم بشیر، صبا زکاء زرگر، یاسمین کنول، اقرأ فاطمہ، عاصمہ عبدالمالک، سونی، تانی، ملک غزالہ روشی، سمیرا طیبہ خاور جی اور ملالہ اسلم بہت خوب۔ مہوش، انیلا شبنم علیشہ، جازبہ عباسی، وقاص عمر شاہ، عائشہ پارس، محسن عزیز، سونیا گل، حنا گل، ایس این شہزادی اور رابعہ عمران ویل ڈن۔ ڈش مقابلہ صبا ایشل جی تیار کریں فش سینڈوچ آئی ایم کمنگ (ہاہاہا)۔ بیوٹی گائیڈ صحیح رہا، نیرنگ خیال ایمن وقار جی ساڈے نال کی ناراضگی؟ حمیرا قریشی، لیلیٰ رب نواز، فہد علی عباسی، لاریب ملک، سلمیٰ صفی ویل ڈن۔ فاطمہ مشہد، شیریں گل، حرا وارثی، ثوبیہ جواد (رلا دیا) نورین مسکان، مسز نگہت غفار، وقاص عمر (بہت خوب) مشی خان، سید نیلم شاہ (فنٹاسٹک) اسمارہ یادون (زبردست) اور مریم عنایت سب نے بہت اچھا لکھا، دوست کا پیغام آئے (ہما احمد جی اس دفعہ تو جگہ دے دیں) ہمارے لیے کوئی پیغام نہیں تھا مگر پھر بھی پڑھے۔ یادگار لمحے کے ایم نور، لاجواب لکھا، پروفیسر محمد یونس بہت زبردست بتایا۔ صبا شریف ونڈر فل فروا قیصر ناٹس، ملالہ اسلم لاجواب مدیحہ، اقرأ حفیظ، شہزارہ، سیدہ رابعہ، عظمیٰ بٹ اور وقاص عمر زبردست۔ نگہت غفار فنٹاسٹک رشک حنا فہمیدہ خالق، ام ہانی اور راحیلہ امین بہت زبردست لکھا۔ آئینہ شہلا عامر جی غصہ چھوڑ دی دو بہن؟ فائزہ بھٹی (تھینک یو دوستی کے لیے) انعم زہرہ، سلمیٰ عنایت، اسماء صدیقہ اور ارم کمال لمبے لمبے تبصرے اچھے لگے۔ انیقہ احمد، طیبہ خاور سلطان جی (خوشدلدر ہیں)۔ مدیحہ کرین، سحر بھار ایکس نا، ہم نور انصاری درمیانے سے تبصرے اچھے لگے۔ ہم سے پوچھیے شمائلہ کاشف جی آپ ہم سے بڑا ڈرتی ہیں ہیں ناں بھلا ہاہاہا؟ ارم کمال زبردست نرمین، کرن روشی، مہوش، عائشہ، انیلا، شزا، طیبہ، پروین آپی، نورین اور اسماء گل مزے مزے کے سوالات کیے تھے آپ نے اور جوابات اسپائسی تڑکے والے ہاہاہا۔ آپ کی صحت، کام کی باتیں دونوں ہی اچھے سلسلے۔ اہل پاکستان کو میری طرف سے نئے سال کی بہت بہت مبارک باد ہو منچن آباد والوں اسپیشل آپ کو گرلز ڈگری کالج منچن آباد تمام اساتذہ و طلبہ کو اسپیشل مبارک باد نئے سال کی اور سلامتی ہو۔ خدا کرے نیا سال سب کے لیے رحمتوں، خوشیوں، کامیابیوں، نعمتوں اور چاہتوں بھرا سال ثابت ہو۔ پاکستان کی پاک آرمی اور آنچل اسٹاف پر سلامتی ہو سب خوش رہیں ہنستے بستے رہیں، جگ جگ جئیں اسی کے ساتھ اقرأ جٹ کو دیں اجازت اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر اقراء! آپ کا مفصل تبصرہ پسند آیا۔

فائزہ بھٹی...... پتوکی۔ السلام علیکم پاکستان! کیا حال ہیں آپ کے اللہ پاک آپ سب پر رحمت نازل فرمائے آمین۔ اس دفعہ دسمبر کا شمارہ 27 کو ملا عشاء کی اذانوں کے ساتھ دل باور خوش ہوگیا (پہلے بھی خوش تھا ناں باضافہ ہوگیا)۔ پوری سرورق پر ماڈل گرل کا چہرہ بہت نمایاں کیا گیا تھا اچھا رہا۔ سرگوشیاں اور حمد و نعت سے ہوتے ہوئے در جواب آں پر آنی جی کو دیکھا ملاقاتوں سے ملاقات کرتی پائی گئیں۔ بہترین ملاقات کا اعزاز انہی کو جاتا ہے نازی اللہ پاک آپ کے خالو کو اعلیٰ درجات عطا فرمائے آمین۔ ویسے یہ اچھا کرتے ہیں آپ ناقابل اشاعت کے ساتھ قابل اشاعت کی لسٹ بھی جاری کردیتے ہیں دنیا انتظار کی کوفت سے بچ جاتی ہے۔ اب بات ہوجائے سلسلہ وار ناولز کی تو سب سے پہلے بات ہوگی "تیری زلف کے سر ہونے تک" زہر لگتا ہے اب کایا پلٹ ہوگی آخر سودہ مشکل میں ہے تم ہی کو تو سب سے بڑا ہمدرد بننا ہے۔ خیر خولہ نہیں ہو کیا؟ یہ اپنی کزن کو تو گولی مارو یہ تمہاری اماں کو بھی جانے کب عقل آئے گی۔ ٹھوکر کھانے کا بڑا جی ہے ان کا سودہ یہ ہوئی نا

بات ایسے ہی لاتعلقی کی مار مارتی رہو مقابل لہولہان ہو رہا ہے۔ نوفل تم کس مقام پر جا کر سدھرو گے انشراح بے چاری کی جان الگ جلا رہے ہو۔ ’’شب ہجر کی پہلی بارش‘‘ درمکنون اور صیام تم دونوں میری مانو تو ساتھ بیٹھ کر مسئلے کا حل نکال ہی لو۔ ایویں دل ہولائے دے رہے ہو اپنا بھی اور ہمارا بھی۔ شہرزاد تم تو اچھی خاصی چالاک ہو اب تو وہاں سے جب نکلو گی تب مانیں گے۔ زاویار اچھا ہے رشتے کا احساس تمہیں بھی ہے رشتوں کی پاسداری کامیاب زندگی کا کامیاب نسخہ ہے۔ وہ تو شکر کرو درمکنون نے معاف کردیا پری تم نے اتنی جلدی معاف کیسے کردیا یار ایسے بھی خود کو بے وقعت نہیں کرتے۔ ’’جنوں سے عشق تک‘‘ اس ماہ کی قسط اچھی رہی افکن ایسے ہی رہو آخر کسی ایک نے تو ہار ماننی ہے پھر تم ہی پہل کرلو شہرینا آخر اندر سے موم بتی کی طرح پگھل ہی رہی ہو مگر آہستہ آہستہ...... والدین کے لیے بہترین سبق ہے جب تک وہ خود کو بہتر نہیں کریں گے اولاد کس طرح خود کو بہترین ثابت کرے گی بہتر سے ہی بہترین جنم لیتا ہے۔ ’’ذرا مسکرا میرے گمشدہ‘‘ اندازہ نہ تھا کہ آخری قسط پڑھنے کو ملے گی۔ ایک اچھا ناول اختتام پذیر ہوا فاخرہ گل بہت بہت مبارک باد۔ تخلیق چھوٹی ہو یا بڑی خالق کی محنت کا ثبوت جس کو خراج پیش کرنا میں اپنا فرض گردانتی ہوں سب کچھ آناً فاناً ٹھیک ہوتا چلا گیا ایک کے بعد ایک...... سکندر صاحب اللہ معاف کرے ایسی سزا سے۔ غزنی چلو آخر میں ہی تم نے اپنا آپ منوالیا ورنہ تیری میری جنگ تو پکی تھی اربش موجیں کرو۔ اب اس ناول کی جگہ ایک اور بہترین ناول کے ہم منتظر ہیں (سن لیں مدیرہ جی)۔ ’’تم میرا نصیب ہو‘‘ کچھ خاص تاثر نہ قائم کرسکی آرٹیکل ’’بنام دسمبر‘‘ اقراء حفیظ نے اچھا لکھا دسمبر کے حوالے سے شاعری تو جان ہوا کرتی ہے دل کی سرزمین پر ایک دم ہلچل مچا دینے والی۔ مستقل سلسلے دوست کا پیغام آئے شکریہ میرا پیغام بھی شائع کردیا۔ کوثر خالد آپ کہاں ہیں بیاض دل تبسم بشیر عروسیا ثمین کنول ثمیرا سواتی طیبہ خاور سلطان انیلا طالب پارس شاہ شبنم کنول نے اچھا لکھا۔ ہمارا آنچل جاذبہ عباسی کہیں ایسا تو نہیں ’’آنکھیں میری ساون بھادوں پھر بھی میرا من پیاسا‘‘ علینہ سعدیہ ہمارے اور آپ کے لیے آنچل آکسیجن کا کام کرتا ہے چلو ہم دونوں دمے کے مریضوں کو بھیجنا شروع کردیتے ہیں۔ ایس این شہزادی کھرل تمہاری ساری ہدایات ہم نے مان لی اب خوش۔ عابدہ خان زیادہ حساسیت بھی اچھی نہیں جینا مشکل ہو جاتا ہے اور ایک اور بات سعدیہ حورعین بنوں چلو کسی بہانے ہی سہی تم نے ہنس تو لیا اب اس دعا کے ساتھ کہ اللہ پاک آپ سب اور ہم پر کرم فرمائے آمین۔

ثناء بشیر قریشی...... لاہور۔ السلام علیکم! جی تو دوستوں میں ہوں ثناء عرف قباچہ اب تو آپ سب مجھے جانتے ہی ہوں گے آخر کو پچھلے ڈیڑھ سال سے ہم بھی مسلسل ہی کسی نا کسی سلسلے میں شامل ہو ہی رہے ہیں۔ اس بار دو ماہ غائب ہونے کی وجہ شادی تھی جو 7 ستمبر کو ہوئی 17 ستمبر کو میری سالگرہ تھی۔ دو ماہ ایسے مصروف گزرے کہ پتا ہی نہیں چلا بس جب امی ابو سب یاد آتے ہیں تو پھر رو دیتی ہوں مگر اللہ کا شکر ہے میں اپنے گھر میں خوش ہوں اپنے بہن بھائی ہیں جن کے ساتھ لاہور میں رہتی ہوں۔ اس بار سوچا کیوں نہ آئینہ کی محفل میں شرکت کی جائے ہمیں سب مس کررہے ہوں گے آخر دو ماہ شرکت جو نہیں کی۔ میں نے تو سب دوستوں کو یاد کیا نازی آپی کو اللہ صحت دے اور وہ ہمارے لیے یونہی پیاری پیاری کہانیاں لکھتی رہیں سمیرا آپی اب جلدی سے ’’جنوں سے عشق تک‘‘ کا بھی اینڈ کردیں۔ ’’تیری زلف کے سر ہونے تک‘‘ پلیز اشی کو نانو سے بچائیں اور نوفل کی غلط فہمی دور کردیں کہ ہر لڑکی اس کی ماں کی طرح نہیں ہوتی سب لڑکیوں کو ایک ہی نظریہ سے دیکھنا چھوڑ دے اور اشی کو پیار کی نظر سے دیکھے۔ لاریب کو اشی سے سوگز دور رکھے ابھی تک ڈائجسٹ دیکھا ہی نہیں سوچا پہلے لکھ کر بھیج دوں پھر پڑھوں گی کہیں پیچھے ہی نہ رہ جاؤں ویسے ہم پیچھے رہنے والے ہیں تو نہیں آگے ہی ہوتے ہیں ہر کام میں ہاہاہا۔ اچھا اس دفعہ اتنا ہی ٹھیک ان شاء اللہ اگلے ماہ بھرپور تبصرے کے ساتھ شرکت کریں گے یہ دعا آنچل کے لیے۔

وہ مقام ملے تجھے جو ملا نہ ہو کسی کو
میری آرزو سے بڑھ کر تیری جستجو سے زیادہ

اللہ سب کو خوش رکھے اپنے خرچے پر ہاہاہا۔ پاکستان اللہ کی مدد سے رات دن ترقی کرے سب کے لیے نیا سال خوشیوں کا گہوارہ ثابت ہو کسی کو کوئی غم نہ ملے کسی کی آنکھ نم نہ ملے آمین۔

شازیہ ہاشم عرف تمثال ہاشمی میواتی...... کھڈیاں خاص۔ السلام علیکم! ڈیئر مدیرہ اینڈ اسٹاف آف آنچل اور سویٹ سوئیٹ سی آنچل ریڈرز۔ اس دفعہ آنچل 23 تاریخ کو ملا دوڑ تو 21 سے لگانا شروع کی تھی لیکن ہوتا تو وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ آنچل جیسے ہی کھولا فہرست پر نظر پڑی تو پانی آ گیا چائے کا سوچ کر او ہو یہ تو جوہر جوشاندہ ہے چلو خیر یہ بھی کام آ سکتا ہے آگے بڑھے تیرا روپ بہت خوب پڑھ کر تو حلقنا الانسان فی احسن تقویم پڑھ کر اسٹاپ نہیں کیا آگے سفر جاری رکھا حجاب کی جھلکیاں دیکھ کر دل ناتواں کو تسلی کا کاسہ تھما کر بڑی ہمت سے حوصلے کا دامن تھماتے ہوئے کہا کہ مل ہی جائے گا۔ دس بارہ کو واہ جی واہ آگے ایک ماں بچے کے ساتھ مسکراتی نظر آئی بہرحال وگورین ساڈے کم دی ہیں اسیں تاحال کنواریاں دی لسٹ وچ شامل آں ہاہاہا۔ آگے اشتہارات سے گزرنے کے بعد سرگوشیاں پڑھ کر ڈیئر مدیرہ دل چاہا کہ آپ کے کان میں ہی کچھ سرگوشی کے انداز میں کہوں ذرا آپ اپنا کان ادھر کریں۔ ڈیئر آنچل فرینڈز کیوں گھور رہی ہو میں نے کچھ نہیں کہنا۔ بس اتنا کہنا ہے کہ میں آپ سے ناراض نہیں ہوں کیونکہ آپ نے میرا خط آئینہ میں شامل نہیں کیا بلکہ بہت خوش ہوں چلو آپ کی ردی کی ٹوکری کا تو پیٹ بھر گیا باقی خیر ہے اس کے بعد حمد و نعت سے مستفید ہوئے دل نے کچھ الفاظ کو رقم کرنے پر مجبور کردیا۔

نزول رحمت حق ہے مدینے میں
بنا ہے گنبدا خضرا جگر مدینے میں
اِدھر زباں سے نکلی اُدھر قبول ہوتی ہے
دعا میں اتنا اثر ہوتا ہے مدینے میں

دانش کدہ میں مشتاق احمد قریشی کو پڑھ کر دل سے بلاساختہ یہ دعائیں نکلتی ہیں کہ......

تُو روشن ستارہ ہے آنچل کے اسٹاف میں
پھیلاتا رہے تو یونہی علم اور عمر ہو دراز تیری

(آمین یارب العالمین)۔ ہمارا آنچل جازبہ عباسی تمہارے تعارف کے پہلے شعر نے دل پر ایسا وار کیا کہ خود بخود آگے بڑھتی چلی گئی' اچھا لگا آپ کے بارے میں جان کر اللہ آپ کے جذبہ حصول علم کو سلامت رکھے۔ علینہ سعدیہ! سسٹر دھیان سے پڑھا کرو اپنی پڑھائی پر فوکس کرو' او کے چندا۔ ایس این شہزادی واہ' کوکنگ یار میں تو خود بہت اچھی کرتی ہوں اب تو دل کر رہا ہے تمہارے ہاتھوں کا پکا ہوا کھایا جائے لیکن خیالی پلاؤ ہی پکا سکتی ہوں ایسا سوچ لو خیر' عابدہ خان آپ پٹھان فیملی سے ہو یا میوات سے تعلق ہے ٹیل می۔ آپ کے شاندار خیالات اچھے لگے' ذرا مسکرا میرے گمشدہ'' فاخرہ گل تصویر پر دیکھ کر کچھ ایسا محسوس ہوا کہ اب فاخرہ گل گلوں جیسے الفاظ کے ساتھ اپنے قارئین کی سواگت کرنے لگی ہیں' واہ فاخرہ ماشاء اللہ آپ کو اتنا زبردست ناول لکھنے پر دل کی گہرائیوں سے مبارک باد۔ ارتش اور اجیہ مل گئے دل کو سرور دے گئے اور خاص الخاص بات جو آخری قسط میں سب سے اچھی لگی' وہ غزنی کا اپنی ماں کا کہنا ماننا اور یادگار مسکراتے منظر کی پک بنانا تھا' امید ہے ڈیئر آپی گل! آپ کسی اور منفرد موضوع پر قلم آزمائی کر کے جلد ہی فلک آنچل پر تابندہ ستارہ کی مانند چمکے گی' ان شاء اللہ۔ ''تیری زلف کے سر ہونے تک'' اقرأ آپی بہت زبردست موڑ آ گیا' زید اور سودہ والا ان کو ضرور ملا دینا۔ ان کو نفرت اور انا کی آگ میں نہ دھکیلنا۔ مجھے زید اور سودہ کی جوڑی بہت اچھی لگتی ہے آگے دوڑ لگائی ''شب ہجر کی پہلی بارش'' ڈیئر نازی آپی! پلیز اب شہزاد کو ان کی قید سے رہائی دلا دے' دُرِ مکنون کو صیام کا ہی بنانا اور سدید علوی کو کہاں غائب کر دیا ہے۔ زاویار کا بہن کے لیے محبت کا جذبہ دیکھ کر آنکھیں نم ہو گئیں پھر چلی دوسری تحریروں کی طرف اریشہ غزل ''تم میرا نصیب ہو'' محبت کی بارش میں بھیگے بھیگے الفاظ محبت کی سچائی سے روشناس کروا کر اپنے حقیقت کو منوا گئے پھر ''جنوں سے عشق تک'' ڈیئر سمیرا آپی! آپ کے ناول پر بھرپور تبصرہ مکمل ہونے پر کروں گی' ان شاء اللہ یار زندہ صحبت باقی۔ ''سنہرا عکس'' پڑھ کر محبت کے عجب انداز پر ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی اور وہ بھی ایک ایس پی کی اور شاہین کا عفت کی دوستی میں عجب جانثارانہ جذبہ اچھا لگا۔ ''محبت لوٹ بھی سکتی ہے'' نگہت عبداللہ نے اچھا لکھا باقی سب نے بھی اچھا لکھا مگر سلمیٰ فہیم ''راہ ہدایت'' شاندار تھا' اس دفعہ اگر یہ کہا جائے گا کہ تمام ناولز' افسانے اور ناولٹ پر سب سے زیادہ غلبہ پانے والی یہی تحریر تھی تو بے جا نہ ہوگا' اللہ آپ کے قلمی سفر کو یونہی رواں دواں رکھے آمین۔ بیاض دل میں سب کے شعر ہی اچھے تھے' نیرنگ خیال میں کالج کی لڑکی پڑھ کر بلاساختہ ہنسی آئی۔ لیلیٰ ڈیئر کیا حقیقت سنائی ہے' شہداء کے لحاظ سے ساری نظمیں اچھی تھیں لیکن میں نے ماہ ربیع الاول کے حوالے سے نعتیہ کلام بھیجا جو آپ نے شائع نہیں کیا چلو خیر امید پر دنیا قائم ہے۔ دوست کا پیغام آئے' فائزہ ڈیئر جزاک اللہ خیراً کثیرا آپ نے مجھے یاد رکھا اور اکتوبر کا آنچل میں آپ کو بھیج دوں گی مجھے مکمل ایڈریس دے دو اگر چاہو تو کال کر کے یا میسج کر کے بتا دینا' آنٹی کوثر' آنٹی ارم اور آنٹی پروین افضل آپ سب کیسی ہو؟ اللہ آپ کو خوش رکھے' عائشہ رحمن ہنی میرے نام تمثال کا معنی ہے ''گڑیا'' چندا مثال کہاں گم رہتی ہو یار حاضری دو جلدی سے۔ میزاب مسکان کیسی ہو؟ اور آنٹی نجم انجم اعوان کیا حال ہیں؟ آخر میں سب قارئین کو نئے سال کی مد پر دعاؤں کی درخواست' ایک شعر کے ساتھ اجازت۔

ملیں گے دوبارہ رب نے اگر چاہا شاکر
ورنہ رکھنا دعاؤں میں یاد دوستو

نبیلہ اور سعدیہ سحر کو خصوصی سلام۔

☆ ڈیئر شازیہ! آپ کا جامع و مفصل تبصرہ پسند آیا۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ رب العزت ہم تمام مسلمانوں کی پریشانیاں دور فرمائے اور ہماری مشکلوں کو آسان فرمائے' پاکستان کو رہتی دنیا تک قائم و دائم رکھے آمین۔



aayna@aanchal.com.pk

ہم سے پوچھیے

شمائلہ کاشف

نجم انجم اعوان...... کراچی

س: آپ کو پتا ہے کہ میرے ملک صاحب کو ابھی تک یقین ہی نہیں آتا کہ میں واقعی شاعرہ بن چکی ہوں؟

ج: شادی کے چند سال بعد بیوی کو نا پہچاننے والے حالات ہوجاتے ہیں یہ تو غیر معمولی بات ہے۔

س: ہم جن سے وفا کی توقع رکھتے ہیں تو وہ وفا کیوں نہیں کرتا؟

ج: اس عمر میں بھی وفا ڈھونڈتی ہو' جب بچپن پچپن میں ڈھل گیا۔

س: سب لوگوں کی دسمبر کے ساتھ یادیں وابستہ ہوتی ہیں مگر میری یادیں جنوری سے ہی کیوں وابستہ ہیں؟

ج: کیونکہ اس مہینے تمہاری شادی ہوئی تھی' دیکھا مجھے یاد ہے تم نے آج تک مٹھائی نہیں کھلائی کنجوس۔

س: میں اس سے بچھڑی تھی اپنی یاد دلانے کے لیے مگر اس کم بخت نے تو میرے بنا جینا ہی سیکھ لیا۔

ج: اب اس کم بخت کو چھوڑ کر ملک صاحب پر دھیان دو کہیں وہ بھی......

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

س: گھر میں داخل ہوتے ہی میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین کو میری شکل دیکھتے ہی غصہ کیوں آجاتا ہے؟

ج: کیونکہ باہر والی کے مقابلے میں گھر والی ماسی لگتی ہوگی اس لیے۔

س: نادان مال کو عقل مند کمال کو ڈھونڈتا ہے' کیا اس لیے ارم کمال نے......؟

ج: جی بالکل' اسی لیے ارم صاحبہ نے کمال کے کمال صاحب ڈھونڈ لیے اور آپ نے نادانی کا مظاہرہ کرتے نام کے پرنس سے دھوکا کھالیا۔

س: جب شوہر بیوی سے بے زار نظر آنے لگے اور اس کی سالگرہ پر اسے تحفہ بھی نہ دے تو کیا سمجھنا چاہیے؟

ج: کیا پتا ریڈیو والی نے اکسایا ہو اور پیسے لے کر خود شاپنگ پر چلی گئی ہو۔

سمیرا سواتی...... بھیر کنڈ

س: دل کرتا ہے ساری دنیا سو جائے (تھوڑی دیر کے لیے) اور میں اور...... اور کیا ہو پھر......؟

ج: سب کے فریج سے کھانا کھا کر مزید موٹی ہوجاؤں' ندیدی۔

س: بائے آپی جارہی ہوں' وہ آپ کے بچوں کی آوازیں آرہی ہیں' فیڈر مانگ رہے ہیں' جائیں دیں؟

ج: کتنی ظالم ماں ہو اپنے بچے میرے سر تھوپے جارہی ہو اور اگلی بار کہو گی میں تو غیر شادی شدہ ہوں۔

ارم کمال...... فیصل آباد

س: مرد حضرات اپنے دل کو ہاتھوں میں لیے کیوں پھرتے ہیں' جلدی سے بتادیں؟

ج: تاکہ جہاں بھی کوئی حسین مہ جبین نظر آئے اسے ہاتھوں ہاتھ لیں۔

س: شمائلہ جی! طوفان کی آمد محسوس ہوتے ہی کیا کرنا چاہیے؟

ج: اس کا رخ ساس کی طرح کردینا چاہیے خود ہی سرد پڑجائے گا۔

س: دیرینہ خواہش کسے کہتے ہیں' کیا آپ جانتی ہیں؟

ج: شادی شدہ لوگوں کی کنوارے رہنے کی آرزو اور کیا ہوگی۔

س: شوہر کی کون سی بات بیوی کے چھکے چھڑوا دیتی ہے؟

ج: آئندہ تمہارے ہاتھ پر ایک پیسہ نہیں رکھوں گا۔

س: ساتھ والی پڑوسن زیادہ ہی آنا جانا شروع کردے تو کیا کرنا چاہیے؟

ج: اپنی کنواری نند کی تعریف کرنا شروع کردیں دوبارہ کبھی نہیں آئے گی۔

بنت حوا...... نامعلوم

س: شمائلہ جی کیسے مزاج ہیں' کیسا لگا میرا دوبارہ آنا؟

ج: آندھی طوفان سے کم نہیں۔

س: شمو جی اگر کوشش کے باوجود بھی نیند نہ آئے تو کیا کرنا چاہیے؟

ج: چھوٹے بہن بھائیوں کے سر میں جوئیں دیکھ لینی چاہیں۔

س: جملہ مکمل کریں...... اب نام محبت پر......

ج: اعتبار نہیں۔
س: شموجی آپ خود کو بے بس کب محسوس کرتی ہیں؟
ج: جب تم فضول سے سوال کرتی ہو۔
س: کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ......
ج: سچ بتاؤ تم سوچتی ہو یقین نہیں آ رہا۔

مہرین صف بٹ..... آزاد کشمیر

س: کیسے مزاج ہیں؟
ج: بہت ہی اچھے۔
س: ہمیں پہچانا ہم وہی ہیں جن سے آپ؟
ج: جھاڑو پوچھا لگواتی ہیں اُف کتنی بدل گئی ہو تم کشمیر جا کر بالکل گائے ہوگئی ہو۔
س: سولہ سنگھار سے ہی چاروں طاق اور چودہ طبق کیوں روشن ہوتے ہیں؟
ج: سولہ سنگھار سے ہی نہیں ایک کان کے نیچے دھرنے سے بھی چودہ طبق روشن ہوجاتے ہیں جیسے ابھی تمہارے۔
س: ویسے تو آپ کہتی ہیں ہم سے پوچھیے پر اچھے سے جوابات تو دینے سے رہیں پر کوئی گل نئی اچھی سی دعا ہی دے دیں؟
ج: جاؤ خوشی خوشی اپنے گھر جہاں ساس نندیں تمہارا انتظار کررہی ہیں۔

مدیحہ نورین مہک..... گجرات

س: آداب آپی جان کیسی ہیں آپ؟
ج: بتسلیم شہزادیوں جیسی جل گئی ناں۔
س: ہم لوگ پھٹا ہوا دودھ گرا دیتے ہیں اور دہی کیوں کھا لیتے ہیں؟
ج: تا کہ منہ میں دہی جما سکیں۔
س: کوے کی مونث کوی ہوتی ہے یا کوئی......؟
ج: تم کو لوگ کیا کہتے ہیں یہ بتاؤ پہلے۔
س: آپی لوگ میری ہنسی سے اتنا جلتے کیوں ہیں؟
ج: جلتے نہیں خوف زدہ ہوتے ہیں اتنی خوف ناک جو ہے۔
س: محبوب کی آواز کو کوے کی آواز سے کیوں نہیں ملاتے؟
ج: لیکن میں تو تمہاری آواز کو ملاتی ہوں۔
س: محبوبہ کی چال کو بھینس کی چال سے کیوں نہیں ملاتے؟
ج: سچ بتاؤ تم چھانگا مانگا کے جنگلات سے ہوناں جو صرف جانور کی بات کررہی ہو۔
س: اگر لوگ ریموٹ پر چلتے تو......؟
ج: تو میں تمہارا میوٹ کا بٹن دبا دیتی کس قدر چلتی ہے زبان۔

شمائلہ جٹ..... چیچہ وطنی

س: آپی یہ لیں مٹھائی کھائیں میری مانو نے نرسری میں ٹاپ کیا ہے؟
ج: اب تو تم بھی شرم کرلو اتنی سی بچی تم سے آگے نکل گئی۔
س: اسکول سے آ کر میری مانو میری استانی کیوں بن جاتی ہے؟
ج: تا کہ تم بھی کچھ سیکھ لو۔
س: کبھی کبھی دل کرتا ہے کہ......؟
ج: تھوڑی سی عقل ادھار لینے کو سچ میں تمہارا دل بہت اچھا ہے اسے دوسرں کا بہت خیال ہے۔

روشی وفا..... ماچھیوال

س: خوب صورت سی آنکھیں معصوم سا چہرہ میٹھی سی آواز پیارا سا اخلاق خوش مزاج انداز...... یہ تو ہوئی میری بات اور سناؤ کیسی ہو آپ؟
ج: اگر جو میں نے اپنی بات کی تو تم پانی بھرنے چلی جاؤ گی ابھی آئی ہو بیٹھ جاؤ۔
س: آپی جب درد حد سے گزر جائے تو پھر کیا کیا جائے؟
ج: کسی اور کو وہ درد ادھار دے دو۔

شازیہ ہاشم میواتی..... کھڈیاں خاص

س: میرے آنے سے چونک کیوں گئیں آپ؟
ج: تم جو بھوتنی بن کر آؤ گی تو چونکنا تو کیا ہر بندہ ہی ڈر جائے گا۔
س: ارے پیار سے دیکھیں میں ابھی چلی جاؤں گی؟
ج: تم اتنی آسانی سے جان چھوڑنے والی کہاں خیر مجبوری ہے۔

انیلا طالب..... گوجرانوالہ

س: پیاری آپی شمائل! میرا کچھ بھی کھانے کو دل نہیں کرتا؟
ج: پہلے ہی کھا کھا کے بارہ من کی دھوبن بن گئی ہو اب کہتی ہو کھانے کو دل نہیں کرتا۔
س: دسمبر میں میری سالگرہ ہے مجھے ابھی سے فکر کیوں لگی ہوئی ہے؟

ج: تحفہ لینے کے لیے تم ایسے ہی ندیدی ہوجاتی ہو مگر کیک کسی کو نہیں کھلاتیں۔
س: گرما گرم پزا، مدھر موسیقی، ٹھنڈی کولڈ ڈرنک ہو تو......؟
ج: میکے کی آزادی کا احساس ملتا ہے۔
س: ایمان سے آپ نے میرے سوالوں کے جواب نہ دے کر دل توڑ دیا اب نہ دیئے تو؟
ج: یہ دل خود ہی جڑ بھی جائے بہت ڈھیٹ ہے ناں۔

اقرا جٹ...... منچن آباد

س: شعر مکمل کریں......
بے وفائی، جفا، آنسو، کسک، درد، غم دل
ج: محبت کی ابتدا ہے تو انتہا کیا ہوگی
س: ہمارے حسن کے بہت چرچے ہیں جو دیکھتا ہے دل ہار بیٹھتا ہے بس آپی جانی جلیں مت؟
ج: ہاں اسی حسن کی وجہ سے کوئی تمہیں لفٹ نہیں کراتا۔

ایس شہزادی کھرل...... جڑانوالہ

س: کیسی ہیں جی؟ شمائل ذرا مسکرایئے۔
ج: بہت خوب صورت، اسمارٹ اور تمہارے جلنے پر میں مسکرا ہی رہی ہوں۔
س: آپی ساگ صرف سردیوں میں آتا ہے گرمیوں میں کیوں نہیں؟
ج: کیونکہ تم سردیوں میں سارا کھا کر ختم کردیتی ہو اس لیے۔
س: آپی میری چھوٹی سسٹر مجھے گھور کر کیوں دیکھتی ہے جب میں ہم سے پوچھیئے میں سوال لکھ رہی ہوتی ہوں؟
ج: تم جو اس سے ہر سوال پوچھ کر لکھتی ہو اور اس پر نام اپنا لگاتی ہو۔
س: مدیحہ نورین مہک ہمیں اچھی بہت لگتی ہے بھلا کیوں؟
ج: تمہیں لفٹ جو نہیں کرواتی اس لیے۔
س: سب کچھ چھوڑ کے آنا تو ساون آیا ہے آپی میری دوست سے کہہ دو نا پلیز شمو جی؟
ج: وہ تو سب چھوڑ کے آ بھی جائے گی یہ بتاؤ اس کا خرچہ تم اٹھاؤ گی۔
س: ایک سوال رہ گیا ہے بھلا کون سا پلیز آپ ہی بتادیں ناں آپی؟
ج: میری شادی کب ہوگی؟ جب تم خاموشی سے گھر کے کام کروگی تب۔

ایس این شہزادی کھرل...... جڑانوالہ

س: شمائلہ جی کیسی ہیں؟
ج: بالکل ٹھیک، اے ون، تم کیوں لنگڑاتی ہوئی آرہی ہو؟
س: شما! آپ ہمارے سوالوں سے اتنا گھبراتی کیوں ہے؟
ج: تمہارے فضول سوالوں سے میں ہی پڑھنے والے بھی گھبرا جاتے ہیں۔
س: آپی! آپ نے پی ایچ ڈی کس یونیورسٹی سے کیا ہے؟
ج: سب بتادوں، پھر تم اپنا دفتر کھول لوگی "آیئے پوچھیے" کے نام سے۔
س: آپی آپ بہت اچھی ہیں۔
ج: مکھن لگا رہی ہو پھر بھی میں تمہیں ادھر نہیں دوں گی۔
س: آپ اتنی کنجوس کیوں ہیں؟
ج: تم سے تو کم ہی ہو۔

شبنم کنول...... پاپانگری، حافظ آباد

س: کیسی ہیں آپ؟
ج: بہت خوب صوت، اسمارٹ، جل گئیں ناں۔
س: آپی میں نے سنا ہے آپ مجھے یاد کررہی تھیں؟
ج: ہاں، برتن بہت جمع ہوگئے ہیں شاباش شروع ہوجاؤ۔
س: کیا آپ بھی دسمبر میں اداس ہوتی ہیں؟
ج: نہیں، یہ کام تم بہت اچھا کرتی ہو۔
س: کس کو یاد کرتی ہیں مجھے یا......؟
ج: تمہی بتاؤ میرے سوٹ کب سی کردو گی۔
س: او سنیں، سردیاں آگئیں، کیا آپ نے رضائیاں نکال لی ہیں؟
ج: ہاں، اب جاؤ جاکر انہیں دھوپ میں ڈال آؤ۔
س: چلو غصہ نہ کرو مینوں اجازت دیو، اللہ حافظ۔
ج: ارے اتنی جلدی ابھی تو جھاڑو پونچھا رہتا تھا۔

آپ کی صحت

عدیل رضا، لاہور سے لکھتے ہیں کہ میرے بال بہت کمزور ہیں، گر بھی رہے ہیں اور گنج پن نمایاں ہوتا جارہا ہے، اس مسئلے کے حل کے لیے خط میں 1200 روپے رکھ کر ارسال کررہا ہوں۔ خط میں میرا موبائل نمبر بھی موجود ہے جیسے ہی خط مل جائے کال کرکے مطلع کردیں۔

محترم ہم نے بارہا لکھا ہے کہ رقم ہمیشہ منی آرڈر کے ذریعے ارسال کریں مگر پھر بھی آپ نے یہ غلطی کی ہے۔ ہیئر گرور آپ کو روانہ کردیا گیا ہے۔ آئندہ منی آرڈر یا ایزی پیسہ کے ذریعے آرڈر کریں، منی آرڈر کا طریقہ اپنے قریبی ڈاکخانے سے معلوم کرلیں۔ دوبارہ منگوانے کے لیے مبلغ 700 روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں۔ آپ کو ایک بوتل بھیج دی جائے گی۔

محمد ارسلان، ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لکھتے ہیں کہ میری شادی کو 5 سال ہوچکے ہیں، ازدواجی زندگی میں مسائل کا سامنا ہے جس کی وجہ سے میں بہت پریشان رہتا ہوں، بڑی امید کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ میرے مسئلے کا مناسب حل بتائیں۔

محترم آپ Staphisagaria 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں اور ڈاکٹر صاحب کا بنایا ہوا خاص طلاء بذریعہ منی آرڈر منگواسکتے ہیں جس کی قیمت 800 روپے ہے۔ ان شاء اللہ بہت افاقہ ہوگا۔

انیلا رحمٰن، گجرانوالہ سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 32 سال ہے، میرا مسئلہ یہ ہے کہ صبح اُٹھ کر بستر سے نکلتے ہی چھینکیں آتی ہیں، آنکھوں سے پانی آتا ہے، چھینکیں اتنی شدید ہوتی ہے کہ پورا جسم ہل جاتا ہے، حلق خشک ہوجاتا ہے، منہ بھی خشک ہوتا ہے لیکن پیاس نہیں لگتی۔

محترمہ آپ Sabadilla 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔

سائرہ بانو، لاہور سے لکھتی ہیں کہ میں یونیورسٹی میں پڑھتی ہوں، جب بھی پڑھنے بیٹھتی ہوں آنکھوں میں درد شروع ہوجاتا ہے، باریک لکھا ہوا یا زیادہ دیر تک پڑھنے سے آنکھوں میں جلن محسوس ہوتی ہے، پڑھتے وقت الفاظ ایک دوسرے پر چڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں، میری پڑھائی متاثر ہورہی ہے برائے مہربانی میرے لیے کوئی دوائی تجویز کریں۔

محترمہ آپ Ruta 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

صالحہ خان، بنوں سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بہت زیادہ بال ہیں، میری چھ ماہ بعد شادی ہے، میں چاہتی ہوں کہ شادی سے پہلے غیرضروری بال ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں۔

محترمہ اس کے لیے آپ کو ہمارا تیار کردہ Aphrodite Hair Inhibitor استعمال کرنا ہوگا۔ آپ ہمیں مبلغ 900 روپے بذریعہ منی آرڈر یا ایزی پیسہ (اکاؤنٹ نمبر 03494900800) کریں۔ آپ کو ایک بوتل آپ کے گھر بھیج دی جائے گی۔ اس کے استعمال سے فائدہ ہوگا۔

زرینہ عامر، حیدرآباد سے لکھتی ہیں کہ سینے میں بلغم بھرا ہوا ہے، سانس لینے میں بلغم کی آواز بھی محسوس ہوتی ہے، کھانسی بھی ہوتی ہے، کوئی کف سیرپ پی لوتو کھانسی کم ہوجاتی ہے، بلغم ختم نہیں ہوتا، سانس لینے میں دباؤ اور دقت ہوتی ہے۔ کوئی دوائی تجویز کردیں کہ جس سے یہ بلغم نکل جائے اور پرہیز بھی بتادیں جس سے یہ دوبارہ نہ بنے۔ دوسرا مسئلہ میری والدہ کا ہے، ان کو بھوک نہیں لگتی، کچھ بھی کھانے کا دل نہیں چاہتا، دودھ، گوشت ہر چیز بُری لگتی ہے، خالی پیٹ رہنے کی وجہ سے گیس بنتی ہے، اکثر متلی اور قے کی کیفیت رہتی ہے۔

محترمہ آپ Antim Tart 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔ ٹھنڈے پانی اور سرد چیزوں سے پرہیز کریں اور اپنی والدہ کو Ferrum Phos 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں۔

ثمینہ اقبال، ڈیرہ اسماعیل خان سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 30 سال ہے، اکثر معدے میں تیزابیت اور جلن ہوتی ہے، ڈکار کے ساتھ منہ میں پانی آتا ہے، ہلکی غذا کھانے کے بعد بھی معدے میں بے چینی کا احساس ہوتا ہے، ڈکاریں آواز کے ساتھ کثرت سے آتی ہیں، کبھی ڈکار کے ساتھ کھٹا پانی آتا ہے کبھی خالی ڈکاریں بھی آتی ہیں۔ دوسرا مسئلہ میری خالہ کا ہے، ان کو بواسیر کے ساتھ قبض کی بھی شکایت ہے، مسّے پھولے ہوئے باہر کی طرف نکل آئے ہیں، کبھی کبھی اجابت کے دوران خون بھی نکل آتا ہے، کوئی دوائی تجویز کردیں۔

محترمہ آپ Carboveg 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ کھانے سے پہلے پئیں اور اپنی خالہ کو Collinsonia 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں۔

نورین نقوی، اسلام آباد سے لکھتی ہیں کہ میری ایک سہیلی کے ساتھ ناخوشگوار حادثہ ہوگیا تھا، کچھ مہینے بعد اس کی شادی ہے، اس وجہ سے وہ کافی پریشان ہے۔

محترمہ آپ اپنی سہیلی کے مسئلے کے لیے صبح 10 تا 1 بجے، شام 6 تا 9 بجے کلینک کے فون نمبر یا موبائل نمبر 0320-1299119 پر رابطہ کریں۔

سہیل اعوان، ہری پور سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 22 سال ہے، احتلام کی زیادتی کی شکایت ہے اور جسمانی طور پر کافی کمزور ہوں، کوئی دوائی تجویز کردیں۔

محترم Alfalfa Q کھانے سے پہلے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں پئیں اور Acid Phos 30 کھانے کے بعد 5 قطرے آدھا کپ پانی میں پئیں۔ بُری صحبت سے پرہیز کریں، ان شاء اللہ افاقہ ہوگا۔

چوہدری ذوالفقار علی، فیصل آباد سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 25 سال ہے سر کے بال غائب ہونا شروع ہوگئے ہیں میں گنجا ہورہا ہوں اس وجہ سے بہت پریشان ہوں، یہ میرا خاندانی مسئلہ ہے، والد، چچا سب بالوں سے محروم ہوچکے ہیں، مجھے اس کے لیے کوئی مفید علاج بتائیں کہ میرے سر کے بال قائم رہیں اور جو گر چکے ہیں وہ دوبارہ آجائیں، آپ کے ہیئر گرور کی بڑی تعریف سنی ہے، کیا یہ میں استعمال کرسکتا ہوں اور یہ بھی بتادیں کہ کتنی بوتلوں کا مکمل کورس ہے۔

محترم آپ مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر ہمارے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں آپ کو Hair Grower بھیج دیا جائے گا کیونکہ یہ آپ کا خاندانی مسئلہ ہے لہٰذا آپ کو کم از کم چار سے پانچ بوتلیں استعمال کرنی ہوگی، اس کے استعمال سے بال گرنے رک جائیں گے اور سر پر نئے بال پیدا ہوں گے۔

ارم خالد، راولپنڈی سے لکھتی ہیں کہ خط میں الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ بھیج رہی ہوں اور اس کے علاوہ اپنی حالیہ کیفیت بھی خط میں لکھ کر بھیجی ہے۔ آپ کا یہ سلسلہ بہت اچھا ہے، جو لوگ ڈاکٹر کے سامنے اپنی مکمل بات نہیں کرپاتے، وہ خط کے ذریعے اپنے مسئلے کا حل جان سکتے ہیں۔

محترمہ آپ کی رپورٹ مل گئی ہے، آپ Sepia 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

عدنان احمد، سکھر سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 40 سال ہے اور میرا کام نہ صرف محنت طلب ہے بلکہ کام کے اوقات بھی زیادہ ہے، جس کی وجہ سے اکثر میرے گھٹنوں میں درد رہتا ہے جبکہ سکائی کرنے سے یا دبانے سے تھوڑا آرام محسوس ہوتا ہے برائے مہربانی میرے لیے کوئی دوا تجویز فرمائیں اور دوائی منگوانے کا طریقہ بھی بتادیں۔

محترم آپ Bryonia 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔ اس کے علاوہ جوڑوں کے درد کے لیے ہمارے کلینک کے پتے پر مبلغ =/700 روپے کا منی آرڈر بھیج دیں، ایک بوتل ApheroditePain Killer آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

عفت صدیقی، نوکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میری آنکھوں کے نیچے حلقے ہیں، جس کی وجہ سے چہرہ بیماروں جیسا لگتا ہے اور دوسرا مسئلہ میرے سارے جسم پر خشک خارش رہتی ہے، دانے وغیرہ کچھ نہیں ہیں۔ میرے دونوں مسئلوں کے لیے دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ China 3x کے 5 قطرے اور خشک خارش کے لیے Dolichus 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

محمد عرفان، بھاولپور سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ رات کو جب سونے کے لیے لیٹتا ہوں تو دماغ میں خیالات کی بھرمار کی وجہ سے نیند نہیں آتی، اگر خاموش بھی لیٹا رہوں تو کافی دیر کے بعد نیند آتی ہے۔ اور دوسرا مسئلہ میری بہن کا ہے رات کو جب بھی سونے کے لیے لیٹتی ہے کھانسی شروع ہوجاتی ہے، ٹھنڈی ہوا سے کھانسی میں اضافہ ہوتا ہے چادر اوڑھنے کے بعد کھانسی میں کمی آجاتی ہے، کھانسی کی وجہ سے سینے اور پسلیوں میں درد بھی ہوتا ہے۔ دونوں مسئلوں کے لیے دوائی تجویز کردیں۔

محترم آپ Coffea 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں اور اپنی بہن کو Rumex 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں، ان شاء اللہ افاقہ ہوگا۔

صبا، ملیسی سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 19 سال ہے، قد بہت چھوٹا ہے، جبکہ میرے سب بہن بھائیوں کا قد لمبا ہے، کیا میرا قد بڑھ سکتا ہے؟ کوئی دوا تجویز کریں اور یہ بھی بتادیں کہ یہ کتنا عرصہ استعمال کرنی ہے؟ اور اس کا کوئی سائیڈ افیکٹ تو نہیں ہوگا؟

نازیہ شاہین، فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میری بیٹی کا قد چھوٹا ہے، اس کی عمر 16 سال ہے، برائے مہربانی قد بڑھانے کی کوئی دوا بتادیں؟

محترمہ آپ Calcium Phos-6x کی 2 گولیاں دن

میں تین بار کھائیں اور Barium Carb-200 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پئیں۔ یہ دوائیں 6 ماہ تک استعمال کریں ان شاء اللہ قد بڑھنا شروع ہوجائے گا ،اس میڈیسن کے کوئی سائیڈ افیکٹ نہیں ہیں۔

خالد اکرم، لودھراں سے لکھتے ہیں کہ میری کزن کی عمر 16 سال ہے، اس کے چہرے پر دانے نکل رہے ہیں، جو نشان چھوڑ جاتے ہیں اور قد بھی چھوٹا ہے۔ دوسرا مسئلہ میری عمر 21 سال ہے ،میرے چہرے پر بھی دانے ہیں جو نشان چھوڑ رہے ہیں ،پلیز اس کے لیے بھی کوئی دوا تجویز کردیں۔

محترم آپ دونوں Barbaris Equifalium Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔ ان شاء اللہ بہتری آئے گی۔ قد بڑھانے کی دوا اوپر بتادی گئی ہے۔

انیتا فریاد علی، سمندری، فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا خط شائع کیے بغیر تمام مسئلوں کے جواب ضرور دیں۔

محترمہ آپ Pulsatilla 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ کھانے سے پہلے پئیں، ان شاء اللہ دونوں مسئلے حل ہوجائیں گے۔ بہن کو Barbaris Equifalium Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں۔

سدرہ نور، کرک سے لکھتی ہیں کہ میرے کئی مسائل ہیں ،پہلا مسئلہ میری عمر 24 سال ہے اور میرا قد 4 فٹ 7 انچ ہے ،میں اپنا قد مزید بڑھانا چاہتی ہوں۔ دوسرا مسئلہ میری بیٹی کی عمر 2 سال 4 ماہ ہے، اس کا قد 2 فٹ 6 انچ ہے، اس کے لیے بہت فکر مند ہوں، قد چھوٹا ہونا ہمارا خاندانی مسئلہ ہے۔ تیسرا مسئلہ میرے جسم پر گرمیوں کے دانوں کی طرح خارش ہے۔ چوتھا مسئلہ میری بہن جس کی عمر 23 سال ہے اس کے چہرے پر دانے ہیں ،چہرا صاف کرنے کی کوئی اچھی سی دوا تجویز کریں۔ پانچواں مسئلہ مجھے ریاح بہت زیادہ آتے ہیں جس کی وجہ سے بہت شرمندگی ہوتی ہے، خاص کر نیند کی حالت میں ۔ برائے مہربانی میرے تمام مسئلوں کے حل کے لیے دوائیاں تجویز کردیں۔

محترمہ آپ کا قد اس عمر میں نہیں بڑھ سکتا، بیٹی کا قد عمر کے حساب سے صحیح ہے اور اپنے دونوں مسئلوں کے لیے Carboveg 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ کھانے سے پہلے اور Dolichos 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ کھانے کے بعد پئیں۔ اور بہن کو Graphites 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ کھانے سے پہلے پلائیں اور مرچ مصالحے، چکنائی سے پرہیز کریں۔

قدیر احمد، ہیڈ فقیریاں سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 20 سال ہے اور میرا مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز کردیں۔

محترم آپ Caladium 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

فضاء علی، وہاڑی سے لکھتی ہیں کہ میرے مسائل شائع کیے بغیر دوائی تجویز کردیں۔

محترمہ آپ نسوانی حسن کے لیے ہمارے کلینک سے بریسٹ بیوٹی منگوالیں اس کے ساتھ Sabal Serulatta Q کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔ اور گلٹی کے لیے Conium 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں، ان شاء اللہ بہتری آئے گی۔ قبض دور کرنے کے لیے نرم غذا کا استعمال کریں اور پانی زیادہ پئیں۔

منی آرڈر کرنے کا پتا:
ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک
ایڈریس: دکان نمبر C-5 ، کے ڈی اے فلیٹس ،فیز 4، شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14، نارتھ کراچی۔ 75850 فون نمبر: 021-36997059
صبح 10 تا 1 بجے، شام 6 تا 9 بجے۔
ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر: 03494900800
خط لکھنے کا پتا:
آپ کی صحت ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی۔

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

کام کی باتیں

حنا احمد

شرمیلا پن مناسب نہیں

مسائل کو مثبت انداز فکر کے ساتھ دیکھیں

خود کو اجنبی سمجھتے ہوئے یہ بات یاد رکھیں کہ سامنے والا شخص بھی انہی کیفیات کا شکار ہوتا ہے نئے لوگوں کے درمیان جب بھی بیٹھیں تو گفتگو کا آغاز کسی سوال سے کریں جواباً نئے اور اجنبی لوگ بھی اس موضوع پر گفتگو شروع کردیں ایسے میں کمرے کی فضا گرما جائے گی اور اجنبیت کے بادل اڑ جائیں گے۔ اجنبی لوگوں کی ساتھ گفتگو کرنا چنداں مشکل نہیں آپ چاہیں تو اپنے مشاغل، رشتہ داروں، دوستوں اور جاب سے متعلق بات کرسکتی ہیں اور جب آپ لوگوں سے مل کر کمرے سے باہر نکلیں تو اپنی کیفیات کو کسی ڈائری میں نوٹ کرلیں مثلاً واضح طور پر لکھیں کہ کمرے میں داخل ہوتے وقت آپ شرمارہی تھیں، خاموش تھیں، کچھ پریشان تھیں وغیرہ۔ ان کیفیات کو تحریر کرتے ہوئے یقیناً آپ ایک خاص احساس سے گزریں گی اور شرمیلا پن کم ہونا شروع ہوجائے گا۔

شرمیلا پن راتوں رات ختم نہیں ہوسکتا

یہ کیفیت برسوں سے آپ کو اپنی لپیٹ میں رکھے ہوئے ہے فوراً ختم ہونا ناممکن ہے ایسے میں ضروری ہے کہ پہلے پہلے آپ اپنے قریبی ہمسایوں یا رشتہ داروں میں گھلنے ملنے کی کوشش کریں انہیں چائے پر مدعو کریں اس سے کی گئی گفتگو آپ میں اجنبیوں سے ملنے اور بات کرنے کا حوصلہ پیدا کرے گی یہ حوصلہ پاتے ہی کامیابی پر خود کو مبارک باد دینا مت بھولیے گا۔

اچھا سامع بننا سیکھئے

گفتگو کا پہلا اصول یہ ہے کہ آپ خود میں اچھا سامع بننے کی صلاحیت پیدا کریں اچھے جملے سنیں ان کے مطلب پر غور کریں پھر جواباً اپنی بات کہیں لوگوں کو موقع دیں کہ وہ آپ سے اپنی بات کہہ سکیں۔ جملوں کے درمیان مداخلت سے گریز کریں، سامنے والے کو جتادیں کہ آپ ان کی گفتگو میں زبردست دلچسپی لے رہی ہیں، کبھی ایسا سوال مت پوچھیں جس کا جواب یک لفظی ہو۔ سوال کی نوعیت ایسی ہونی چاہیے کہ بولنے والا نان اسٹاپ بولتا رہے۔

اپنا اعتماد کسی اور کے حوالے مت کریں

شرمیلے لوگ اکثر کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کی بیساکھیاں استعمال کریں یہ روش غلط ہے کیونکہ قدرت نے اعتماد کی صلاحیت آپ کو بھی ودیعت کررکھی ہے اس کا استعمال البتہ آپ کو سیکھنا ہے لہٰذا جب بھی کسی اجنبی سے ملاقات کریں تو خوش دلی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں کیونکہ وہ آپ سے اسی خوش دلی کا متمنی ہوتا ہے۔

پیچھے نہیں آگے دیکھیے

کل کیا ہوا تھا اس کے بارے میں آج ہرگز نہ سوچیں کیونکہ جو گزرگیا وہ ختم ہوگیا نہ ہی کہیں جانے سے ہچکچانے کی ضرورت ہے۔ شرمیلا پن اس وقت خاصا تکلیف دہ ہوجاتا ہے جب آپ اپنی تکلیف کو مسلسل برداشت کرتی رہیں اور صرف ایک اجنبی سے نہ ملنے کے خوف کے باعث آزار بڑھتا جائے۔ اس کیفیت سے نجات کے لیے درد کی انتہا کو محسوس کریں یقیناً اس درد کو برداشت کرنے کی بجائے آپ اس اجنبی ڈاکٹر سے ملنا پسند کریں گی۔

اپنی طاقت پر بھروسہ کریں

آپ شرمیلے پن سے نجات حاصل کرنے کے لیے کچھ کرسکتی ہیں تو اس پر ضرور توجہ دیں اور خاص طور پر اس شخص کا جائزہ لیں جو آپ کے خیال میں سب سے زیادہ با اعتماد ہے اور پھر اس کی مثبت عادتوں سے سیکھنے کی کوشش کریں۔

خود کو سمجھائیے کہ اللہ نے ہر شخص کو کوئی نہ کوئی صلاحیت

دی ھے

اپنے آپ میں اعتماد بہت ضروری ہے اور واقعی اللہ نے ہر شخص میں کوئی نہ کوئی خوبی رکھی ہوئی ہے اب تین سوال یاد کرلیں۔

ہر شخص آپ کی سب سے بہترین خوبی سیکھنا چاہتا ہے۔

ہر بات پر کہیں میں کوشش نہیں یقیناً یہ کام کروں گی۔

نئے نئے لوگوں سے میل جول بڑھائیے۔

دو سنہرے اصول اور یاد رکھیں

اگر گفتگو کا موضوع نہ ملے تو اخبار پڑھنا شروع کردیں‘ موضوع گفتگو مل جائے گا۔

کسی بات پر شک ہو تو اس کے بارے سوال کریں شبہ دل میں نہ رہنے دیں۔

خود سے لڑنا چھوڑیں

مہمانوں کی آمد ہو اور آپ اپنے گھر کو بھی سجا ہوا دیکھنے کی زبردست خواہش رکھتی ہوں‘ ہر وقت اپنے ٹیبل کی صفائی ستھرائی‘ الماری کو ترتیب سے رکھنا‘ آپ کے مزاج کا حصہ بن گیا ہو تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ پرفیکشنسٹ ہیں اور جامعیت پسند شخصیت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اکثر و بیشتر ناکام ہوتا ہے۔ آج کی جدید زندگی میں عورت کو کل کے مقابلے میں کہیں زیادہ کام کرنا پڑرہا ہے ایسے میں ہر کام میں جامعیت اور کامیابی بہت مشکل ہے اسی دنیا میں پرفیکشنسٹ شخص کے مقابلے میں چند لوگ ایسے بھی ہیں جو خود پر شکست خوردہ کا لیبل لگوانا پسند کرلیتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ وہ ہر کام میں کامیابی حاصل نہیں کرسکتے جبکہ جامعیت پسند وقت کے ساتھ ساتھ اپنا پیسہ بھی ایک ایسے کام کو مکمل کرنے میں ضائع کردیتی ہیں جو ممکن ہو ہی نہیں سکتا۔ جامعیت پسند شخص کے لیے اس کی یہ عادت نہ صرف خطرناک ہوتی ہے بلکہ اس کی یہ عادت نہ صرف اس کے کیریئر پر اثر انداز ہوتی ہے بلکہ تعلقات اور صحت بھی متاثر ہوتے ہیں۔

آپ جامعیت پسند کس طرح بنتے ہیں

ہماری اکثر عادات ایسی ہوتی ہیں جو ہم ورثے میں حاصل کرتے ہیں مثلاً اگر والدین میں یہ عادت ہے تو آپ میں بھی منتقل ہوگی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ بچپن ہی سے والدین کی عادات کی نقل کرتے ہوں اور اب جامعیت پسندی آپ کی اپنی عادت بن چکی ہے۔

ماحول بھی جامعیت پسندی کا سبب ہوسکتا ھے

گھٹن بھرے ماحول میں اکثر لوگ جامعیت پسندی کے خول میں چھپ کر زندگی گزارنے لگتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ گھٹن کی طرف توجہ دے کر اسے ختم کریں وہ ہر شے کو مکمل بنانے کی طرف توجہ مرکوز کرلیتے ہیں۔

شخصی کمزوری

بچپن میں بعض بچوں پر ان کے والدین ''ناکارہ'' کا ایسا بورڈ لگادیتے ہیں کہ وہ بچہ شخصی طور پر بالکل دب جاتا ہے اور خود کو ناکارہ سمجھنے لگتا ہے۔ والدین یہ نہیں سمجھتے کہ بچے کو برا بھلا کہنے کی بجائے اگر اس عادت کو خراب کہہ دیا جائے تو بچہ احساس کمتری کا شکار نہیں بنتا نہ ہی وہ خود کو پرفیکشنسٹ بنانے کی کوشش کرتا ہے اس کے علاوہ بچپن سے محبت کے متلاشی بالغان میں بھی جامعیت پسندی کی ایک بڑی محبت کا ارتکاز حاصل کرنا ہے اکثر یہ لوگ بچپن ہی سے محبت کے متلاشی ہوتے ہیں‘ ایسے لوگ جو بچپن میں زیادتی کا شکار ہوئے ہوں وہ بھی اس داغ کو دھونے کے لیے خود کو ''مسٹر کمپلیٹ'' بنانے میں مصروف ہوجاتے ہیں پھر کسی دوسرے میں موجود ہلکی سی کمی بھی انہیں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگتی ہے۔

جویریہ ضیاء......کراچی

WWW.URDUSOFTBOOKS.COM